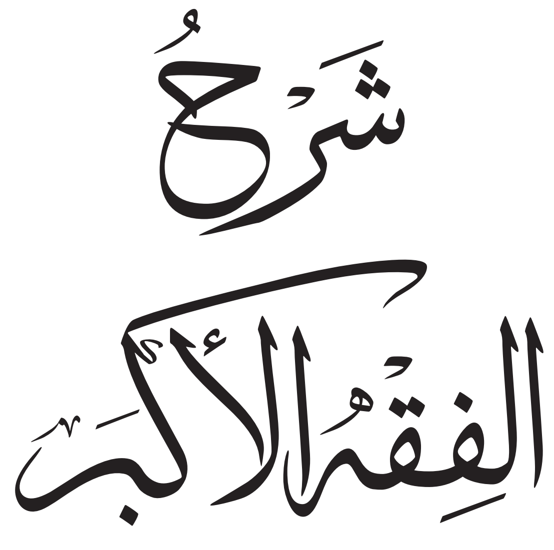
شرح

الفقه الأكبر

للإمام الأعظم أبي حنيفة رحمه الله



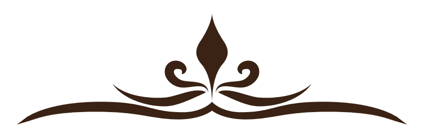
مرکز اھل السنۃ والجماعۃ سرگودھا



للإمام الأعظم أبي حنيفة رحمه الله



مرکز اھل السنۃ والجماعۃ سرگودھا



نام کتاب	....	شرح الفقہ الأکبر
تالیف:	....	مولانا محمد الیاس گھمن
تاریخ اشاعت	....	2021ء
باراشاعت	....	اول
تعداداشاعت	....	2100
ناشر	....	دارالایمان

ملنے کا پتہ



87 جنوبی لاہور روڈ سرگودھا

0321 6353540

www.ahnafmedia.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقدیم

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ أَمَّا بَعْدُ!

شریعت کے پانچ اجزاء ہیں:

اعتقادات، عبادات، معاملات، اخلاقیات اور معاشرات

دین اسلام میں ”اعتقادات“ بنیادی اہمیت کے حامل ہیں۔ انہی کی درستی پر دیگر اعمال کی قبولیت موقوف ہے۔ اگر اعتقادات درست ہوں تو اعمال بھی بارگاہِ الٰہی میں شرفِ قبولیت پا لیتے ہیں اور اگر یہ اساس ہی فاسد ہو تو باقی اعمال کی قبولیت ناممکن ہے۔ اس لیے کامیابی اور کامرانی کے حصول کے لیے اعتقادات کا درست رکھنا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔

عقائد کی مسلّمہ اہمیت کے پیشِ نظر ہم نے اکابرین و اسلاف امت کے مرتب کردہ متونِ عقائد پر کام کرنے کا سلسلہ شروع کیا ہوا ہے۔ اس سے قبل ہم نے امام ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامہ الطحاوی (ت 321ھ) کی ”العقیدۃ الطحاویۃ“ اور محدث جلیل حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری (ت 1346ھ) کی ”المہند علی المفند“ ترجمہ و تشریح کے ساتھ پیش کی ہے۔ علمی اور عوامی حلقوں میں ان کتب کو بے پناہ پذیرائی حاصل ہوئی ہے جس پر ہم اللہ تعالیٰ کے بے حد شکر گزار ہیں۔

اسی سلسلہ کو آگے بڑھاتے ہوئے ہم نے امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت الکوفی رحمۃ اللہ علیہ (ت 150ھ) کی کتاب الفقہ الاکبر براویۃ الامام حماد بن الامام الاعظم ابی حنیفۃ رحمہما اللہ کا انتخاب کیا ہے جو دیگر متونِ عقائد سے زماناً مقدم ہونے کے ساتھ ساتھ اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد پر جامع اور مختصر متن ہے۔

بندہ نے پہلے اس جامع متن کو متعدد بار اندرون وبیرونِ ملک کے کئی احباب کو درساً پڑھایاہے جس کی مختصر روائیداد یہ ہے:

1:	اپریل2019ء	دورہ تحقیق المسائل مرکزاھل السنۃ والجماعۃ سرگودھا
2:	اگست2019ء	دورہ تحقیق المسائل کراچی
3:	دسمبر2020ء	آن لائن، علمائے افغانستان (مجلس الفقہ الاسلامی افغانستان)
4:	جنوری2021ء	آن لائن، علمائے ترکی
5:	فروری2021ء	آن لائن، علمائے انگلینڈ
6:	فروری2021ء	آن لائن، علمائے امریکہ
7:	فروری2021ء	آن لائن، علمائے انڈیا

متعدد بار درس دینے کے بعد ہم نے الفقہ الاکبر کی شرح تحریر کی ہے۔ شرح لکھتے وقت ان امور کا اہتمام کیاہے:

☼ شروع میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے حالات کو مختصراً بیان کیا ہے ورنہ آپ کی شخصیت تو ایک عظیم الشان کتاب کی متقاضی ہے۔

☼ راویِ کتاب امام حماد بن ابی حنیفہ رحمہا اللہ کے حالات زندگی کو بھی اختصار کے ساتھ ذکر کیاہے۔

☼ الفقہ الاکبر کے اس نسخہ (جس کی ہم نے شرح لکھی ہے) کی صحتِ استناد پر گفتگو کی ہے اور اکابر واسلاف وغیرہ سے اس کا ثبوت پیش کیاہے کہ یہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ ہی کی کتاب ہے۔ چنانچہ تیرہ (13) حضرات کے حوالہ جات پیش کیے ہیں جنہوں نے "الفقہ الاکبر" کو امام اعظم رحمۃ اللہ کی کتاب قرار دیاہے۔ نیز اس ضمن میں بعض مخالفین اور بعض موافقین کی جانب سے "الفقہ الاکبر" کے امام صاحب کی

کتاب ہونے پر جو چند ایک اشکالات کیے گئے تھے ان کا بھی جواب دیا ہے۔

☼ متن کا سلیس اور عام فہم اردو ترجمہ کیا ہے۔

☼ ہر عقیدہ کی تشریح وتوضیح کی ہے۔

☼ ان عقائد کو مدلل کرنے کے لیے قرآن وحدیث سے دلائل کو ذکر کیا ہے۔

☼ بیشتر مقامات پر اکابرین واسلافِ امت کی تشریحات کو بھی ذکر کیا ہے۔

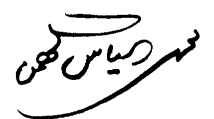
☼ بعض مقامات پر اہم اشکالات کا جواب بھی دیا ہے۔

☼ بعض تعارضات کو بھی حل کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال رہی تو ان شاء اللہ اس سلسلے کو آگے بڑھایا جائے گا تاکہ اھل السنۃ والجماعۃ کے مستند و معتبر متون امت کے سامنے آسکیں اور امت ان سے مستفید ہوسکے۔

قارئین سے گزارش ہے کہ اگر کوئی غلطی دیکھیں تو مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح کی جاسکے۔

محتاجِ دعا



استنبول، ترکی

جمعۃ المبارک؛7-ربیع الثانی1442ھ 12-نومبر 2021ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے حالات

نام، کنیت اور سلسلۂ نسب:

آپ کا نام ''نعمان'' اور کنیت ''ابو حنیفہ'' ہے۔ سلسلۂ نسب یوں ہے:

نعمان بن ثابت بن نعمان بن المَرزُبان.

(تاریخ بغداد: ج 11 ص 233، الخیرات الحسان لابن حجر المکی: ص 22)

امام صاحب کے دادا ''زُوطیٰ'' اور پڑدادا ''ماہ'' کے نام سے بھی جانے جاتے ہیں لیکن مذکورہ سلسلۂ نسب میں امام صاحب کے دادا اور پڑدادا کے مذکورہ اسماء (نعمان اور مرزبان) آپ کے پوتے امام اسماعیل بن حماد رحمۃ اللہ علیہما کے بیان کردہ ہیں۔ معلوم یوں ہوتا ہے کہ امام صاحب کے دادا کا اصل نام ''زُوطیٰ'' تھا، جب انہوں نے اسلام قبول کیا تو ان کا نام بدل کر ''نعمان'' رکھ دیا گیا۔ اسی طرح ''ماہ'' اور ''مرزبان'' بھی بظاہر ہم معنیٰ الفاظ معلوم ہوتے ہیں، ممکن ہے کہ یہ ایک ہی اسم ہو اور آپ کے پڑدادا کا لقب ہو، نام ان کا کچھ اور ہو جیسا کہ بعض مؤرخین نے یہی خیال ظاہر بھی کیا ہے۔ آپ کی کنیت ''ابو حنیفہ'' اور نام ''نعمان'' کے لطائف آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیں۔

خاندانی پسِ منظر:

آپ کے خاندان کا تعلق کس علاقے سے تھا؟ اس کے متعلق مؤرخین مختلف الآراء ہیں۔ بعض نے بابل، بعض نے ترمذ اور بعض نے کابل وغیرہ جیسے شہروں کے نام لیے ہیں۔ تاہم مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ آپ فارسی النسل ہیں اور ایک

آزاد خاندانی پس منظر رکھتے ہیں۔ آپ رحمہ اللہ کا خاندان کبھی کسی زمانہ میں غلامی سے دوچار نہیں ہوا۔ امام صاحب کے پوتے اسماعیل بن حماد رحمہا اللہ کا بیان ہے:

أَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ حَمَّادِ بْنِ النُّعْمَانِ بْنِ ثَابِتِ بْنِ النُّعْمَانِ بْنِ الْمَرْزُبَانِ مِنْ أَبْنَاءِ فَارِسِ الْأَحْرَارِ وَاللهِ! مَا وَقَعَ عَلَيْنَا رِقٌّ قَطُّ.

تاریخ بغداد: ج11 ص233

ترجمہ: میں اسماعیل بن حماد بن نعمان بن ثابت بن نعمان بن مرزبان ہوں۔ ہمارا تعلق فارس کے آزاد لوگوں سے ہے۔ واللہ! ہم لوگ کبھی غلامی کا شکار نہیں ہوئے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا خاندان مشرف بہ اسلام ہوا تو شہر کوفہ میں آکر قیام پذیر ہوا۔ قبولِ اسلام کے بعد آپ کے خاندان کو بعض رشتہ داروں کی جانب سے پریشانی کا سامنا کرنا پڑا جس سے تنگ آکر انہوں نے ہجرت کا ارادہ کیا۔ نعمان (سابقہ نام زُوطیٰ) نقد اثاثہ لے کر مکہ مکرمہ جانے کا ارادہ رکھتے تھے۔ یہ دور خلیفہ رابع حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت کا دور تھا اور آپ رضی اللہ عنہ نے شہر کوفہ کو اپنا دار الخلافۃ بنایا ہوا تھا۔ نعمان (زُوطیٰ) اپنے سفر ہجرت کے دوران کوفہ شہر پہنچے تو پھر وہیں کے ہو کر رہ گئے۔ آپ نے مکہ مکرمہ جانے کا ارادہ ترک کر دیا اور کوفہ ہی میں مستقل سکونت اختیار کر کے کپڑے کی تجارت شروع کر دی۔

تاریخی روایات کے مطابق امام صاحب کے دادا نعمان بن مرزبان حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں فالودہ کا ہدیہ لے کر حاضر ہوئے تھے۔ امام ابو بکر احمد بن علی بن ثابت بن احمد الخطیب البغدادی (ت 463ھ) رقمطراز ہیں:

وَالنُّعْمَانُ بْنُ الْمَرْزُبَانِ أَبُوْ ثَابِتٍ هُوَ الَّذِيْ أَهْدٰى لِعَلِيِّ بْنِ أَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ الْفَالُوْذَجَ فِيْ يَوْمِ النَّيْرُوْزِ فَقَالَ: نَوْرُوْزُنَا كُلَّ يَوْمٍ.

تاریخ بغداد: ج11 ص233

ترجمہ: ثابت کے والد نعمان بن مرزبان ہی وہ شخصیت ہیں جنہوں نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں نوروز کے دن فالودہ ہدیہ کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”ہمارا تو ہر دن نوروز ہے۔“

اور خود آپ کے والد ”ثابت“ بچپن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش ہوئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے اور ان کی اولاد کے لیے برکت کی دعا کی۔ امام صاحب کے پوتے اسماعیل کا بیان ہے:

وُلِدَ جَدِّیْ فِیْ سَنَةِ ثَمَانِیْنَ وَذَهَبَ ثَابِتٌ إِلٰی عَلِیِّ بْنِ أَبِیْ طَالِبٍ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ وَهُوَ صَغِیْرٌ فَدَعَا لَهٗ بِالْبَرَكَةِ فِیْهِ وَفِیْ ذُرِّیَّتِهٖ وَنَحْنُ نَرْجُوْ مِنَ اللهِ أَنْ یَّكُوْنَ قَدِ اسْتَجَابَ اللهُ ذٰلِكَ لِعَلِیِّ بْنِ أَبِیْ طَالِبٍ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ فِیْنَا.

تاریخ بغداد: ج 11 ص 233، اخبار ابی حنیفۃ للصیمری: ص 2

ترجمہ: میرے دادا (امام ابو حنیفہ) سن 80 ہجری میں پیدا ہوئے۔ (میرے دادا کے والد) ثابت بچپن میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے اور ان کی اولاد کے لیے برکت کی دعا کی۔ ہمیں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دعا ہمارے حق میں قبول فرمائی ہے۔

ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے گہرا تعلق رہا ہے۔ غالباً یہی تعلق ثابت اور ان کی اولاد کے لیے خصوصیت سے دعا کرنے کا سبب بنا۔

تاریخ ولادت:

امام صاحب کی ولادت سن 80 ہجری میں شہر کوفہ میں ہوئی۔

تاریخ بغداد: ج 11 ص 236، سیر اعلام النبلاء: ج 5 ص 531

آپ کے مولد و مسکن کوفہ کا علمی مقام:

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جس دور میں آنکھ کھولی وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا درخشاں دور تھا۔ شہر "کوفہ" آپ کی جائے ولادت بنا جو مرکز علم و فن تھا۔ اس شہر کی بنیاد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حکم سے محرم الحرام سن 17 ہجری میں رکھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ کی بڑی تعداد، مختلف اقوام اور اہلِ فن و حرفت سے اس شہر کو بسایا گیا۔ تابعی کبیر فقیہ العراق امام ابراہیم بن یزید بن قیس بن اسود النخعی (ت 96ھ) فرماتے ہیں:

هَبَطَ الْكُوفَةَ ثَلَاثُمِائَةٍ مِنْ أَصْحَابِ الشَّجَرَةِ وَسَبْعُونَ مِنْ أَهْلِ بَدْرٍ.

الطبقات الکبریٰ لابن سعد: ج6 ص4

ترجمہ: بیعت رضوان میں شریک تین سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ستر بدری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کوفہ میں سکونت پذیر ہوئے۔

امام احمد بن عبد اللہ بن صالح العجلی الکوفی (ت 261ھ) فرماتے ہیں:

نَزَلَ الْكُوفَةَ أَلْفٌ وَخَمْسُ مِائَةٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

تاریخ الثقات للعجلی ص517 باب فیمن نزل الکوفۃ وغیرھا من الصحابۃ

ترجمہ: کوفہ میں پندرہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آکر فروکش ہوئے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اس قدر کثیر تعداد میں آمد سے شہر کوفہ قرآن و سنت کے زمزموں سے گونج اٹھا۔ مزید براں خلیفہ رابع حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس شہر کو دار الخلافہ بنانے اور دیگر کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد جید سلاطین علم حضرات تابعین کرام رحمہم اللہ کی آمد نے اس شہر کی اہمیت کو چار چاند لگا دیے۔ علامہ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن عثمان ذہبی (ت 748ھ) لکھتے

ہیں:

اَلْكُوْفَةُ نَزَلَهَا جَمَاعَةٌ مِنَ الصَّحَابَةِ، كَابْنِ مَسْعُوْدٍ، وَ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ، وَ عَلِيِّ بْنِ أَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ وَ خَلْقٍ مِنَ الصَّحَابَةِ ثُمَّ كَانَ بِهَا مِنَ التَّابِعِيْنَ كَعَلْقَمَةَ، وَ مَسْرُوْقٍ، وَ عُبَيْدَةَ، وَ الْأَسْوَدِ ثُمَّ الشَّعْبِيِّ، وَ النَّخْعِيِّ، وَ الْحَكَمِ بْنِ عُتَيْبَةَ، وَ حَمَّادٍ، وَ أَبِيْ إِسْحَاقَ، وَ مَنْصُوْرٍ، وَ الْأَعْمَشِ، وَ أَصْحَابِهِمْ.

الامصار ذوات الآثار للذھبی: ص3

ترجمہ: شہر کوفہ میں حضرت ابن مسعود، حضرت عمار بن یاسر اور حضرت علی جیسے جلیل القدر اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بڑی تعداد آکر قیام پذیر ہوئی۔ پھر تابعین میں علقمہ، مسروق، عبیدہ، اسود، شعبی، نخعی، حکم بن عتیبہ، حماد، ابو اسحاق، منصور اور اعمش جیسے افراد بھی اس شہر کی زینت بنے۔

قراء سبعہ میں سے تین قراء کرام؛ قاری عاصم، قاری حمزہ اور قاری کسائی رحمہم اللہ شہر کوفہ میں قیام پذیر تھے۔

فقہ اھل العراق وحدیثھم للکوثری: ص21

علامہ محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی (ت676ھ) کوفہ کا تعارف ان الفاظ میں کرواتے ہیں:

دَارُ الْفَضْلِ وَمَحَلُّ الْفُضَلَاءِ.

شرح مسلم للنووی: ج1 ص185

ترجمہ: یہ شہر (کوفہ) فضیلت کا گھر اور فضلاء کا محل ہے۔

صحیح البخاری کے رواۃ میں تین سو سے زیادہ راوی کوفہ کے رہنے والے تھے۔ خود امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری (ت256ھ) شہر کوفہ کی اہمیت ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

دَخَلْتُ إِلَى الشَّامِ وَمِصْرَ وَالْجَزِيْرَةِ مَرَّتَيْنِ وَإِلَى الْبَصْرَةِ أَرْبَعَ مَرَّاتٍ وَأَقَمْتُ

بِالْحِجَازِ سِتَّةَ أَعْوَامٍ وَلَا أُحْصِيْ كَمْ دَخَلْتُ إِلَى الْكُوْفَةِ.

ہدی الساری لابن حجر: ص670

ترجمہ: میں (طلبِ حدیث کے سلسلہ میں) شام، مصر اور جزیرہ دو مرتبہ گیا، چار مرتبہ بصرہ گیا، چھ سال تک حجاز میں مقیم رہا لیکن میں شمار نہیں کر سکتا کہ کوفہ کتنی بار گیا!

کوفہ کے اس مختصر سے تعارف سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی جائے ولادت اور مسکن وہ شہر بنا جو علومِ اسلامیہ کا مرکز اور منبع رہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور سے لے کر شہر بغداد کے تعمیر ہونے تک وسعتِ علم اور کثرتِ حدیث میں بلادِ اسلامیہ میں امتیازی حیثیت کا حامل رہا۔

امام صاحب کے ابتدائی حالات:

آپ کے والد ماجد کا پیشہ ریشمی کپڑے کی تیاری اور تجارت کا تھا اس لیے آپ نے بھی یہی پیشہ اختیار کیا۔ آپ نے ریشم کا کارخانہ قائم کیا ہوا تھا جس کی آمدن کو اپنی ضروریات میں خرچ کرنے کے ساتھ ساتھ دیگر فقراء ومساکین پر بھی صرف فرمایا کرتے تھے۔ آپ نے کسی کے سامنے دستِ سوال دراز نہیں فرمایا۔ علامہ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن عثمان ذہبی (ت748ھ) آپ کے حالات میں لکھتے ہیں:

جَمَعَ الْفِقْهَ وَالْعِبَادَةَ وَالْوَرَعَ وَالسَّخَاءَ وَكَانَ لَا يَقْبِلُ جَوَائِزَ الدَّوْلَةِ بَلْ يُنْفِقُ وَيُؤْثِرُ مِنْ كَسْبِهٖ، لَهٗ دَارٌ كَبِيْرَةٌ لِعَمَلِ الْخَزِّ، وَعِنْدَهٗ صُنَّاعٌ وَأُجَرَاءُ.

العبر فی خبر من غبر للذھبی: ج1 ص164

ترجمہ: امام صاحب کی شخصیت فقہ، عبادت، پرہیز گاری اور سخاوت جیسی صفات کی جامع تھی۔ اصحابِ سلطنت کے عطایا کو قبول نہیں فرماتے تھے بلکہ آپ اپنی کمائی سے دوسروں پر خرچ کرتے اور انہیں (خود پر) ترجیح دیتے تھے۔ ریشم بنانے کے لیے ایک

بڑا کارخانہ قائم کیا تھا جس میں کاریگر اور مزدور طبقہ کام کرتا تھا۔

تحصیلِ علم کی ابتداء:

ابتداء میں امام صاحب چونکہ تجارت کے پیشے سے وابستہ تھے اس لیے بازاروں اور تاجروں کے پاس آمدورفت رہتی تھی۔ امام ابو عمر عامر بن شراحیل الشعبی (ت 103ھ / 106ھ) کا گھر بازار کے قریب ہی تھا۔ مثل مشہور ”اَلْوَلَدُ یُعْرَفُ فِی الْمَهْدِ“ (کہ بچہ پنگھوڑے میں ہی پہچانا جاتا ہے) کے پیشِ نظر امام صاحب کے چہرہ پر علم و عمل کے آثار اور ذہانت و فطانت کے احوال نمایاں رہتے تھے۔ ایک دن آپ اپنے کسی تجارتی کام کے سلسلہ میں بازار سے گزر رہے تھے۔ امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ امام صاحب کو جاتے ہوئے دیکھ کر سمجھے کہ کوئی طالب علم جارہا ہے۔ انہیں اپنے پاس بلایا اور پوچھا کہ آپ کس کے ہاں آتے جاتے ہیں؟ امام صاحب نے کسی تاجر کا نام لیا تو امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

لَمْ أَعْنِ الِاخْتِلَافَ إِلَى السُّوْقِ، عَنَيْتُ الِاخْتِلَافَ إِلَى الْعُلَمَاءِ فَقُلْتُ: أَنَا قَلِيْلُ الِاخْتِلَافِ إِلَيْهِمْ فَقَالَ: لَا تَفْعَلْ! وَعَلَيْكَ بِالنَّظْرِ فِي الْعِلْمِ وَمُجَالَسَةِ الْعُلَمَاءِ، فَإِنِّيْ أَرٰى فِيْكَ يَقْظَةً وَحَرْكَةً. قَالَ: فَوَقَعَ فِيْ قَلْبِيْ مِنْ قَوْلِهٖ فَتَرَكْتُ الِاخْتِلَافَ إِلَى السُّوْقِ، وَأَخَذْتُ فِي الْعِلْمِ. فَنَفَعَنِيَ اللهُ بِقَوْلِهٖ.

عقود الجمان للصالحی: ص162، 163

ترجمہ: میرا پوچھنے کا مقصد یہ نہیں تھا کہ آپ بازار میں کس کے پاس آتے جاتے ہیں بلکہ میں یہ پوچھنا چاہتا تھا کہ آپ علماء میں سے کس عالم کے پاس جاتے ہیں؟ امام صاحب نے جواب دیا کہ میں علماء کے پاس بہت کم جاتا ہوں۔ اس پر امام شعبی نے فرمایا: اس طرح غفلت کا شکار نہ ہوں بلکہ حصول علم پر توجہ دیں اور علماء کی صحبت کو لازم پکڑیں کیونکہ مجھے آپ میں بیدار مغزی اور قابلیت نظر آرہی ہے۔ امام صاحب

فرماتے ہیں کہ امام شعبی کی یہ بات میرے دل میں گھر کر گئی، لہذا میں نے بازار جانا چھوڑ دیا اور علم حاصل کرنے میں مشغول ہو گیا۔ یوں اللہ تعالیٰ نے مجھے امام شعبی کی بات سے نفع پہنچایا۔

امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ کی نصیحت کا گہرا اثر لیے امام صاحب تحصیلِ علم کی طرف ہمہ تن متوجہ ہوئے اور اس میدان میں اس قدر محنت کی کہ اپنے معاصرین پر فائق نظر آئے۔ علامہ حافظ محمد بن یوسف صالحی الشافعی (ت942ھ) فرماتے ہیں:

فَشَرَعَ حِيْنَئِذٍ فِيْ طَلَبِ الْعِلْمِ فَفَاقَ فِيْهِ أَقْرَانَهٗ.

عقود الجمان للصالحی: ص162

ترجمہ: امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ کی نصیحت کے بعد آپ حصولِ علم میں ایسے مشغول ہوئے کہ اپنے ہم زمان لوگوں پر سبقت لے گئے۔

تحصیل علم کلام:

آپ نے ابتداء میں علم الکلام و الجدال حاصل کیا اور اس میں درجۂ تبحر پر فائز ہوئے۔ اس فن کی بدولت آپ نے فرقِ باطلہ واہلِ ہواء کے ساتھ مناظرے و مباحثے کیے اور اہلِ حق کی حقانیت کا لوہا منواتے رہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا اپنا بیان ہے:

كُنْتُ رَجُلًا أُعْطِيْتُ جَدَلًا فِي الْكَلَامِ، فَمَضٰى دَهْرٌ فِيْهِ أَتَرَدَّدُ، وَبِهٖ أُخَاصِمُ وَعَنْهُ أُنَاضِلُ، وَكَانَ أَصْحَابُ الْخُصُوْمَاتِ وَالْجَدَلِ أَكْثَرُهُمْ بِالْبَصْرَةِ، فَدَخَلْتُ الْبَصْرَةَ نِيْفًا وَعِشْرِيْنَ مَرَّةً، مِنْهَا مَا أُقِيْمُ سَنَةً وَأَقَلَّ وَأَكْثَرَ وَكُنْتُ قَدْ نَازَعْتُ طَبَقَاتِ الْخَوَارِجِ مِنَ الْأَبَاضِيَّةِ وَالصَّفْرِيَّةِ وَغَيْرِهِمْ، وَطَبَقَاتِ الْحَشْوِيَّةِ.

مناقب الامام اعظم للمکی: ج1 ص59، 60

ترجمہ: میں ایک زمانہ تک علم الکلام میں مشغول رہا ہوں اور ایک مدت تک اس قسم

کے لوگوں سے مناظرے کیے ہیں حتی کہ بیس سے زائد دفعہ بصرہ جانے کا اتفاق ہوا جو اس وقت اصحابِ خصومات وجدل کا مرکز تھا۔ مجھے وہاں ہر مرتبہ کبھی سال بھر، کبھی کم اور کبھی زیادہ قیام کرنے کا اتفاق ہوا۔ میں وہاں خوارج کے گروہوں مثلاً اباضیہ، صفویہ اور حشویہ کے فرقوں سے مناظرے کرتا تھا۔

اس دور میں بلادِ عجم ذات وصفات باری تعالیٰ کے متعلق بحث و تمحیص کے سلسلہ میں معروف تھے۔ اسلام جب عرب سے نکل کر دیگر عجمی علاقوں میں پھیلا تو تہذیب وتمدن اور افکار و فہم کے تفاوت کے سبب لوگ اعتقادات میں دقتِ نظر سے کام لینے لگے۔ یوں آہستہ آہستہ اعتقادی ابحاث کا دروازہ کھلنا شروع ہو گیا اور فرقہ ہائے باطلہ مثلاً روافض، خوارج، معتزلہ، جہمیہ وغیرہ نے اعتقاداتِ حقہ کو ٹھیس پہنچانا شروع کی۔ اکابرینِ اہلِ حق ان کے جوابات کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس وقت ان فرقوں کے جوابات دینے کے لیے دینی علوم کے ساتھ ساتھ ذہانت، ذکاوت اور بلندیِ فکر درکار تھی۔ قدرتِ حق نے یہ صلاحتیں امام صاحب میں ودیعت فرمادی تھیں۔ یوں خداداد صلاحیت کے ساتھ ساتھ اس وقت کے ماحول نے امام صاحب کو علم الکلام کا مرجع بنادیا اور فقہائے کرام میں آپ کا شمار اس فن کے اول متکلم کے طور پر ہونے لگا۔

امام ابو منصور عبد القاہر بن طاہر التمیمی البغدادی (ت429ھ) لکھتے ہیں:

وَأَوَّلُ مُتَكَلِّمِيهِمْ مِنَ الْفُقَهَاءِ وَأَرْبَابِ الْمَذَاهِبِ أَبُو حَنِيفَةَ وَالشَّافِعِيُّ فَإِنَّ أَبَا حَنِيفَةَ لَهُ كِتَابٌ فِي الرَّدِّ عَلَى الْقَدَرِيَّةِ سَمَّاهُ " كِتَابَ الْفِقْهِ الْأَكْبَرِ.

کتاب اصول الدین: ص308

ترجمہ: فقہاء اور ارباب مذاہب میں سب سے پہلے متکلم؛ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی ہیں کیونکہ امام ابو حنیفہ کی قدریہ کے رد میں ایک کتاب ہے جس کا نام انہوں نے ”الفقہ

الاکبر“ رکھا۔

فقہ کی طرف توجہ:

تحصیلِ علم کے ابتدائی دور میں امام صاحب کی توجہ زیادہ تر علم الکلام کی طرف رہی۔ بعد میں آپ نے علم الکلام چھوڑ کر امام حماد بن ابی سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کی شاگردی اختیار کر لی اور ان کے حلقہ درس میں شریک ہوئے۔ امام زفر بن ہذیل العنبری (ت158ھ) نقل کرتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

”شروع میں میری توجہ علم الکلام کی طرف زیادہ رہی اور میں اس میدان میں اس درجہ پر پہنچ گیا تھا کہ لوگ انگلیوں سے میری طرف اشارہ کرنے لگے۔ ہم لوگ امام حماد بن ابی سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کے حلقۂ درس کے قریب بیٹھتے تھے۔ ایک دن ایک خاتون آئی اور مسئلہ پوچھنے لگی کہ ایک شخص کے نکاح میں ایسی عورت ہے جو باندی ہے۔ اب وہ شخص اسے طلاقِ سنت دینا چاہتا ہے تو کیسے دے؟ میں نے اسے کہا کہ امام حماد سے جا کر پوچھ لو، پھر جو جواب وہ ارشاد فرمائیں وہ مجھے بھی بتلاتی جانا! اس نے جا کر مسئلہ پوچھا تو امام حماد نے فرمایا: اس عورت کا خاوند اسے ایسے طہر میں ایک طلاق دے دے جس میں اس سے صحبت نہ کی ہو۔ پھر وہ عورت دو حیض عدت گزارے۔ جب وہ دو حیض سے فارغ ہو کر نہالے گی تو اس کے نکاح سے نکل جائے گی اور اگر دوسری جگہ نکاح کرنا چاہے تو کر سکے گی۔ اس عورت نے واپسی پر مجھے بھی یہ مسئلہ بتایا۔ تو میں نے کہا کہ اب مجھے علم الکلام کی ضرورت نہیں۔ یہ کہا، اپنے جوتے اٹھائے اور امام حماد رحمہ اللہ کے درس میں شامل ہو گیا۔ پھر میرا معمول یہ ہو گیا کہ جو مسائل سنتا انہیں یاد کر لیتا اور دوسرے دن دہرا لیتا۔ جب امام حماد وہ مسائل سنتے تو مجھے یاد ہوتے اور باقی ساتھیوں کو یاد نہ ہوتے۔ تو امام حماد نے مجھے حلقۂ درس میں اپنے

سامنے بیٹھنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ یوں امام حماد کے حلقہ درس میں اٹھارہ برس رہا اور ان کی وفات تک ان سے جدا نہیں ہوا۔

مناقب الامام الاعظم للمکی: ج1 ص54، 55

شرفِ تابعیت:

امام صاحب کی پیدائش جس زمانہ میں ہوئی اس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی ایک جماعت بقیدِ حیات تھی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی انعام ہوا کہ آپ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زیارت اور ان سے روایت کرنے کا شرف حاصل ہوا۔

آپ کے تابعی ہونے پر ائمہ کرام کی چند تصریحات ملاحظہ ہوں:

[1]: مورخ علامہ ابو الفرج محمد بن اسحاق المعروف بابن ندیم (ت 385ھ) لکھتے ہیں:

وَكَانَ مِنَ التَّابِعِيْنَ لَقِيَ عِدَّةً مِنَ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ.

الفہرست لابن ندیم: ص342

ترجمہ: امام ابو حنیفہ تابعین میں سے تھے، آپ نے کئی صحابہ رضی اللہ عنہم سے ملاقات کی ہے۔

[2]: امام ابو عمر یوسف بن عبد اللہ ابن عبد البر القرطبی المالکی (ت 463ھ) فرماتے ہیں:

ذَكَرَ مُحَمَّدُ بْنُ سَعْدٍ كَاتِبُ الْوَاقِدِيِّ أَنَّ أَبَا حَنِيْفَةَ رَأَى أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ، وَعَبْدَ اللهِ بْنَ الْحَارِثِ بْنِ جَزْءٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا.

جامع بیان العلم وفضلہ: ص54

ترجمہ: محمد بن سعد جو امام واقدی کے کاتب ہیں، فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ نے حضرت انس اور حضرت عبد اللہ بن الحارث بن جزء رضی اللہ عنہما کو دیکھا ہے۔

[3]:　علامہ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن عثمان ذہبی (ت748ھ) لکھتے ہیں:

وُلِدَ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ وَأَرْضَاہُ .... فِیْ سَنَۃِ ثَمَانِیْنَ فِیْ خِلَافَۃِ عَبْدِ الْمَلِکِ بْنِ مَرْوَانَ بِالْکُوْفَۃِ وَذٰلِکَ فِیْ حَیَاۃِ جَمَاعَۃٍ مِنَ الصَّحَابَۃِ رَضِیَ اللہُ عَنْہُمْ وَکَانَ مِنَ التَّابِعِیْنَ لَہُمْ إِنْ شَاءَ اللہُ بِإِحْسَانٍ فَإِنَّہٗ صَحَّ أَنَّہٗ رَأٰی أَنَسَ بْنَ مَالِکٍ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ إِذْ قَدِمَہَا أَنَسٌ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ.

مناقب الامام ابی حنیفۃ وصاحبیہ للذھبی: ص9،10

ترجمہ: امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سن 80 ہجری میں عبد الملک بن مروان کے زمانہ خلافت میں کوفہ میں پیدا ہوئے۔ اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت باحیات تھی۔ امام ابو حنیفہ - ان شاء اللہ - صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (کی زیارت کی وجہ سے ان) کے تابعین میں شامل ہیں کیونکہ یہ بات صحیح (اور ثابت) ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ جب کوفہ تشریف لائے تھے تو امام صاحب نے ان کی زیارت کی تھی۔

[4]:　امام ابو زکریا یحییٰ بن ابراہیم بن احمد الأزدی (ت550ھ) لکھتے ہیں:

فَأَبُوْ حَنِیْفَۃَ أَدْرَکَ الصَّحَابَۃَ - رَضِیَ اللہُ عَنْہُمْ - فَہُوَ مِنَ التَّابِعِیْنَ.

منازل الائمہ الاربعۃ: ص35

ترجمہ: امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی ہے، اس لیے آپ کا شمار تابعین میں ہوتا ہے۔

[5]:　علامہ حافظ محمد بن یوسف صالحی الشافعی (ت942ھ) فرماتے ہیں:

اِعْلَمْ - رَحِمَکَ اللہُ تَعَالٰی - أَنَّ الْإِمَامَ أَبَا حَنِیْفَۃَ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ مِنَ التَّابِعِیْنَ وَصَحَّ کَمَا قَالَ الْحَافِظُ النَّاقِدُ أَبُوْ عَبْدِ اللہِ الذَّہَبِیُّ أَنَّہٗ رَأٰی أَنَسَ بْنَ مَالِکٍ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ وَہُوَ صَغِیْرٌ.

عقود الجمان للصالحی: ص70

ترجمہ: اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے، یہ بات جان لیجیے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تابعین میں سے ہیں اور جیسا کہ حافظ ناقد امام ابو عبد اللہ ذھبی فرماتے ہیں کہ یہ بات صحیح (اور ثابت) ہے کہ امام صاحب نے بچپن میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی زیارت کی ہے۔

علماء کی تصریحات کے مطابق امام صاحب کے زمانہ میں اکیس صحابہ رضی اللہ عنہم موجود تھے۔

اتحاف الاکابر بحوالہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی تابعیت ص18و57

اور علامہ حسن سنبھلی رحمہ اللہ نے اس فہرست کے علاوہ نو صحابہ رضی اللہ عنہم مزید گنوائے ہیں۔

تنسیق النظام ص10،9

امام صاحب نے جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زیارت کی ہے ہمیں ان میں سے درج ذیل کے اسمائے گرامی میسر ہوئے ہیں:

1: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ

2: حضرت عبد اللہ بن الحارث بن جَزْءِ الزُّبَیْدِی رضی اللہ عنہ

3: حضرت عبد اللہ بن ابی اوفیٰ الاسلمی رضی اللہ عنہ

4: حضرت عبد اللہ بن اُنَیْس رضی اللہ عنہ

5: حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ

6: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ

7: عبد اللہ بن ابی حبیبہ رضی اللہ عنہ

8: حضرت عائشہ بنت عجرد رضی اللہ عنہا

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بشارت نبوی:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ سورت الجمعۃ کی یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی:

وَّاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ

کہ یہ رسول ان لوگوں کے پاس بھی بھیجے گئے ہیں جو ان مسلمانوں سے ابھی تک نہیں ملے!

میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس سے مراد کون لوگ ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب نہیں دیا یہاں تک کہ میں نے تین بار یہی سوال کیا۔ اس وقت ہماری مجلس میں حضرت سلمان فارسی بھی موجود تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان فارسی کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے فرمایا:

لَوْ کَانَ الْإِیمَانُ عِنْدَ الثُّرَیَّا لَنَالَهُ رِجَالٌ أَوْ رَجُلٌ مِنْ هٰؤُلَاءِ

صحیح البخاری: رقم الحدیث 4897

اگر ایمان ثریا ستارے تک بھی پہنچ جائے تو فارس کے کچھ لوگ اسے وہاں سے بھی حاصل کر لیں گے یا یوں فرمایا کہ ان میں سے ایک آدمی اسے وہاں سے حاصل کر لے گا۔

بعض روایات میں "دین" اور بعض میں "علم" کے الفاظ بھی منقول ہیں۔

دیکھیے بالترتیب صحیح مسلم: رقم الحدیث 2546، حلیۃ الاولیاء: ج 6 ص 64

علامہ جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر السیوطی الشافعی (ت 911ھ) فرماتے ہیں:

قَدْ بَشَّرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْإِمَامِ أَبِي حَنِيْفَةَ فِي الْحَدِيْثِ.

تبییض الصحیفۃ ص 59، 60

ترجمہ: اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بشارت دی ہے اس کا مصداق حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ ہیں۔

امام اعظم اور علم حدیث:

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے جب تحصیلِ علم کی ابتدا کی تو علمِ حدیث کے حصول میں بھی مشغول ہو گئے۔ "کوفہ" جو اس وقت علومِ اسلامیہ کا مرکز تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کثیر تعداد کا مسکن بھی؛ علمِ حدیث میں اپنی مثال آپ تھا۔ گزشتہ سطور میں گزرا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جیسے سلاطینِ فن طلبِ حدیث کے سلسلہ میں بے شمار مرتبہ کوفہ کا سفر کر چکے تھے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے شہر کے محدثین سے حدیث کو حاصل کیا اور اس کے علاوہ دیگر بلادِ اسلامیہ کا بھی سفر کیا اور مشائخِ حدیث سے استفادہ کیا۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے معاصر معروف محدث امام مسعر بن کدام (ت 1543ھ) فرماتے ہیں:

طَلَبْتُ مَعَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ الْحَدِيْثَ فَغَلَبَنَا، وَأَخَذْنَا فِي الزُّهْدِ فَبَرَعَ عَلَيْنَا وَطَلَبْنَا مَعَهُ الْفِقْهَ فَجَاءَ مِنْهُ مَا تَرَوْنَ.

مناقب ابی حنیفۃ وصاحبیہ للذھبی: ص38

ترجمہ: میں نے امام ابو حنیفہ کے ساتھ علمِ حدیث حاصل کرنا شروع کیا تو وہ ہم پر غالب آئے۔ پھر جب ہم زہد و تقویٰ میں مشغول ہوئے تو وہ پھر بھی ہم پر غالب رہے۔ پھر ہم نے ان کے ساتھ فقہ حاصل کرنا شروع کی تو فقہ میں بھی ان کی فوقیت آپ کے سامنے ہے۔

علم حدیث میں اس درجہ انہماک اور استنباط مسائل میں قرآن و سنت سے اعتناء آپ کے زمرہ محدثین میں شامل ہونے کی دلیل ہے۔ ذیل میں چند تصریحات

پیش کی جاتی ہیں جن سے امام صاحب کی حدیث میں وسعتِ اطلاع، وفور علم اور جلالتِ شان معلوم ہو گی۔

1: امام ابو عبد اللہ الصیمری رحمہ اللہ اور امام موفق بن احمد المکی رحمہ اللہ نے اپنی سند سے امام حسن بن صالح سے روایت کیا ہے:

كَانَ أَبُوْ حَنِيْفَةَ شَدِيْدَ الْفَحْصِ عَنِ النَّاسِخِ مِنَ الْحَدِيْثِ وَالْمَنْسُوْخِ وَ يَعْمَلُ بِالْحَدِيْثِ إِذَا ثَبَتَ عِنْدَهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَنْ أَصْحَابِهٖ وَكَانَ عَارِفًا بِحَدِيْثِ أَهْلِ الْكُوْفَةِ ... كَانَ حَافِظًا لِفِعْلِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْأَخِيْرِ.

اخبار ابی حنیفۃ للصیمری ص11، مناقب موفق المکی: ج1 ص89 ص90

ترجمہ: امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ ناسخ منسوخ احادیث کی پہچان میں بہت مہارت رکھتے تھے، حدیث جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے اصحاب سے ثابت ہو تو اس پر عمل کرتے تھے اور اہل کوفہ (جو اس وقت حدیث کا مرکز تھا) کی احادیث کے عارف تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری فعل کو خوب یاد رکھنے والے تھے۔

2: امام موفق بن احمد المکی رحمہ اللہ سند صحیح کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فَرُبَمَا وَجَدْتُّ الْحَدِيْثَيْنِ أَوِ الثَّلَاثَةَ فَآتِيْهِ بِهَا فَمِنْهَا مَا يَقْبَلُهُ وَمِنْهَا مَا يَرُدُّهُ فَيَقُوْلُ: هٰذَا لَيْسَ بِصَحِيْحٍ أَوْ لَيْسَ بِمَعْرُوْفٍ فَأَقُوْلُ لَهُ: وَ مَا عِلْمُكَ بِذٰلِكَ؟ فَيَقُوْلُ: أَنَا أَعْلَمُ بِعِلْمِ أَهْلِ الْكُوْفَةِ.

مناقب الموفق ج2 ص151 ص152، مناقب للکردری ج2 ص103

ترجمہ: (امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے قول کی تقویت میں) کبھی مجھے دو احادیث ملتیں اور کبھی تین۔ میں انہیں امام صاحب کے پاس لاتا تو آپ بعض کو قبول کرتے بعض کو نہیں، اور فرماتے کہ یہ حدیث صحیح نہیں یا معروف نہیں، تو میں عرض کرتا: حضرت

آپ کو کیسے پتہ چلا؟ فرماتے کہ میں اہل کوفہ کے علم کو جانتا ہوں۔

3: امام یحی بن نصر بن حاجب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

عِنْدِیْ صَنَادِیْقُ مِنَ الْحَدِیْثِ وَمَا أَخْرَجْتُ مِنْهَا إِلَّا الْيَسِيْرَ الَّذِیْ يُنْتَفَعُ بِهٖ.

مناقب الامام الاعظم للمکی: ج1 ص95 ص96

ترجمہ: میرے پاس احادیث مبارکہ سے بھری ہوئی صندوقیں ہیں۔ میں ان سے وہ بیان کرتا ہوں جن سے (عوام) کو نفع ہو۔

4: امام محمد بن سماع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تمام تصانیف میں ستر ہزار سے کچھ اوپر احادیث ذکر کی ہیں اور اپنی کتاب الآثار چالیس ہزار احادیث سے انتخاب کر کے لکھی ہے۔

مناقب کردری ج1 ص151، ذیل الجواہر المضئیہ لعلی القاری ج2 ص474

آپ کی کتبِ آثار اور مسانید آپ کی فنِ حدیث میں جلالتِ شان پر شاہد عدل ہیں۔ حال ہی میں شیخ مولانا لطیف الرحمٰن بھرائیچی القاسمی دامت برکاتہم نے امام صاحب کی مرویات پہ مشتمل کتاب "الموسوعة الحديثية لمرويات الامام ابي حنيفة" تالیف کی ہے جو بیس ضخیم جلدوں میں زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکی ہے اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کے محدثِ عظیم ہونے کی واضح دلیل ہے۔

امام اعظم کی ثقاہت:

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی امامت، عدالت، ثقاہت مسلّم و متواتر ہے۔

اللمع فی اصول الفقہ: ص77، رسوم التحدیث فی علوم الحدیث: ص100، وغیرہ

اس لیے اصولاً آپ رحمہ اللہ محتاجِ توثیق نہیں، تاہم بطورِ فائدہ واتمام حجت چند محدثین کے توثیقی اقوال پیش کیے جاتے ہیں:

1: امام الجرح والتعدیل امام شعبہ بن الحجاج (ت 160ھ)

امام شبابہ بن سوّار (ت 204ھ) فرماتے ہیں:

كَانَ شُعْبَةُ حَسَنَ الرَّأْيِ فِي أَبِي حَنِيفَةَ.

جامع بیان العلم وفضلہ لابن عبد البر: ج2 ص144

ترجمہ: امام شعبہ؛ امام ابو حنیفہ کے بارے میں اچھی رائے رکھتے تھے۔

2: امام المحدثین امام علی بن المدینی (ت 204ھ) امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

أَبُو حَنِيفَةَ رَوٰى عَنْهُ الثَّوْرِيُّ، وَابْنُ الْمُبَارَكِ، وَحَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، وَهُشَيْمٌ، وَوَكِيعُ بْنُ الْجَرَّاحِ، وَعَبَّادُ بْنُ الْعَوَّامِ، وَجَعْفَرُ بْنُ عَوْنٍ، وَهُوَ ثِقَةٌ لَا بَأْسَ بِهٖ.

جامع بیان العلم وفضلہ لابن عبد البر: ج2 ص144

ترجمہ: امام ابو حنیفہ سے امام سفیان ثوری، امام عبد اللہ بن مبارک، امام حماد بن زید، امام ہشیم، امام وکیع بن جراح، امام عباد بن عوام اور امام جعفر بن عون (وغیرہ) نے روایت کی ہے۔ امام ابو حنیفہ ثقہ تھے، آپ میں (کسی اعتبار سے) کوئی خرابی نہیں ہے۔

3: امام الجرح والتعدیل امام یحیٰی بن معین (ت 233ھ) فرماتے ہیں:

كَانَ أَبُوْ حَنِيْفَةَ ثِقَةً لَا يُحَدِّثُ بِالْحَدِيْثِ إِلَّا مَا يَحْفَظُ، وَلَا يُحَدِّثُ بِمَا مَا لَا يَحْفَظُ.

تاریخ بغداد للخطیب: ج11 ص295

ترجمہ: امام ابو حنیفہ ثقہ تھے۔ آپ وہی حدیث بیان کرتے جو آپ کو (اچھی طرح) یاد ہوتی تھی۔ جو حدیث آپ کو (اچھی طرح) یاد نہ ہوتی اسے بیان نہیں فرماتے تھے۔

امام اعظم اہلِ علم کی نظر میں:

اسلاف واکابرین امت نے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کئی تعریفی کلمات ارشاد فرمائے ہیں جو آپ رحمۃ اللہ علیہ کی عند الناس مقبولیت کا واضح

ثبوت ہیں۔

چند اکابر کے کلمات کو نقل کیا جاتا ہے۔

[1]: امام معمر بن راشد الازدی البصری (ت 153ھ) فرماتے ہیں:

مَا أَعْرِفُ رَجُلًا يُحْسِنُ يَتَكَلَّمُ فِي الْفِقْهِ أَوْ يَسَعُهُ أَوْ يَقِيْسُ وَيَشْرَحُ لِمَخْلُوْقٍ النَّجَاةَ فِي الْفِقْهِ أَحْسَنَ مَعْرِفَةً مِنْ أَبِيْ حَنِيْفَةَ، وَلَا أَشْفَقَ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ أَنْ يُّدْخِلَ فِيْ دِيْنِ اللهِ شَيْئًا مِنَ الشَّكِّ مِنْ أَبِيْ حَنِيْفَةَ.

تاریخ بغداد: ج11 ص242

ترجمہ: مجھے امام ابو حنیفہ سے بڑھ کر فقہ کا ماہر کوئی شخص نظر نہیں آتا جو مخلوقِ خدا کے لیے فقہ و قیاس کے ذریعہ راہ نجات بتانے والا ہو۔ نیز میں نے امام ابو حنیفہ سے زیادہ محتاط بھی کسی شخص کو نہیں دیکھا جو خدا کے دین میں شک کی کوئی چیز داخل کر کے اپنے نفس کے لیے وبال تیار کرنے پر آمادہ نہ ہو۔

[2]: امام مالک بن انس المدنی (ت 179ھ) آپ کے بارے میں فرماتے ہیں:

رَأَيْتُ رَجُلًا لَوْ كَلَّمَكَ فِيْ هٰذِهِ السَّارِيَةِ أَنْ يَجْعَلَهَا ذَهَبًا لَقَامَ بِحُجَّتِهٖ.

تاریخ بغداد: ج11 ص241

ترجمہ: میں نے ایسے شخص کو دیکھا ہے کہ اگر وہ اس لکڑی کے ستون کو سونے کا ثابت کرنا چاہے تو دلائل کی قوت سے اسے ثابت کر سکتا ہے۔

[3]: امام جرح وتعدیل امام یحییٰ بن سعید القطان (198ھ) فرماتے ہیں:

لَا نَكْذِبُ اللهَ! مَا سَمِعْنَا أَحْسَنَ مِنْ رَأْيِ أَبِيْ حَنِيْفَةَ، وَقَدْ أَخَذْنَا بِأَكْثَرِ أَقْوَالِهٖ.

تاریخ بغداد: ج11 ص246

ترجمہ: ہم اللہ پر جھوٹ نہیں بولتے! ہم نے امام ابو حنیفہ کی رائے سے بہتر رائے کسی کی نہیں سنی اور ہم نے ان کے اکثر اقوال لیے ہیں۔

[4]: امام محمد بن ادریس الشافعی (ت 204ھ) فرماتے ہیں:

اَلنَّاسُ عِيَالٌ عَلٰى أَبِيْ حَنِيْفَةَ فِي الْفِقْهِ.

تاریخ بغداد: ج11 ص246

ترجمہ: لوگ میدانِ فقہ میں امام ابو حنیفہ کے خوشہ چین ہیں۔

[5]: امام احمد بن محمد بن حنبل (ت 241ھ) کے بارے میں منقول ہے:

وَكَانَ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ إِذَا ذُكِرَ ذٰلِكَ بَكٰى وَتَرَحَّمَ عَلٰى أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَذٰلِكَ بَعْدَ أَنْ ضُرِبَ أَحْمَدُ.

تاریخ بغداد: ج11 ص234

ترجمہ: امام احمد بن حنبل جب امام ابو حنیفہ کی سزا کو یاد کرتے تو روتے تھے اور ان کے لیے رحمت کی دعا کرتے تھے کیونکہ امام احمد بن حنبل کو بھی سزا سے واسطہ پڑا تھا۔

اساتذہ ومشائخ عظام:

کسی بھی شخصیت کے علمی مقام و مرتبہ اور وسعتِ معلومات کا پتا اس کے اساتذہ ومشائخ سے چلتا ہے۔ طالب علم کو کسی مقام و مرتبہ پر پہنچنے میں جہاں اس کی اپنی صلاحیت کو دخل ہے وہیں اس کے اساتذہ کی خصوصی توجہ، محنت اور شفقتوں کو بھی ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔

امام صاحب کا علمی رسوخ اور فقہ وحدیث میں اعلیٰ مقام ان کے اساتذہ کی خصوصی توجہات کا مرہونِ منت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسے جبالِ علم اور سلاطینِ فن اساتذہ سے نوازا تھا جو اپنے زمانہ میں بے مثل و مشہور تھے۔

امام صاحب کا کوفہ کے اساتذہ فن اور مشائخِ فقہ وحدیث سے علم حاصل کرنا تو واضح ہے لیکن ان کے علاوہ بھی آپ نے دیگر شہروں کے اسفار کیے اور وہاں کے شیوخ سے علم حاصل کیا ہے۔ آپ کے اساتذہ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ علامہ شہاب الدین ابو العباس احمد بن محمد ابن حجر الہیثمی المکی (ت 974ھ) لکھتے ہیں:

وَقَدْ ذَکَرَ مِنْهُمُ الْإِمَامُ أَبُوْ حَفْصٍ الْکَبِیْرُ أَرْبَعَةَ آلَافِ شَیْخٍ.

الخیرات الحسان:26

ترجمہ: امام ابو حفص کبیر نے امام صاحب کے اساتذہ میں سے چار ہزار اساتذہ کا ذکر کیا ہے۔

چند معروف و مشہور اساتذہ کے نام یہ ہیں جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی شامل ہیں:

حضرت انس بن مالک، حضرت عبد اللہ بن الحارث بن جَزْء الزُّبَیْدی، حضرت عبد اللہ بن ابی اوفیٰ الاسلمی، حضرت عبد اللہ بن اُنَیْس، حضرت واثلہ بن الاسقع، حضرت جابر بن عبد اللہ، عبد اللہ بن ابی حبیبہ، حضرت عائشہ بنت عجرد رضی اللہ عنہم، امام حماد بن ابی سلیمان، امام ابو عمرو عامر بن شراحیل الشعبی، امام عطاء بن ابی رباح المکی، امام علقمہ بن مرثد، امام الحکم بن عتیبہ، امام ابو جعفر محمد بن علی، امام سعید بن مسروق الثوری، امام عدی بن ثابت الانصاری، امام ابو سفیان السعدی، امام ہشام بن عروہ، امام قتادہ بن دعامہ بصری، امام محمد بن مسلم ابن شہاب الزہری، امام نافع مولیٰ بن عمر، امام عکرمہ مولیٰ ابن عباس، امام جبلہ بن سحیم، امام عدی بن ثابت، امام عبد الرحمٰن بن ہرمز الاعرج، امام ابو اسحاق سبیعی وغیرہ۔

سلسلہ درس و تدریس:

امام حماد بن ابی سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال سن 120 ہجری میں ہوا تو ان کی مسند کی جانشینی کا معاملہ زیرِ بحث آیا۔ تلامذہ نے ان کے بیٹے کو مسند پر بٹھایا لیکن چونکہ ان پر علمِ نحو اور ادب کا غلبہ تھا اس لیے وہ اس مسند کا حق ادا نہ کر سکے اور جلد ہی مسند کی ذمہ داری سے دستبردار ہو گئے۔ اس کے بعد امام حماد کے دوسرے شاگرد امام موسیٰ بن ابی کثیر رحمۃ اللہ علیہ کو مسند کی ذمہ داری سونپی گئی۔ ان کی قدر و منزلت

لوگوں کے دلوں میں تھی لیکن وہ فقہ میں اس قدر ماہر نہ تھے۔ پھر جب وہ بھی حج پر چلے گئے تو مسند پھر سے خالی ہو گئی۔ آخر کار تلامذہ کی نظریں اب امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر پڑیں کہ آپ ہی وہ شخصیت ہیں جو دوسروں کی نسبت استاذ کے علوم سے زیادہ شناسا ہونے کے ساتھ ساتھ رسوخ فی العلم کے درجہ پر فائز ہیں۔ آپ سے مطالبہ کیا گیا تو آپ نے بسر و چشم قبول کیا۔ یوں آپ اپنے استاذ کی مسند کے جانشین قرار پائے اور بڑی عمدگی سے اس ذمہ داری کو نبھایا۔

مناقب الامام الاعظم للمکی: ج1 ص65، عقود الجمان للصالحی: ص171

آپ کے حلقۂ درس میں مختلف ممالک اور شہروں کے لوگ شریک ہوتے تھے۔ امام محمد بن یوسف صالحی الشافعی (ت942ھ) نے جن ملکوں اور شہروں کی فہرست دی ہے ان میں سے چند معروف نام یہ ہیں:

مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، کوفہ، بصرہ، واسط، موصل، جزیرہ، رَقّہ، نصیبین، دمشق، رَملہ، مصر، یمن، یمامہ، بحرین، بغداد، حُلوان، رَے، طبرستان، نیشاپور، جرجان، بخارا، سمرقند، ترمذ، بلخ، ہرات، سجستان، خوارزم وغیرہ۔

عقود الجمان للصالحی: ص88، 89

تلامذہ امام ابی حنیفہ رحمہ اللہ:

جیسا کہ ابھی مذکور ہوا کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں قرب وبعد کے تلامذہ شریک ہوتے تھے اس لیے ان کی تعداد کا احصاء ناممکن ہے۔ علامہ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن عثمان ذہبی (ت748ھ) لکھتے ہیں:

وَرَوَىٰ عَنْهُ مِنَ الْمُحَدِّثِيْنَ وَالْفُقَهَاءِ عِدَّةٌ لَا يُحْصَوْنَ.

مناقب الامام ابی حنیفۃ وصاحبیہ للذھبی: ص15

ترجمہ: امام ابو حنیفہ سے اتنی کثیر تعداد میں محدثین اور فقہاء نے روایت لی (علم حاصل

کیا) کہ جن کا شمار کرنا ممکن نہیں ہے۔

چند معروف تلامذہ کے اسماء ذکر کیے جاتے ہیں:

امام زفر بن ھذیل، امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم القاضی، امام حماد بن ابی حنیفہ (امام صاحب کے صاحبزادے)، امام حسن بن زیادہ اللؤلوی، امام محمد بن الحسن الشیبانی، امام ابو مطیع حکم بن عبد اللہ البلخی، امام ابیض بن الاغر المنقری، امام اسباط بن محمد القرشی، امام جارود بن یزید النیسابوری، امام جعفر بن عون، امام سلم بن سالم البلخی، امام عبد اللہ بن مبارک، امام ابو یحییٰ عبد الحمید بن عبد الرحمٰن الحمانی، امام عبد الرزاق بن ہمام صاحب المصنف، امام ابو عاصم النبیل، امام سلیمان بن عمرو النخعی، امام سہل بن مزاحم، امام شعیب بن اسحاق الدمشقی، امام عائذ بن حبیب، امام عبد العزیز بن خالد الترمذی، امام عبد الکریم بن محمد الجرجانی، امام علی بن مسہر القاضی، امام عیسیٰ بن یونس، امام محمد بن مسروق الکوفی، امام مکی بن ابراہیم البلخی، امام وکیع بن الجراح، یحیی بن ایوب المصری، امام ابراہیم بن طہمان، امام حمزۃ بن حبیب الزیات، امام ابو یحیٰ الحمانی، امام عیسیٰ بن یونس، امام یزید بن زریع، امام اسد بن عمرو البجلی، امام خارجہ بن مصعب، امام ابو عصمہ نوح بن ابی مریم، امام ابو عبد الرحمٰن المقری وغیرہ رحمہم اللہ۔

تدوینِ فقہِ اسلامی:

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کا اڑھائی سالہ دور حکومت دیکھا۔ اس کے بعد جب یزید بن عبد الملک تخت نشین ہوا تو اس نے کہا کہ عمر بن عبد العزیز فریب خوردہ شخص تھا۔ چنانچہ اس نے اپنے عمال کو حکم جاری کیا کہ آج سے تین سال پہلے کی جو حالت تھی دوبارہ وہی حالات پیدا کیے جائیں۔ چنانچہ ایسا ہوا بھی اور لوگ دوبارہ اسی ابتری کا شکار ہو گئے۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ

علیہ نے جب یہ صورتحال دیکھی تو آپ دو بنیادی کاموں کی طرف متوجہ ہو گئے جن سے اسلامی ریاست قائم کی جاسکتی تھی۔ وہ دو بنیادی کام یہ تھے:

1: قانون سازی

2: افراد سازی

شریعت کو قانون کی شکل دینے کے لیے پرائیویٹ سطح پر ایک ادارہ قائم کیا جس میں مختلف علوم وفنون کے ماہرین بٹھائے اور باہمی مباحثے کرائے۔ محتاط اندازے کے مطابق تقریباً 83 ہزار دفعات پر مشتمل عملی قوانین مرتب فرمائے۔ یوں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے قانون سازی فرمائی۔ فقہ اسلامی کے پہلے مدون امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہی ہیں۔

علامہ جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر السیوطی (ت 911ھ) لکھتے ہیں:

مِنْ مَنَاقِبِ أَبِيْ حَنِيْفَةَ الَّتِي انْفَرَدَ بِهَا أَنَّهُ أَوَّلُ مَنْ دَوَّنَ عِلْمَ الشَّرِيْعَةِ وَرَتَّبَهُ أَبْوَابًا ثُمَّ تَابَعَهُ مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ فِيْ تَرْتِيْبِ الْمُوَطَّا وَلَمْ يَسْبَقْ أَبَا حَنِيْفَةَ أَحَدٌ، لِأَنَّ الصَّحَابَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ وَالتَّابِعِيْنَ لَمْ يَضَعُوْا فِيْ عِلْمِ الشَّرِيْعَةِ أَبْوَابًا مُبَوَّبَةً وَلَا كُتُبًا مُرَتَّبَةً وَإِنَّمَا كَانُوْا يَعْتَمِدُوْنَ عَلٰى قُوَّةِ حِفْظِهِمْ فَلَمَّا رَأٰى أَبُوْ حَنِيْفَةَ الْعِلْمَ مُنْتَشِرًا وَخَافَ عَلَيْهِ الضِّيَاعَ دَوَّنَهُ فَجَعَلَهُ أَبْوَابًا.

تبییض الصحیفۃ للسیوطی: ص138

ترجمہ: امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے خصوصی مناقب میں سے ایک کارنامہ یہ بھی ہے کہ سب سے پہلے آپ نے علم شریعت کی تدوین کی ہے اور ابواب میں اسے مرتب فرمایا ہے، پھر امام مالک بن انس رحمہ اللہ نے موطا میں آپ کی پیروی کی ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے پہلے کسی نے یہ کام نہیں کیا کیونکہ صحابہ کرام و تابعین حضرات نے علوم شریعت میں ابواب اور کتابوں کی ترتیب کا کوئی اہتمام نہ فرمایا تھا بلکہ وہ اپنے حافظہ پر

اعتماد کرتے تھے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے جب علم کو منتشر دیکھا اور اس کے ضائع ہونے کا خطرہ محسوس کیا تو ابواب کی طرز پر مدون کر دیا۔

تدوین کے اس عظیم کام کو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے تنہا اپنی ذات پہ موقوف نہ رکھا بلکہ اس کے لیے مستقل چالیس رکنی کمیٹی تشکیل دی جس میں ماہرین فن کو شامل کیا۔ اسی وجہ سے فقہ حنفی ایک "جامع فقہ" کہلاتی ہے۔

حلیہ و اوصاف جمیلہ:

اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم و عمل کی خوبصورتی کے ساتھ ساتھ ظاہری شکل و صورت کے حسن سے بھی نوازا تھا۔ امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم بن حبیب القاضی (ت 182ھ) آپ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

كَانَ أَبُوْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللهُ رَبْعَةً مِنَ الرِّجَالِ، لَيْسَ بِالْقَصِيْرِ وَلَا بِالطَّوِيْلِ وَكَانَ أَحْسَنَ النَّاسِ مَنْطِقًا، وَأَحْلَاهُمْ نَغْمَةً، حَسَنَ الْوَجْهِ، حَسَنَ الثِّيَابِ، طَيِّبَ الرَّائِحَةِ، سَرِيْعاً إِلٰى مُؤَاسَاةِ الْأَخْوَانِ.

مناقب الائمۃ الاربعۃ للمقدسی: ص72

ترجمہ: آپ کا قد متوسط تھا۔ نہ بہت زیادہ طویل قد تھے نہ کوتاہ قد۔ اندازِ گفتگو بہت اچھا اور آواز انتہائی عمدہ تھی۔ چہرہ حسین، کپڑے خوبصورت اور زیرِ استعمال خوشبو انتہائی عمدہ تھی۔ اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ بہت زیادہ خیر خواہی کا جذبہ رکھنے والے انسان تھے۔

اخلاق واطوار:

آپ رحمۃ اللہ علیہ حرام اشیاء سے سخت اجتناب فرماتے۔ دنیاداروں سے کوسوں دور رہتے۔ آپ کی خاموشی طویل ہوتی۔ ہمیشہ فکر مند رہتے۔ زیادہ گفتگو آپ

کو پسند نہیں تھی لیکن جب آپ سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا اور آپ کو معلوم ہوتا تو پھر خاموش نہ رہتے بلکہ واضح اور عمدہ طور پر جواب مرحمت فرماتے۔ اپنی ذات اور اپنے اعمال دینیہ کی بہت زیادہ حفاظت فرماتے اور لوگوں کی برائی کرنے سے مجتنب رہتے۔ آپ جب کسی کا تذکرہ فرماتے تو بھلائی کے ساتھ فرماتے۔

فضائل ابی حنیفہ لابن ابی العوام: ص47

اللہ تعالیٰ نے آپ کو عقل و دانش اور فہم و فراست سے نوازا تھا۔ مشکل سے مشکل مسئلہ لمحوں میں حل فرمادیتے تھے۔ عبادت و ریاضت، صوم وصلوٰۃ کی پابندی اور شب بیداری آپ کا معمول رہا حتّٰی کہ مورخین نے آپ کی عبادت کو تواتر کا درجہ دیا ہے۔ علامہ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن عثمان ذہبی (ت748ھ) لکھتے ہیں:

قَدْ تَوَاتَرَ قِيَامُهُ اللَّيْلَ وَتَهَجُّدُهُ وَتَعَبُّدُهُ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰى.

مناقب ابی حنیفۃ وصاحبیہ للذھبی: ص16

ترجمہ: امام صاحب کی شب بیداری، تہجد کی پابندی اور عبادت و ریاضت تواتر سے ثابت ہے۔

عہدۂ قضاء کی پیش کش اور امام اعظم کا انکار:

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش (سن 80 ہجری) کے وقت اموی خلیفہ عبد الملک بن مروان (ت86ھ) کا دورِ حکومت تھا۔ یہ حکومت ایک عرصہ بعد سن 132 ہجری میں ختم ہوئی۔ آخری اموی خلیفہ مروان بن محمد الحمار (ت132ھ) کی حکومت کا خاتمہ کر کے پہلے عباسی خلیفہ ابو العباس سفاح (ت136ھ) نے اپنی حکومت کا آغاز کیا۔ ظاہر ہے کہ اس اتار چڑھاؤ کے دور میں مختلف تحریکات اور اہم واقعات کا رونما ہونا ناگزیر تھا لیکن امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ ثابت قدم اور حق کے داعی رہے۔ آپ کی زندگی کے دیگر کئی اہم سیاسی امور میں دو دور بہت اہم

ہیں۔ ان کا مختصراً جائزہ لینے سے واضح ہو گا کہ امام صاحب حق کا ساتھ دینے اور ظلم و جور کی مخالفت کرنے میں کتنی صعوبتیں برداشت کرتے رہے۔

پہلا دور:

بنو امیہ کے آخری خلیفہ مروان بن محمد الحمار کی طرف سے عراق کا گورنر یزید بن عمر بن ہبیرہ (ت 132ھ) مقرر تھا۔ اس نے امام صاحب کو عہدہ قضاء پیش کیا کہ آپ کوفہ کے قاضی بن جائیں لیکن امام صاحب نے اس کو قبول نہ کیا۔ ابن ہبیرہ نے آپ کے انکار پر قسم اٹھائی کہ یہ عہدہ آپ کو ہر حال میں قبول کرنا ہو گا ورنہ میں آپ کو سخت سزا دوں گا۔ امام صاحب کے ہمدرد علماء نے آپ کو بہت منت سماجت کی کہ اس عہدہ کو بادلِ ناخواستہ ہی سہی قبول فرما لیں کیونکہ حاکم سخت ہے اور آپ کی ذات کو سخت نقصان کا اندیشہ ہے لیکن امام صاحب اس عہدہ کی قبولیت کے نتائج سے واقف تھے کہ اگر حاکم نے مجھے کسی بے گناہ کے قتل کا حکم دیا تو میں کیسے اس کے نفاذ پر مہر قضاء ثبت کروں گا؟! انکار کے اس "جرم" میں ابن ہبیرہ نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کے لیے کوڑوں کی سزا تجویز کی۔

امام ابو بکر احمد بن علی بن ثابت بن احمد الخطیب البغدادی (ت 463ھ) لکھتے ہیں:

كَلَّمَ ابْنُ هُبَيْرَةَ أَبَا حَنِيْفَةَ أَنْ يَلِيَ لَهُ قَضَاءَ الْكُوْفَةِ، فَأَبٰى عَلَيْهِ، فَضَرَبَهُ مِائَةَ سَوْطٍ وَعَشَرَةَ أَسْوَاطٍ، فِيْ كُلِّ يَوْمٍ عَشَرَةَ أَسْوَاطٍ، وَهُوَ عَلَى الِامْتِنَاعِ، فَلَمَّا رَأٰى ذٰلِكَ خَلّٰى سَبِيْلَهُ.

تاریخ بغداد: ج11 ص233

ترجمہ: ابن ہبیرہ (والیِ عراق) نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو حکم دیا کہ کوفہ کے قاضی بن جائیں لیکن امام صاحب نے قبول نہیں کیا تو اس نے ایک سو دس کوڑے مارنے کی

سزا تجویز کی۔ وہ روزانہ دس کوڑے لگواتا لیکن امام صاحب رحمہ اللہ اپنی بات پر قائم رہے۔ بالآخر اس نے (مجبور ہو کر) چھوڑ دیا۔

دوسرا دور:

اموی حکومت کے خاتمہ کے بعد عباسی حکومت کا دور آیا۔ خلیفہ منصور (ت158ھ) نے بھی امام صاحب کو عہدہ قضاء کی پیشکش کی۔ خلیفہ منصور نے اولاً بغداد کا عہدہ قضاء پیش کیا، اس کے بعد پورے ملک کا قاضی القضاۃ بننے کی پیشکش کی۔ امام صاحب اس عہدۂ قضاء کی اصل وجہ جانتے تھے کہ آپ کا عہدہ قبول کرنا دراصل حکومت کے جائز ناجائز فیصلوں پر اپنی رضامندی کے اظہار اور ان کے ہر غلط درست کام میں ان کا مطیع ہونے کے مترادف ہے۔ آپ کو معلوم تھا کہ آپ کے عہدہ قضاء کے قبول کر لینے سے عوام کے ذہن سے حکومت کی بے اعتدالیاں محو ہو جائیں گی۔ اس لیے آپ نے عہدہ قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ خلیفہ منصور نے آپ کو جیل میں ڈال دیا۔ منصور کا کہنا تھا کہ اگر آپ اس عہدہ کو قبول کر لیں تو آپ کو باعزت رہا کر دیا جائے گا لیکن امام صاحب اپنے موقف پر قائم رہے تا آنکہ آپ کی وفات بھی جیل میں ہوئی اور آپ کا جنازہ بھی جیل سے اٹھا۔

علامہ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن عثمان ذہبی (ت748ھ) لکھتے ہیں:

لَمْ يَقْبَلِ الْعَهْدَ بِالْقَضَاءِ، فَضُرِبَ، وَحُبِسَ، وَمَاتَ فِي السِّجْنِ.

سیر اعلام النبلاء للذھبی: ج6 ص537

ترجمہ: امام ابو حنیفہ نے عہدہ قبول نہ کیا جس کی پاداش میں آپ پر تشدد کیا گیا، آپ پس دیوارِ زندان کیے گئے اور زندان میں ہی آپ کی وفات ہوئی۔

صحیح روایات کے مطابق آپ کو جیل میں زہر دیا گیا جس سے آپ کی شہادت ہوئی۔ علامہ ذہبی رقمطراز ہیں:

وَبَلَغَنَا أَنَّ الْمَنْصُوْرَ سَقَاهُ السُّمَّ فَاسْوَدَّ وَمَاتَ شَهِيْداً -رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰى-

مناقب ابی حنیفۃ وصاحبیہ: ص42

ترجمہ: ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ خلیفہ منصور نے امام صاحب کو زہر دیا تھا جس کے اثر سے آپ شہید ہو گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ امام صاحب پر رحم فرمائے!

وفات حسرت آیات:

آپ کی وفات سن 150 ہجری میں ہوئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ قاضیِ شہر اور مشہور محدث وفقیہ امام حسن بن عمارہ (ت 153ھ) نے آپ کو غسل دیا۔ آپ نے وصیت فرمائی تھی کہ آپ کو بغداد شہر کے مقبرہ "خیزران" میں دفن کیا جائے۔ وصیت کے موافق خیزران کے مشرقی جانب آپ کی قبر تیار کی گئی۔ علم و عمل کے پیکر، فقہ وحدیث کے گنجینے اور علم الکلام کے اس خزینے کو سپردِ خاک کر دیا گیا۔

سلطان ارسلان سلجوقی نے 459ھ میں آپ کی قبر کے قریب ایک مدرسہ تیار کرایا جو "مشہدِ ابی حنیفہ رحمہ اللہ" کے نام سے مشہور ہے۔

تالیفات وتصنیفات:

1: کتاب الآثار بروایت امام زفر بن ھذیل

2: کتاب الآثار بروایت امام ابی یوسف القاضی

3: کتاب الآثار بروایت امام محمد بن الحسن الشیبانی

4: کتاب الآثار بروایت امام حسن بن زیاد اللؤلوی

5: الفقہ الاکبر بروایۃ امام حماد بن ابی حنیفۃ

6: الفقہ الاکبر (المعروف الفقہ الابسط) بروایۃ امام ابی مطیع البلخی

7: الرسالۃ الی عثمان البتی

8: کتاب العالم والمتعلم

9: کتاب المجرد فی الفقہ

10: کتاب الرھن

11: کتاب الفرائض

12: کتاب الشروط

13: کتاب الصلوٰۃ

14: المقصود فی الصرف

15: کتاب اختلاف الصحابۃ رضی اللہ عنہم

16: کتاب السیر

17: کتاب الجامع

18: کتاب الرد علی القدریۃ

19: کتاب الوصیۃ

20: کتاب الرأی

امام حماد بن امام ابی حنیفہ رحمہما اللہ کے حالات

(راوی الفقہ الاکبر)

نام، کنیت اور سلسلۂ نسب:

آپ کا نام "حماد"، کنیت "ابو اسماعیل" اور والد گرامی کا نام امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت ہے۔ سلسلہ نسب یوں ہے:

أبو إسماعیل حماد بن أبي حنیفه نعمان بن ثابت بن نعمان بن المرزبان.

مولد و مسکن:

آپ کی پیدائش کوفہ میں ہوئی۔ حتمی طور پر تاریخ ولادت منقول نہیں ہے۔ کوفہ علم و فن کا مرکز تھا۔ سابقہ سطور میں اس شہر کی اہمیت مذکور ہوئی ہے کہ یہ شہر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظام اور فقہاء و محدثین کی ایک بڑی جماعت کا مسکن رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس ماحول میں نشو و نما پانے والی شخصیت میدانِ علم میں ایک تابناک سورج بن کر ہی ابھرنی چاہیے۔ مزید براں آپ رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے والد گرامی امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میسر آئی۔ علمی ماحول کی فراہمی اور والد صاحب کی فقہ و حدیث سے آراستہ شخصیت کے حسین امتزاج نے امام حماد بن ابی حنیفہ کو علم و عمل کا پیکر بنا دیا۔

اوصاف و اخلاق:

امام حماد کا شمار امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے کبار تلامذہ مثلاً امام ابو یوسف، امام محمد بن حسن شیبانی، امام زفر وغیرہ جیسے فقہاء کے طبقے میں کیا جاتا ہے۔ یہ سب والد

صاحب امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کی مجلسِ فقہ میں حاضری اور ان کی خصوصی تربیت کا نتیجہ تھا۔ آپ ایک مستند فقیہ و محدث ہونے کے ساتھ ساتھ زہد و تقویٰ کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھے۔

حافظ الدین امام محمد بن محمد بن شہاب الکُرَدِی الحنفی (ت 827ھ) آپ کے حالات میں لکھتے ہیں:

ذَكَرَ الصَّيْمَرِيُّ أَنَّ الْغَالِبَ كَانَ عَلٰى حَمَّادٍ: الدِّيْنُ وَالْوَرْعُ وَالْفِقْهُ وَكِتَابَةُ الْحَدِيْثِ.

مناقب الامام الاعظم للکردری: ج2 ص212

ترجمہ: علامہ صیمری نے ذکر کیا ہے کہ امام حماد پر دین (یعنی اعتقادات کے افہام و تفہیم کا ملکہ) زہد و تقویٰ، علم فقہ اور کتابتِ حدیث کا شوق غالب تھا۔

اشاعتِ دین میں خدمات:

امام حماد رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح معنوں میں اپنے والد صاحب امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی جانشینی کا حق ادا کیا۔ علم الکلام، علم الحدیث، علم الفقہ اور زہد و تقویٰ میں اپنی مثال آپ ثابت ہوئے۔

بشر بن ولید فرماتے ہیں:

كَانَ حَمَّادٌ شَدِيْدًا عَلٰى أَهْلِ الْأَهْوَاءِ، يَكْسِرُ عَلَيْهِمْ أَقَاوِيْلَهُمْ وَيَحْتَجُّ عَلَيْهِمْ بِحُجَجٍ لَمْ يَكُنْ تَيَسَّرَ ذٰلِكَ لِحُذَّاقِ الْمُتَكَلِّمِيْنَ.

مناقب الامام الاعظم للکردری: ج2 ص212

ترجمہ: امام حماد ہوا پرست (فرقہ ہائے باطلہ) لوگوں کی خوب خبر لیتے تھے، ان کے مغالطات کا دندان شکن جواب دیتے اور دلائل سے ان کا رد فرماتے تھے۔ یہ کام ایسا تھا جو ماہر متکلمین کے لیے بھی چنداں آسان نہ تھا۔

اولاد:

امام حماد بن ابی حنیفہ رحمہما اللہ کے چار بیٹے تھے۔ بڑے بیٹے کا نام ''اسماعیل'' تھا۔ انہی کی طرف نسبت کر کے آپ ''ابو اسماعیل'' کہلائے۔ علامہ محمد بن محمد بن شہاب الکردری؛امام سمعانی رحمہ اللہ کے حوالے سے رقمطراز ہیں:

وَلَهُ مِنَ الْوُلْدِ: أَبُوْ حَيَّانَ، وَإِسْمَاعِيْلُ، وَعُمَرُ، وَعُثْمَانُ، وُلِّيَ إِسْمَاعِيْلُ الْقَضَاءَ بِالْبَصْرَةِ عَنِ الْمَأْمُوْنِ وَرَوَىٰ عَنْ أَخِيْهِ عُمَرَ بْنِ حَمَّادٍ.

مناقب الامام الاعظم للکردری: ج2 ص212

ترجمہ: امام حماد کے بیٹے؛ ابو حیان، اسماعیل، عمر اور عثمان ہیں۔ اسماعیل؛ خلیفہ مامون کی جانب سے بصرہ میں عہدہ قضاء پر فائز ہوئے اور انہوں نے اپنے بھائی عمر بن حماد سے روایت لی ہے۔

وفات حسرت آیات:

آپ کی وفات سن 176 ہجری میں ہوئی۔

سیر اعلام النبلاء للذھبی: ج6 ص538

کچھ الفقہ الاکبر کے بارے میں

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے الفقہ الاکبر کے دو نسخے مروی ہیں:

1: الفقہ الاکبر بروایۃ الامام حماد:

یہ نسخہ امام صاحب کے بیٹے امام حماد بن ابی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہما سے منقول ہے۔ اس میں عقائد کو بیانیہ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ اس نسخہ کا ابتدائیہ یوں ہے:

"أَصْلُ التَّوْحِيْدِ وَمَا يَصِحُّ الِاعْتِقَادُ عَلَيْهِ يَجِبُ أَنْ يَقُوْلَ: اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَالْحِسَابِ وَالْمِيْزَانِ وَالْجَنَّةِ وَالنَّارِ حَقٌّ كُلُّهٗ."

اس نسخہ کی کئی شروحات تحریر کی گئی ہیں۔ سب سے معروف شرح ملا علی بن سلطان محمد القاری الھروی الحنفی (ت 1014ھ) کی ہے جس کا نام انہوں نے "مِنَحُ الرَّوْضِ الْأَزْهَرِ فِيْ شَرْحِ الْفِقْهِ الْأَكْبَرِ" رکھا ہے۔ ہم نے بھی اپنی زیرِ نظر شرح اسی نسخہ کو سامنے رکھ کر تحریر کی ہے۔

2: الفقہ الاکبر بروایۃ ابو مطیع البلخی:

یہ نسخہ امام صاحب کے شاگرد امام ابو مطیع الحکم بن عبد اللہ بن سلمۃ بن عبد الرحمٰن القاضی البلخی (ت 199ھ) سے منقول ہے۔ اس نسخہ میں عقائد کو مکالمے کی صورت میں تفہیمی انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ اس نسخہ کا ابتدائیہ یوں ہے:

سَأَلْتُ أَبَا حَنِيفَةَ النُّعْمَانَ بْنَ ثَابِتٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنِ الْفِقْهِ الْأَكْبَرِ فَقَالَ: أَنْ لَّا تُكَفِّرَ أَحَدًا مِنْ أَهْلِ الْقِبْلَةِ بِذَنْبٍ وَلَا تَنْفِيْ أَحَدًا مِنَ الْإِيْمَانِ وَأَنْ تَأْمُرَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهٰى عَنِ الْمُنْكَرِ.

اس نسخہ کا نام بھی "الفقہ الاکبر" ہی ہے لیکن اب یہ نسخہ "الفقہ الابسط" کے نام سے معروف ہے۔ اس نسخہ کو اس نام سے اس لیے منسوب کیا گیا ہے تاکہ دونوں نسخوں میں امتیاز ہو جائے کہ "الفقہ الاکبر" امام حماد بن ابی حنیفہ رحمہا اللہ اور "الفقہ الابسط" امام ابو مطیع البلخی رحمہ اللہ سے مروی ہے۔ شیخ الاسلام علامہ زاہد بن الحسن الکوثری (ت 1371ھ) لکھتے ہیں:

الْفِقْهُ الْأَكْبَرُ رِوَايَةُ أَبِي مُطِيعٍ وَهُوَ الْمَعْرُوفُ بِ"الْفِقْهِ الْأَبْسَطِ" تَمْيِيزًا لَهُ عَنْ رِوَايَةِ حَمَّادِ بْنِ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُمَا اللهُ.

المقدمۃ للکوثری علی کتاب العالم والمتعلم: ص2

ترجمہ: الفقہ الاکبر جو امام ابو مطیع سے مروی ہے، یہ الفقہ الابسط کے نام سے معروف ہے (اور اس نام سے معروف اس لیے ہے) تاکہ اس نسخہ کا امام حماد بن ابی حنیفہ رحمہا اللہ والے نسخہ سے امتیاز ہو جائے۔

علمائے امت نے اس نسخہ کی بھی کئی شروحات تحریر کی ہیں۔ معروف شرح فقیہ ابو اللیث نصر بن محمد بن احمد سمرقندی الحنفی (ت 373ھ) نے "شرح الفقہ الاکبر" کے نام سے لکھی ہے۔

تنبیہ:

یہ شرح غلطی سے امام ابو منصور محمد بن محمد بن محمود ماتریدی الحنفی (ت 333ھ) کے نام سے مطبوع ہو گئی ہے جبکہ اس کے اصل شارح فقیہ ابو اللیث سمرقندی الحنفی ہیں۔ اس غلطی پر شیخ زاہد بن الحسن الکوثری نے تنبیہ کی ہے۔

المقدمۃ للکوثری علی کتاب العالم والمتعلم

یہ دونوں متون امام صاحب ہی سے مروی ہیں۔ ایک کا انداز بیانیہ اور دوسرے کا مکالماتی ہے، اس لیے عبارات کا اندازِ بیان باہم مختلف ہونا ایک ناگزیر امر

ہے۔ انداز بیان کا مختلف ہونا ان دونوں کے امام صاحب سے مروی ہونے میں بالکل مخل نہیں ہے۔ اس لیے بعض حضرات کا دونوں کے انداز کو باہم مختلف پا کر ایک کے انتساب کو درست اور دوسرے کو مشکوک قرار دینا ہرگز درست نہیں۔

ہمارے پیشِ نظر دونوں متون کے امام صاحب کی طرف انتساب کے درست ہونے کی درج ذیل وجوہ ہیں:

1: معتبر حضرات نے اس کتاب کے دونوں نسخوں کو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب قرار دیا ہے۔

2: سلاطینِ علم نے اس کتاب کے دونوں نسخوں کی شروحات لکھی ہیں جو ان دونوں نسخوں کے انتساب کے درست ہونے کی دلیل ہے۔

3: بعد کے ادوار کے اہلِ علم نے اپنے استدلال میں دونوں نسخوں سے عبارات کو نقل کیا ہے۔

ان وجوہ سے ہم یہ بات کہنے میں حق بجانب ہیں کہ دونوں نسخے امام صاحب کے ہیں اور دونوں کا انتساب امام صاحب کی طرف صحیح و درست ہے۔

الفقہ الاکبر بروایۃ حماد بن ابی حنیفہ

فقہ اکبر کے اس نسخہ کو درج ذیل حضرات نے امام صاحب کی تالیف قرار دیا ہے۔ چند تصریحات ملاحظہ ہوں:

[1]: امام استاذ ابو منصور عبد القاہر بن طاہر التمیمی البغدادی (ت429ھ) لکھتے ہیں:

وَأَوَّلُ مُتَكَلِّمِيهِمْ مِنَ الْفُقَهَاءِ وَأَرْبَابِ الْمَذَاهِبِ أَبُوْ حَنِيْفَةَ وَالشَّافِعِيُّ فَإِنَّ أَبَا حَنِيْفَةَ لَهُ كِتَابٌ فِي الرَّدِّ عَلَى الْقَدَرِيَّةِ سَمَّاهُ "كِتَابَ الْفِقْهِ الْأَكْبَرِ".

کتاب اصول الدین: ص308

ترجمہ: فقہاء اور ارباب مذاہب میں سب سے پہلے متکلم امام ابو حنیفہ اور امام شافعی ہیں کیونکہ امام ابو حنیفہ کی قدریہ کے رد میں ایک کتاب ہے جس کا نام انہوں نے "الفقہ الاکبر" رکھا۔

[2]: امام فخر الاسلام علی بن محمد البزدوی الحنفی (ت482ھ) لکھتے ہیں:

وَقَدْ صَنَّفَ أَبُو حَنِيفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فِيْ ذٰلِكَ كِتَابَ الْفِقْهِ الْأَكْبَرِ وَذَكَرَ فِيهِ إِثْبَاتَ الصِّفَاتِ وَإِثْبَاتَ تَقْدِيرِ الْخَيْرِ وَالشَّرِّ مِنَ اللّٰهِ وَأَنَّ ذٰلِكَ كُلَّهُ بِمَشِيئَتِهٖ وَأَثْبَتَ الِاسْتِطَاعَةَ مَعَ الْفِعْلِ، وَأَنَّ أَفْعَالَ الْعِبَادِ مَخْلُوقَةٌ بِخَلْقِ اللّٰهِ تَعَالٰى إِيَّاهَا كُلَّهَا.

اصول البزدوی: ص3

ترجمہ: امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے اس (علم توحید وصفات) میں کتاب الفقہ الاکبر لکھی ہے۔ اس میں مسئلہ صفات اور تقدیر خیر وشر کے من جانب اللہ ہونے کو ذکر کیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ تقدیر؛ اللہ تعالیٰ کی مشیت کی پابند ہے۔ نیز اس میں ثابت کیا ہے کہ استطاعت؛ فعل کے ساتھ پائی جاتی ہے اور بندوں کے افعال مخلوق ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا فرمایا ہے۔

[3]: حافظ الدین امام محمد بن محمد بن شہاب بن یوسف الکردری الحنفی المعروف البزازی (ت827ھ) لکھتے ہیں:

فَإِنْ قُلْتَ: لَيْسَ لِأَبِيْ حَنِيْفَةَ كِتَابٌ مُصَنَّفٌ. قُلْتُ: هٰذَا كَلَامُ الْمُعْتَزِلَةِ وَدَعْوَاهُمْ أَنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ فِيْ عِلْمِ الْكَلَامِ تَصْنِيْفٌ وَغَرْضُهُمْ بِذٰلِكَ نَفْيُ أَنْ يَكُوْنَ الْفِقْهُ الْأَكْبَرُ وَكِتَابُ الْعَالِمِ وَالْمُتَعَلِّمِ لَهٗ لِأَنَّهٗ صَرَّحَ فِيْهِ بِأَكْثَرِ قَوَاعِدِ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ وَدَعْوَاهُمْ أَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُعْتَزِلَةِ وَذٰلِكَ الْكِتَابُ لِأَبِيْ حَنِيْفَةَ الْبُخَارِيِّ وَهٰذَا غَلَطٌ صَرِيْحٌ فَإِنِّيْ رَأَيْتُ بِخَطِّ الْعَلَّامَةِ مَوْلَانَا شَمْسُ الْمِلَّةِ وَالدِّيْنِ

الْكُرْدَرِيِّ الْبَزَّازِيِّ الْعِمَادِيِّ هٰذَيْنِ الْكِتَابَيْنِ وَكَتَبَ فِيهِمَا أَنَّهُمَا لِأَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَ: تَوَاطَأَ عَلٰى ذٰلِكَ جَمَاعَةٌ كَثِيرٌ مِنَ الْمَشَايِخِ انْتَهٰى.

مناقب الامام الاعظم رضی اللہ عنہ للکردری: ج1 ص107، 108

ترجمہ: اگر آپ یہ کہیں کہ امام صاحب کی کوئی تصنیف ہی نہیں ہے تو میں اس کے جواب میں یہ بات کہوں گا کہ یہ اعتراض فرقہ معتزلہ کا ہے۔ ان لوگوں کا دعویٰ یہ ہے کہ علم کلام میں امام صاحب کی کوئی تصنیف نہیں ہے۔ اس دعویٰ سے معتزلہ کا مقصد یہ ہے کہ فقہ اکبر اور کتاب العالم والمتعلم امام صاحب کی تصنیفات نہیں۔ وجہ (اس تردید کی) یہ ہے امام صاحب نے فقہ اکبر میں اھل السنۃ والجماعۃ کے کئی عقائد بیان کیے ہیں۔ معتزلہ کا دعویٰ ہے کہ امام صاحب تو معتزلی تھے - معاذاللہ - اور معتزلہ کے خیال میں کتاب فقہ اکبر ابو حنیفہ بخاری کی ہے، لیکن معتزلہ کا یہ نظریہ بالکل غلط ہے کیونکہ میں نے یہ دونوں کتابیں (فقہ اکبر اور کتاب العالم والمتعلم) علامہ مولانا شمس الملۃ والدین کردری بزاتقنی عمادی کے ہاتھ سے لکھی ہوئی دیکھی ہیں۔ ان میں انہوں نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ یہ دونوں کتابیں امام صاحب کی ہیں۔ انہوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اس پر (یعنی ان دونوں کتابوں کے امام صاحب کی تصنیف ہونے پر) مشائخ کی ایک بڑی جماعت کا اتفاق ہے۔

[4]: امام الیاس بن ابراہیم السینوبی الشیبانی الحنفی (ت 891ھ) نے "شرح الفقہ الاکبر" کے نام سے شرح لکھی ہے۔ آپ اس شرح کے شروع میں لکھتے ہیں:

لَمَّا كَانَ كِتَابُ الْفِقْهِ الْأَكْبَرِ مِمَّا ثَبَتَ بِالْإِسْنَادِ الصَّحِيحِ الْأَشْهَرِ أَنَّهُ مِمَّا أَلَّفَهُ الْإِمَامُ الْمُقَدَّمُ وَالْهُمَامُ الْمُكَرَّمُ سِرَاجُ الْأُمَّةِ وَمُقْتَدَى الْأَئِمَّةِ ... أَبُو حَنِيفَةَ نُعْمَانُ بْنُ ثَابِتٍ الْكُوفِيُّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ.

شرح الفقہ الاکبر: ص1 مخطوط

ترجمہ: کتاب الفقہ الاکبر ان کتابوں میں سے ہے جو صحیح و مشہور سند سے ثابت ہیں اسے امام مقدم، ہمام مکرم (عزت وجرأت کا حامل شخص) سراج الامت، ائمہ کے مقتدا ابو حنیفہ نعمان بن ثابت الکوفی رضی اللہ عنہ نے تالیف کیا ہے۔

[5]: شیخ محی الدین محمد بن بہاؤ الدین (ت956ھ) نے "الفقہ الاکبر" کی شرح لکھی ہے جس کا نام "القول الفصل شرح الفقہ الاکبر" رکھا۔

آپ اس کے مقدمے میں لکھتے ہیں:

وَمَا أَحَدٌ أَحَقُّ بِهٰذِهِ الْأَوْصَافِ السَّنِيَّةِ وَأَوْلٰى بِالْأَخْلَاقِ الْعَلِيَّةِ إِلَّا مَنْ نُقِلَ فِيْ فَضْلِهِ الْآثَارُ ... وَهُوَ سِرَاجُ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ وَمِنْهَاجُ مِلَّةِ أَحْمَدَ، الْإِمَامُ الْأَعْظَمُ وَالْمُقْتَدَى الْمُكَرَّمُ أَبُوْ حَنِيْفَةَ الْكُوْفِيُّ رَفَعَ اللهُ لَهٗ ... فَالتَّعْوِيْلُ كُلَّ التَّعْوِيْلِ لَيْسَ إِلَّا مَا جَرٰى مِنْ لَفْظِهِ الْمُعْتَبَرِ وَهُوَ الْمُخْتَصَرُ الْمَنْسُوْبُ إِلَيْهِ الْمَوْسُوْمُ بِ"الْفِقْهِ الْأَكْبَرِ" فَأَرَدْنَا أَنْ نُفَصِّلَ مُجْمَلَاتِهٖ وَنَفْتَحَ مُغْلَقَاتِهٖ لِتَسْهَلَ اسْتِفَادَتُهٗ.

القول الفصل شرح الفقہ الاکبر:10

ترجمہ: ان عمدہ اوصاف اور اعلیٰ اخلاق کا حقدار وہی شخص ہو سکتا ہے جس کی فضیلت میں آثار منقول ہوں.... اور وہ سراج الملۃ، ملت احمدیہ کی روشن راہ، امام اعظم، مقتدائے مکرم ابو حنیفہ الکوفی ہیں–اللہ تعالی ان کے مرتبے کو بلند فرمائے۔ ہمارا مکمل اعتماد صرف اسی (کتاب) پر ہے جو آپ رحمۃ اللہ علیہ سے معتبر طریقے سے ثابت ہے اور وہ آپ کی طرف منسوب مختصر سی کتاب ہے جس کا نام "الفقہ الاکبر" ہے۔ ہم نے ارادہ کیا ہے کہ اس کی مجمل عبارات کی تفصیل کریں اور اس کی پیچیدگیوں کو کھولیں تاکہ اس سے استفادہ آسان ہو جائے۔

[6]: شیخ ابو الخیر احمد بن مصطفیٰ بن خلیل المعروف طاش کبریٰ زادہ (ت968ھ)

لکھتے ہیں:

إِنَّ أَبَا حَنِيْفَةَ تَكَلَّمَ فِيْ عِلْمِ الْكَلَامِ مِثْلَ كِتَابِ "الْفِقْهِ الْأَكْبَرِ" وَ كِتَابِ "الْعَالِمِ وَالْمُتَعَلِّمِ" إِذْ صَرَّحَ فِيْهِمَا بِأَكْثَرِ مَبَاحِثِ عِلْمِ الْكَلَامِ وَمَا قِيْلَ إِنَّهُمَا لَيْسَا لَهُ بَلْ لِأَبِيْ حَنِيْفَةَ الْبُخَارِيِّ فَمِنَ اخْتِرَاعَاتِ الْمُعْتَزِلَةِ زَعْمًا مِنْهُمْ أَنَّ أَبَا حَنِيْفَةَ عَلٰى مَذْهَبِهِمْ.

مصباح السعادۃ ومصباح السیادۃ: ج2 ص141

ترجمہ: امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے علم الکلام میں گفتگو فرمائی ہے جیسا کہ آپ کی کتاب الفقہ الاکبر اور العالم والمتعلم اس پر شاہد ہیں۔ ان کتب میں آپ نے علم الکلام کی اکثر مباحث کو بیان کیا ہے۔ یہ جو کہا گیا ہے کہ یہ دونوں کتب امام ابو حنیفہ کی نہیں بلکہ ابو حنیفہ بخاری کی ہیں تو یہ بات معتزلہ کی اختراع ہے کیونکہ معتزلہ کا گمان ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ان کے مذہب پر تھے۔

[7]: امام ابو المنتہٰی شہاب الدین احمد بن محمد المَغْنِیْساوی الرومی الحنفی (ت1000ھ) نے "الکتاب الاغر الجامع للفوائد التی لا تحصر" کے نام سے الفقہ الاکبر کی شرح لکھی ہے۔ اس کے آغاز میں لکھتے ہیں:

إِنَّ كِتَابَ الْفِقْهِ الْأَكْبَرِ الَّذِيْ صَنَّفَهُ الْإِمَامُ الْأَعْظَمُ كِتَابٌ صَحِيْحٌ مَقْبُوْلٌ.

الکتاب الاغر: ص1

ترجمہ: بلاشبہ الفقہ الاکبر جو امام اعظم کی تصنیف ہے صحیح اور مقبول کتاب ہے۔

[8]: ملا علی بن سلطان محمد القاری الھروی الحنفی (ت1014ھ) نے "الفقہ الاکبر" کی شرح لکھی ہے جس کا نام "مِنَحُ الرَّوْضِ الْأَزْهَرِ فِيْ شَرْحِ الْفِقْهِ الْأَكْبَرِ" رکھا۔ آپ شرح کی ابتداء میں لکھتے ہیں:

قَالَ الْإِمَامُ الْأَعْظَمُ وَالْهُمَامُ الْأَفْخَمُ الْأَقْدَمُ فِيْ كِتَابِهِ الْمُسَمّٰى بِ"الْفِقْهِ

الْاَکْبَرِ" الْمُشَارِ بِهٖ اِلٰی اَنَّهٗ یَنْبَغِیْ اَنْ یَکُوْنَ الْاِهْتِمَامُ بِهٖ هُوَ الْاَکْثَرُ لِاَنَّهٗ مَدَارُ الْاِیْمَانِ.

شرح الفقہ الاکبر: ص37

ترجمہ: امام اعظم، ہمام افخم واقدم (سب سے عظیم اور جرأت کا حامل شخص) اپنی کتاب "الفقہ الاکبر" میں فرماتے ہیں اور یہ وہ کتاب ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کتاب کا زیادہ سے زیادہ اہتمام کرنا چاہیے (کہ اس کے مطابق اپنے اعتقادات رکھیں) کیونکہ یہی ایمان کا مدار ہے۔

[9]: امام کمال الدین احمد بن حسن بن سنان الدین بیاضی البوسنوی الحنفی (ت1098ھ) نے علم الکلام میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی چند تصانیف کا تذکرہ کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

أَمْلَأَهَا عَلٰی أَصْحَابِهٖ مِنَ الْفِقْهِ الْأَكْبَرِ وَالرِّسَالَةِ وَالْفِقْهِ الْأَبْسَطِ وَكِتَابِ الْعَالِمِ وَالْمُتَعَلِّمِ وَالْوَصِيَّةِ.

اشارات المرام: ص21

ترجمہ: انہوں (امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ) نے اپنے شاگردوں کو یہ کتابیں املاء کروائیں: الفقہ الاکبر، کتاب الرسالۃ، الفقہ الابسط، کتاب العالم والمتعلم اور کتاب الوصیۃ۔

[10]: ابو محمد عبد القادر بن محمد ادریس بن محمد محمود العمری الحنفی السلھتی (بنگالی) نے "الدر الازھر فی شرح الفقہ الاکبر" کے نام سے الفقہ الاکبر کی شرح لکھی ہے۔ اس شرح کی ابتداء میں لکھتے ہیں:

فَلَمَّا كَانَ عِلْمُ التَّوْحِيْدِ اَصْلَ اُصُوْلِ الدِّيْنِ وَالْكِتَابُ الْجَلِيْلُ الَّذِيْ صَنَّفَهُ الْاِمَامُ الْأَعْظَمُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وَسَمَّاهُ بِ "الْفِقْهِ الْاَكْبَرِ" اَوَّلَ تَصْنِيْفٍ وَاَشْمَلَ لِمَسَائِلِ التَّوْحِيْدِ وَالْيَقِيْنِ وَقَدْ ضَيَّعْتُ دَهْرِي الْاَطْوَلَ فِي اللَّهْوِ

وَالْمَعَاصِیْ فَاَلْهَمَنِیَ اللهُ تَعَالٰی فِیْ آخِرِ عُمُرِیْ اَنْ اَشْرَحَ هٰذَا الْكِتَابَ الْجَلِيْلَ شَرْحًا وَجِيْزاً.

الدر الازہر فی شرح الفقہ الاکبر: ص2

ترجمہ: چونکہ علم توحید دین کے اصولوں میں سے بنیادی اصول ہے اور وہ کتاب جس کو امام اعظم رضی اللہ عنہ نے تصنیف فرمایا اور اس کا نام "الفقہ الاکبر" رکھا عقائد کے باب میں پہلی تصنیف ہے اور توحید اور یقین کے مسائل میں جامع ترین کتاب ہے اور میری حالت یہ تھی کہ میں نے اپنی زندگی کا ایک بڑا حصہ کھیل کود اور گناہوں میں ضائع کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں یہ بات ڈالی کہ میں اس عظیم الشان کتاب کی ایک عمدہ شرح لکھوں۔

[11]: علامہ عبد العلی محمد بن نظام الدین محمد سہالوی انصاری لکھنوی المعروف "علامہ بحر العلوم" (ت1225ھ) فرماتے ہیں:

مَنْ قَالَ: لَمْ يَقُلْهُ اللهُ تَعَالٰی وَلَيْسَ كَلَامُهٗ فَهُوَ كَافِرٌ الْبَتَّةَ هٰذَا هُوَ الَّذِیْ رَامَهُ الْإِمَامُ الْهُمَامُ أَعْظَمُ الْأَئِمَّةِ حَيْثُ قَالَ فِي الْفِقْهِ الْأَكْبَرِ: الْقُرْاٰنُ فِي الْمَصَاحِفِ مَكْتُوْبٌ وَفِي الْقُلُوْبِ مَحْفُوْظٌ وَعَلَى الْأَلْسُنِ مَقْرُوْءٌ وَعَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُنَزَّلٌ، لَفْظُنَا بِالْقُرْاٰنِ مَخْلُوْقٌ وَ كِتَابَتُنَا لَهٗ وَقِرَاءَتُنَا لَهٗ مَخْلُوْقَةٌ وَالْقُرْاٰنُ غَيْرُ مَخْلُوْقٍ.

فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت: ج2 ص7

ترجمہ: جو شخص یہ کہے کہ قرآن کا تکلم اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا اور یہ اللہ کا کلام نہیں ہے تو ایسا شخص پکا کافر ہے۔ یہی بات امام ہمام امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ "الفقہ الاکبر" میں کہنا چاہتے ہیں، فرماتے ہیں: قرآن مصاحف میں لکھا گیا ہے، دلوں میں محفوظ ہے، زبانوں کے ذریعے اس کی تلاوت کی جاتی ہے اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے۔ قرآن کریم کے الفاظ جو ہم اپنی زبان سے ادا کرتے ہیں تو یہ الفاظ مخلوق

ہیں، ہم جو قرآن لکھتے ہیں تو یہ لکھے ہوئے نقوش مخلوق ہیں، ہم جو اس کی قرأت کرتے ہیں تو ہمارا قرأت کرنا (یعنی فعل) مخلوق ہے لیکن خود قرآن مخلوق نہیں۔

غیر مقلدین کے حوالہ جات

[12]: ابو سعید محمد حسین بٹالوی (ت 1338ھ) نے 1292ھ (1877ء) میں ایک رسالہ "اشاعۃ السنۃ" ماہنامہ جاری کیا جس کا مقصد اپنے مسلک کی اشاعت کرنا تھا۔ اس رسالے میں ایک مقام پر لکھا ہے:

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فقہ اکبر میں فرمایا ہے کہ "انبیاء علیہم السلام کفر وغیرہ کبائر و فواحش سے منزہ ہیں"۔ فقہ اکبر کی شرح میں ملا علی قاری صاحب نے کہا ہے کہ "وہ ایسے صغائر سے بھی منزہ ہیں جن میں خست و دنائت پائی جاتی ہو جیسے لقمہ کی چوری وغیرہ"۔ ایسے ہی شرح مواقف میں فرمایا ہے۔

اشاعۃ السنۃ: ج 11 شمارہ 4 ص 98

[13]: محمد ابراہیم میر سیالکوٹی غیر مقلد (ت 1375ھ) لکھتے ہیں:

"اسی طرح امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فقہ اکبر میں اِندراجات لوحِ محفوظ کی نسبت فرماتے ہیں: وَلٰكِنْ كَتْبَه بِالْوَصْفِ لَا بِالْحُكْمِ [البتہ لوحِ محفوظ میں تقدیر کی تحریر؛ وصف کے اعتبار سے ہے نہ کہ حکم کے اعتبار سے]"

تاریخ اہلحدیث: ص 73

نوٹ: مذکورہ حوالہ جات میں سے چار حوالہ جات کی عبارت میں راویِ نسخہ کی تصریح یا اس نسخہ کی عبارت کی تصریح نہیں بلکہ "الفقہ الاکبر" کو مطلقاً امام صاحب کی تالیف قرار دیا گیا ہے، اس لیے ان حوالہ جات کا اطلاق دونوں نسخوں پر ہو سکتا ہے۔

چند اشکالات کے جوابات

اس نسخہ پر بعض حضرات کی جانب سے چند اشکالات کیے گئے ہیں۔ ذیل میں فرداً فرداً ہر اشکال کو نقل کر کے اس کا جواب دیا جاتا ہے۔

اشکال نمبر 1:

کتاب "الفقہ الاکبر" امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف نہیں بلکہ ابو حنیفہ البخاری کی تصنیف ہے۔ اس لیے کہ "الفقہ الاکبر" میں معتزلہ کا رد کیا گیا ہے حالانکہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ خود معتزلی تھے۔ تو امام صاحب اپنے مؤقف کا رد کس طرح کر سکتے ہیں؟

جواب:

یہ اعتراض دراصل معتزلہ کی جانب سے کیا گیا ہے۔

ایک... اس لیے کہ اپنے مسلک کا بچاؤ کر سکیں۔

دوسرا... امام صاحب کی عظیم شخصیت کو اپنے فرقے کا ایک فرد قرار دے سکیں۔

چنانچہ حافظ الدین امام محمد بن محمد بن شہاب بن یوسف الکردری الحنفی المعروف البزازی (ت 827ھ) لکھتے ہیں:

فَإِنْ قُلْتَ: لَيْسَ لِأَبِي حَنِيْفَةَ كِتَابٌ مُصَنَّفٌ. قُلْتُ: هٰذَا كَلَامُ الْمُعْتَزِلَةِ وَدَعْوَاهُمْ أَنَّهُ لَيْسَ لَهُ فِيْ عِلْمِ الْكَلَامِ تَصْنِيْفٌ وَغَرْضُهُمْ بِذٰلِكَ نَفْيُ أَنْ يَكُوْنَ الْفِقْهُ الْأَكْبَرُ وَ كِتَابُ الْعَالِمِ وَالْمُتَعَلِّمِ لَهُ لِأَنَّهُ صَرَّحَ فِيْهِ بِأَكْثَرِ قَوَاعِدِ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ وَدَعْوَاهُمْ أَنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُعْتَزِلَةِ وَذٰلِكَ الْكِتَابُ لِأَبِيْ حَنِيْفَةَ الْبُخَارِيِّ وَهٰذَا غَلَطٌ صَرِيْحٌ فَإِنِّيْ رَأَيْتُ بِخَطِّ الْعَلَّامَةِ مَوْلَانَا شَمْسُ الْمِلَّةِ وَالدِّيْنِ

الْكُرْدَرِيّ الْبَزَّاتِقْنِي الْعِمَادِيّ هٰذَيْنِ الْكِتَابَيْنِ وَ كَتَبَ فِيْهِمَا أَنَّهُمَا لِأَبِيْ حَنِيْفَةَ وَقَالَ: تَوَاطَأَ عَلٰى ذٰلِكَ جَمَاعَةٌ كَثِيْرٌ مِنَ الْمَشَايِخ انْتَهٰى.

مناقب الامام الاعظم رضی اللہ عنہ للکردری: ج1 ص107، 108

ترجمہ: اگر آپ یہ کہیں کہ امام صاحب کی کوئی تصنیف ہی نہیں ہے تو میں اس کے جواب میں یہ بات کہوں گا کہ یہ اعتراض فرقہ معتزلہ کا ہے۔ ان لوگوں کا دعویٰ یہ ہے کہ علم کلام میں امام صاحب کی کوئی تصنیف نہیں ہے۔ اس دعویٰ سے معتزلہ کا مقصد یہ ہے کہ فقہ اکبر اور کتاب العالم والمتعلم امام صاحب کی تصنیفات نہیں۔ وجہ (اس تردید کی) یہ ہے امام صاحب نے فقہ اکبر میں اھل السنۃ والجماعۃ کے کئی عقائد بیان کیے ہیں۔ معتزلہ کا دعویٰ ہے کہ امام صاحب تو معتزلی تھے - معاذاللہ - اور معتزلہ کے خیال میں کتاب فقہ اکبر ابو حنیفہ بخاری کی ہے، لیکن معتزلہ کا یہ نظریہ بالکل غلط ہے کیونکہ میں نے یہ دونوں کتابیں (فقہ اکبر اور کتاب العالم والمتعلم) علامہ مولانا شمس الملت والدین کردری بزاتقنی عمادی کے ہاتھ سے لکھی ہوئی دیکھی ہیں۔ ان میں انہوں نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ یہ دونوں کتابیں امام صاحب کی ہیں۔ انہوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اس پر (یعنی ان دونوں کتابوں کے امام صاحب کی تصنیف ہونے پر) مشائخ کی ایک بڑی جماعت کا اتفاق ہے۔

اسی طرح شیخ ابو الخیر احمد بن مصطفیٰ بن خلیل المعروف طَاشْ کُبریٰ زَادَہ (ت968ھ) لکھتے ہیں:

إِنَّ أَبَا حَنِيْفَةَ تَكَلَّمَ فِيْ عِلْمِ الْكَلَامِ مِثْلَ كِتَابِ "الْفِقْهِ الْأَكْبَرِ" وَ كِتَابِ "الْعَالِمِ وَالْمُتَعَلِّمِ" إِذْ صَرَّحَ فِيْهِمَا بِأَكْثَرِ مَبَاحِثِ عِلْمِ الْكَلَامِ وَمَا قِيْلَ إِنَّهُمَا لَيْسَا لَهُ بَلْ لِأَبِيْ حَنِيْفَةَ الْبُخَارِيِّ فَمِنَ اخْتِرَاعَاتِ الْمُعْتَزِلَةِ زَعْمًا مِنْهُمْ أَنَّ أَبَا حَنِيْفَةَ عَلٰى مَذْهَبِهِمْ.

مصباح السعادۃ ومصباح السیادۃ: ج2 ص141

ترجمہ: امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے علم الکلام میں گفتگو فرمائی ہے جیسا کہ آپ کی کتاب الفقہ الاکبر اور العالم والمتعلم اس پر شاہد ہیں۔ ان کتب میں آپ نے علم الکلام کی اکثر مباحث کو بیان کیا ہے۔ یہ جو کہا گیا ہے کہ یہ دونوں کتب امام ابو حنیفہ کی نہیں بلکہ ابو حنیفہ بخاری کی ہیں تو یہ بات معتزلہ کی اختراع ہے کیونکہ معتزلہ کا گمان ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ان کے مذہب پر تھے۔

اشکال نمبر 2:

"الفقہ الاکبر" کا انداز بیان اختصار کا ہے حالانکہ یہ طرز تحریر بعد کے ادوار کی پیداوار ہے، متقدمین میں یہ رواج نہیں تھا۔

جواب:

عقیدہ طحاویہ امام ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامہ الطحاوی (ت 321ھ) کی کتاب ہے۔ آپ کا شمار متقدمین میں ہوتا ہے۔ آپ کی اس کتاب میں طرز بیان اختصار والا ہے۔ تو کیا اسے بھی ناقابل اعتبار قرار دیا جائے گا۔؟

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے کئی عمدہ خصائل اور صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ عربیت میں مہارت آپ کو خداداد عطا ہوئی تھی۔ اس لیے آپ میں مختصر تحریر لکھنے کا کامل ملکہ موجود تھا۔ اس لیے محض احتمالی باتوں کے باعث امام صاحب کی کتاب کا انکار درست نہیں۔

اشکال نمبر 3:

"الفقہ الاکبر" میں فلسفیانہ الفاظ کا استعمال ملتا ہے۔ مثلاً

وَهُوَ شَيْءٌ لَا كَالْأَشْيَاءِ وَمَعْنَى الشَّيْءِ الثَّابِتُ بِلَا جِسْمٍ وَلَا جَوْهَرٍ وَلَا عَرَضٍ

وَلَا حَدَّ لَہٗ وَلَا ضِدَّ لَہٗ وَلَا نِدَّ لَہٗ وَلَا مِثْلَ لَہٗ.

آپ رحمۃ اللہ علیہ خلافتِ عباسیہ کے دور میں تھے۔ اس دور میں اگرچہ یونانی فلسفہ کی کتب کا عربی زبان میں ترجمہ ہو گیا تھا لیکن ان الفاظ کا استعمال اتنا عام نہ ہوا تھا کہ انہیں اسلامی کتب کا حصہ بنایا جاتا۔

جواب:

جو شخص بیک وقت مفسر، محدث، فقیہ و مجتہد، متکلم اور مناظر ہو اور کئی باطل فرقوں سے مناظرے کر چکا ہو اور کامیاب بھی ہوا ہو تو اس کا فلسفے کو جاننا کیا بعید ہے؟ اس لیے امام صاحب کا اپنی اس تصنیف میں فلسفہ کے چند الفاظ کو ذکر کرنا قابلِ اعتراض نہیں۔

اشکال نمبر 4:

مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ (ت1394ھ / 1974ھ) ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

”فقہ اکبر کی نسبت امام صاحب کی طرف تواتر یا سند صحیح سے ثابت نہیں اس لیے یہ عبارت حجت نہیں۔“

امداد الاحکام: ج1 ص341

جواب:

[1]: ماقبل میں 13 حوالہ جات پیش کیے گئے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ”الفقہ الاکبر“ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ ہی کی تصنیف ہے۔ یہ تواتر نہ سہی شہرت کے درجہ میں ضرور ثابت ہے۔

[2]: کئی ایک حضرات نے الفقہ الاکبر کے امام صاحب کی کتاب ہونے پر اتفاق کیا ہے۔ نیز شارحین نے اس کتاب کو صحیح النسبت قرار دیتے ہوئے اس کی اسناد کو صحیح و مشہور قرار دیا ہے۔ چند حوالہ جات ملاحظہ ہوں:

۱: حافظ الدین امام محمد بن محمد بن شہاب بن یوسف الکردری الحنفی المعروف البزازی (ت827ھ) علامہ مولانا شمس الملت والدین کردری بزاتقنی عمادی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

فَإِنِّيْ رَأَيْتُ بِخَطِّ الْعَلَّامَةِ مَوْلَانَا شَمْسُ الْمِلَّةِ وَالدِّيْنِ الْكُرْدَرِيِّ الْبَزَاتِقْنِي الْعِمَادِيِّ هٰذَيْنِ الْكِتَابَيْنِ وَكَتَبَ فِيْهِمَا أَنَّهُمَا لِأَبِيْ حَنِيْفَةَ وَقَالَ: تَوَاطَأَ عَلٰى ذٰلِكَ جَمَاعَةٌ كَثِيْرٌ مِنَ الْمَشَايِخِ انْتَهٰى.

مناقب الامام الاعظم رضی اللہ عنہ للکردری: ج1 ص107، 108

ترجمہ: میں نے یہ دونوں کتابیں (فقہ اکبر اور کتاب العالم والمتعلم) علامہ مولانا شمس الملت والدین کردری بزاتقنی عمادی کے ہاتھ سے لکھی ہوئی دیکھی ہیں۔ ان میں انہوں نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ یہ دونوں کتابیں امام صاحب کی ہیں۔ انہوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اس پر (یعنی ان دونوں کتابوں کے امام صاحب کی تصنیف ہونے پر) مشائخ کی ایک بڑی جماعت کا اتفاق ہے۔

۲: امام الیاس بن ابراہیم السینوبی الشیبانی الحنفی (ت891ھ) نے "الفقہ الاکبر" کی شرح کے شروع میں لکھتے ہیں:

لَمَّا كَانَ كِتَابُ الْفِقْهِ الْأَكْبَرِ مِمَّا ثَبَتَ بِالْإِسْنَادِ الصَّحِيْحِ الْأَشْهَرِ.

شرح الفقہ الاکبر: ص1 مخطوط

۳: امام ابو المنتہی شہاب الدین احمد بن محمد المَغْنِیْساوی الرومی الحنفی (ت1000ھ) الفقہ الاکبر کی شرح کے آغاز میں لکھتے ہیں:

إِنَّ کِتَابَ الْفِقْهِ الْأَکْبَرِ الَّذِیْ صَنَّفَهُ الْإِمَامُ الْأَعْظَمُ کِتَابٌ صَحِیْحٌ مَقْبُوْلٌ.

الکتاب الاغر: ص 1

ترجمہ: بلاشبہ الفقہ الاکبر جو امام اعظم کی تصنیف ہے صحیح اور مقبول کتاب ہے۔

[3]: حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی جلالتِ شان، آپ کا علمی تبحر اور وسعتِ اطلاع ہمارے ہاں مسلَّم ہے لیکن کمال انبیاء علیہم السلام ہی کا خاصہ ہے۔ ایسا ممکن ہے کہ کسی امتی کی نگاہ ایک مسئلہ کے کسی گوشے پر نہ جاسکے خواہ وہ کتنے ہی اونچے علمی مقام پر فائز ہو۔ اس لیے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی بابت بھی یہی گمان ہے کہ عین ممکن ہے کہ ان کی نظر تصیحات پر نہ پڑی ہو۔ اگر یہ امور آپ کے سامنے بھی آ جاتے تو ضرور بالضرور آپ بھی الفقہ الاکبر کے استناد کو درست قرار دیتے۔

اشکال نمبر 5:

الفقہ الاکبر امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس کی ابتدائی عبارت "قَالَ الْإِمَامُ الْأَعْظَمُ أَبُوْ حَنِیْفَةَ رَضِیَ اللہُ عَنْهُ" ہے جو کہ یقیناً تعریفی جملہ ہے۔ امام صاحب کے قلم سے ایسا جملہ نکلنا خلافِ تواضع ہے کہ اتنی عظیم شخصیت اپنے بارے میں ایسے تعریفی و توصیفی جملے کیسے کہہ سکتی ہے؟ اس لیے اس جملہ سے کتاب کی نسبت امام صاحب کی طرف مشکوک ہو جاتی ہے۔

جواب:

ہمارے زیرِ درس "الفقہ الاکبر" کا یہ نسخہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے امام حماد بن ابی حنیفہ رحمہما اللہ کی روایت سے مروی ہے۔ علمائے سابقین میں تصنیف و تالیف کا عمومی طرز یہ رہا ہے کہ صاحبِ کتاب اپنی کتاب؛ تلامذہ کو املاء کرا دیتے تھے۔ طلبہ اس املاء شدہ مسودہ کو جب آگے اپنے تلامذہ کو نقل کراتے تو اپنے استاد کی طرف

اس کتاب کے انتساب میں استاذ کا نام لیتے۔ ظاہر ہے استاذ کا نام ان کے مقام و مرتبہ اور عظمت کو ملحوظ رکھ کر ہی لیا جاتا ہے۔ اس لیے شاگرد اس کا اہتمام کرتے کہ استاذ کے لقب اور دعائیہ کلمات کو ذکر کرتے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہوئے راوی کتاب نے بھی یہ کلمات تحریر کروائے جو شاگرد در شاگرد نقل ہوتے ہوئے ہم تک روایت ہوتے چلے آئے ہیں۔

یہ طرزِ انتساب کئی کتب میں ملتا ہے۔ چند کتب کا ابتدائیہ ملاحظہ ہو۔

1:　کنز الدقائق (علامہ ابو البرکات عبد اللہ بن احمد النسفی الحنفی ت 710ھ) کا ابتدائیہ یوں ہے:

قَالَ مَوْلَانَا الْحَبْرُ النِّحْرِيرُ صَاحِبُ الْبَيَانِ وَالْبَنَانِ فِي التَّقْرِيرِ وَالتَّحْرِيرِ كَاشِفُ الْمُشْكِلَاتِ وَالْمُعْضِلَاتِ مُبَيِّنُ الْكِنَايَاتِ وَالْإِرْشَادَاتِ مَنْبَعُ الْعُلٰى عِلْمُ الْهُدٰى أَفْضَلُ الْوَرٰى حَافِظُ الْحَقِّ وَالْمِلَّةِ وَالدِّينِ شَمْسُ الْإِسْلَامِ وَالْمُسْلِمِينَ وَارِثٌ لِعُلُومِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ أَبُو الْبَرَكَاتِ عَبْدُ اللهِ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدٍ النَّسَفِيُّ.

2:　کتاب جامع العلوم والحکم (امام زین الدین عبد الرحمٰن بن احمد بن رجب الحنبلی ت 795ھ) کا ابتدائیہ یہ ہے:

قَالَ الشَّيْخُ الْإِمَامُ الْعَالِمُ الْأَوْحَدُ شَرَفُ الْإِسْلَامِ مُفْتِي الْأَنَامِ بَقِيَّةُ السَّلَفِ الْكِرَامِ الشَّيْخُ زَيْنُ الدِّيْنِ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الشَّيْخِ الْعَلَّامَةِ شِهَابِ الدِّيْنِ أَحْمَدَ ابْنِ الشَّيْخِ الْإِمَامِ رَجَبَ الْبَغْدَادِيُّ فَسَّحَ اللهُ فِيْ مُدَّتِهٖ وَنَفَعَ بِهٖ وَأَمْتَعَ الْمُسْلِمِيْنَ بِطُوْلِ بَقَائِهٖ بِمَنِّهٖ وَكَرَمِهٖ.

3:　کتاب "الاتقان فی علوم القرآن" (علامہ جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر

السیوطی الشافعی (ت 911ھ) کا ابتدائیہ یوں ہے:

قَالَ الشَّيْخُ الْإِمَامُ الْعَالِمُ الْعَلَّامَةُ الْحِبْرُ الْبَحْرُ الْفَهَّامَةُ، الْمُحَقِّقُ الْمُدَقِّقُ الْحُجَّةُ الْحَافِظُ الْمُجْتَهِدُ شَيْخُ الْإِسْلَامِ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَارِثُ عُلُوْمِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ جَلَالُ الدِّيْنِ اَوْحَدُ الْمُجْتَهِدِيْنَ اَبُو الْفَضْلِ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ ابْنُ سَيِّدِنَا الشَّيْخِ الْمَرْحُوْمِ كَمَالُ الدِّيْنِ عَالِمُ الْمُسْلِمِيْنَ اَبُو الْمَنَاقِبِ السُّيُوْطِيُّ الشَّافِعِيُّ.

اس لیے تصانیف کے اس طرز کو دیکھتے ہوئے یہ اشکال رفع ہو جانا چاہیے کہ صاحبِ کتاب خود اپنی کتاب میں اپنا لقب اور دعائیہ کلمات کس طرح لکھ سکتے ہیں!!

متن الفقہ الاکبر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قَالَ الْإِمَامُ الْاَعْظَمُ أَبُوْ حَنِيْفَةَ النُّعْمَانُ رَضِيَ اللّٰهُ تعالیٰ عَنْهُ:

أَصْلُ التَّوْحِيْدِ وَمَا يَصِحُّ الِاعْتِقَادُ عَلَيْهِ يَجِبُ أَنْ يَقُوْلَ: اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰی وَالْحِسَابِ وَالْمِيْزَانِ وَالْجَنَّةِ وَالنَّارِ حَقٌّ كُلُّهٗ وَاللّٰهُ تَعَالٰی وَاحِدٌ لَا مِنْ طَرِيْقِ الْعَدَدِ وَلٰكِنْ مِنْ طَرِيْقِ أَنَّهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ﴿لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ﴾ لَا يُشْبِهُ شَيْئًا مِنَ الْأَشْيَاءِ مِنْ خَلْقِهٖ وَلَا يُشْبِهُهٗ شَيْءٌ مِنْ خَلْقِهٖ لَمْ يَزَلْ وَلَا يَزَالُ بِأَسْمَائِهٖ وَصِفَاتِهِ الذَّاتِيَّةِ وَالْفِعْلِيَّةِ. أَمَّا الذَّاتِيَّةُ فَالْحَيَاةُ وَالْقُدْرَةُ وَالْعِلْمُ وَالْكَلَامُ وَالسَّمْعُ وَالْبَصَرُ وَالْإِرَادَةُ وَأَمَّا الْفِعْلِيَّةُ فَالتَّخْلِيْقُ وَالتَّرْزِيْقُ وَالْإِنْشَاءُ وَالْإِبْدَاعُ وَالصُّنْعُ وَغَيْرُ ذٰلِكَ مِنْ صِفَاتِ الْفِعْلِ لَمْ يَزَلْ وَلَا يَزَالُ بِصِفَاتِهٖ وَأَسْمَائِهٖ لَمْ يَحْدُثْ لَهٗ صِفَةٌ وَلَا اسْمٌ لَمْ يَزَلْ عَالِمًا بِعِلْمِهٖ وَالْعِلْمُ صِفَةٌ فِي الْأَزَلِ وَقَادِرًا بِقُدْرَتِهٖ وَالْقُدْرَةُ صِفَةٌ فِي الْأَزَلِ وَمُتَكَلِّمًا بِكَلَامِهٖ وَالْكَلَامُ صِفَةٌ فِي الْأَزَلِ وَخَالِقًا بِتَخْلِيْقِهٖ وَالتَّخْلِيْقُ صِفَةٌ فِي الْأَزَلِ وَفَاعِلًا بِفِعْلِهٖ وَالْفِعْلُ صِفَةٌ فِي الْأَزَلِ وَالْفَاعِلُ هُوَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَالْفِعْلُ صِفَةٌ فِي الْأَزَلِ وَالْمَفْعُوْلُ مَخْلُوْقٌ وَفِعْلُ اللّٰهِ تَعَالٰی غَيْرُ مَخْلُوْقٍ وَصِفَاتُهٗ فِي الْأَزَلِ غَيْرُ مُحْدَثَةٍ وَلَا مَخْلُوْقَةٍ وَمَنْ قَالَ إِنَّهَا مَخْلُوْقَةٌ أَوْ مُحْدَثَةٌ اَوْ وَقَفَ اَوْ شَكَّ فِيْهَا فَهُوَ كَافِرٌ بِاللّٰهِ تَعَالٰی وَالْقُرْاٰنُ كَلَامُ اللّٰهِ تَعَالٰی فِي الْمَصَاحِفِ مَكْتُوْبٌ وَفِي الْقُلُوْبِ مَحْفُوْظٌ وَعَلَى الْأَلْسُنِ مَقْرُوْءٌ وَعَلَى النَّبِيِّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ مُنَزَّلٌ وَلَفْظُنَا بِالْقُرْاٰنِ مَخْلُوْقٌ وَكِتَابَتُنَا لَهٗ مَخْلُوْقَةٌ وَقِرَاءَتُنَا لَهٗ مَخْلُوْقَةٌ وَالْقُرْاٰنُ غَيْرُ مَخْلُوْقٍ وَمَا ذَكَرَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی فِي الْقُرْاٰنِ حِكَايَةً عَنْ مُوْسٰی وَغَيْرِهٖ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ وَعَنْ

فِرْعَوْنَ وَإِبْلِيْسَ فَإِنَّ ذٰلِكَ كُلَّهٗ كَلَامُ اللهِ تَعَالٰى إِخْبَارًا عَنْهُمْ وَكَلَامُ اللهِ تَعَالٰى غَيْرُ مَخْلُوْقٍ وَكَلَامُ مُوْسٰى وَغَيْرِهٖ مِنَ الْمَخْلُوْقِيْنَ مَخْلُوْقٌ، وَالْقُرْاٰنُ كَلَامُ اللهِ تَعَالٰى فَهُوَ قَدِيْمٌ لَا كَلَامُهُمْ وَسَمِعَ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ كَلَامَ اللهِ تَعَالٰى كَمَا فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى: ﴿وَكَلَّمَ اللهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا﴾ وَقَدْ كَانَ اللهُ تَعَالٰى مُتَكَلِّمًا وَلَمْ يَكُنْ كَلَّمَ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ وَقَدْ كَانَ اللهُ تَعَالٰى خَالِقًا فِي الْأَزَلِ وَلَمْ يَخْلُقِ الْخَلْقَ ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾ فَلَمَّا كَلَّمَ اللهُ مُوْسٰى كَلَّمَهٗ بِكَلَامِهِ الَّذِيْ هُوَ لَهٗ صِفَةٌ فِي الْأَزَلِ وَصِفَاتُهٗ كُلُّهَا بِخِلَافِ صِفَاتِ الْمَخْلُوْقِيْنَ يَعْلَمُ لَا كَعِلْمِنَا وَيَقْدِرُ لَا كَقُدْرَتِنَا وَيَرٰى لَا كَرُؤْيَتِنَا وَيَتَكَلَّمُ لَا كَكَلَامِنَا وَيَسْمَعُ لَا كَسَمْعِنَا وَنَحْنُ نَتَكَلَّمُ بِالْاٰلَاتِ وَالْحُرُوْفِ وَاللهُ تَعَالٰى يَتَكَلَّمُ بِلَا آلَةٍ وَلَا حُرُوْفٍ وَالْحُرُوْفُ مَخْلُوْقَةٌ وَكَلَامُ اللهِ تَعَالٰى غَيْرُ مَخْلُوْقٍ وَهُوَ شَيْءٌ لَا كَالْأَشْيَاءِ وَمَعْنَى الشَّيْءِ الثَّابِتُ بِلَا جِسْمٍ وَلَا جَوْهَرٍ وَلَا عَرَضٍ وَلَا حَدَّ لَهٗ وَلَا ضِدَّ لَهٗ وَلَا نِدَّ لَهٗ وَلَا مِثْلَ لَهٗ وَلَهٗ يَدٌ وَوَجْهٌ وَنَفْسٌ كَمَا ذَكَرَهُ اللهُ تَعَالٰى فِي الْقُرْآنِ فَمَا ذَكَرَهُ اللهُ فِي الْقُرْآنِ مِنْ ذِكْرِ الْوَجْهِ وَالْيَدِ وَالنَّفْسِ فَهُوَ لَهٗ صِفَاتٌ بِلَا كَيْفٍ وَلَا يُقَالُ إِنَّ يَدَهٗ قُدْرَتُهٗ أَوْ نِعْمَتُهٗ لِأَنَّ فِيْهِ إِبْطَالَ الصِّفَةِ وَهُوَ قَوْلُ أَهْلِ الْقَدْرِ وَالْاِعْتِزَالِ وَلٰكِنْ يَدُهٗ صِفَتُهٗ بِلَا كَيْفٍ وَغَضَبُهٗ وَرِضَاهُ صِفَتَانِ مِنْ صِفَاتِ اللهِ تَعَالٰى بِلَا كَيْفٍ خَلَقَ اللهُ تَعَالَى الْأَشْيَاءَ لَا مِنْ شَيْءٍ وَكَانَ اللهُ تَعَالٰى عَالِمًا فِي الْأَزَلِ بِالْأَشْيَاءِ قَبْلَ كَوْنِهَا وَهُوَ الَّذِيْ قَدَّرَ الْأَشْيَاءَ وَقَضَاهَا وَلَا يَكُوْنُ فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْآخِرَةِ شَيْءٌ إِلَّا بِمَشِيْئَتِهٖ وَعِلْمِهٖ وَقَضَائِهٖ وَقَدْرِهٖ وَكَتْبِهٖ فِي اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ وَلٰكِنْ كَتَبَهٗ بِالْوَصْفِ لَا بِالْحُكْمِ وَالْقَضَاءُ وَالْقَدْرُ وَالْمَشِيْئَةُ صِفَاتُهٗ فِي الْأَزَلِ بِلَا كَيْفٍ يَعْلَمُ اللهُ تَعَالَى الْمَعْدُوْمَ فِيْ حَالِ عَدَمِهٖ مَعْدُوْمًا وَيَعْلَمُ أَنَّهٗ كَيْفَ يَكُوْنُ إِذَا أَوْجَدَهٗ وَيَعْلَمُ اللهُ الْمَوْجُوْدَ فِيْ حَالِ وُجُوْدِهٖ مَوْجُوْدًا وَيَعْلَمُ أَنَّهٗ كَيْفَ يَكُوْنُ فَنَاؤُهٗ وَيَعْلَمُ اللهُ الْقَائِمَ فِيْ حَالِ قِيَامِهٖ قَائِمًا وَإِذَا قَعَدَ فَقَدْ عَلِمَهٗ قَاعِدًا

فِيْ حَالِ قُعُوْدِهٖ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَّتَغَيَّرَ عِلْمُهٗ اَوْ يَحْدُثَ لَهٗ عِلْمٌ وَلٰكِنِ التَّغَيُّرُ وَالِاخْتِلَافُ يَحْدُثُ عِنْدَ الْمَخْلُوْقِيْنَ خَلَقَ اللّٰهُ تَعَالَى الْخَلْقَ سَلِيْمًا مِنَ الْكُفْرِ وَالْإِيْمَانِ ثُمَّ خَاطَبَهُمْ وَأَمَرَهُمْ وَنَهَاهُمْ فَكَفَرَ مَنْ كَفَرَ بِفِعْلِهٖ وَإِنْكَارِهٖ وَجُحُوْدِهِ الْحَقَّ بِخِذْلَانِ اللّٰهِ تَعَالٰى إِيَّاهُ وَاٰمَنَ مَنْ اٰمَنَ بِفِعْلِهٖ وَإِقْرَارِهٖ وَتَصْدِيْقِهٖ بِتَوْفِيْقِ اللّٰهِ تَعَالٰى إِيَّاهُ وَنُصْرَتِهٖ لَهٗ أَخْرَجَ ذُرِّيَّةَ اٰدَمَ مِنْ صُلْبِهٖ فَجَعَلَهُمْ عُقَلَاءَ فَخَاطَبَهُمْ وَأَمَرَهُمْ بِالْإِيْمَانِ وَنَهَاهُمْ عَنِ الْكُفْرِ فَأَقَرُّوْا لَهٗ بِالرَّبُوْبِيَّةِ فَكَانَ ذٰلِكَ مِنْهُمْ إِيْمَانًا فَهُمْ يُوْلَدُوْنَ عَلٰى تِلْكَ الْفِطْرَةِ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَقَدْ بَدَّلَ وَغَيَّرَ وَمَنْ اٰمَنَ وَصَدَّقَ فَقَدْ ثَبَتَ عَلَيْهِ وَدَاوَمَ وَلَمْ يُجْبِرْ أَحَدًا مِنْ خَلْقِهٖ عَلَى الْكُفْرِ وَلَا عَلَى الْإِيْمَانِ وَلَا خَلَقَهُمْ مُؤْمِنًا وَلَا كَافِرًا وَلٰكِنْ خَلَقَهُمْ أَشْخَاصًا وَالْإِيْمَانُ وَالْكُفْرُ فِعْلُ الْعِبَادِ وَيَعْلَمُ اللّٰهُ تَعَالٰى مَنْ يَكْفُرُ فِيْ حَالِ كُفْرِهٖ كَافِرًا فَإِذَا آمَنَ بَعْدَ ذٰلِكَ عَلِمَهٗ مُؤْمِنًا فِيْ حَالِ إِيْمَانِهٖ وَأَحَبَّهٗ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَتَغَيَّرَ عِلْمُهٗ وَصِفَتُهٗ وَجَمِيْعُ أَفْعَالِ الْعِبَادِ مِنَ الْحَرَكَةِ وَالسُّكُوْنِ كَسْبُهُمْ عَلَى الْحَقِيْقَةِ وَاللّٰهُ تَعَالٰى خَالِقُهَا وَهِيَ كُلُّهَا بِمَشِيْئَتِهٖ وَعِلْمِهٖ وَقَضَائِهٖ وَقَدْرِهٖ وَالطَّاعَاتُ كُلُّهَا مَا كَانَتْ وَاجِبَةٌ بِأَمْرِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَبِمَحَبَّتِهٖ وَبِرِضَائِهٖ وَعِلْمِهٖ وَبِمَشِيْئَتِهٖ وَقَضَائِهٖ وَتَقْدِيْرِهٖ وَالْمَعَاصِيْ كُلُّهَا بِعِلْمِهٖ وَقَضَائِهٖ وَتَقْدِيْرِهٖ وَمَشِيْئَتِهٖ لَا بِمَحَبَّتِهٖ وَلَا بِرِضَائِهٖ وَلَا بِأَمْرِهٖ وَالْأَنْبِيَاءُ عَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كُلُّهُمْ مُنَزَّهُوْنَ عَنِ الصَّغَائِرِ وَالْكَبَائِرِ وَالْكُفْرِ وَالْقَبَائِحِ وَقَدْ كَانَتْ مِنْهُمْ زَلَّاتٌ وَخَطَايَا وَمُحَمَّدٌ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ حَبِيْبُهٗ وَعَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَنَبِيُّهٗ وَصَفِيُّهٗ وَمُنْتَقَاهُ وَلَمْ يَعْبُدِ الصَّنَمَ وَلَمْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ تَعَالٰى طَرْفَةَ عَيْنٍ قَطُّ وَلَمْ يَرْتَكِبْ صَغِيْرَةً وَلَا كَبِيْرَةً قَطُّ وَأَفْضَلُ النَّاسِ بَعْدَ النَّبِيِّيْنَ عَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَبُوْ بَكْرِ الصِّدِّيْقُ ثُمَّ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ الْفَارُوْقُ ثُمَّ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ ذُو النُّوْرَيْنِ ثُمَّ عَلِيُّ بْنُ أَبِيْ طَالِبِ الْمُرْتَضٰى رِضْوَانُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ أَجْمَعِيْنَ عَابِدِيْنَ ثَابِتِيْنَ عَلَى الْحَقِّ وَمَعَ الْحَقِّ

نَتَوَلَّاهُمْ جَمِيعًا وَلَا نَذْكُرُ أَحَدًا مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ إِلَّا بِخَيْرٍ وَلَا نُكَفِّرُ مُسْلِمًا بِذَنْبٍ مِنَ الذُّنُوبِ وَإِنْ كَانَتْ كَبِيرَةً إِذَا لَمْ يَسْتَحِلَّهَا وَلَا نُزِيلُ عَنْهُ اسْمَ الْإِيمَانِ وَنُسَمِّيهِ مُؤْمِنًا حَقِيقَةً وَيَجُوزُ أَنْ يَكُونَ مُؤْمِنًا فَاسِقًا غَيْرَ كَافِرٍ وَالْمَسْحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ سُنَّةٌ وَالتَّرَاوِيحُ فِي لَيَالِي شَهْرِ رَمَضَانَ سُنَّةٌ وَالصَّلَاةُ خَلْفَ كُلِّ بَرٍّ وَفَاجِرٍ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ جَائِزَةٌ وَلَا نَقُولُ إِنَّ الْمُؤْمِنَ لَا تَضُرُّهُ الذُّنُوبُ وَلَا نَقُولُ إِنَّهُ لَا يَدْخُلُ النَّارَ وَلَا نَقُولُ إِنَّهُ يَخْلُدُ فِيهَا وَإِنْ كَانَ فَاسِقًا بَعْدَ أَنْ يَخْرُجَ مِنَ الدُّنْيَا مُؤْمِنًا وَلَا نَقُولُ إِنَّ حَسَنَاتِنَا مَقْبُولَةٌ وَسَيِّئَاتِنَا مَغْفُورَةٌ كَقَوْلِ الْمُرْجِئَةِ وَلٰكِنْ نَقُولُ مَنْ عَمِلَ حَسَنَةً بِجَمِيعِ شَرَائِطِهَا خَالِيَةً عَنِ الْعُيُوبِ الْمُفْسِدَةِ وَلَمْ يُبْطِلْهَا بِالْكُفْرِ وَالرِّدَّةِ حَتّٰى خَرَجَ مِنَ الدُّنْيَا مُؤْمِنًا فَإِنَّ اللهَ تَعَالٰى لَا يُضِيعُهَا بَلْ يَقْبَلُهَا مِنْهُ وَيُثِيبُهُ عَلَيْهَا وَمَا كَانَ مِنَ السَّيِّئَاتِ دُونَ الشِّرْكِ وَالْكُفْرِ وَلَمْ يَتُبْ عَنْهَا صَاحِبُهَا حَتّٰى مَاتَ مُؤْمِنًا فِي مَشِيئَةِ اللهِ تَعَالٰى إِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ وَإِنْ شَاءَ عَفَا عَنْهُ وَلَمْ يُعَذِّبْ بِالنَّارِ أَصْلًا وَالرِّيَاءُ إِذَا وَقَعَ فِي عَمَلٍ مِنَ الْأَعْمَالِ فَإِنَّهُ يُبْطِلُ أَجْرَهُ وَكَذٰلِكَ الْعُجْبُ وَالْآيَاتُ لِلْأَنْبِيَاءِ وَالْكَرَامَاتُ لِلْأَوْلِيَاءِ حَقٌّ وَأَمَّا الَّتِي تَكُونُ لِأَعْدَائِهِ مِثْلُ إِبْلِيسَ وَفِرْعَوْنَ وَالدَّجَّالِ مِمَّا رُوِيَ فِي الْأَخْبَارِ أَنَّهُ كَانَ وَيَكُونُ لَهُمْ لَا نُسَمِّيهَا آيَاتٍ وَلَا كَرَامَاتٍ وَلٰكِنْ نُسَمِّيهَا قَضَاءَ حَاجَاتِهِمْ وَذٰلِكَ لِأَنَّ اللهَ تَعَالٰى يَقْضِي حَاجَاتِ أَعْدَائِهِ اسْتِدْرَاجًا لَهُمْ وَعُقُوبَةً لَهُمْ فَيَغْتَرُّونَ بِهِ وَيَزْدَادُونَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا وَكُلُّهُ جَائِزٌ مُمْكِنٌ لَا يَسْتَحِيلُ وَكَانَ اللهُ تَعَالٰى خَالِقًا قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ وَرَازِقًا قَبْلَ أَنْ يَرْزُقَ وَاللهُ تَعَالٰى يُرٰى فِي الْآخِرَةِ وَيَرَاهُ الْمُؤْمِنُونَ وَهُمْ فِي الْجَنَّةِ بِأَعْيُنِ رُؤُوسِهِمْ بِلَا تَشْبِيهٍ وَلَا كَيْفِيَّةٍ وَلَا يَكُونُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ خَلْقِهِ مَسَافَةٌ وَالْإِيمَانُ هُوَ الْإِقْرَارُ وَالتَّصْدِيقُ وَإِيمَانُ أَهْلِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَا يَزِيدُ وَلَا يَنْقُصُ وَالْمُؤْمِنُونَ مُسْتَوُونَ فِي الْإِيمَانِ وَالتَّوْحِيدِ مُتَفَاضِلُونَ فِي الْأَعْمَالِ وَالْإِسْلَامُ هُوَ

التَّسْلِيْمُ وَالاِنْقِيَادُ لِأَوَامِرِ اللهِ تَعَالٰى فَمِنْ طَرِيْقِ اللُّغَةِ فَرْقٌ بَيْنَ الْإِسْلَامِ وَالْإِيْمَانِ وَلٰكِنْ لَا يَكُوْنُ إِيْمَانٌ بِلَا إِسْلَامٍ وَلَا يُوْجَدُ إِسْلَامٌ بِلَا إِيْمَانٍ وَهُمَا كَالظَّهْرِ مَعَ الْبَطْنِ وَالدِّيْنُ اسْمٌ وَاقِعٌ عَلَى الْإِيْمَانِ وَالْإِسْلَامِ وَالشَّرَائِعِ كُلِّهَا نَعْرِفُ اللهَ تَعَالٰى حَقَّ مَعْرِفَتِهٖ كَمَا وَصَفَ نَفْسَهٗ فِيْ كِتَابِهٖ بِجَمِيْعِ صِفَاتِهٖ وَلَيْسَ يَقْدِرُ أَحَدٌ أَنْ يَعْبُدَ اللهَ حَقَّ عِبَادَتِهٖ كَمَا هُوَ أَهْلٌ لَهٗ وَلٰكِنَّهٗ يَعْبُدُهٗ بِأَمْرِهٖ كَمَا أَمَرَهٗ بِكِتَابِهٖ وَسُنَّةِ نَبِيِّهٖ وَيَسْتَوِى الْمُؤْمِنُوْنَ كُلُّهُمْ فِي الْمَعْرِفَةِ وَالْيَقِيْنِ وَالتَّوَكُّلِ وَالْمَحَبَّةِ وَالرِّضَاءِ وَالْخَوْفِ وَالرَّجَاءِ وَالْإِيْمَانِ فِيْ ذٰلِكَ وَيَتَفَاوَتُوْنَ فِيْمَا دُوْنَ الْإِيْمَانِ فِيْ ذٰلِكَ كُلِّهٖ وَاللهُ تَعَالٰى مُتَفَضِّلٌ عَلٰى عِبَادِهٖ عَادِلٌ قَدْ يُعْطِيْ مِنَ الثَّوَابِ أَضْعَافَ مَا يَسْتَوْجِبُهُ الْعَبْدُ تَفَضُّلًا مِنْهُ وَقَدْ يُعَاقِبُ عَلَى الذَّنْبِ عَدْلًا مِنْهُ وَقَدْ يَعْفُوْ فَضْلًا مِنْهُ وَشَفَاعَةُ الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ حَقٌّ وَشَفَاعَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ الْمُذْنِبِيْنَ وَلِأَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْهُمُ الْمُسْتَوْجِبِيْنَ الْعِقَابَ حَقٌّ ثَابِتٌ وَوَزْنُ الْأَعْمَالِ بِالْمِيْزَانِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَقٌّ وَحَوْضُ النَّبِيِّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ حَقٌّ وَالْقِصَاصُ فِيْمَا بَيْنَ الْخُصُوْمِ بِالْحَسَنَاتِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَقٌّ وَإِنْ لَمْ تَكُنْ لَهُمُ الْحَسَنَاتُ فَطَرْحُ السَّيِّئَاتِ عَلَيْهِمْ حَقٌّ جَائِزٌ وَالْجَنَّةُ وَالنَّارُ مَخْلُوْقَتَانِ الْيَوْمَ لَا تَفْنِيَانِ أَبَدًا لَا تَمُوْتُ الْحُوْرُ الْعِيْنُ وَلَا يَفْنِيْ عِقَابُ اللهِ تَعَالٰى وَلَا ثَوَابُهٗ سَرْمَدًا وَاللهُ تَعَالٰى يَهْدِيْ مَنْ يَشَاءُ فَضْلًا مِنْهُ وَيُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ عَدْلًا مِنْهُ وَإِضْلَالُهٗ خِذْلَانُهٗ وَتَفْسِيْرُ الْخِذْلَانِ أَنْ لَا يُوَفِّقَ الْعَبْدَ إِلٰى مَا يَرْضَاهُ عَنْهُ وَهُوَ عَدْلٌ مِنْهُ وَكَذَا عُقُوْبَةُ الْمَخْذُوْلِ عَلَى الْمَعْصِيَةِ وَلَا يَجُوْزُ أَنْ نَقُوْلَ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَسْلُبُ الْإِيْمَانَ مِنَ الْعَبْدِ الْمُؤْمِنِ قَهْرًا وَجَبْرًا وَلٰكِنْ نَقُوْلُ الْعَبْدُ يَدَعُ الْإِيْمَانَ فَحِيْنَئِذٍ يَسْلُبُهٗ مِنْهُ الشَّيْطَانُ وَسُؤَالُ مُنْكَرٍ وَنَكِيْرٍ حَقٌّ كَائِنٌ فِي الْقَبْرِ وَإِعَادَةُ الرُّوْحِ إِلَى الْجَسَدِ فِيْ قَبْرِهٖ حَقٌّ وَضَغْطَةُ الْقَبْرِ وَعَذَابُهٗ حَقٌّ كَائِنٌ لِلْكُفَّارِ كُلِّهِمْ وَلِبَعْضِ عُصَاةِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَكُلُّ

شَيْءٍ ذَكَرَهُ الْعُلَمَاءُ بِالْفَارِسِيَّةِ مِنْ صِفَاتِ اللهِ عَزَّ اسْمُهُ فَجَائِزٌ الْقَوْلُ بِهٖ سِوَى الْيَدِ بِالْفَارِسِيَّةِ وَيَجُوْزُ أَنْ يُقَالَ "بروئے خدا" أَيْ عَزَّ وَجَلَّ بِلَا تَشْبِيْهٍ وَلَا كَيْفِيَّةٍ وَلَيْسَ قُرْبُ اللهِ تَعَالٰى وَلَا بُعْدُهٗ مِنْ طَرِيْقِ طُوْلِ الْمَسَافَةِ وَقَصْرِهَا وَلٰكِنْ عَلٰى مَعْنَى الْكَرَامَةِ وَالْهَوَانِ وَالْمُطِيْعُ قَرِيْبٌ مِنْهُ بِلَا كَيْفٍ وَالْعَاصِيْ بَعِيْدٌ مِنْهُ بِلَا كَيْفٍ وَالْقُرْبُ وَالْبُعْدُ وَالْإِقْبَالُ يَقَعُ عَلَى الْمُنَاجِيْ وَكَذٰلِكَ جِوَارُهٗ فِي الْجَنَّةِ وَالْوُقُوْفُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِلَا كَيْفٍ وَالْقُرْآنُ مُنَزَّلٌ عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي الْمَصَاحِفِ مَكْتُوْبٌ وَآيَاتُ الْقُرْآنِ فِيْ مَعْنَى الْكَلَامِ كُلُّهَا مُسْتَوِيَةٌ فِي الْفَضِيْلَةِ وَالْعَظَمَةِ إِلَّا أَنَّ لِبَعْضِهَا فَضِيْلَةَ الذِّكْرِ وَفَضِيْلَةَ الْمَذْكُوْرِ مِثْلَ آيَةِ الْكُرْسِيِّ لِأَنَّ الْمَذْكُوْرَ فِيْهَا جَلَالُ اللهِ تَعَالٰى وَعَظَمَتُهٗ وَصِفَاتُهٗ فَاجْتَمَعَتْ فِيْهَا فَضِيْلَتَانِ ؛ فَضِيْلَةُ الذِّكْرِ وَفَضِيْلَةُ الْمَذْكُوْرِ وَلِبَعْضِهَا فَضِيْلَةُ الذِّكْرِ فَحَسْبُ مِثْلُ قِصَّةِ الْكُفَّارِ وَلَيْسَ لِلْمَذْكُوْرِ فِيْهَا فَضْلٌ وَهُمُ الْكُفَّارُ وَكَذٰلِكَ الْأَسْمَاءُ وَالصِّفَاتُ كُلُّهَا مُسْتَوِيَةٌ فِي الْعَظَمَةِ وَالْفَضْلِ لَا تَفَاوُتَ بَيْنَهَا وَوَالِدَا رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مَاتَا عَلَى الْكُفْرِ وَأَبُوْ طَالِبٍ عَمُّهٗ مَاتَ كَافِرًا وَقَاسِمٌ وَطَاهِرٌ وَإِبْرَاهِيْمُ كَانُوْا بَنِيْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفَاطِمَةُ وَرُقَيَّةُ وَزَيْنَبُ وَأُمُّ كُلْثُوْمٍ كُنَّ جَمِيْعًا بَنَاتِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَإِذَا أُشْكِلَ عَلَى الْإِنْسَانِ شَيْءٌ مِنْ دَقَائِقِ عِلْمِ التَّوْحِيْدِ فَإِنَّهٗ يَنْبَغِيْ لَهٗ أَنْ يَعْتَقِدَ فِي الْحَالِ مَا هُوَ الصَّوَابُ عِنْدَ اللهِ تَعَالٰى إِلٰى أَنْ يَجِدَ عَالِمًا فَيَسْأَلَهٗ وَلَا يَسَعُهٗ تَأْخِيْرُ الطَّلَبِ وَلَا يُعْذَرُ بِالْوَقْفِ فِيْهِ وَيُكَفَّرُ إِنْ وَقَفَ فِيْهِ وَخَبَرُ الْمِعْرَاجِ حَقٌّ مَنْ رَدَّهٗ فَهُوَ مُبْتَدِعٌ ضَالٌّ وَخُرُوْجُ الدَّجَّالِ وَيَأْجُوْجَ وَمَأْجُوْجَ وَطُلُوْعُ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا وَنُزُوْلُ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنَ السَّمَاءِ وَسَائِرُ عَلَامَاتِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ عَلٰى مَا وَرَدَتْ بِهِ الْأَخْبَارُ الصَّحِيْحَةُ حَقٌّ كَائِنٌ وَاللهُ تَعَالٰى يَهْدِيْ مَنْ يَشَاءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُسْتَقِيْمٍ.

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قَالَ الۡاِمَامُ الۡاَعۡظَمُ اَبُوۡ حَنِیۡفَۃَ النُّعۡمَانُ رَضِیَ اللّٰہُ تعالیٰ عَنۡہُ:

ترجمہ: امام اعظم ابو حنیفہ نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا:

الفقہ الاکبر:

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فقہ کی تعریف یوں کی ہے:

وَالۡفِقۡهُ مَعۡرِفَةُ النَّفۡسِ مَا لَهَا وَمَا عَلَيۡهَا.

التوضیح والتلویح للتفتازانی: ص28

ترجمہ: فقہ ان چیزوں کے پہچاننے کا نام ہے جو انسان کے لیے مفید ہوں یا جو مضر ہوں۔

انسان کے لیے جو چیزیں مفید یا مضر ہوں ان کی دو قسمیں ہیں:

1: اعتقادی و فکری، انہیں عقائد کہتے ہیں۔

2: عملی، انہیں مسائل کہتے ہیں۔

عقائد کے علم کو "فقہ اکبر" اور مسائل کے علم کو "فقہ اصغر" کہتے ہیں۔ بالفاظ دیگر "فقہ اکبر" علم الکلام اور "فقہ اصغر" علم الفقہ ہے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب کا نام "الفقہ الاکبر" اس لیے ہے کہ اس میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اعتقادات اور نظریات کو بیان فرمایا ہے۔

امام ابو المؤید موفق بن احمد الخوارزمی المکی الحنفی (ت568ھ) نے اپنی سند کے ساتھ امام حماد بن ابی حنیفہ رحمہما اللہ سے روایت کیا ہے:

عَنۡ حَمَّادٍ قَالَ: كَانَ أَبُوۡ حَنِيۡفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ يَأۡمُرُنِيۡ بِطَلَبِ الۡكَلَامِ وَيَحُدُوۡنِيۡ كَثِيۡراً عَلَيۡهِ وَيَقُوۡلُ: يَابُنَيَّ! تَعَلَّمِ الۡكَلَامَ فَإِنَّهُ الۡفِقۡهُ الۡأَكۡبَرُ.

مناقب الامام الاعظم للمکی: ج1 ص207، 208

ترجمہ: امام حماد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے والد امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ مجھے علم الکلام سیکھنے کا حکم فرماتے تھے اور اس کے حصول پر مجھے ابھارتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ بیٹا! علم الکلام حاصل کرو کیونکہ یہ فقہ اکبر ہے۔

قَوْلُهٗ: اَلْاِمَامُ

"امام" کا لفظ کئی معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً

1: مقتداء و پیشوا: (اس میں فقیہ و مجتہد بھی شامل ہے)

قرآن کریم میں ہے:

وَ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّ اجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا

سورۃ الفرقان:74

ترجمہ: اور جو اللہ سے یہ دعا مانگتے ہیں: اے ہمارے پروردگار! ہمیں ہماری بیویوں اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں متقیوں کا امام بنادے!

2: نماز پڑھانے والا شخص:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهٖ فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوْا.

سنن ابن ماجۃ: رقم الحدیث 846

ترجمہ: امام اس لیے بنایا جاتا ہے تاکہ اس کی اقتداء کی جائے۔ جب امام تکبیر کہے تو تم تکبیر کہو اور جب امام قراءت کرے تو تم خاموش رہو۔

3: حاکمِ وقت:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا:

سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللهُ فِيْ ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ: اَلْإِمَامُ الْعَادِلُ، وَشَابٌّ نَشَأَ فِيْ عِبَادَةِ رَبِّهِ، وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ فِي الْمَسَاجِدِ، وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِي اللهِ اجْتَمَعَا عَلَيْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ، وَرَجُلٌ طَلَبَتْهُ امْرَأَةٌ ذَاتُ مَنْصِبٍ وَجَمَالٍ فَقَالَ إِنِّيْ أَخَافُ اللهَ، وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ أَخْفٰى حَتّٰى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِيْنُهُ، وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ.

صحیح البخاری: رقم الحدیث 660

ترجمہ: سات قسم کے آدمی ایسے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اپنے (عرش کے) سائے میں جگہ عطا فرمائیں گے جس دن اس کے سائے کے علاوہ کوئی اور سایہ نہیں ہو گا۔ پہلا انصاف کرنے والا حکمران، دوسرا وہ نوجوان جو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہا ہو، تیسرا وہ آدمی جس کا دل مسجد میں اٹکا رہتا ہو، چوتھے ایسے دو شخص جو محض اللہ تعالیٰ کی خاطر ایک دوسرے سے محبت رکھتے ہوں، ان کے ملنے اور جدا ہونے کی بنیاد یہی محبتِ الٰہی ہو، پانچواں وہ شخص جس کو کسی باعزت اور حسین و جمیل عورت نے (گناہ کی) دعوت دی تو اس نے کہا کہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں، چھٹا وہ آدمی جس نے اس قدر پوشیدہ طور پر صدقہ کیا کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہوئی کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے اور ساتواں وہ آدمی جس نے تنہائی میں اللہ کو یاد کیا اور اس کے آنسو جاری ہو گئے۔

ان سات افراد میں ایک شخص "اَلْإِمَامُ الْعَادِلُ" ہے یعنی ایسا حکمران جو عدل وانصاف کرنے والا ہو۔

یہاں متن میں موجود لفظ "اَلْإِمَامُ" سے مراد پہلا معنی "مقتداء و پیشوا" ہے یعنی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فنِ فقہ میں امت کے مقتداء و پیشوا اور مجتہد و

فقیہ ہیں اور آپ کو فقہ میں امت کی رہنمائی کرنے کا منصب حاصل ہے۔

قَوۡلُہٗ: اَلۡاَعۡظَمُ

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو "امام اعظم" کہتے ہیں۔ "امام اعظم" کہنے کا مطلب یہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد امت میں جتنے مجتہدین گزرے ہیں آپ رحمۃ اللہ علیہ ان میں سب سے بڑے مجتہد ہیں۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو "امام اعظم" کئی ایک حضرات نے کہا ہے۔ ذیل میں چند حضرات کے حوالہ جات تحریر کیے جاتے ہیں:

1: امام ابو الحسن علی بن اسماعیل الاشعری (ت 324ھ) فرماتے ہیں:

وَحَاشَى الْإِمَامُ الْأَعْظَمُ أَبُوْ حَنِيْفَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ مِنْ هٰذَا الْقَوْلِ بَلْ هُوَ زُوْرٌ وَبَاطِلٌ فَإِنَّ أَبَا حَنِيْفَةَ مِنْ أَفْضَلِ أَهْلِ السُّنَّةِ.

الابانۃ عن اصول الدیانۃ: ج1 ص87

ترجمہ: امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ ایسی بات (کہ قرآن مخلوق ہے) ہر گز نہیں فرما سکتے بلکہ یہ تو (آپ پر) جھوٹ اور بہتان ہے۔ وجہ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ کا شمار اھل السنۃ کے افضل طبقہ میں ہوتا ہے۔

2: امام ابو سعد عبد الکریم بن محمد السمعانی (ت 562ھ) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں لکھتے ہیں:

وُلِدَ بِغَزَّةَ مِنْ بِلَادِ فِلَسْطِيْنَ بِنَوَاحِيْ بَيْتِ الْمَقْدِسِ سَنَةَ خَمْسِيْنَ وَمِائَةً، لَعَلَّهٗ مَاتَ فِيْ يَوْمِهَا الْإِمَامُ الْأَعْظَمُ أَبُوْ حَنِيْفَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ.

کتاب الانساب: ج3 ص379

ترجمہ: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فلسطین کے شہر غزہ میں پیدا ہوئے جو بیت المقدس کے گرد و نواح میں واقع ہے۔ شاید اسی دن امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی وفات

ہوئی۔

3: امام ابو المؤید موفق بن احمد الخوارزمی المکی الحنفی (ت 568ھ) نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے فضائل پر ایک کتاب لکھی ہے۔ اس کا نام "مناقب الامام الاعظم ابی حنیفۃ رضی اللہ عنہ واکرم" رکھا۔

4: امام عز الدین ابو الحسن علی بن محمد بن عبد الکریم ابن اثیر الجزری (ت 630ھ) لکھتے ہیں:

وَفِيْ هٰذِهِ السَّنَةِ مَاتَ الْإِمَامُ الْأَعْظَمُ أَبُوْ حَنِيْفَةَ النُّعْمَانُ بْنُ ثَابِتٍ.

الکامل فی التاریخ: ج5 ص192

ترجمہ: اسی سال (سن 150 ہجری میں) امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کی وفات ہوئی۔

5: علامہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی الشافعی (ت 748ھ) لکھتے ہیں:

أَبُوْ حَنِيْفَةَ الْإِمَامُ الْأَعْظَمُ فَقِيْهُ الْعِرَاقِ النُّعْمَانُ بْنُ ثَابِتِ بْنِ زُوْطَا التَّيْمِيُّ مَوْلَاهُمُ الْكُوْفِيُّ مَوْلِدُهٗ سَنَةَ ثَمَانِيْنَ رَأَى أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ غَيْرَ مَرَّةٍ لَمَّا قَدِمَ عَلَيْهِمُ الْكُوْفَةَ.

تذکرۃ الحفاظ: ج1 ص126

ترجمہ: ابو حنیفہ امام اعظم، فقیہ عراق نعمان بن ثابت بن زُوطیٰ تیمی کوفی سن 80 ہجری میں پیدا ہوئے۔ آپ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو کئی بار دیکھا جب وہ کوفہ تشریف لاتے تھے۔

6: حافظ الدین امام محمد بن محمد بن شہاب بن یوسف الکردری الحنفی المعروف البزازی (ت 827ھ) نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے فضائل پر ایک کتاب لکھی۔ اس کا نام "مناقب الامام الاعظم رضی اللہ عنہ" رکھا۔

7: شیخ محی الدین محمد بن بہاؤ الدین (ت956ھ) اپنی تصنیف ”القول الفصل شرح الفقہ الاکبر“ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

وَمَا أحَدٌ أحَقُّ بِهٰذِهِ الْأَوْصَافِ السَّنِيَّةِ وَأَوْلىٰ بِالْأَخْلَاقِ الْعَلِيَّةِ إِلَّا مَنْ نُقِلَ فِيْ فَضْلِهِ الْآثَارُ ... وَهُوَ سِرَاجُ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ وَمِنْهَاجُ مِلَّةِ أَحْمَدَ، الْإِمَامُ الْأَعْظَمُ وَالْمُقْتَدَى الْمُكَرَّمُ أَبُوْ حَنِيْفَةَ الْكُوْفِيُّ رَفَعَ اللهُ لَهُ ... فَالتَّعْوِيْلُ كُلَّ التَّعْوِيْلِ لَيْسَ إِلَّا مَا جَرٰى مِنْ لَفْظِهِ الْمُعْتَبَرِ وَهُوَ الْمُخْتَصَرُ الْمَنْسُوْبُ إِلَيْهِ الْمَوْسُوْمُ بِ"الْفِقْهِ الْأَكْبَرِ" فَأَرَدْنَا أَنْ نُفَصِّلَ مُجْمَلَاتِهٖ وَنَفْتَحَ مُغْلَقَاتِهٖ لِتَسْهَلَ اسْتِفَادَتُهٗ.

القول الفصل شرح الفقہ الاکبر:10

ترجمہ: ان عمدہ اوصاف اور اعلیٰ اخلاق کا حقدار وہی شخص ہو سکتا ہے جس کی فضیلت میں آثار منقول ہوں.... اور وہ سراج الملت، ملت احمدیہ کی روشن راہ، امام اعظم، مقتدائے مکرم ابو حنیفہ الکوفی ہیں- اللہ تعالی ان کے مرتبے کو بلند فرمائے۔ ہمارا مکمل اعتماد صرف اسی (کتاب) پر ہے جو آپ رحمۃ اللہ علیہ سے معتبر طریقے سے ثابت ہے اور وہ آپ کی طرف منسوب مختصر سی کتاب ہے جس کا نام ”الفقہ الاکبر“ ہے۔ ہم نے ارادہ کیا ہے کہ اس کی مجمل عبارات کی تفصیل کریں اور اس کی پیچیدگیوں کو کھولیں تاکہ اس سے استفادہ آسان ہو جائے۔

8: امام عبد الوہاب بن احمد الشعرانی (ت973ھ) لکھتے ہیں:

وَمَنْ فَتَّشَ مَذْهَبَهٗ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وَجَدَهٗ مِنْ أَكْثَرِ الْمَذَاهِبِ احْتِيَاطاً فِي الدِّيْنِ وَمَنْ قَالَ غَيْرَ ذَالِكَ فَهُوَ مِنْ جُمْلَةِ الْجَاهِلِيْنَ الْمُتَعَصِّبِيْنَ الْمُنْكِرِيْنَ عَلٰى أَئِمَّةِ الْهُدٰى بِفَهْمِهِ السَّقِيْمِ وَحَاشَا ذَالِكَ الْإِمَامُ الْأَعْظَمُ مِنْ مِثْلِ ذَالِكَ حَاشَاهُ بَلْ هُوَ إِمَامٌ عَظِيْمٌ.

المیزان الکبریٰ: ج1 ص150

ترجمہ: جو شخص آپ رضی اللہ عنہ کے مذہب میں غور وفکر کرے گا تو اسے یہ معلوم ہو جائے گا کہ آپ کے مذہب میں دیگر مذاہب کے مقابلے میں احتیاط بہت زیادہ ہے۔ جو شخص اس کے برخلاف کوئی بات کہتا ہے تو اس کا شمار جاہل و متعصب لوگوں میں ہوتا ہے جو اپنی فہم سقیم کی بناء پر ائمہ کا انکار کر دیتے ہیں۔ امام اعظم اس طرز سے (کہ احتیاط فی الدین نہ کرتے ہوں) بالکل بری ہیں بلکہ آپ تو بڑے امام ہیں

9: امام شہاب الدین احمد بن حجر المکی الہیثمی الشافعی (ت 974ھ)

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے فضائل و مناقب پر مستقل کتاب لکھی ہے جس کا نام "الخیرات الحسان فی مناقب الامام الاعظم ابی حنیفۃ النعمان" رکھا ہے۔

10: امام ابو المنتہی شہاب الدین احمد بن محمد المَغْنِیْساوی الرومی الحنفی (ت 1000ھ) اپنی تصنیف "شرح الفقہ الاکبر" کے آغاز میں لکھتے ہیں:

إِنَّ كِتَابَ الْفِقْهِ الْأَكْبَرِ الَّذِىْ صَنَّفَهُ الْإِمَامُ الْأَعْظَمُ كِتَابٌ صَحِيْحٌ مَقْبُوْلٌ.

شرح الفقہ الاکبر: ص 1

ترجمہ: بلاشبہ الفقہ الاکبر جو امام اعظم کی تصنیف ہے صحیح اور مقبول کتاب ہے۔

11: ملا علی بن سلطان محمد القاری الحنفی (ت 1014ھ) لکھتے ہیں:

قَالَ الْإِمَامُ الْأَعْظَمُ وَالْهُمَامُ الْأَفْخَمُ الْأَقْدَمُ فِىْ كِتَابِهِ الْمُسَمّٰى بِ"الْفِقْهِ الْأَكْبَرِ" الْمُشَارِ بِهٖ إِلٰى أَنَّهٗ يَنْبَغِىْ أَنْ يَكُوْنَ الْاِهْتِمَامُ بِهٖ هُوَ الْأَكْثَرُ لِأَنَّهٗ مَدَارُ الْإِيْمَانِ.

شرح الفقہ الاکبر: ص 37

ترجمہ: امام اعظم، ہمام افخم واقدم (سب سے عظیم اور جرأت کا حامل شخص) اپنی کتاب "الفقہ الاکبر" میں فرماتے ہیں اور یہ وہ کتاب ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے

کہ اس کتاب کا زیادہ سے زیادہ اہتمام کرنا چاہیے (کہ اس کے مطابق اپنے اعتقادات رکھیں) کیونکہ یہی ایمان کا مدار ہے۔

12: مصطفیٰ بن عبد اللہ کاتب چلپی المعروف حاجی خلیفہ (ت 1067ھ) لکھتے ہیں:

اَلْفِقْهُ الْأَكْبَرُ فِي الْكَلَامِ لِلْإِمَامِ الْأَعْظَمِ أَبِيْ حَنِيْفَةَ: النُّعْمَانِ بْنِ ثَابِتٍ الْكُوْفِيِّ الْمُتَوَفّٰى سَنَةَ خَمْسِيْنَ وَمِائَةٍ، رَوٰى عَنْهُ أَبُوْ مُطِيْعٍ الْبَلْخِيُّ وَاعْتَنٰى بِهٖ جَمَاعَةٌ مِنَ الْعُلَمَاءِ فَشَرَحَهٗ غَيْرُ وَاحِدٍ مِنَ الْفُضَلَاءِ.

کشف الظنون عن آسام الکتب والفنون: ج2 ص1287

ترجمہ: الفقہ الاکبر؛ علم الکلام میں امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت الکوفی متوفیٰ 150ھ کی کتاب ہے جو ان سے ابو مطیع البلخی نے روایت کی ہے۔ علماء نے اس کی بہت خدمت کی ہے اور کئی فضلاء نے اس کی شرح بھی تحریر کی ہے۔

13: امام ابو الفلاح عبد الحئ بن احمد بن محمد العکری الحنبلی (ت 1089ھ) اپنی کتاب "شذرات الذھب" میں قاضی القضاۃ جمال الدین ابو المحاسن یوسف بن اسکندر ابن محمد بن محمد الحلبی الحنفی کے حالات میں لکھتے ہیں:

وَأَلَّفَ رِسَالَةً فِيْ تَقْوِيَةِ مَذْهَبِ الْإِمَامِ الْأَعْظَمِ فِيْ عَدَمِ رَفْعِ الْيَدَيْنِ قَبْلَ الرُّكُوْعِ وَبَعْدَهٗ.

شذرات الذھب: ج8 ص168

ترجمہ: آپ نے امام اعظم رحمہ اللہ کے موقف کی تائید میں رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین (کے مشروع) نہ ہونے پر ایک رسالہ بھی تحریر فرمایا۔

14: ابو محمد عبد القادر بن محمد ادریس بن محمد محمود العمری الحنفی السلھتی (بنگالی) اپنی تصنیف الفقہ الاکبر کی شرح "الدر الازھر فی شرح الفقہ الاکبر" کی ابتداء میں لکھتے ہیں:

فَلَمَّا كَانَ عِلْمُ التَّوْحِيْدِ أَصْلَ أُصُوْلِ الدِّيْنِ وَالْكِتَابُ الْجَلِيْلُ الَّذِيْ صَنَّفَهُ الْإِمَامُ الْأَعْظَمُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وَسَمَّاهُ بِ "الْفِقْهِ الْأَكْبَرِ" أَوَّلَ تَصْنِيْفٍ

وَاَشْمَلَ لِمَسَائِلِ التَّوْحِيْدِ وَالْيَقِيْنِ وَقَدْ ضَيَّعْتُ دَهْرِيَ الْاَطْوَلَ فِي اللَّهْوِ وَالْمَعَاصِيْ فَاَلْهَمَنِيَ اللهُ تَعَالٰى فِيْ آخِرِ عُمُرِيْ اَنْ اَشْرَحَ هٰذَا الْكِتَابَ الْجَلِيْلَ شَرْحًا وَجِيْزاً.

الدر الازہر فی شرح الفقہ الاکبر: ص2

ترجمہ: چونکہ علم توحید دین کے اصولوں میں سے بنیادی اصول ہے اور وہ کتاب جس کو امام اعظم رضی اللہ عنہ نے تصنیف فرمایا اور اس کا نام ”الفقہ الاکبر“ رکھا عقائد کے باب میں پہلی تصنیف ہے اور توحید اور یقین کے مسائل میں جامع ترین کتاب ہے اور میری حالت یہ تھی کہ میں نے اپنی زندگی کا ایک بڑا حصہ کھیل کود اور گناہوں میں ضائع کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں یہ بات ڈالی کہ میں اس عظیم الشان کتاب کی ایک عمدہ شرح لکھوں۔

15: علامہ عبد العلی محمد بن نظام الدین محمد سہالوی انصاری لکھنوی المعروف علامہ بحر العلوم (ت 1225ھ) فرماتے ہیں:

مَنْ قَالَ: لَمْ يَقُلْهُ اللهُ تَعَالٰى وَلَيْسَ كَلَامُهٗ فَهُوَ كَافِرٌ الْبَتَّةَ هٰذَا هُوَ الَّذِيْ رَامَهُ الْإِمَامُ الْهُمَامُ أَعْظَمُ الْأَئِمَّةِ حَيْثُ قَالَ فِي الْفِقْهِ الْأَكْبَرِ: اَلْقُرْاٰنُ فِي الْمَصَاحِفِ مَكْتُوْبٌ وَفِي الْقُلُوْبِ مَحْفُوْظٌ وَعَلَى الْأَلْسُنِ مَقْرُوْءٌ وَعَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُنَزَّلٌ، لَفْظُنَا بِالْقُرْاٰنِ مَخْلُوْقٌ وَكِتَابَتُنَا لَهٗ وَقِرَاءَتُنَا لَهٗ مَخْلُوْقَةٌ وَالْقُرْاٰنُ غَيْرُ مَخْلُوْقٍ.

فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت: ج2 ص7

ترجمہ: جو شخص یہ کہے کہ قرآن کا تکلم اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا اور یہ اللہ کا کلام نہیں ہے تو ایسا شخص پکا کافر ہے۔ یہی بات امام ہمام امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ ”الفقہ الاکبر“ میں کہنا چاہتے ہیں، فرماتے ہیں: قرآن مصاحف میں لکھا گیا ہے، دلوں میں محفوظ ہے، زبانوں کے ذریعے اس کی تلاوت کی جاتی ہے اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم پر نازل ہوا ہے۔ قرآن کریم کے الفاظ جو ہم اپنی زبان سے ادا کرتے ہیں تو یہ الفاظ مخلوق ہیں، ہم جو قرآن لکھتے ہیں تو یہ لکھے ہوئے نقوش مخلوق ہیں، ہم جو اس کی قراءت کرتے ہیں تو ہمارا قرأت کرنا (یعنی فعلِ قرأت) مخلوق ہے لیکن خود قرآن مخلوق نہیں۔

16: نواب صدیق حسن خان قنوجی بھوپالی غیر مقلد (ت 1307ھ) لکھتے ہیں:

"امام اعظم ابو حنیفہ کوفی رحمہ اللہ اول مجتہد ہیں، دوسرے امام دار الہجرہ امام مالک بن انس، تیسرے امام شافعی اور چوتھے امام احمد ہیں، یہ چاروں بزرگوار قرونِ مشہود لہا بالخیر کے تیسرے قرن میں تھے۔"

جلب المنفعۃ فی الذب عن الائمۃ المجتہدین الاربعۃ (اردو مترجم): ص92

17: میاں نذیر حسین دہلوی غیر مقلد (ت 1320ھ) لکھتے ہیں:

"مسئلہ: حدِ بلوغتِ جاریہ نزدیک امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے سترہ برس ہیں اور دیگر ائمہ کے نزدیک پندرہ برس ہیں"

فتاویٰ نذیریہ: ج3 ص131

18: ابو سعید محمد حسین بٹالوی غیر مقلد (ت 1338ھ) نے 1292ھ (1877ء) میں ایک ماہنامہ رسالہ "اشاعۃ السنۃ" جاری کیا جس کا مقصد اپنے مسلک کی اشاعت کرنا تھا۔ اس رسالے میں ایک مقام پر لکھا ہے:

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فقہ اکبر میں فرمایا ہے کہ "انبیاء علیہم السلام کفر وغیرہ کبائر و فواحش سے منزہ ہیں"۔ فقہ اکبر کی شرح میں ملا علی قاری صاحب نے کہا ہے کہ "وہ ایسے صغائر سے بھی منزہ ہیں جن میں خست ودنائت پائی جاتی ہو جیسے لقمہ کی چوری وغیرہ"۔ ایسے ہی شرح مواقف میں فرمایا ہے۔

اشاعۃ السنۃ: ج11 شمارہ4 ص98

19: محمد ابراہیم میر سیالکوٹی غیر مقلد (ت 1375ھ) لکھتے ہیں:

"اسی طرح امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فقہ اکبر میں اِندراجات لوحِ محفوظ کی نسبت فرماتے ہیں: وَلٰكِنْ كَتَبَهٗ بِالْوَصْفِ لَا بِالْحُكْمِ [البتہ لوحِ محفوظ میں تقدیر کی تحریر؛ وصف کے اعتبار سے ہے نہ کہ حکم کے اعتبار سے]"

تاریخ اہلحدیث: ص73

20: حکیم محمد صادق سیالکوٹی غیر مقلد (ت 1406ھ) لکھتے ہیں:

"امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اپنے استاد گرامی [حضرت عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ] کے متعلق فرماتے ہیں: مَا رَأَيْتُ مِثْلَهٗ (میزان ذہبی) یعنی میں نے ان جیسا کوئی نہیں دیکھا"

صلوٰۃ الرسول: ص197

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

"امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ.... امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: قبر نہ تو پختہ بنائی جائے اور نہ مٹی سے لیپی جائے اور قبر پر نہ تو کوئی عمارت (گنبد، قبہ، مینار وغیرہ) کھڑی کی جائے اور نہ خیمہ"

صلوٰۃ الرسول: ص443

اشکال: بعض لوگ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو "امام اعظم" کہنے پر یہ اشکال کرتے ہیں کہ اس سے - معاذ اللہ - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص لازم آتی ہے کہ "امام اعظم" تو پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا لقب تھا، احناف نے یہ لقب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے ایک امتی کے لیے استعمال کیا ہے۔ گویا احناف نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل لا کھڑا کیا ہے!

جواب: امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو "امام اعظم" کہنا - معاذ اللہ - آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کے مقابلے میں نہیں اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لقب کو امتی کے لیے استعمال کرنا ہے بلکہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کو "امام اعظم" باقی ائمہ مجتہدین کے مقابلے میں کہا جاتا ہے کیونکہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ائمہ ثلاثہ؛ امام مالک بن انس (ت179ھ)، امام محمد بن ادریس شافعی (ت204ھ) اور امام احمد بن محمد بن حنبل (ت241ھ) سے مقام اور زمانہ کے اعتبار سے مقدم ہیں۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو "صدیق اکبر" اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو "فاروق اعظم" کہنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں نہیں بلکہ باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مقابلے میں ہے کہ وصفِ صداقت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ میں اور وصفِ فرق بین الحق والباطل حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ میں باقی صحابہ رضی اللہ عنہم کے مقابلے میں نمایاں تھا۔ بالکل اسی طرح وصفِ اجتہاد وفقاہت بھی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ میں باقی ائمہ کے مقابلے میں نمایاں تھا، اس لیے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو "امام اعظم" کہتے ہیں۔

قَوْلُهُ: أَبُوْ حَنِيْفَةَ

امام صاحب کی کنیت "ابو حنیفہ" ہے۔ یہ کنیت نسبی نہیں بلکہ وصفی ہے۔

فائدہ:

کنیت کی دو قسمیں ہیں: کنیتِ نسبی اور کنیتِ وصفی

کنیتِ نسبی ... ایسا نام جو ماں باپ یا بیٹا بیٹی کی طرف نسبت کر کے پکارا جائے جیسے ابو عبد اللہ، ام محمد، ابن عمر وغیرہ۔

کنیتِ وصفی... ایسا نام جو انسان کے کسی خاص وصف یا خصلت کی بنا پر مشہور ہو جائے جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تین اشخاص بطورِ خاص کنیت کے ساتھ

معروف تھے:

[۱]: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

آپ رضی اللہ عنہ کا نام "عبد اللہ" اور کنیت "ابو بکر" ہے۔ یہ کنیت بھی وصفی ہے۔ لفظ "اب" کا معنی باپ بھی ہے اور "والا" بھی ہے۔ "بکر" کا معنی کسی چیز میں پہل کرنے اور ابتداء کرنے آتا ہے۔ لغت کی مشہور کتاب المنجد میں ہے:

"بُکُوْرٌ: کسی چیز میں پہل کرنا۔ بِکْرٌ: پہلا بچہ۔ اَلْبَاکُوْرَۃُ: پہلا میوہ۔ اَلْمُبْکِرُ: موسم بہار کی پہلی بارش۔ اَلْمِبْکَارُ: پہلے اگانے والی زمین۔ اَلْبَکِیْرَۃُ: پہلے مراد پہ پہنچنے والا۔"

المنجد: 70، 71

یوں کنیت "ابو بکر" کا معنی ایسی شخصیت ہے جو پہل کرنے والی ہو۔ آپ رضی اللہ عنہ چونکہ تمام امورِ خیر میں پہل فرمانے والے تھے اسی لیے آپ کو "ابو بکر" کہا جاتا ہے۔

معروف سیرت نگار امام علی بن برہان الدین الحلبی (ت 1044ھ) کنیت "ابو بکر" کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

كُنِّيَ بِ "أَبِيْ بَكْرٍ" لِابْتِكَارِهِ الْخِصَالَ الْحَمِيْدَةَ.

السیرۃ الحلبیۃ: ج1 ص442

ترجمہ: آپ رضی اللہ عنہ کو "ابو بکر" اس لیے کہا جاتا ہے کہ آپ ہر اچھے کام میں پہل فرمانے والے تھے۔

[۲]: حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ

آپ رضی اللہ عنہ کی کنیت "ابو تراب" ہے۔ یہ کنیت بھی نسبی نہیں بلکہ وصفی ہے۔ اس کنیت کی وجہ صحیح البخاری میں یوں مذکور ہے:

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ جَاءَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْتَ فَاطِمَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا فَلَمْ يَجِدْ عَلِيًّا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فِي الْبَيْتِ فَقَالَ: "أَيْنَ ابْنُ عَمِّكِ؟" قَالَتْ: كَانَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ شَيْءٌ فَغَاضَبَنِي فَخَرَجَ فَلَمْ يَقِلْ عِنْدِي. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِإِنْسَانٍ: "انْظُرْ أَيْنَ هُوَ؟" فَجَاءَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! هُوَ فِي الْمَسْجِدِ رَاقِدٌ. فَجَاءَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُضْطَجِعٌ قَدْ سَقَطَ رِدَاؤُهُ عَنْ شِقِّهِ وَأَصَابَهُ تُرَابٌ فَجَعَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُهُ عَنْهُ وَيَقُولُ: "قُمْ أَبَا تُرَابٍ! قُمْ أَبَا تُرَابٍ!"

صحیح البخاری: رقم الحدیث 441

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گھر میں نہ پایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: آپ کے چچا کا بیٹا کہاں ہے؟ وہ عرض کرنے لگیں کہ ہمارے درمیان کچھ باتیں ہوئی ہیں تو وہ ناراض ہو کر چلے گئے ہیں اور یہاں نہیں سوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا کہ جا کر دیکھو کہ وہ کہاں ہیں؟ (وہ شخص گیا۔ جا کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا) واپس آیا اور عرض کرنے لگا: یارسول اللہ! وہ مسجد میں سو رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ وہ (زمین پر) لیٹے ہوئے تھے اور ان کی چادر ان کے پہلو سے الگ ہو گئی تھی اور (ان کے جسم پر) مٹی لگی ہوئی تھی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مٹی کو جھاڑنا شروع کیا اور ساتھ ساتھ یہ فرماتے گئے کہ اے ابو تراب! کھڑے ہو جاؤ! اے ابو تراب! کھڑے ہو جاؤ!

اس واقعہ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کنیت "ابو تراب" معروف ہو

گئی۔

[۳]: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

آپ رضی اللہ عنہ کا نام ”عبد الرحمٰن بن صخر “ اور کنیت ”ابوہریرہ“ ہے۔ ”هُرَيْرَةٌ“ کا معنی ہے ”بلی کا بچہ“۔ آپ رضی اللہ عنہ کی یہ کنیت وصفی ہے۔ اس کنیت کی وجہ کے بارے میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ خود ارشاد فرماتے ہیں:

كَانَ اسْمِي فِي الْجَاهِلِيَّةِ عَبْدَ شَمْسٍ فَسُمِّيتُ فِي الْإِسْلَامِ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ، وَإِنَّمَا كُنِّيتُ بِأَبِيْ هُرَيْرَةَ لِأَنِّيْ وَجَدْتُ هِرَّةً فَجَعَلْتُهَا فِيْ كُمِّيْ، فَقِيْلَ لِي: مَا هٰذِهِ؟ قُلْتُ: "هِرَّةٌ" قِيْلَ: فَأَنْتَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ. وَقَدْ رُوِّيْنَا عَنْهُ أَنَّهٗ قَالَ: كُنْتُ أَحْمِلُ هِرَّةً يَوْمًا فِيْ كُمِّيْ، فَرَآنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ لِيْ: "مَا هٰذِهِ؟" فَقُلْتُ: هِرَّةٌ. فَقَالَ: "يَا أَبَا هُرَيْرَةَ."

وَهٰذَا أَشْبَهُ عِنْدِيْ أَنْ يَكُوْنَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَنَّاهُ بِذٰلِكَ، وَاللهُ أَعْلَمُ.

الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب لابن عبد البر: ج2ص70

ترجمہ: دورِ جاہلیت میں میرا نام ”عبد الشمس“ تھا اور اسلام لانے کے بعد عبد الرحمٰن رکھا گیا۔ میری کنیت ”ابوہریرہ“ پڑی۔ وجہ یہ تھی کہ مجھے ایک بلی ملی جسے میں نے اپنی آستین میں رکھ لیا۔ مجھ سے پوچھا گیا کہ آستین میں کیا ہے؟ میں نے کہا: بلی ہے۔ تو مجھے ”ابوہریرہ“ (بلی والا) کہا جانے لگا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک اور وجہ بھی منقول ہے۔ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں اپنی آستین میں بلی اٹھائے ہوئے تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھا تو دریافت فرمایا: یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ بلی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا: ”اے ابوہریرہ“۔ امام ابن عبد البر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک تحقیقی بات یہ ہے کہ آپ رضی اللہ

عنہ کی کنیت "ابو ہریرہ" نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی تجویز فرمائی ہے۔ واللہ اعلم

فائدہ:

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی کنیت کے معنی ومراد کے بارے میں چند اقوال پیش ہیں:

1: عراقی لغت میں دوات کو "حنیفہ" کہتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے آخر عمر تک قلم ودوات نہیں چھوڑا یعنی کہ ساری زندگی علم ہی کو اپنا اوڑھنا اور بچھونا بنائے رکھا اس لیے اس کی طرف منسوب ہو کر "ابو حنیفہ" کہلائے۔

امام شہاب الدین احمد بن حجر المکی الہیثمی (ت974ھ) لکھتے ہیں:

قِيلَ سَبَبُ تَكْنِيَتِهِ بِذٰلِكَ مُلَازَمَتُهُ لِلدَّوَاةِ الْمُسَمَّاةِ بِلُغَةِ الْعِرَاقِ.

الخیرات الحسان فی مناقب الامام الاعظم ابی حنیفۃ النعمان: ص32

ترجمہ: امام صاحب کو "ابو حنیفہ" کہنے کے ایک وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ آپ کے پاس ایک دوات ہمیشہ رہتی تھی جسے لغت عراق میں "حنیفہ" کہتے ہیں۔

2: دین اسلام کو "ملت حنیفہ" کہتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے پہلے اس کی تدوین فرمائی ہے اس لیے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو "ابو حنیفہ" کہتے ہیں۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی (ت1402ھ) لکھتے ہیں:

وَالْأَوْجَهُ فِيْ تَكْنِيَتِهِ أَنَّهُ رَأْسُ الْفُرُوْعِ وَالشَّرَائِعِ فِي الْمِلَّةِ الْحَنِيْفِيَّةِ الْبَيْضَاءِ.

مقدمۃ اوجز المسالک الی مؤطا مالک: ج1 ص171

ترجمہ: امام صاحب کو "ابو حنیفہ" کہنے کے حوالے سے زیادہ بہتر بات یہ ہے کہ آپ روشن ملت حنیفیہ کے احکام ومسائل (کے جمع واستخراج) میں بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں۔

ایک شبہ کا ازالہ:

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ”حنیفہ“امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ایک صاحبزادی کا نام تھا۔ ان کی طرف نسبت کی وجہ سے آپ ”ابو حنیفہ“ کہلائے لیکن یہ بات بالکل غلط اور خلافِ واقعہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا صرف ایک ہی بیٹا تھا جس کا نام حماد بن ابی حنیفہ رحمہا اللہ تھا، اس کے علاوہ آپ کی کوئی اولاد نہ تھی۔

علامہ محمد بن اسحاق بن ندیم (ت 385ھ) اپنی کتاب ”الفہرست“ میں لکھتے ہیں:

وَكَانَ لَهُ مِنَ الْوُلْدِ حَمَّادٌ وَيُكَنّٰى أَبَا إِسْمَاعِيلَ وَمَاتَ بِالْكُوفَةِ.

الفہرست لابن ندیم: ص255

ترجمہ: آپ کی اولاد میں صرف حضرت حماد تھے جن کی کنیت ابو اسماعیل تھی، ان کا انتقال کوفہ میں ہوا۔

امام شہاب الدین احمد ابن حجر المکی الہیثمی (ت 974ھ) لکھتے ہیں:

لَا يُعْلَمُ لَهُ وَلَدٌ، ذَكَرٌ وَلَا أُنْثٰى غَيْرَ حَمَّادٍ.

الخیرات الحسان فی مناقب الامام الاعظم ابی حنیفۃ النعمان: ص32

ترجمہ: آپ کی اولاد میں سوائے حماد رحمہ اللہ کے اور کسی بیٹے یا بیٹی کا ہونا معلوم نہیں۔

شیخ محمد قاسم بن عبدہ الحارثی فرماتے ہیں:

لَا يُعْلَمُ لِأَبِي حَنِيفَةَ وَلَدٌ غَيْرَ ابْنِهِ حَمَّادٍ.

مکانۃ الامام ابی حنیفۃ بین المحدثین للحارثی: ص39

ترجمہ: امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی امام حماد کے علاوہ کوئی اور اولاد معلوم نہیں ہو سکی۔

لہذا امام صاحب کی کنیت "ابو حنیفہ" وصفی کنیت ہے، نسبی نہیں۔

قَوْلُهُ: النُّعْمَانُ

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا نام "نعمان" ہے۔ علامہ شہاب الدین ابو العباس احمد بن محمد بن علی بن حجر الہیثمی المکی (ت974ھ) نے آپ کے نام میں کئی نکات بیان فرمائے ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:

إِذْ أَصْلُ النُّعْمَانِ الدَّمُ الَّذِيْ بِهٖ قِوَامُ الْبَدَنِ وَمِنْ ثَمَّةَ ذَهَبَ بَعْضُهُمْ إِلٰى أَنَّهُ الرُّوْحُ فَأَبُوْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللهُ بِهٖ قِوَامُ الْفِقْهِ وَمِنْهُ مَنْشَأُ مَدَارِكِهٖ وَعَوِيْصَاتِهٖ أَوْ نَبَتٌ أَحْمَرُ طِيْبُ الرِّيْحِ الشَّقِيْقُ أَوِ الْأُرْجُوَانُ - بِضَمِّ الْهَمْزَةِ - فَأَبُوْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللهُ طَابَتْ خِلَالُهٗ وَبَلَغَ الْغَايَةَ كَمَالُهٗ أَوْ فُعْلَانُ مِنَ النِّعْمَةِ فَأَبُوْ حَنِيْفَةَ نِعْمَةُ اللهِ عَلٰى خَلْقِهٖ.

الخیرات الحسان فی مناقب الامام الاعظم ابی حنیفۃ النعمان: ص31

ترجمہ: [1] "نعمان" اصل میں اس خون کو کہتے ہیں جس کی وجہ سے بدن کا قِوام ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے بعض علماء نے یہ موقف اختیار کیا کہ نعمان کا معنی "روح" ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی وجہ سے فقہ کا قِوام ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ ہی دلائل بیان کرنے اور فقہ کی مشکلات کو حل کرنے کی بنیاد بنے ہیں۔ [2] یا "نعمان" سے مراد خوشبودار سرخ گھاس ہے جو گلِ لالہ ہے یا اُرغوان (ایک سرخ رنگ کا پودا جس کی خوشبو تیز ہوتی ہے) ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے خصائل بھی اچھے ہوئے اور آپ کے کمالات بامِ عروج کو پہنچے۔ [3] "نعمان" بمعنی نعمت ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی بھی مخلوقِ خدا کے لیے اللہ تعالیٰ کی بہت عظیم نعمت ہے۔

فائدہ:

علامہ شہاب الدین ابو العباس احمد بن محمد بن علی بن حجر الہیثمی

المکی(ت974ھ) نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نام کا ایک معنی "گلِ لالہ" بیان کیاہے۔ جس طرح گلِ لالہ کی خوشبو محفل کو معطر کرکے اسے کمال تک پہنچادیتی ہے اسی طرح آپ رحمۃ اللہ علیہ کے خصائل وکمالات بھی بامِ عروج اور کمالات کو پہنچے ہیں۔ اسی مناسبت سے یہاں امام محمد بن ادریس الشافعی (ت204ھ) کے اس شعر کا تذکرہ مناسب معلوم ہوتا ہے جو انہوں نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی مدح میں فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں:

أَعِدْ ذِكْرَ نُعْمَانٍ لَنَا فَإِنَّ ذِكْرَهُ

هُوَ الْمِسْكُ مَا كَرَّرْتَهُ يَتَضَوَّعُ

ترجمہ: ہمارے سامنے نعمان کا ذکر بار بار کرتے رہو! اس لیے کہ ان کا تذکرہ مشک کی طرح ہے جسے آپ جتنا ملیں گے اتنا ہی زیادہ خوشبو دے گی۔

حاشیۃ الکافیۃ فی النحو: ص16

قَوْلُهٗ: رَضِيَ اللّٰهُ تعالىٰ عَنْهُ

اصطلاحاتِ شریعت کا ایک ضابطہ ہے کہ جب کسی صحابی کا تذکرہ کیا جائے تو ان کے نام کے ساتھ "رضی اللہ عنہ" لکھا جاتا ہے اور جب کسی غیر صحابی کا ذکر ہو تو ان کے نام کے ساتھ "رحمۃ اللہ علیہ" لکھا جاتا ہے۔

اعتراض:

بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ احناف - معاذ اللہ - گستاخِ صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں کیونکہ جو لقب "رضی اللہ عنہ" صحابی کا تھا انہوں نے وہی لقب امام ابو حنیفہ کو دے کر "قَالَ الْاِمَامُ الْاَعْظَمُ أَبُوْ حَنِيْفَةَ النُّعْمَانُ رَضِيَ اللّٰهُ تعالىٰ عَنْهُ" کہاہے۔

جواب:

غیر صحابی کو ”رضی اللہ عنہ“ کہنا محض احناف کا طریقہ نہیں ہے بلکہ یہ خود قرآن کریم کا طریقہ ہے۔ سورۃ التوبہ میں ہے:

وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ

سورۃالتوبۃ:100

ترجمہ: اور مہاجرین اور انصار میں سے جو لوگ پہلے ایمان لائے، اور جنہوں نے نیکی کے ساتھ ان کی پیروی کی، اللہ ان سب سے راضی ہو گیا ہے اور وہ اس سے راضی ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انصار ومہاجرین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اور ان کے متبعین کو ”رضی اللہ عنہم“ فرمایا ہے۔ امام ابو حنیفہ اگرچہ صحابی نہیں بلکہ غیر صحابی ہیں لیکن انہیں ”رضی اللہ عنہ“ کہنا گستاخی نہیں بلکہ قرآنی اسلوب کی اتباع ہے۔

اشکال:

اگر قرآنی اسلوب یہی ہے کہ غیر صحابی کو ”رضی اللہ عنہ“ کہا جاسکتا ہے تو کیا یہ ضابطہ غلط ہے کہ صحابی کو ”رضی اللہ عنہ“ اور غیر صحابی کو ”رحمۃ اللہ علیہ“ کہا جائے؟

جواب:

یہ ضابطہ بھی ٹھیک ہے اور قرآنی اسلوب بھی ٹھیک ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ علماء نے جو یہ ضابطہ بیان فرمایا ہے کہ صحابی کو ”رضی اللہ عنہ“ اور غیر صحابی کو ”رحمۃ اللہ علیہ“ کہا جائے تو وہ اس لیے بیان فرمایا تاکہ صحابی اور غیر صحابی میں اشتباہ نہ ہو بلکہ ان میں امتیاز رہے۔

مثلاً ”محمد“ نام کے تین آدمی ہیں۔ ایک خود اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم

ہیں، ایک صحابی ہیں اور ایک بعد کے ولی ہیں۔ ”محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم“ نبی ہیں، ”محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ“ صحابی ہیں اور ”محمد بن حسن الشیبانی رحمۃ اللہ علیہ“ ولی ہیں۔ اب اگر کوئی کہے کہ ”محمد نے فرمایا“ تو یہ کیسے معلوم ہو گا کہ یہ کون سے محمد کا فرمان ہے؟ اب یہ امتیاز ضابطہ سے ہو گا کہ اگر ”صلی اللہ علیہ وسلم“ ساتھ لکھا ہو گا تو سمجھیں گے کہ یہ فرمانے والے اللہ کے نبی ہیں۔ اگر ”رضی اللہ عنہ“ ساتھ لکھا ہو گا تو معلوم ہو جائے گا کہ قائل صحابی ہیں اور اگر ”رحمۃ اللہ علیہ“ ساتھ لکھا ہو گا تو سمجھیں گے کہ اس کے قائل اللہ کے ولی ہیں۔

تو یہ اصطلاحات اس لیے متعین کی گئیں تاکہ بعد والوں کو اشتباہ نہ ہو۔ لہٰذا اگر کہیں کسی غیر صحابی کی شہرت اتنی زیادہ ہو کہ اگر انہیں ”رضی اللہ عنہ“ بھی کہہ دیں تو شہرت زیادہ ہونے کی وجہ سے معلوم ہو جائے کہ یہ صحابی نہیں ہے تو ایسے شخص کو ”رضی اللہ عنہ“ کہنا بھی درست ہے اور ”رحمۃ اللہ علیہ“ کہنا بھی درست ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت بھی اتنی معروف و مشہور ہے کہ اگر انہیں ”رضی اللہ عنہ“ بھی کہہ دیا جائے تب بھی کسی کے ذہن میں یہ نہیں آتا کہ آپ صحابی ہوں گے، اس لیے آپ کو ”رضی اللہ عنہ“ کہنا بالکل درست ہے۔ قرآن کریم کا اسلوب، ضابطہ اور فقہائے احناف کی عبارات سب درست ہیں۔

فائدہ:

خود غیر مقلدین کے اکابرین نے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے لیے ”رضی اللہ عنہ“ کا لقب استعمال کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

1: نواب صدیق حسن خان قنوجی بھوپالی (ت 1307ھ) امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ ان الفاظ سے کرتے ہیں:

"اَلْاِمَامُ اَبُوْ حَنِیْفَۃَ النُّعْمَانُ بْنُ ثَابِتٍ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ"

التاج المکلل: ص125

2: ابو سعید محمد حسین بٹالوی (ت1338ھ) نے 1292ھ (1877ء) میں ایک ماہنامہ رسالہ "اشاعۃ السنۃ" جاری کیا جس کا مقصد اپنے مسلک کی اشاعت کرنا تھا۔ اس رسالے میں ایک مقام پر لکھا ہے:

"حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فقہ اکبر میں فرمایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کفر وغیرہ کبائر وفواحش سے منزہ ہیں۔ فقہ اکبر کی شرح میں ملا علی قاری صاحب نے کہا ہے کہ وہ ایسے صغائر سے بھی منزہ ہیں جن میں خست ودنائت پائی جاتی ہو جیسے لقمہ کی چوری وغیرہ۔ ایسے ہی شرح مواقف میں فرمایا ہے۔"

اشاعۃ السنۃ: ج11 شمارہ4 ص98

3: نواب صدیق حسن خان کے بیٹے نواب علی حسن خان (ت1356ھ) نے اپنے والد صاحب کی سوانح "مآثر صدیقی" کے نام سے لکھی ہے۔ اس میں اپنے والد صاحب کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نسبت وہ لکھتے ہیں کہ امام اعظم کوفی رضی اللہ عنہ کو ائمہ اربعہ میں اجتہاد میں شرفِ تقدم حاصل ہے۔"

مآثر صدیقی: ج4 ص6

اصولِ ایمان کا بیان

أَصْلُ التَّوْحِيْدِ وَمَا يَصِحُّ الِاعْتِقَادُ عَلَيْهِ

يَجِبُ أَنْ يَقُوْلَ: اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَالْحِسَابِ وَالْمِيْزَانِ وَالْجَنَّةِ وَالنَّارِ حَقٌّ كُلُّهٗ

ترجمہ: توحید کی بنیاد اور ان چیزوں کا بیان جن کا اعتقاد رکھنا ضروری ہے:

ہر (مکلف) انسان پر لازم ہے کہ وہ یہ کہے کہ میں اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، دوسرے جہان (اور دوسری زندگی) کے برحق ہونے پر، موت کے بعد اٹھنے پر، اچھی اور بری تقدیر کے من جانب اللہ ہونے پر، حساب کتاب پر، میزان پر، جنت اور جہنم پر ایمان لایا کہ یہ ساری باتیں برحق ہیں۔

قَوْلُهٗ أَصْلُ التَّوْحِيْدِ:

اس مقام پر توحید کا معنی اور اقسام سمجھنا ضروری ہے۔

توحید کا لغوی معنی:

علامہ سید الشریف علی بن محمد الجرجانی (ت 816ھ) لکھتے ہیں:

اَلتَّوْحِيْدُ فِي اللُّغَةِ الْحُكْمُ بِأَنَّ الشَّيْءَ وَاحِدٌ وَالْعِلْمُ بِأَنَّهٗ وَاحِدٌ.

کتاب التعریفات للجرجانی: ص96

ترجمہ: لغت میں توحید کا معنی ہے کسی چیز پر ایک ہونے کا حکم لگایا جائے اور کسی چیز کے بارے میں یقین رکھا جائے کہ یہ چیز ایک ہے۔

توحید کا اصطلاحی وشرعی معنی:

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر بن عبد اللہ التفتازانی (ت 793ھ) لکھتے ہیں:

حَقِيقَةُ التَّوْحِيدِ اعْتِقَادُ عَدَمِ الشَّرِيكِ فِي الْأُلُوهِيَّةِ وَخَوَاصِّهَا.

شرح المقاصد فی علم الکلام للتفتازانی: ج4 ص39

ترجمہ: توحید کی حقیقت (یعنی شرعی مفہوم) یہ ہے کہ یہ اعتقاد رکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت الوہیت اور اس کے خواص میں کوئی شریک نہیں۔

علامہ تفتازانی رحمہ اللہ خود "الوہیت کے خواص" بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَلَا نِزَاعَ لِأَهْلِ الْإِسْلَامِ فِيْ أَنَّ تَدْبِيْرَ الْعَالَمِ وَخَلْقَ الْأَجْسَامِ وَاسْتِحْقَاقَ الْعِبَادَةِ وَقِدَمَ مَا يَقُوْمُ بِنَفْسِهٖ كُلَّهَا مِنَ الْخَوَاصِّ وَنَعْنِي الْقِدَمَ بِمَعْنٰى عَدَمِ الْمَسْبُوْقِيَةِ بِالْعَدَمِ.

شرح المقاصد فی علم الکلام للتفتازانی: ج4 ص39

ترجمہ: اس بات میں اہلِ اسلام کا کوئی اختلاف نہیں کہ عالَم کی دیکھ بھال کرنا، اجسام کو پیدا کرنا، عبادت کے لائق ہونا، ایسی ذات جو خود بخود قائم ہو (یعنی ذات باری تعالیٰ) اس کا قدیم ہونا یہ سارے کے سارے الوہیت کے لیے خواص ہیں۔ "قدیم" ہونے سے ہماری مراد یہ ہے کہ اس ذات پر پہلے زمانۂ عدم نہ گزرا ہو۔

توحید کی اقسام:

توحید کی شرعی تعریف کے پیشِ نظر اللہ تعالیٰ کو اس کی ذات، صفات، استحقاقِ عبادت اور قدیم ہونے وغیرہ جیسی صفات میں یکتا ماننا لازم ہے۔ چونکہ "توحید" کا لفظ اپنے اندر ایک جامع مفہوم رکھتا ہے اس لیے اکابرین اور اسلاف نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق مختلف پیرائے میں اس کی چند انواع واقسام بیان فرمائی ہیں۔ ذیل میں چند اکابرین کے حوالہ جات پیش ہیں جو توحید کو مختلف اقسام میں تقسیم کرتے ہیں:

(1): امام ابو عبد اللہ عبید اللہ بن محمد بن بَطَّة العَکبَری الحنبلی (ت 387ھ) لکھتے

ہیں:

أَنَّ أَصْلَ الْإِيْمَانِ بِاللهِ الَّذِيْ يَجِبُ عَلَى الْخَلْقِ اعْتِقَادُهُ فِيْ إِثْبَاتِ الْإِيْمَانِ بِهٖ ثَلَاثَةُ أَشْيَآءَ:

أَحَدُهَا: أَنْ يَعْتَقِدَ الْعَبْدُ إِنِّيَّتَهُ لِيَكُوْنَ بِذٰلِكَ مُبَايِنًا لِمَذْهَبِ أَهْلِ التَّعْطِيْلِ الَّذِيْنَ لَا يُثْبِتُوْنَ صَانِعًا.

وَالثَّانِيْ: أَنْ يَعْتَقِدَ وَحْدَانِيَّتَهُ لِيَكُوْنَ مُبَايِنًا بِذٰلِكَ مَذَاهِبَ أَهْلِ الشِّرْكِ الَّذِيْنَ أَقَرُّوْا بِالصَّانِعِ وَأَشْرَكُوْا مَعَهُ فِي الْعِبَادَةِ غَيْرَهُ.

وَالثَّالِثُ: أَنْ يَعْتَقِدَهُ مَوْصُوْفًا بِالصِّفَاتِ الَّتِيْ لَا يَجُوْزُ إِلَّا أَنْ يَكُوْنَ مَوْصُوْفًا بِهَا مِنَ الْعِلْمِ وَالْقُدْرَةِ وَالْحِكْمَةِ وَسَائِرِ مَا وَصَفَ بِهٖ نَفْسَهُ فِيْ كِتَابِهٖ.

الابانۃ لابن بطۃ: الکتاب الثالث. ج2 ص172، 173

ترجمہ: اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے لیے بنیادی طور پر تین چیزیں ایسی ہیں جن پر بندوں کا پختہ یقین ضروری ہے:

پہلی چیز: (اِنِّیَّت) بندہ یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات موجود ہے، اس عقیدہ سے اھلِ تعطیل کے عقیدہ سے امتیاز ہو جائے گا جو صانعِ عالم کے وجود کے قائل نہیں ہیں۔

دوسری چیز: (وحدانیت) یہ اعتقاد رکھے کہ باری تعالیٰ ایک ہے، اس سے مشرکین کے عقیدہ سے امتیاز ہو جائے گا جو صانع عالم کے وجود کے تو قائل ہیں لیکن اس کی عبادت کے ساتھ اوروں کی بھی عبادت کرتے ہیں۔

تیسری چیز: (صفاتِ خاصہ سے اتصاف) بندہ یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ ان صفات کے ساتھ موصوف ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ خاص ہیں جیسے علم، قدرت، حکمت اور دیگر صفات جو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنی ذات کے لیے بیان فرمائی ہیں۔

(2): علامہ محمد بن عبد الکریم بن ابی بکر احمد الشَّھْرِسْتانی (ت 548ھ) لکھتے ہیں:

إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى وَاحِدٌ فِيْ ذَاتِهٖ لَا قَسِيْمَ لَهٗ، وَ وَاحِدٌ فِيْ صِفَاتِهِ الْأَزَلِيَّةِ لَا نَظِيْرَ لَهٗ، وَ وَاحِدٌ فِيْ أَفْعَالِهٖ لَا شَرِيْكَ لَهٗ.

الملل والنحل: ج1 ص55

ترجمہ: (توحید فی الذات) اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں یکتا ہے اس کا کوئی جزء نہیں، (توحید فی الصفات) اپنی صفات ازلیہ میں یکتا ہے اس کی کوئی مثال نہیں اور (توحید فی الافعال) اپنے افعال میں یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔

(3): بعض لوگوں نے توحید کی درج ذیل تین اقسام بیان کی ہیں اور اس تقسیم کو علامہ تقی الدین احمد بن عبد الحلیم ابن تیمیہ الحرانی الحنبلی (ت728ھ) کی طرف منسوب کیا ہے۔ تین اقسام یہ ہیں:

توحید فی الربوبیت: اللہ تعالیٰ کی ذات ہی سارے جہان کو پالنے والی ہے، اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی پالنے والا نہیں ہے۔ توحید کی اس قسم میں اللہ تعالیٰ کو خالق، مالک، رازق، مدبر کائنات وغیرہ ماننا بھی شامل ہے۔

توحید فی الالوہیت: اللہ تعالیٰ کی ذات ہی لائق عبادت ہے، اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کی عبادت کرنا جائز نہیں ہے۔

توحید فی الصفات: اللہ تعالیٰ اپنی صفات میں واحد اور اکیلا ہے کوئی دوسرا اللہ تعالیٰ کی صفات میں شریک نہیں جیسے عالم الغیب، مختار کل، قادر مطلق، مشکل کشا، حاجت روا وغیرہ اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں، ان صفات کو کسی اور کے لیے ثابت کرنا جائز نہیں ہے۔

(4): حضرت شاہ ولی اللہ احمد بن عبد الرحیم محدث دہلوی (ت1176ھ) فرماتے ہیں:

وَاعْلَمْ أَنَّ لِلتَّوْحِيْدِ أَرْبَعَ مَرَاتِبَ:

إِحْدَاهَا: حَصْرُ وُجُوْبِ الْوُجُوْدِ فِيْهِ تَعَالٰى، فَلَا يَكُوْنُ غَيْرُهٗ وَاجِبًا.

وَالثَّانِيَةُ: حَصْرُ خَلْقِ الْعَرْشِ وَالسَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَسَائِرِ الْجَوَاهِرِ فِيْهِ تَعَالٰى، وَهَاتَانِ الْمَرْتَبَتَانِ لَمْ تَبْحَثِ الْكُتُبُ الْإِلٰهِيَّةُ عَنْهُمَا وَلَمْ يُخَالِفْ فِيْهِمَا مُشْرِكُو الْعَرَبِ وَلَا الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصَارٰى بَلِ الْقُرْآنُ الْعَظِيْمُ نَاصٍ عَلٰى أَنَّهُمَا مِنَ الْمُقَدَّمَاتِ الْمُسَلَّمَةِ عِنْدَهُمْ.

وَالثَّالِثَةُ: حَصْرُ تَدْبِيْرِ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْهِ تَعَالٰى.

وَالرَّابِعَةُ: أَنَّهٗ لَا يَسْتَحِقُّ غَيْرُهُ الْعِبَادَةَ.

حجۃ اللہ البالغۃ: ج1 ص59 باب التوحید

ترجمہ: یہ بات جان لیں کہ توحید کے چار مراتب ہیں:

اول: واجب الوجود صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی ذات واجب الوجود نہیں ہے۔

دوم: عرش، آسمان، زمین اور سارے جواہر (قائم بالذات اشیاء) کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

توحید کے یہ دو مرتبے کتب الٰہیہ میں بیان نہیں ہوئے کیونکہ ان دونوں مرتبوں میں مشرکین عرب نے مخالفت کی ہے نہ یہود نے اور نہ نصاریٰ نے بلکہ قرآن مجید نے تو اس بات کی صراحت کی ہے کہ یہ دو مرتبے ان لوگوں کے ہاں مسلّم تھے۔

سوم: آسمان و زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، ان سب کا نظام چلانے والی صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

چہارم: اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

(5): شیخ عبد الغنی بن طالب الغُنَیمی المِیدانی الحنفی (ت 1298ھ) لکھتے ہیں:

وَالْوَحْدَانِيَّةُ صِفَةٌ سَلْبِيَّةٌ تُقَالُ عَلٰى ثَلَاثَةِ أَنْوَاعٍ:

اَلْأَوَّلُ: اَلْوَحْدَةُ فِي الذَّاتِ وَالْمُرَادُ بِهَا انْتِفَاءُ الْكَثْرَةِ عَنْ ذَاتِهٖ تَعَالٰى بِمَعْنٰى عَدَمِ

قُبُوْلِهَا الِانْقِسَامِ.

وَالثَّانِي: الْوَحْدَةُ فِي الصِّفَاتِ، وَالْمُرَادُ بِهَا انْتِفَاءُ النَّظِيْرِ لَهُ تَعَالىٰ فِيْ كُلِّ صِفَةٍ مِنْ صِفَاتِهِ فَيَمْتَنِعُ أَنْ يَكُوْنَ لَهُ تَعَالىٰ عُلُوْمٌ وَقُدْرَاتٌ مُتَكَثِّرَةٌ بِحَسَبِ الْمَعْلُوْمَاتِ وَالْمَقْدُوْرَاتِ بَلْ عِلْمُهُ تَعَالىٰ وَاحِدٌ وَمَعْلُوْمَاتُهُ كَثِيْرَةٌ وَقُدْرَتُهُ وَاحِدَةٌ وَمَقْدُوْرَاتُهُ كَثِيْرَةٌ وَعَلىٰ هٰذَا جَمِيْعُ صِفَاتِهِ.

وَالثَّالِثُ: الْوَحْدَةُ فِي الْأَفْعَالِ، وَالْمُرَادُ بِهَا انْفِرَادُهُ تَعَالىٰ بِاخْتِرَاعِ جَمِيْعِ الْكَائِنَاتِ عُمُوْمًا وَامْتِنَاعِ إِسْنَادِ التَّاثِيْرِ لِغَيْرِهِ تَعَالىٰ فِيْ شَيْءٍ مِنَ الْمُمْكِنَاتِ أَصْلًا.

شرح العقیدۃ الطحاویۃ:47

ترجمہ: "وحدت" سلبی صفت ہے اور اس کا اطلاق تین قسموں پر ہوتا ہے:

پہلی: وحدت فی الذات، یعنی اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں یکتا ہے، اس کی ذات تقسیم نہیں ہو سکتی (یعنی ایسا نہیں کہ دو یا زائد چیزیں مل کر ذات باری تعالیٰ بنے)

دوسری: وحدت فی الصفات، یعنی اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کی مثال نہیں ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ کی صفت علم اور صفت قدرت کئی ہوں ایسا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا علم اس کی ایک صفت ہے اور معلومات کئی ہیں، قدرت ایک صفت ہے اور مقدورات کئی ہیں، اسی طرح باقی صفات کا حال ہے۔

تیسری: وحدت فی الافعال، یعنی اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات تنِ تنہا پیدا فرمائی ہے اور کسی بھی ممکن شے میں حقیقی تاثیر کی نسبت غیر اللہ کی طرف کرنا جائز نہیں ہے۔

فائدہ:

یہ تین اقسام تقریباً وہی ہیں جو علامہ محمد بن عبد الکریم الشَّهرِستانی رحمہ اللہ

نے اوپر بیان فرمائی ہیں۔ فرق یہ ہے کہ علامہ شَہرِستانی نے اثبات کے طرز پر بیان کی ہیں اور شیخ مِیدانی رحمہ اللہ نے سلب کے طریق پر۔

(6): رئیس المناظرین حجۃ اللہ فی الارض حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی (ت 1421ھ / 2000ء) فرماتے ہیں کہ صوفیاء کے ہاں توحید کی تین اقسام ہیں:

۱: توحید ایمانی: لَا مَعْبُوْدَ إِلَّا اللّٰہُ (اللہ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں) اس کو مانے بغیر کوئی مومن ہو ہی نہیں سکتا۔

۲: توحید خواص: لَا مَقْصُوْدَ إِلَّا اللّٰہُ (اللہ کے سوا کوئی چیز مقصود نہیں) کیونکہ ریاء کو حدیث میں شرک قرار دیا گیا ہے۔ "توحید خواص" کو "توحید اخلاص" بھی کہتے ہیں۔

۳: توحید شہودی: لَا مَوْجُوْدَ إِلَّا اللّٰہُ (اللہ کے سوا کوئی چیز موجود نہیں) جب کسی ولی کامل کو تجلیات باری کا مشاہدہ ہوتا ہے تو ان کو کوئی چیز نظر نہیں آتی، اس لیے وہ لَا مَوْجُوْدَ إِلَّا اللّٰہُ پکارتے ہیں۔

توحید ایمانی (لَا مَعْبُوْدَ إِلَّا اللّٰہُ) جس شخص کو حاصل نہ ہو تو وہ کافر ہو گا۔ توحید خواص (لَا مَقْصُوْدَ إِلَّا اللّٰہُ) جسے حاصل نہ ہو تو وہ مؤمن غیر مخلص یعنی فاسق ہو گا۔ توحید شہودی (لَا مَوْجُوْدَ إِلَّا اللّٰہُ) جسے حاصل نہ ہو وہ مؤمن صالح لیکن مقامِ مشاہدہ سے محروم ہو گا۔

تریاقِ اکبر بزبان صفدر: ص420

توحید کی تقسیم کے متعلق اکابر ائمہ کی مذکورہ تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اکابرین نے توحید کی تین اور بعض نے چار قسمیں بیان کی ہیں۔ نیز جنہوں نے تین قسمیں بیان کی ہیں ان کی ذکر کردہ اقسام بھی باہم مختلف ہیں۔ دراصل توحید کی تقسیم اور ان کی ذیلی اقسام میں اختلاف کوئی حقیقی اختلاف نہیں بلکہ محض تعبیرات کا اختلاف ہے۔ تعبیرات کے اختلاف کو نفس توحید کا اختلاف قرار نہیں دیا جا سکتا۔

نیز یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ اقسامِ توحید کی تعبیرات منصوص نہیں بلکہ غیر منصوص ہیں۔ اہلِ علم نے اپنے اپنے دور میں عوام الناس کو عقیدہ توحید سمجھانے کے لیے اختیار کی ہیں اور عوام کی ذہنی سطح کو ملحوظ رکھتے ہوئے اسے مختلف اقسام میں منقسم کیا ہے۔ ہر دور کے علماء نے اپنے ذوق اور عوامی ضرورت کے پیش نظر اقسام کی نئی تعبیرات اختیار کیں۔ یوں تعبیرات باہم مختلف ہوتی چلی گئیں۔ مقصود ان سب حضرات کا یہی تھا کہ توحید باری تعالیٰ مختلف جہات سے کھل کر واضح ہو اور شرک کسی گوشے سے عقیدہ توحید میں حائل نہ ہو سکے۔

(7): ہمارے ہاں توحید کی تین اقسام ہیں:

1: توحید فی الذات 2: توحید فی الصفات 3: توحید فی الاسماء

(1): توحید فی الذات:

اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور نہ اس کی کوئی اولاد ہے۔

(2): توحید فی الصفات:

اللہ تعالیٰ اپنی صفات میں یکتا ہے، صفات میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

(3): توحید فی الاسماء:

اللہ تعالیٰ اپنے ناموں میں یکتا ہے۔

ان تینوں اقسام پر تفصیلی گفتگو آگے اپنے مقام پر آرہی ہے۔

قَوْلُهٗ: وَمَا يَصِحُّ الِاعْتِقَادُ عَلَيْهِ

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس عبارت میں فرمانا چاہتے ہیں کہ مؤخر

الذکر جو امور بیان ہو رہے ہیں ان کو دل سے ماننا بھی ضروری ہے اور زبان سے ان کا اقرار بھی لازمی ہے۔

فائدہ نمبر 1: "ایمان" دراصل ان چیزوں کو دل سے ماننے کا نام ہے۔ زبان سے اقرار؛ اجراءِ احکام کے لیے شرط ہے۔ بالفاظ دیگر ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے اور اقرار باللسان یہ اجراءِ احکام کے لیے شرط ہے۔ اسی لیے امام صاحب نے فرمایا: "**وَمَا يَصِحُّ الِاعْتِقَادُ عَلَيْهِ**" کہ ان امور پر یقین رکھنا بھی ضروری ہے اور "**يَجِبُ أَنْ يَقُوْلَ**" کہ زبان سے ان کا اقرار بھی لازم ہے۔

فائدہ نمبر 2: زندگی میں ایک بار اور بوقتِ ضرورت زبان سے اقرار کرنا فرض ہے۔ اگر کوئی شخص دل سے تو اعتقاد رکھتا ہے لیکن بوقت تقاضا زبان سے اقرار نہیں کرتا تو اسے مؤمن نہیں کہا جا سکتا۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے چند ایمانیات کا ذکر فرمایا ہے جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

قَوْلُهٗ: اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ

اللہ تعالیٰ پر ایمان:

اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے بارے میں تین باتیں ملحوظ رکھنا ضروری ہیں:

ذات باری تعالیٰ، صفات باری تعالیٰ اور اسمائے باری تعالیٰ

[۱]: ذات باری تعالیٰ

ذات باری تعالیٰ کے متعلق پانچ بنیادی باتیں سمجھنا ضروری ہیں:

پہلی بات: اللہ تعالیٰ کیا ہے؟ کے جواب میں یہ کہنا چاہیے کہ:

لَيْسَ بِجِسْمٍ وَلَا جَوْهَرٍ وَلَا عَرَضٍ وَلَا طَوِيْلٍ وَلَا عَرِيْضٍ وَلَا يَشْغُلُ الْاَمْكِنَةَ وَلَا يَحْوِيْهِ مَكَانٌ وَلَا جِهَةٌ مِنَ الْجِهَاتِ السِّتِّ وَلَيْسَ بِمُتَحَرِّكٍ وَلَا سَاكِنٍ وَلَا يُدْرِكُهُ الْإِحْسَاسُ.

دَفْعُ شُبَهِ التَّشْبِيْه لابن الجوزی: ص11

ترجمہ: اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے، نہ جوہر ہے، نہ عرض، نہ طویل، نہ عریض، نہ کسی مکان میں اتر کر اس کو بھرتا ہے اور نہ کوئی مکان اس کا احاطہ کر سکتا ہے اور نہ اس کے لیے جہاتِ ستہ میں سے کوئی خاص جہت ثابت ہے، نہ ہی وہ متحرک ہے، نہ ساکن ہے، نہ اسے حواس سے محسوس کیا جا سکتا ہے۔

فائدہ نمبر 1:

علامہ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت میں چند الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ ان کی تعریف پیش کی جاتی ہے:

1: جسم

اَلْمُرَكَّبُ مِنْ جُزْئَيْنِ فَصَاعِداً.

احسن الفوائد شرح الفقہ الاکبر: ص76

ترجمہ: دو یا دو سے زائد اجزاء سے مرکب چیز کو جسم کہتے ہیں۔

2: جوہر

كُلُّ مُمْكِنٍ لَهُ قِيَامٌ بِذَاتِهِ اَيْ لَيْسَ تَحَيُّزُهُ تَابِعاً لِتَحَيُّزِ غَيْرِهِ.

احسن الفوائد شرح الفقہ الاکبر: ص76

ترجمہ: ہر وہ ممکن چیز ہے جس کا قیام ذاتی ہو یعنی اس کا کسی جگہ میں ہونا کسی دوسری چیز کے اس جگہ میں ہونے کے تابع نہ ہو۔

3: عرض

كُلُّ مُمْكِنٍ لَهٗ قِيَامٌ بِالْغَيْرِ اَىْ يَكُوْنُ تَحَيُّزُهٗ تَابِعاً لِتَحَيُّزِ الْغَيْرِ.

احسن الفوائد شرح الفقہ الاکبر: ص76

ترجمہ: ہر اس ممکن چیز کو کہتے ہیں جو کسی دوسری چیز کی وجہ سے قائم ہو، یعنی اس کا کسی جگہ میں ہونا کسی دوسرے چیز کے اس جگہ میں ہونے کے تابع ہو۔

فائدہ نمبر 2:

عام طور پر کسی شے کی تعریف کرتے ہوئے صفاتِ وجودیہ ذکر کی جاتی ہیں لیکن ذات باری تعالیٰ کی تعریف صفاتِ سلبیہ سے کی جاتی ہے۔

دوسری بات: اللہ تعالیٰ کی ذات ایک ہے۔ اس میں تعدد نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ

سورۃ الاخلاص: 1

ترجمہ: فرما دیجیے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے کی مزید تشریح امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے خود فرمائی ہے جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

تیسری بات: اللہ تعالیٰ کی ذات اول بھی ہے اور آخر بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں

هُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ وَ الظَّاهِرُ وَ الْبَاطِنُ ۚ وَ هُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ

الحدید: 3

ترجمہ: وہی اول بھی ہے اور آخر بھی ہے، ظاہر بھی ہے اور چھپا ہوا بھی ہے اور وہ ہر

چیز کو جاننے والا ہے۔

یہاں ایک وضاحت سمجھنا ضروری ہے کہ اول اور آخر کی دو قسمیں ہیں:

اول و آخر حقیقی:

جس سے پہلے کوئی اور نہ آسکتا ہو اسے ”اول حقیقی“ اور جس کے بعد کوئی اور نہ آسکتا ہو اسے ”آخر حقیقی“ کہتے ہیں۔

اول و آخر اضافی:

جس سے پہلے کوئی اور آسکتا ہو اسے ”اول اضافی“ کہتے ہیں اور جس کے بعد کوئی اور آسکتا ہو اسے ”آخر اضافی“ کہتے ہیں۔

جب ہم اللہ تعالیٰ کو ”اول“ اور ”آخر“ کہتے ہیں تو اس سے مراد ”اول حقیقی“ اور ”آخر حقیقی“ ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب کوئی نہ تھا تو اس وقت اللہ تعالیٰ تھے اور جب کوئی نہیں ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس وقت بھی ہوں گے۔

حدیث مبارک میں ہے:

عَنْ سُهَيْلٍ قَالَ كَانَ أَبُو صَالِحٍ يَأْمُرُنَا إِذَا أَرَادَ أَحَدُنَا أَنْ يَنَامَ أَنْ يَضْطَجِعَ عَلَى شِقِّهِ الْأَيْمَنِ ثُمَّ يَقُولُ: "اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمَاوَاتِ وَرَبَّ الْأَرْضِ وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ فَالِقَ الْحَبِّ وَالنَّوَى وَمُنْزِلَ التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْفُرْقَانِ أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ شَيْءٍ أَنْتَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهِ اللَّهُمَّ أَنْتَ الْأَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ وَأَنْتَ الْآخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ وَأَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَيْءٌ وَأَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَيْسَ دُونَكَ شَيْءٌ اقْضِ عَنَّا الدَّيْنَ وَأَغْنِنَا مِنَ الْفَقْرِ. وَكَانَ يَرْوِي ذٰلِكَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

صحیح مسلم: رقم الحدیث 2713

ترجمہ: حضرت سہیل (بن ابو صالح) سے روایت ہے کہ (میرے والد) ابو صالح ہمیں اس بات کا حکم دیا کرتے تھے کہ جب ہم میں سے کوئی شخص سونے کا ارادہ کرے تو اسے چاہیے کہ بستر پر دائیں کروٹ لیٹے، اس کے بعد یہ دعا پڑھے: "اے اللہ! اے آسمانوں کے رب! زمین کے رب! عرش عظیم کے رب! ہمارے رب اور ہر چیز کے رب! اے دانوں اور گٹھلیوں کو (پودے اور درخت اگانے کے لیے) چیرنے والی ذات! اے تورات، انجیل اور فرقان (قرآن مجید) کو نازل کرنے والی ذات! میں ہر اس چیز کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں جس کی پیشانی تیرے قبضے میں ہے۔ اے اللہ! تو ایسا اول ہے کہ تجھ سے پہلے کوئی چیز نہیں تھی، تو ایسا آخر ہے کہ تیرے بعد کوئی چیز نہیں ہو گی، تو ایسا ظاہر ہے کہ تیرے اوپر کوئی چیز نہیں ہے اور تو ایسا باطن ہے کہ تیرے پیچھے کوئی چیز نہیں ہے۔ ہماری طرف سے قرض ادا فرما اور تنگدستی سے ہماری حفاظت فرما! اس حدیث کو ابو صالح رحمہ اللہ؛ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے تھے۔

اس حدیث مبارک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو "اَللّٰھُمَّ أَنْتَ الْأَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ وَأَنْتَ الْآخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ" کے الفاظ سے پکارا ہے۔

چوتھی بات: اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم ہے۔ قدیم ہونے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو قدیم نہ مانیں تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ عدم سے وجود میں آنے کے لیے کسی ایسی چیز کے محتاج تھے کہ وہ چیز ملی تب وجود ملا۔ یہ دلیل ہو گی اللہ تعالیٰ کے محتاج ہونے کی - معاذ اللہ - حالانکہ اللہ تعالیٰ کائنات میں کسی چیز کے محتاج نہیں بلکہ تمام مخلوقات اللہ تعالیٰ کی محتاج ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَللّٰهُ الصَّمَدُ

سورۃ الاخلاص:2

ترجمہ: اللہ تعالیٰ بے نیاز ذات ہے۔

علامہ حافظ الدین ابو البرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود النسفی الحنفی (ت710ھ) "صمد" کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لَا يَحْتَاجُ إِلٰى اَحَدٍ وَ يَحْتَاجُ اِلَيْهِ كُلُّ اَحَدٍ.

تفسیر المدارک للامام النسفی: ج2 ص842 تحت قولہ تعالیٰ: اللہ الصمد

ترجمہ: صمد وہ ذات ہے جو کسی کی محتاج نہ ہو بلکہ سارے اس کے محتاج ہوں۔

پانچویں بات: اللہ تعالیٰ بلا جسم، بلا جہت اور بلا مکان موجود ہے۔

[۲]: صفات باری تعالیٰ:

صفات کی دو قسمیں ہیں: محکمات اور متشابہات

صفات محکمات وہ صفات ہیں جن کا معنی ظاہر اور واضح ہے۔ مثلاً سمع، بصر، علم، قدرت وغیرہ اور صفات متشابہات وہ صفات ہیں جن کے معانی غیر واضح اور مبہم ہیں، عقل انسانی کی وہاں تک رسائی نہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے ید، وجہ، عین وغیرہ کلمات اللہ تعالی کی صفات متشابہات ہیں۔

پھر صفات محکمات کی دو قسمیں ہیں: صفات ذاتیہ اور صفات فعلیہ

صفات ذاتیہ ان صفات کو کہتے ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ موصوف ہو اور ان کی ضد کے ساتھ موصوف نہ ہو۔ یہ صفات سات ہیں: حیات، علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر اور کلام۔

صفات فعلیہ ان صفات کو کہتے ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ موصوف ہو اور ان کی ضد کے ساتھ بھی موصوف ہو لیکن ان کا وقوع اللہ تعالیٰ کے غیر پر ہوتا ہو جیسے

اِحیاء، اِماتت، اِھداء، اِضلال، اِعزاز، اِذلال وغیرہ۔

اسی طرح صفات متَشابہات کی بھی دو اقسام ہیں:

پہلی قسم غیر معلوم المعنی و غیر معلوم المراد جیسے حروف مقطعات۔ ان صفات متَشابہات کو "متَشابہات من کل الوجوہ" بھی کہتے ہیں۔

دوسری قسم معلوم المعنی وغیر معلوم المراد جیسے استواء علی العرش، ید، وجہ، عین، ساق، نفس وغیرہ جو کلمات اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہوئے ہیں۔ ان صفات متَشابہات کو "متَشابہات من وجہ" بھی کہتے ہیں۔

صفاتِ ذاتیہ، صفاتِ فعلیہ اور صفاتِ متَشابہات کی مزید تفصیل آگے صفات کی بحث میں آرہی ہے۔

[۳]: اسماء باری تعالیٰ:

اللہ تعالیٰ جس طرح اپنی ذات اور صفات میں یکتا ہے اسی طرح اپنے اسماء میں بھی یکتا ہے۔

فائدہ: اسماء باری تعالیٰ کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

قَوْلُہٗ: وَمَلَآئِکَتِہٖ

فرشتوں پر ایمان:

فرشتے اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے نور سے پیدا فرمایا ہے۔ علامہ عبد العزیز پرہاڑوی الحنفی (ت 1239ھ) فرشتوں کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اِنَّھَا اَجْسَامٌ لَطِیْفَةٌ نُوْرَانِیَّةٌ قَادِرَةٌ عَلَی التَّشَكُّلِ بِالْاَشْكَالِ.

مرام الکلام فی عقائد الاسلام از مولانا عبد العزیز پرہاڑوی: ص9

ترجمہ: فرشتے نور سے پیدا کی جانے والی ایک لطیف مخلوق ہے جو مختلف شکلوں میں آنے پر قدرت رکھتے ہیں۔

فائدہ نمبر 1: فرشتے نہ ہی مرد ہوتے ہیں نہ عورت۔ قرآن وحدیث میں جہاں فرشتوں کا تذکرہ ہے وہاں ان کو مذکر یا مؤنث کے طور پر بیان نہیں کیا گیا اس لیے انہیں مذکر کہا جائے نہ مؤنث۔ علامہ عبد العزیز پرہاڑوی الحنفی (ت 1239ھ) لکھتے ہیں:

وَلَا يُوصَفُونَ بِذُكُورَةٍ وَلَا أُنُوثَةٍ إِذْ لَمْ يَرِدْ بِهٖ نَقْلٌ، أَمَّا التَّذْكِيرُ فِي الضَّمَائِرِ وَإِسْنَادِ الْأَفْعَالِ فَكَمَا فِي الْأَسْمَاءِ الْإِلٰهِيَّةِ وَذٰلِكَ لِشَرَافَةِ التَّذْكِيرِ.

النبراس فی شرح شرح العقائد: ص288

ترجمہ: فرشتے نہ مذکر ہوتے ہیں نہ مؤنث کیونکہ قرآن وحدیث میں اس بارے میں کوئی بات منقول نہیں۔ رہا ان کے لیے مذکر کی ضمائر استعمال کرنا یا مذکر فعل کی نسبت کرنا تو یہ ایسے ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے اسماء میں ہوتا ہے (کہ ضمیر مذکر اور نسبت بھی مذکر والے فعل کی)۔ اور یہ مذکر لانا بھی اس لیے ہوتا ہے کیونکہ مذکر کو (مؤنث) برتری حاصل ہے۔

نیز مرد و عورت ہونے کی ضرورت وہاں ہوتی ہے جہاں توالد و تناسل ہو لیکن یہاں یہ سلسلہ نہیں ہے۔

فائدہ نمبر 2: اللہ تعالیٰ نے جس کام پر انہیں مقرر فرمایا ہے اسے خوش اسلوبی سے سر انجام دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے احکام میں اس کی نافرمانی نہیں کرتے۔ ارشاد باری ہے:

لَا یَعۡصُوۡنَ اللّٰہَ مَاۤ اَمَرَہُمۡ وَ یَفۡعَلُوۡنَ مَا یُؤۡمَرُوۡنَ

سورۃ التحریم:6

ترجمہ: وہ (فرشتے) اللہ کے احکام کی نافرمانی نہیں کرتے بلکہ انہیں جو حکم دیا جائے اسے بجالاتے ہیں۔

فائدہ نمبر 3: فرشتے کھانے پینے سے پاک ہوتے ہیں۔ اس آیت سے یہی معلوم ہوتا ہے:

فَلَمَّا رَاٰۤ اَیۡدِیَهُمۡ لَا تَصِلُ اِلَیۡهِ نَكِرَهُمۡ وَ اَوۡجَسَ مِنۡهُمۡ خِیۡفَةً

سورۃ ھود:70

ترجمہ: جب انہوں نے (یعنی ابراہیم علیہ السلام نے) دیکھا کہ ان فرشتوں کے ہاتھ کھانے کی طرف نہیں بڑھ رہے تو انہوں نے ان (فرشتوں) کو اجنبی جانا اور دل میں خوف محسوس کیا۔

فائدہ نمبر 4: ہر وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت وریاضت میں مشغول رہتے ہیں۔

وَ لَهٗ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ وَ مَنۡ عِنۡدَهٗ لَا یَسۡتَكۡبِرُوۡنَ عَنۡ عِبَادَتِهٖ وَ لَا یَسۡتَحۡسِرُوۡنَ یُسَبِّحُوۡنَ الَّیۡلَ وَ النَّهَارَ لَا یَفۡتُرُوۡنَ

سورۃ الانبیاء:19،20

ترجمہ: آسمانوں اور زمین میں جو لوگ ہیں وہ اللہ ہی کے ہیں اور جو اس کے نزدیک رہتے ہیں (یعنی فرشتے) وہ اس کی عبادت کرنے سے منہ نہیں موڑتے۔ رات اور دن میں تسبیح کرنے میں مشغول رہتے ہیں اور اس کام میں سستی نہیں کرتے۔

فائدہ نمبر 5: فرشتوں کی ذمہ داریاں

☼ بعض فرشتے انبیاء علیہم السلام پر وحی لانے پر مامور رہے۔

یُنَزِّلُ الۡمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوۡحِ مِنۡ اَمۡرِهٖ عَلٰی مَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖۤ

سورۃ النحل:2

ترجمہ: وہ (اللہ) فرشتوں کو پیغام (وحی) دے کر اپنے بندوں میں سے جس کے پاس

چاہے بھیجتا ہے۔

☼ بعض فرشتے اولیاء کی طرف پیغام لاتے ہیں۔

اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ

سورۃ آل عمران:45

ترجمہ: جب فرشتوں نے کہا کہ اے مریم! اللہ تجھے اپنی جانب سے ایک کلمہ کی خوشخبری دیتا ہے۔

☼ بعض فرشتے ارواح قبض کرنے پر مامور ہیں۔

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ

سورۃ الانعام:61

ترجمہ: یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کی وفات کا وقت قریب آتا ہے تو ہمارے فرشتے اس کی روح قبض کرتے ہیں اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرتے۔

☼ بعض فرشتے اعمال لکھتے رہتے ہیں۔

اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ

سورۃ یونس:21

ترجمہ: بے شک ہمارے فرشتے تمہاری چالوں کو لکھ رہے ہیں۔

☼ بعض فرشتوں کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ دیگر مخلوق کی حفاظت کا فریضہ سر انجام دیتے ہیں۔

لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ

سورۃ الرعد:11

ترجمہ: ہر آدمی کے لیے آگے بھی اور پیچھے بھی نگران (فرشتے) مقرر کردہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتے رہتے ہیں۔

☼ بعض فرشتے جنت کے خازن ہیں۔

حَتّٰۤی اِذَا جَآءُوۡهَا وَ فُتِحَتۡ اَبۡوَابُهَا وَ قَالَ لَهُمۡ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَیۡكُمۡ طِبۡتُمۡ فَادۡخُلُوۡهَا خٰلِدِیۡنَ

سورۃ الزمر:73

ترجمہ: یہاں تک کہ جب وہ (جنتی) وہاں (جنت میں) پہنچیں گے تو اس کے دروازے کھلے ہوئے ہوں گے اور انہیں جنت کے داروغے کہیں گے: تم پر سلامتی ہو! تم لوگ بہت خوب رہے! اب جنت میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے کے لیے داخل ہو جاؤ۔

☼ بعض فرشتے جہنم کے خازن ہیں۔

حَتّٰۤی اِذَا جَآءُوۡهَا فُتِحَتۡ اَبۡوَابُهَا وَ قَالَ لَهُمۡ خَزَنَتُهَاۤ اَلَمۡ یَاۡتِكُمۡ رُسُلٌ مِّنۡكُمۡ

سورۃ الزمر:71

ترجمہ: یہاں تک کہ جب وہ (جہنمی لوگ) وہاں (جہنم میں) پہنچیں گے تو اس وقت جہنم کے دروازے کھولے جائیں گے اور جہنم کے خازن کہیں گے: کیا تمہارے پاس تمہی میں سے کوئی رسول نہیں آئے تھے؟

☼ بعض فرشتے عرش الٰہی کو اٹھائے ہوئے ہیں۔

اَلَّذِیۡنَ یَحۡمِلُوۡنَ الۡعَرۡشَ وَ مَنۡ حَوۡلَهٗ یُسَبِّحُوۡنَ بِحَمۡدِ رَبِّهِمۡ وَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِهٖ وَ یَسۡتَغۡفِرُوۡنَ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا

سورۃ المؤمن:7

ترجمہ: وہ فرشتے جو عرش اٹھانے والے ہیں اور جو اس کے ارد گرد ہیں وہ اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں، اپنے رب پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان والوں کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔

غرض فرشتوں کے ذمہ مختلف کام ہیں جنہیں وہ سرانجام دیتے ہیں۔

فائدہ نمبر 6: فرشتوں کی تعداد فرشتوں کی تعداد اللہ تعالیٰ کو ہی معلوم ہے

ہاں البتہ بعض امور پر متعین خاص فرشتوں کی تعداد قرآن وحدیث میں مذکور ہے۔

1: آٹھ حاملینِ عرش

وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ

سورۃ الحاقۃ:17

ترجمہ: آپ کے رب کے عرش کو اس دن (یعنی قیامت کے دن) آٹھ فرشتے اپنے اوپر اٹھائے ہوئے ہوں گے۔

حاملینِ عرش کی تعداد اِس وقت چار ہے۔ قیامت کے دن ان کے ساتھ چار مزید فرشتے لگا دیے جائیں گے تو یہ تعداد آٹھ ہو جائے گی جیسا کہ اس حدیث مبارک میں ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يَحْمِلُهُ الْيَوْمَ أَرْبَعَةٌ وَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثَمَانِيَةٌ".

الجامع لاحکام القرآن للقرطبی: ج2 ص3140 تحت قولہ تعالیٰ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ سورۃ الحاقۃ:17

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے عرش کو اس وقت چار فرشتوں نے اٹھایا ہوا ہے اور یہ فرشتے قیامت کے دن آٹھ ہو جائیں گے۔

2: انیس داروغہ جہنم

وَ مَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ ﴿٢٧﴾ لَا تُبْقِيْ وَ لَا تَذَرُ ﴿٢٨﴾ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ﴿٢٩﴾ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ﴿٣٠﴾

سورۃ المدثر:27تا30

ترجمہ: آپ کو کیا معلوم کہ سقر (دوزخ) کیا ہے؟ وہ (آگ) نہ کسی کو باقی رہنے

دے گی اور نہ کسی کو چھوڑے گی۔ کھال کو جھلسا کے رکھ دے گی۔ اس پر انیس داروغے مقرر ہیں۔

3: دو قبر میں سوال کرنے والے

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "الْعَبْدُ إِذَا وُضِعَ فِي قَبْرِهِ وَتُوُلِّيَ وَذَهَبَ أَصْحَابُهُ حَتّٰى إِنَّهُ لَيَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ أَتَاهُ مَلَكَانِ فَأَقْعَدَاهُ فَيَقُولَانِ لَهُ: مَا كُنْتَ تَقُولُ فِي هٰذَا الرَّجُلِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَيَقُولُ: أَشْهَدُ أَنَّهُ عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُولُهُ. فَيُقَالُ انْظُرْ إِلٰى مَقْعَدِكَ مِنَ النَّارِ أَبْدَلَكَ اللّٰهُ بِهِ مَقْعَدًا مِنَ الْجَنَّةِ."

صحیح البخاری: رقم الحدیث 1338

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندے کو جب قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے ورثاء اسے دفن کر کے واپس جاتے ہیں تو یہ ان کے قدموں کی آواز کو بھی سنتا ہے۔ اس وقت اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں، اسے بٹھاتے ہیں اور پوچھتے ہیں: تم اس شخص یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ وہ شخص جواب دیتا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اس شخص کو کہا جاتا ہے کہ اپنے جہنم والے اس ٹھکانے کو دیکھو! اللہ نے اسے جنت کے ٹھکانے سے تبدیل کر دیا ہے۔

ان میں سے ایک کا نام "مُنْکَر" اور دوسرے کا نام "نَکِیْر" ہے۔

اثبات عذاب القبر للبیہقی: رقم الحدیث 44

فائدہ نمبر 7: مقرب فرشتے مقرب فرشتے چار ہیں: حضرت جبرائیل، حضرت میکائیل، حضرت اسرافیل اور حضرت عزرائیل (ملک الموت) علیہم السلام۔

علامہ جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر السیوطی الشافعی (ت 911ھ) ایک

روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ عِكْرِمَةَ بْنِ خَالِدٍ أَنَّ رَجُلًا قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَيُّ الْخَلْقِ أَكْرَمُ عَلَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ؟ قَالَ: لَا أَدْرِي، فَجَاءَهُ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ: يَا جِبْرِيْلُ! أَيُّ الْخَلْقِ أَكْرَمُ عَلَى اللهِ؟ قَالَ: لَا أَدْرِي فَعَرَجَ جِبْرِيْلُ ثُمَّ هَبَطَ فَقَالَ: أَكْرَمُ الْخَلْقِ عَلَى اللهِ جِبْرِيْلُ وَمِيْكَائِيْلُ وَإِسْرَافِيْلُ وَمَلَكُ الْمَوْتِ فَأَمَّا جِبْرِيْلُ فَصَاحِبُ الْحَرْبِ وَصَاحِبُ الْمُرْسَلِيْنَ وَأَمَّا مِيْكَائِيْلُ فَصَاحِبُ كُلِّ قَطْرَةٍ تَسْقُطُ وَكُلِّ وَرَقَةٍ تَنْبُتُ وَكُلِّ وَرَقَةٍ تَسْقُطُ وَأَمَّا مَلَكُ الْمَوْتِ فَهُوَ مُوَكَّلٌ بِقَبْضِ كُلِّ رُوْحِ عَبْدٍ فِي بَرٍّ أَوْ بَحْرٍ وَأَمَّا إِسْرَافِيْلُ فَأَمِيْنُ اللهِ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُمْ.

تفسیر الدر المنثور: ج1 ص492 تحت قولہ تعالیٰ "قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيْلَ" سورۃ البقرۃ: 97

ترجمہ: حضرت عکرمہ بن خالد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ کو مخلوق میں سے کون زیادہ پسند ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے اس کا علم نہیں۔ پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ اے جبرئیل! اللہ تعالیٰ کو مخلوق میں سے کون زیادہ پسند ہے؟ انہوں نے کہا: مجھے معلوم نہیں۔ پھر جبرئیل علیہ السلام آسمان کی طرف چلے گئے اور پھر واپس تشریف لائے اور کہنے لگے: اللہ تعالیٰ کو مخلوق میں سے سب سے محبوب جبرئیل، میکائیل، اسرافیل اور ملک الموت ہیں۔ جبرئیل عذاب بپا کرنے والا اور انبیاء علیہم السلام پر وحی لانے والا ہے۔ میکائیل بارش لانے، ہر پتہ کو اگانے اور ہر پتہ کو گرانے والا ہے۔ ملک الموت بر وبحر میں ہر ذی روح کی روح کو قبض کرنے والا ہے اور اسرافیل اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان امین ہے۔

فرشتوں کے سردار اور ان میں افضل حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں۔ اللہ

تعالیٰ کا فرمان ہے:

تَعۡرُجُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ وَ الرُّوۡحُ اِلَیۡہِ فِیۡ یَوۡمٍ کَانَ مِقۡدَارُہٗ خَمۡسِیۡنَ اَلۡفَ سَنَۃٍ ۚ

سورۃ المعارج:4

ترجمہ: فرشتے اور روح (حضرت جبرئیل علیہ السلام) اس کی طرف ایک ایسے دن میں چڑھ جاتے ہیں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہے۔

علامہ سید ابو الثناء محمود آلوسی آفندی بغدادی الحنفی (ت1270ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

أَيْ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَمَا ذَهَبَ إِلَيْهِ الْجُمْهُوْرُ أَفْرَدَ بِالذِّكْرِ لِتَمَيُّزِهٖ وَفَضْلِهٖ بِنَاءً عَلَى الْمَشْهُوْرِ مِنْ أَنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَفْضَلُ الْمَلَائِكَةِ.

روح المعانی: ج29 ص56

ترجمہ: "تَعۡرُجُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ وَ الرُّوۡحُ" اس آیت میں روح سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں جیسا کہ جمہور کا موقف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کو فرشتوں سے الگ کر کے ذکر کیا ہے ایک تو ان کے خاص امتیاز کی وجہ سے اور دوسرا اس مشہور موقف کی بنا پر کہ جبرئیل علیہ السلام تمام ملائکہ سے افضل ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اِنَّہٗ لَقَوۡلُ رَسُوۡلٍ کَرِیۡمٍ ذِیۡ قُوَّۃٍ عِنۡدَ ذِی الۡعَرۡشِ مَکِیۡنٍ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِیۡنٍ

سورۃ التکویر: 21

ترجمہ: یہ (قرآن) ایک معزز فرشتے کا لایا ہوا ہے جو بڑی قوت رکھتا ہے، عرش والے کے ہاں بلند مرتبہ کا مالک ہے، وہاں اس کا حکم مانا جاتا ہے اور وہ باعتماد بھی ہے۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام کو "مُطاع" (کہ ان کا حکم فرشتوں میں مانا جاتا ہے) کہنا ان کے سردار ہونے کی دلیل ہے۔

فائدہ نمبر 8: ارواح کو قبض کرنے والے فرشتے ملک الموت ہیں۔ کسی مرفوع حدیث میں ان کا نام "عزرائیل" نہیں آیا البتہ بعض آثار میں ان کا نام "عزرائیل" منقول ہے۔

حافظ عماد الدین ابو الفداء اسماعیل بن خطیب ابی حفص عمر بن کثیر دمشقی شافعی (ت 774ھ) لکھتے ہیں:

وَأَمَّا مَلَكُ الْمَوْتِ فَلَيْسَ بِمُصَرَّحٍ بِاسْمِهِ فِي الْقُرْآنِ وَلَا فِي الْأَحَادِيثِ الصِّحَاحِ وَقَدْ جَاءَ تَسْمِيَتُهُ فِي بَعْضِ الْآثَارِ بِعِزْرَائِيلَ.

البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر: ج1ص106

ترجمہ: ملک الموت کا صراحت سے نام نہ تو قرآن مجید میں آیا ہے اور نہ ہی احادیث صحیحہ میں ہے۔ہاں البتہ بعض آثار میں ان کا نام "عزرائیل" منقول ہے۔

ان آثار میں ملک الموت کا نام "عزرائیل" منقول ہے:

1: **عَنْ وَهْبِ بْنِ مُنَبِّهٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی قَالَ: .... يَقُولُ عَزَّ وَجَلَّ: هَاتِ مَا وَكَّلْتُكَ بِهِ يَا عِزْرَائِيلُ. فَيَقُولُ: نَعَمْ يَا رَبِّ قَبَضْتُ رُوحَ كَذَا وَكَذَا إِنْسِيٍّ وَكَذَا وَكَذَا جِنِّيٍّ، وَكَذَا وَكَذَا شَيْطَانٍ وَكَذَا وَكَذَا غَرِيقٍ، وَكَذَا وَكَذَا حَرِيقٍ، وَكَذَا وَكَذَا كَافِرٍ، وَكَذَا وَكَذَا شَهِيدٍ وَكَذَا وَكَذَا هَدِيمٍ وَكَذَا وَكَذَا لَدِيغٍ وَكَذَا وَكَذَا فِي سَهْلٍ، وَكَذَا وَكَذَا فِي جَبَلٍ، وَكَذَا وَكَذَا طَيْرٍ، وَكَذَا وَكَذَا هَوَامَّ، وَكَذَا وَكَذَا وَحْشٍ فَذٰلِكَ كَذَا، وَكَذَا جُمْلَتُهُ كَذَا وَكَذَا**

کتاب العظمۃ لابی الشیخ الاصبہانی: ج3ص847

ترجمہ: حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ (معروف تابعی، ایک طویل روایت نقل کرتے ہوئے) فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: اے عزرائیل! میں نے جس کام پر تم کو مقرر کیا ہے وہ میرے پاس لاؤ (یعنی جو تم نے سرانجام دیا ہے اس کی

کارروائی لاؤ!) عزرائیل کہتے ہیں: جی میرے رب! میں اتنے انسانوں، اتنے جنات، اتنے شیاطین، اتنے غرق ہونے والوں، اتنے جلنے والوں، اتنے کافروں، اتنے شہیدوں، اتنے دب کر مرنے والوں، اتنے ڈسے جانے والوں، اتنے میدانوں میں مرنے والوں، اتنے پہاڑوں پر مرنے والوں، اتنے پرندوں، اتنے حشرات، اتنے وحشی جانوروں کی ارواح کو قبض کرلایا ہوں۔

فائدہ: امام ابو الشیخ کا مکمل نام ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن جعفر بن حیان الانصاری ہے۔ آپ "ابو الشیخ الاصبہانی" کے نام سے معرف ہیں۔ سن 274 ہجری میں اصبہان میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی سے علمِ حدیث حاصل کرنے کا شوق تھا۔ اس مقصد کے لیے آپ نے مختلف ممالک کے اسفار بھی کیے اور شیوخِ حدیث سے احادیث حاصل کیں۔ اساتذہ میں امام محمود بن الفرج، امام ابراہیم بن سعدان، امام محمد بن عبد اللہ بن الحسن الہمدانی، امام محمد بن اسعد المدینی، امام عبد اللہ بن محمد بن زکریا رحمہم اللہ شامل ہیں۔ شاگردوں میں امام ابن مندہ، امام ابن مردویہ، امام ابو سعد المالینی، امام ابونعیم الحافظ، امام ابو بکر احمد بن عبد الرحمٰن الشیرازی، امام محمد بن علی بن محمد بن سیبویہ رحمہم اللہ قابلِ ذکر ہیں۔ ائمہ جرح وتعدیل نے آپ کو حافظ، ثقہ، ثبت، مامون قرار دے کر توثیق فرمائی ہے۔ آپ صاحب التصانیف عالم تھے۔ آپ کی تصانیف میں کتاب السنۃ، کتاب العظمۃ، طبقات المحدثین باصبہان، اخلاق النبی صلی اللہ علیہ وسلم، کتاب السنن، کتاب ثواب الاعمال اہم کتب ہیں۔ آپ کی وفات سن 396 ہجری میں اصبہان میں ہوئی۔

:2 عَنْ أَشْعَثَ، قَالَ: " سَأَلَ إِبْرَاهِيمُ صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى نَبِيِّنَا وَعَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسْلِيمًا مَلَكَ الْمَوْتِ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَاسْمُهُ عِزْرَائِيلُ، وَلَهُ عَيْنَانِ عَيْنٌ فِي وَجْهِهِ وَعَيْنٌ فِي قَفَاهُ، فَقَالَ: يَا مَلَكَ الْمَوْتِ! مَا تَصْنَعُ إِذَا كَانَتْ نَفْسٌ بِالْمَشْرِقِ

وَنَفَسٌ بِالْمَغْرِبِ، وَوَقَعَ الْوَبَاءُ بِأَرْضٍ، وَالْتَقَى الزَّحْفَانِ كَيْفَ تَصْنَعُ؟ قَالَ: أَدْعُو الْأَرْوَاحَ بِإِذْنِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ فَتَكُونُ بَيْنَ أُصْبُعَيَّ هَاتَيْنِ. قَالَ: وَدُحِيَتْ لَهُ الْأَرْضُ فَتُرِكَتْ مِثْلَ الطَّسْتِ يَتَنَاوَلُ مِنْهَا حَيْثُ شَاءَ. قَالَ: وَهُوَ الَّذِي بَشَّرَهُ بِأَنَّهُ خَلِيلُ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ"

کتاب العظمۃ لابی الشیخ الاصبہانی: ج3ص908

ترجمہ: حضرت اشعث (بن اسلم تبع تابعی رحمۃ اللہ علیہ) سے روایت ہے کہ حضرت ابراہیم صلی اللہ علی نبینا وعلیہ وسلم نے ایک بار ملک الموت علیہ السلام سے پوچھا جن کا نام عزرائیل ہے اور ان کی دو آنکھیں ہیں، ایک آنکھ سر میں اور ایک آنکھ گدی میں، انہوں نے پوچھا کہ اے ملک الموت! ایک شخص مشرق میں ہو اور ایک مغرب میں ہو اور پوری زمین میں وبا پھیل جائے اور لوگ دھڑا دھڑ مرنے لگیں تو اس وقت تم کیا کرتے ہو؟ ملک الموت نے جواب دیا: میں ارواح کو اللہ عزوجل کے حکم سے بلاتا ہوں اور وہ میری ان دو انگلیوں کے درمیان آجاتی ہیں۔ راوی کہتے ہیں کہ ملک الموت کے لیے زمین سکیڑ دی جاتی ہے اور وہ ایک تھال کی طرح بن جاتی ہے جس میں سے ملک الموت جہاں سے چاہتے ہیں ارواح قبض کر لیتے ہیں۔

فائدہ نمبر 9: انسانوں اور فرشتوں میں باہمی فضیلت

اکابرین واسلاف کی عبارات کے پیشِ نظر درج ذیل موقف راجح معلوم ہوتا ہے۔

1: خواص بشر (انبیاء ورسل علیہم السلام) خواص ملائکہ (مقربین یعنی جبرائیل، میکائیل، اسرافیل، ملک الموت، حاملین عرش وغیرہ) سے افضل ہیں۔

2: خواص ملائکہ؛ دیگر ملائکہ اور عام بشر (اولیاء، اتقیاء، صلحاء) سے افضل ہیں۔

3: عام بشر (اولیاء، اتقیاء، صلحاء) عام ملائکہ سے افضل ہیں۔

4: عام ملائکہ فاسق فاجر انسانوں سے افضل ہیں۔

یہ موقف اکابرین کی ان عبارات سے مستفاد ہے۔

☼ علامہ محمد علی بن محمد بن علان بن ابراہیم البکری الصدیقی الشافعی (ت1057ھ) لکھتے ہیں:

وَمَعْنٰى تَفْضِيْلِ الْبَشَرِ عَلَيْهِمْ أَنَّ خَوَاصَّهُمْ وَهُمُ الْأَنْبِيَاءُ أَفْضَلُ مِنْ خَوَاصِّ الْمَلَائِكَةِ وَهُمْ جِبْرِيْلُ وَإِسْرَافِيْلُ وَمِيْكَائِيْلُ وَعِزْرَائِيْلُ وَحَمَلَةُ الْعَرْشِ وَالْمُقَرَّبُوْنَ وَالْكَرُوْبِيُّوْنَ وَالرُّوْحَانِيُّوْنَ، وَخَوَاصَّهُمْ أَفْضَلُ مِنْ عَوَامِّ الْبَشَرِ إِجْمَاعاً بَلْ ضَرُوْرَةً، وَعَوَامَّ الْبَشَرِ وَهُمُ الصُّلَحَاءُ دُوْنَ الْفَسَقَةِ -كَمَا قَالَ الْبَيْهَقِيُّ وَغَيْرُهُ- أَفْضَلُ مِنْ عَوَامِّهِمْ.

دلیل الفالحین لطرق ریاض الصالحین: ج1 ص25

ترجمہ: بشر کے فرشتوں پر افضل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ خواص بشر یعنی انبیاء؛ خواص ملائکہ یعنی جبرئیل، اسرافیل، میکائیل، عزرائیل، حاملین عرش، مقربین، کروبیین اور روحانیین فرشتوں سے افضل ہیں اور خواص ملائکہ عام بشر سے اجماع کی وجہ سے یا ضرورت کی وجہ سے افضل ہیں (خواص ملائکہ کو وہ کام سونپے گئے ہیں جو عام بشر کو نہیں سونپے گئے، اس دلیل کے پیشِ نظر خواص ملائکہ کی عام بشر پر افضلیت لازم ہے۔ یہی "ضرورت" ہے) اور عام بشر جو بقول امام بیہقی وغیرہ نیک صالح لوگ ہیں نہ کہ فاسق وفاجر لوگ، یہ عام ملائکہ سے افضل ہیں۔

یہاں خواص بشر سے مراد اولیاء ہیں۔ اس عبارت سے موقف بالا کا جزء نمبر 1، 2 اور 3 صراحتاً ثابت ہوئے اور جزء نمبر 4 مفہوماً ثابت ہوا کہ جب فاسق لوگ عام فرشتوں سے افضل نہیں تو لازماً مفضول ہوں گے۔

☼ ابو العباس احمد بن محمد بن المہدی الحسنی الفاسی (ت1224ھ) لکھتے ہیں:

وَالتَّحْقِيْقُ فِي الْمَسْأَلَةِ أَنَّ الْأَنْبِيَاءَ وَالرُّسُلَ أَفْضَلُ مِنْ خَوَاصِّ الْمَلَائِكَةِ

كَالْمُقَرَّبِيْنَ، وَخَوَاصَّ الْمَلَائِكَةِ - وَهُمُ الْمُقَرَّبُوْنَ- أَفْضَلُ مِنْ خَوَاصِّ الْبَشَرِ كَالْأَوْلِيَاءِ، وَخَوَاصَّ الْبَشَرِ أَفْضَلُ مِنْ عَوَامِ الْمَلَائِكَةِ، وَعَوَامَّ الْمَلَائِكَةِ أَفْضَلُ مِنْ عَوَامِّ الْبَشَرِ.

تفسیر البحر المدید: ج1 ص598 تحت قولہ لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ سورۃ النساء: 172

ترجمہ: اس مسئلہ میں تحقیقی بات یہ ہے کہ انبیاء و رسل؛ خواص ملائکہ یعنی مقرب فرشتوں سے افضل ہیں اور خواص ملائکہ خواص بشر مثلاً اولیاء اللہ سے افضل ہیں اور خواص بشر عام ملائکہ سے افضل ہیں اور عام فرشتے عام بشر سے افضل ہیں۔

اس عبارت میں خواص بشر سے مراد اولیاء ہیں۔ اس سے موقف بالا کا جزء نمبر 1، 2، 3 اور 4 ثابت ہوئے۔

☼ علامہ ابو الثناء محمود آلوسی آفندی بغدادی الحنفی (ت 1270ھ) احناف، اکثر شوافع اور اشاعرہ کا موقف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

إِنَّ الرُّسُلَ مِنَ الْبَشَرِ أَفْضَلُ مُطْلَقاً ثُمَّ الرُّسُلَ مِنَ الْمَلَائِكَةِ عَلٰى مَنْ سِوَاهُمْ مِنَ الْبَشَرِ وَالْمَلَائِكَةِ ثُمَّ عُمُوْمَ الْمَلَائِكَةِ عَلٰى عُمُوْمِ الْبَشَرِ وَهٰذَا مَا عَلَيْهِ أَصْحَابُ الْإِمَامِ أَبِيْ حَنِيْفَةَ عَلَيْهِ الرَّحْمَةُ وَكَثِيْرٌ مِنَ الشَّافِعِيَّةِ وَالْأَشْعَرِيَّةِ.

روح المعانی: ج15 ص120 تحت قولہ تعالیٰ "وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ" سورۃ الاسراء: 70

ترجمہ: رسلِ بشر علی الاطلاق افضل ہیں، پھر رسلِ ملائکہ انبیاء کے ماسوا باقی بشر اور دیگر فرشتوں سے افضل ہیں، پھر عام ملائکہ عام بشر سے افضل ہیں۔ یہ موقف اصحابِ ابی حنیفہ علیہ الرحمۃ، اکثر شوافع اور اشاعرہ کا ہے۔

اس عبارت میں عوام بشر سے مراد اولیاء ہیں (تصریح آگے آرہی ہے) اس سے موقف بالا کا جزء نمبر 1، 2 اور 4 ثابت ہوئے۔

☼ شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی (ت 1369ھ) فرماتے ہیں:

”حنفیہ کی رائے یہ نقل کی ہے کہ رسلِ بشر، رسلِ ملائکہ سے افضل ہیں اور رسلِ ملائکہ (باستثنائے رسل بشر کے) باقی تمام فرشتوں اور آدمیوں سے افضل ہیں اور عام فرشتوں کو عام آدمیوں پر فضیلت حاصل ہے۔ واللہ اعلم“

تفسیر عثمانی: ج1 ص889 تحت قولہ تعالیٰ ”وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ“ سورۃ الاسراء: 70

اس عبارت میں بھی عام آدمیوں سے مراد اولیاء ہیں۔ اس سے موقف بالا کا جزء نمبر 1، 2 اور 4 ثابت ہوئے۔

وضاحت: علامہ آلوسی بغدادی اور علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہما اللہ کی عبارات میں ”عوام بشر“ اور ”عام آدمیوں“ سے مراد اولیاء، اتقیاء اور صلحاء ہیں۔ یہ مفہوم اس عبارت سے مستفاد ہے۔ چنانچہ شیخ علامہ ابو الحسن محمد بن عبد الہادی السندی الحنفی (ت 1138ھ) ”عوام“ کی مراد بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَهٰذَا مُوَافِقٌ لِمَذْهَبِ أَهْلِ السُّنَّةِ مِنْ أَنَّ خَوَاصَّ الْبَشَرِ أَفْضَلُ مِنْ خَوَاصِّ الْمَلَائِكَةِ وَعَوَامَّ الْبَشَرِ أَفْضَلُ مِنْ عَوَامِّ الْمَلَائِكَةِ، قَالُوْا: الْمُرَادُ بِالْعَوَامِّ: الْأَوْلِيَاءُ الْأَتْقِيَاءُ وَالصُّلَحَاءُ.

شرح سنن ابن ماجۃ: جزء 7 ص317 تحت رقم الحدیث 3947

ترجمہ: یہ بات اہل السنۃ کے مذہب کے موافق ہے کہ خواص بشر خواص ملائکہ سے افضل ہیں اور عوام بشر عوام ملائکہ سے افضل ہیں۔ اہل السنۃ کا کہنا ہے کہ عوام بشر سے مراد اولیاء، اتقیاء اور صلحاء ہیں۔

قَوْلُهٗ: وَكُتُبِهٖ

آسمانی کتب پر ایمان:

فائدہ نمبر 1: اللہ تعالیٰ نے جن و انس کی ہدایت کے لیے مختلف زمانوں میں

اپنے نبیوں کو کتب اور صحائف عطا فرمائے۔ جس زمانے میں جس نبی پر جو کتاب نازل ہوتی رہی وہ برحق اور سچی تھی۔

فائدہ نمبر 2: قیامت تک کے لیے واجب الاتباع اور نجات کا مدار صرف قرآن مجید ہے۔ باقی تمام کتب منسوخ ہو چکی ہیں۔

فائدہ نمبر 3: تمام آسمانی کتب پر ایمان لانے کا معنی ہے کہ ان کے متعلق یہ عقیدہ رکھا جائے کہ یہ کتب اپنے اپنے دور میں برحق اور صحیح تھیں۔ انہیں برحق ماننے کا مطلب ان پر عمل کرنا نہیں۔ اپنے اپنے زمانے میں انہیں سچا سمجھنا الگ بات ہے اور ان پر عمل کرنا بالکل دوسری بات ہے۔

فائدہ نمبر 4: انبیاء علیہم السلام پر نازل ہونے والی کتب اور صحائف کی تعداد ایک سو چار منقول ہے۔ ان میں چار کتب، تورات، انجیل، زبور اور قرآن نازل ہوئیں اور باقی ایک سو صحیفے نازل ہوئے۔ جن کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت شیث علیہ السلام پر پچاس، حضرت ادریس علیہ السلام پر تیس، حضرت ابراہیم علیہ السلام پر دس اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات کے نزول سے قبل دس صحائف نازل ہوئے۔ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث مروی ہے۔ اس میں ہے کہ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

يَا رَسُولَ اللّٰهِ! كَمْ كِتَابًا أَنْزَلَهُ اللّٰهُ؟، قَالَ: مِائَةُ كِتَابٍ، وَأَرْبَعَةُ كُتُبٍ، أُنْزِلَ عَلٰى شِيثٍ خَمْسُونَ صَحِيفَةً، وَأُنْزِلَ عَلٰى أَخْنُوخَ ثَلَاثُونَ صَحِيفَةً، وَأُنْزِلَ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ عَشْرُ صَحَائِفَ، وَأُنْزِلَ عَلَى مُوسَى قَبْلَ التَّوْرَاةِ عَشْرُ صَحَائِفَ، وَأُنْزِلَ التَّوْرَاةُ وَالْإِنْجِيلُ وَالزَّبُورُ وَالْقُرْآنُ".

صحیح ابن حبان: رقم الحدیث 361

ترجمہ: اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ نے کتنی کتب نازل فرمائیں؟ آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: ایک سو صحیفے اور چار کتابیں نازل فرمائیں۔ حضرت شیث علیہ السلام پر پچاس صحیفے، حضرت اَخْنُوْخ علیہ السلام (یعنی حضرت ادریس علیہ السلام) پر تیس صحیفے، حضرت ابراہیم علیہ السلام پر دس صحیفے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات کے نزول سے قبل دس صحائف نازل فرمائے۔ اللہ تعالیٰ نے کتب میں تورات، انجیل، زبور اور قرآن کو نازل فرمایا۔

فائدہ: اس حدیث مبارک میں اَخْنُوْخ سے مراد حضرت ادریس علیہ السلام ہیں۔

علامہ ناصر الدین ابو سعید عبد اللہ بن عمر شیرازی البیضاوی (ت 685ھ) سورۃ مریم کی آیت نمبر 56 وَ اذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"وَ اذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ" وَهُوَ سِبْطُ شِيْثٍ وَجَدُّ أَبِي نُوحٍ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ وَاسْمُهُ أَخْنُوخُ.

التفسیر البیضاوی: ج1 ص22

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: کتاب میں ادریس کا تذکرہ کیجیے۔ حضرت ادریس؛ حضرت شیث کے پوتے اور حضرت نوح کے والد کے دادا ہیں۔ ان کا نام اخنوخ ہے۔

قَوْلُهٗ: وَرُسُلِهٖ

رسولوں پر ایمان:

اللہ تعالیٰ نے اپنا پیغامِ ہدایت دنیا میں بھیجنے کے لیے انسانوں میں سے ایک لاکھ چوبیس ہزار ہستیوں کا انتخاب فرمایا۔ یہ منتخب شخصیات اللہ تعالیٰ کا پیغام اپنی اپنی امت کو پہنچاتی رہیں۔ اللہ تعالیٰ کے پیغام کو اس کے بندوں تک پہنچانے والے اس واسطے کا نام "نبوت" ہے۔ سلسلۂ نبوت کا آغاز حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوا۔

فائدہ نمبر 1: نبی کی تعریف

إِنْسَانٌ مَبْعُوْثٌ مِنَ اللهِ مَعْصُوْمٌ عَنِ الْخَطَأِ مَفْرُوْضُ الإِتِّبَاعِ.

ترجمہ: نبی اس انسان کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے بھیجا گیا ہو، خطا سے معصوم ہو اور اس کی پیروی کرنا فرض ہو۔

اس تعریف میں مذکور چند الفاظ کو سمجھ لینا ضروری ہے:

(1): انسان

شاہ عبد القادر محدث دہلوی (ت 1230ھ) سورۃ الحجر آیت نمبر 28 " وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ "کی تشریح میں فرماتے ہیں:

"بشر وہ جو بدن رکھے کہ ہاتھ سے پکڑا جاوے اور روح رکھے ہوشیار۔ اگلے مخلوقات یا حیوان تھے جن کو ہوش نہیں، یا فرشتے یا جن تھے جن کا بدن نہ پکڑا جاوے"

موضح القرآن از شاہ عبد القادر محدث دہلوی: ص 341

اس کا حاصل یہ ہے کہ انسان وہ ہوتا ہے جو محسوس اور ذو عقل ہو۔

ذو عقل کی دو قسمیں ہیں: 1: کامل 2: ناقص - ذو عقل کامل "مرد" اور ناقص "عورت" ہے۔

نبی کے لیے "انسان کامل" ہونا ضروری ہے یعنی انسان ہو اور انسان بھی مرد ہو۔ اس لیے عورت نبی نہیں بن سکتی کیونکہ عورت ناقص العقل اور ناقص دین ہوتی ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں:

خَرَجَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ أَضْحًى أَوْ فِطْرٍ إِلَى الْمُصَلّٰى فَمَرَّ عَلَى

النِّسَآءِ فَقَالَ: "يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ! تَصَدَّقْنَ فَإِنِّيْ أُرِيْتُكُنَّ أَكْثَرَ أَهْلِ النَّارِ" فَقُلْنَ: وَبِمَ يَا رَسُوْلَ اللهِ؟ قَالَ: "تُكْثِرْنَ اللَّعْنَ وَتَكْفُرْنَ الْعَشِيْرَ، مَا رَأَيْتُ مِنْ نَاقِصَاتِ عَقْلٍ وَدِيْنٍ أَذْهَبَ لِلُبِّ الرَّجُلِ الْحَازِمِ مِنْ إِحْدَاكُنَّ". قُلْنَ: وَمَا نُقْصَانُ دِيْنِنَا وَعَقْلِنَا يَا رَسُوْلَ اللهِ؟ قَالَ: "أَلَيْسَ شَهَادَةُ الْمَرْأَةِ مِثْلَ نِصْفِ شَهَادَةِ الرَّجُلِ؟" قُلْنَ: بَلٰى! قَالَ: "فَذٰلِكِ مِنْ نُقْصَانِ عَقْلِهَا، أَلَيْسَ إِذَا حَاضَتْ لَمْ تُصَلِّ وَلَمْ تَصُمْ؟: قُلْنَ: بَلٰى! قَالَ: "فَذٰلِكِ مِنْ نُقْصَانِ دِيْنِهَا".

صحیح البخاری: رقم الحدیث 304

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الاضحیٰ یا عید الفطر کے لیے عید گاہ کی طرف تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کے پاس سے گزرے تو فرمانے لگے: اے عورتوں کی جماعت! تم صدقہ و خیرات کیا کرو، مجھے دکھایا گیا ہے کہ جہنم میں تمہاری تعداد زیادہ ہو گی۔ عورتیں کہنے لگیں: یا رسول اللہ! وہ کیوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ تم گالی گلوچ بہت زیادہ کرتی ہو اور خاوند کی نافرمانی کرتی ہو، میں نے دین اور عقل میں تم سے زیادہ ایسا ناقص کوئی نہیں دیکھا جو ایک اچھے بھلے شخص کی عقل کو خراب کر دے۔ عورتیں کہنے لگیں: یا رسول اللہ! ہمارے دین اور ہماری عقل میں نقص کیا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا عورت کی گواہی مرد کی نصف گواہی کے برابر نہیں؟ کہنے لگیں: کیوں نہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو یہ اس کی عقل کا نقصان ہے اور جب کسی عورت کو ایام آجائیں تو کیا وہ نماز اور روزہ نہیں چھوڑتی؟ عورتیں کہنے لگیں: کیوں نہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہی اس عورت کے دین کا نقصان ہے۔

(2): مبعوث من اللہ

کوئی انسان اپنی عبادت و ریاضت اور اعمال سے نبی نہیں بنتا بلکہ اللہ تعالیٰ کے

انتخاب سے نبی بنتا ہے۔ نبوت وہبی ہے نہ کہ کسبی، یہ سلیکشن سے ملتی ہے نہ کہ الیکشن سے۔ ”الیکشن“ کہتے ہیں جسے لوگ چنیں اور ”سلیکشن“ کہتے ہیں جسے حکومت چنے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ

سورۃ النحل:2

ترجمہ: وہ اس وحی کو اپنے جس بندے پر چاہتا ہے اپنے حکم سے فرشتوں کے ذریعے نازل فرمادیتا ہے۔

(3): معصوم عن الخطا

”معصوم“ یہ مفعول کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے ”بچایا ہوا“ ہم یہ نہیں کہتے کہ نبی گناہوں سے خود بچتا ہے بلکہ ہمارا موقف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی کو گناہوں سے بچاتا ہے۔

نوٹ: عصمت انبیاء علیہم السلام پر دلائل آگے آرہے ہیں۔ ان شاء اللہ

(4): مفروض الاتباع

لفظ ”اِتِّبَاع“ یہ ”تَبِیْعَۃٌ“ سے ہے اور ”تَبِیْعَۃٌ“ جانور کے اس بچے کو کہتے ہیں جو ماں کے پیچھے پیچھے چلتا ہے۔ وہ یہ دیکھتا ہے کہ ماں کدھر جاتی ہے، یہ نہیں دیکھتا کہ ماں کیوں جاتی ہے؟ نبوت کی اتباع بھی یوں کی جائے کہ ہر حکم کو من وعن تسلیم کر کے عمل کیا جائے، سمجھ میں آئے تب بھی مانیں اور سمجھ میں نہ آئے تب بھی مانیں۔ نبوت کی بات کو عقل پر نہیں پرکھا جائے گا بلکہ عقل کو چھوڑ کر نبوت کی بات کو ترجیح دی جائے گی۔

فائدہ نمبر 1: نبی ورسول میں فرق

مولانا عبد العزیز پرہاڑوی رحمہ اللہ (ت 1239) لکھتے ہیں:

فَالرَّسُوْلُ: مَنْ جَاءَ بِشَرْعٍ جَدِيْدٍ وَالنَّبِيُّ: مَنْ لَّمْ يَأْتِ بِهٖ.

النبراس شرح شرح العقائد: ص 54، 282

ترجمہ: جو نئی شریعت لائے وہ رسول ہے اور جو نئی شریعت نہ لائے وہ نبی ہے۔

فائدہ نمبر 2: تعداد انبیاء ورسل علیہم السلام

عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ قَالَ اَبُوْذَرٍّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ: قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! كَمْ وَفَاۗءُ عِدَّةِ الْاَنْبِيَاءِ؟ قَالَ: مِائَةُ اَلْفٍ وَّاَرْبَعَةٌ وَّعِشْرُوْنَ اَلْفاً، اَلرُّسُلُ مِنْ ذٰلِكَ ثَلٰثُ مِائَةٍ وَّخَمْسَةَ عَشَرَ جَمّاً غَفِيْراً.

مشکوٰۃ المصابیح: ص 511 باب بدء الخلق وذکر الانبیاء

ترجمہ: حضرت ابو امامہ سے روایت ہے کہ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی: یا رسول اللہ! انبیاء کی پوری تعداد کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک لاکھ چوبیس ہزار، ان میں سے رسولوں کی تعداد تین سو پندرہ ہے جو کہ ایک بہت بڑی تعداد ہے۔

فائدہ نمبر 3: نبی کی ذات بشر، صفت نور

نبی اپنی ذات کے اعتبار سے بشر اور انسان ہوتے ہیں اور اپنی صفت کے لحاظ سے نور ہوتے ہیں۔ جن آیات اور احادیث میں انبیاء علیہم السلام کو "بشر" فرمایا گیا وہاں مراد ذاتِ نبوت ہے اور جہاں "نور" فرمایا گیا وہاں مراد صفتِ نبوت ہے۔

1: قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا

سورۃ بنی اسرائیل: 93

ترجمہ: کہہ دیجیے کہ کہ میرا رب پاک ہے، میں تو ایک بشر ہوں جسے رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔

2: قُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ يُوۡحٰٓى اِلَىَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ

سورۃ الکہف:110

ترجمہ: آپ فرما دیجیے کہ میں تو تمہاری طرح ایک بشر ہوں، مجھ پر یہ وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔

3: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ اَنۡسٰى كَمَا تَنۡسَوۡنَ فَإِذَا نَسِيۡتُ فَذَكِّرُوۡنِيۡ.

صحیح البخاری: رقم الحدیث 401

ترجمہ: بے شک میں بشر ہوں، میں بھی بھول جاتا ہوں جیسے تم بھول جاتے ہو۔ اس لیے جب میں بھول جاؤں تو مجھے یاد دلا دیا کرو!

4: عَنۡ أَبِي هُرَيۡرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنۡهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَتَّخِذُ عِنۡدَكَ عَهۡدًا لَنۡ تُخۡلِفَنِيهِ فَإِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ فَأَيُّ الۡمُؤۡمِنِينَ آذَيۡتُهُ شَتَمۡتُهُ لَعَنۡتُهُ جَلَدۡتُهُ فَاجۡعَلۡهَا لَهُ صَلَاةً وَزَكَاةً وَقُرۡبَةً تُقَرِّبُهُ بِهَا إِلَيۡكَ يَوۡمَ الۡقِيَامَةِ."

صحیح مسلم: رقم الحدیث 2601

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! میں آپ سے عہد کرتا ہوں (امید ہے کہ) آپ اس عہد کے خلاف نہیں کریں گے۔ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو ایک بشر ہوں۔ جس مومن کو میں کوئی تکلیف دوں، برا بھلا کہوں، لعنت کروں یا سزا دوں تو اسے اس کے لیے رحمت اور پاکیزگی بنا دیجیے اور ایسی قربت کا ذریعہ بنا دیجیے جس کے باعث وہ قیامت کے دن

آپ کا مقرب بن جائے۔

5: قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ

سورۃ المائدۃ:15

ترجمہ: تمہارے پاس اللہ کی جانب سے نور اور واضح کتاب آچکی ہے۔

6: وَّ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِيْرًا

سورۃ الاحزاب:46

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم)اللہ کے حکم سے اسی کی طرف بلانے والے اور روشن کرنے والے آفتاب ہیں۔

فائدہ:

تقریر بالا ”نبی کی ذات بشر اور صفت نور ہے“ سے ان آیات و احادیث جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بشر ہونے کا ذکر ہے اور جن میں نور ہونے کا ذکر ہے دونوں میں تطبیق ہو جاتی ہے، نہ آیاتِ بشریت؛ آیات نور کے خلاف ہوتی ہیں نہ آیات نور؛ آیاتِ بشریت کے خلاف ہوتی ہیں، دونوں میں تعارض باقی نہیں رہتا۔

فائدہ نمبر 4: خدائی اختیارات وصفات نبی کے لیے ثابت نہیں

نبی کے لیے خدائی اختیارات اور صفاتِ خاصہ ثابت کرنا جائز نہیں جیسے علم غیب، حاضر ناظر، مختار کل وغیرہ۔ یہ صفات اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں۔

صفتِ علم الغیب:

عالم الغیب ہونا خدائی صفت ہے، نبی کے لیے ثابت نہیں۔

1: وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ

الانعام:59

ترجمہ: اور اسی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں جنہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

2: قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ

سورۃ النمل:65

ترجمہ: کہہ دیجیے کہ آسمانوں اور زمین میں اللہ کے علاوہ کوئی غیب نہیں جانتا۔

3: عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ ... مَنْ حَدَّثَكَ أَنَّهُ يَعْلَمُ الْغَيْبَ فَقَدْ كَذَبَ وَهُوَ يَقُوْلُ لَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ إِلَّا اللّٰهُ.

صحیح البخاری: رقم الحدیث7380

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جو شخص یہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے تھے تو وہ شخص جھوٹا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا ہے کہ اللہ کے علاوہ غیب کوئی نہیں جانتا۔

صفتِ حاضر ناظر:

حاضر ناظر ہونا خدائی صفت ہے، نبی کے لیے ثابت نہیں۔

1: وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ

سورۃ البقرۃ:115

ترجمہ: مشرق ومغرب اللہ تعالیٰ ہی کا ہے، جس طرف پھر جاؤ ادھر اللہ تعالیٰ کا رخ ہے۔

2: اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًاۢ بَصِيْرًا

سورۃ النساء:58

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا، دیکھنے والا ہے۔

3: عَنْ أَبِي مُوسٰى رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَجَعَلَ النَّاسُ يَجْهَرُونَ بِالتَّكْبِيرِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

"أَيُّهَا النَّاسُ اِرْبَعُوْا عَلٰى اَنْفُسِكُمْ اِنَّكُمْ لَيْسَ تَدْعُوْنَ اَصَمَّ وَلَا غَائِبًا، اِنَّكُمْ تَدْعُوْنَهٗ سَمِيْعاً قَرِيْباً وَهُوَ مَعَكُمْ."

صحیح مسلم؛ ج2 ص346 باب استحباب خفض الصوت بالذکر

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، لوگ اونچی آواز سے تکبیریں کہنے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اپنی جانوں پر نرمی کرو! تم بہرے و غائب کو نہیں پکار رہے، تم جسے پکار رہے ہو وہ سننے والا، قریب اور تمہارے ساتھ ہے۔

صفتِ مختارِ کل:

مختار کل ہونا خدائی صفت ہے، نبی کے لیے ثابت نہیں۔

1: قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ

یونس:49

ترجمہ: (اے پیغمبر!) آپ کہہ دیجیے میں تو خود اپنی ذات کو بھی نہ کوئی نقصان پہنچانے کا اختیار رکھتا ہوں نہ فائدہ پہچانے کا، سب کچھ اللہ کی چاہت پر موقوف ہے۔

2: اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ

سورۃ القصص:56

ترجمہ: آپ جس کو ہدایت دینا چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے لیکن اللہ جسے ہدایت سے نوازنا چاہے نواز سکتا ہے۔ اللہ کو معلوم ہے کہ کون لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

3: عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ وَأَبِيْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ أَنْزَلَ اللّٰهُ " وَ اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ "قَالَ يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ أَوْ كَلِمَةً نَحْوَهَا اشْتَرُوا أَنْفُسَكُمْ لَا أُغْنِي

عَنْكُمْ مِنَ اللهِ شَيْئًا يَا بَنِي عَبْدِ مَنَافٍ لَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللهِ شَيْئًا يَا عَبَّاسُ بْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ لَا أُغْنِي عَنْكَ مِنَ اللهِ شَيْئًا وَيَا صَفِيَّةُ عَمَّةَ رَسُولِ اللهِ لَا أُغْنِي عَنْكِ مِنَ اللهِ شَيْئًا وَيَا فَاطِمَةُ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَلِينِي مَا شِئْتِ مِنْ مَالِي لَا أُغْنِي عَنْكِ مِنَ اللهِ شَيْئًا.

صحیح البخاری: رقم الحدیث 4771، صحیح مسلم: رقم الحدیث 206

ترجمہ: حضرت سعید بن مسیب اور ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن رحمہما اللہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: جب آیت مبارکہ " وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ " [آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو خدا کے عذاب سے ڈرایئے] نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے خاندانِ قریش! - یا اس قسم کا کوئی جملہ ارشاد فرمایا- اپنے آپ کو (توحید ورسالت کا اقرار کر کے جہنم کے عذاب سے) بچا لو! میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے تمہیں نہیں بچا سکتا! اے خاندان بنو عبد مناف! میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے تمہیں نہیں بچا سکتا! اے عباس بن عبد المطلب! میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے تمہیں نہیں بچا سکتا! اے میری پھوپھی صفیہ! میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے تمہیں نہیں بچا سکتا! اے میری بیٹی فاطمہ! جس چیز کا میں مالک ہوں (مالی، ضروریاتِ زندگی وغیرہ) وہ تو مجھ سے مانگ لو لیکن میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے تمہیں نہیں بچا سکتا!

فائدہ نمبر 5: نبی اور نبی الانبیاء علیہم السلام

"نبی" اسے کہتے ہیں جس کا کلمہ امت پڑھے اور "نبی الانبیاء" اسے کہتے ہیں جس کا کلمہ امت بھی پڑھے اور انبیاء علیہم السلام بھی پڑھیں۔ باقی انبیاء علیہم السلام صرف "نبی" ہیں جبکہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نبی بھی ہیں اور نبی الانبیاء بھی۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَاۤ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ

سورۃ آل عمران:81

ترجمہ: اور جب اللہ تعالی نے انبیاء علیہم السلام سے یہ عہد لیا کہ جب میں تمہیں کتاب اور حکمت دوں، پھر تمہارے پاس کوئی رسول آئے جو تمہارے پاس موجود کتاب کی تصدیق کرے تو تمہیں اس پر ایمان لانا اوراس کی مدد کرنا ہوگی۔

گزشتہ انبیاء علیہم السلام سے میثاق لیتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور آپ کی مدد کرنے کا حکم دیا گیا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ انبیاء سابقین علیہم السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے پر مامور ہیں۔

فائدہ نمبر6: امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ معراج کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء علیہم السلام کو نماز پڑھائی ہے اور ”امام الانبیاء“ کے لقب سے سرفراز ہوئے ہیں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے معراج کی طویل حدیث مروی ہے۔ اس میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ثُمَّ دَخَلْتُ إِلٰى بَيْتِ الْمَقْدِسِ فَجُمِعَ لِيَ الْأَنْبِيَاءُ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ فَقَدَّمَنِي جِبْرِيلُ حَتّٰى أَمَمْتُهُمْ.

سنن النسائی: رقم الحدیث 451

ترجمہ: پھر میں بیت المقدس میں داخل ہوا تو تمام انبیاء علیہم السلام کو میرے لیے جمع کیا گیا۔ پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے مجھے آگے (مصلے پر) کھڑا کر دیا تو میں نے ان کو نماز پڑھائی۔

تفسیر ابن کثیر کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

فَلَمْ أَلْبَثْ إِلَّا يَسِيرًا حَتَّى اجْتَمَعَ نَاسٌ كَثِيرٌ، ثُمَّ أَذَّنَ مُؤَذِّنٌ وَأُقِيمَتِ الصَّلَاةُ". قَالَ: "فَقُمْنَا صُفُوفًا نَنْتَظِرُ مَنْ يَؤُمُّنَا، فَأَخَذَ بِيَدِي جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ، فَقَدَّمَنِي فَصَلَّيْتُ بِهِمْ. فَلَمَّا انْصَرَفْتُ قَالَ جِبْرِيلُ: يَا مُحَمَّدُ، أَتَدْرِي مَنْ صَلَّى خَلْفَكَ؟ "قَالَ: "قُلْتُ: لَا. قَالَ: صَلَّى خَلْفَكَ كُلُّ نَبِيٍّ بَعَثَهُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ".

تفسیر ابن کثیر: ج5 ص13

ترجمہ: مجھے بیت المقدس میں کچھ دیر ہی گزری تھی کہ وہاں بہت زیادہ لوگ جمع ہو گئے۔ مؤذن نے اذان دی اور نماز کی اقامت کہی گئی۔ ہم صف میں کھڑے ہو گئے، اس انتظار میں تھے کہ کون نماز پڑھائے گا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے آگے (مصلے پر) کھڑا کر دیا تو میں نے ان کو نماز پڑھائی۔ جب میں نماز سے فارغ ہوا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے مجھ سے پوچھا: اے محمد! آپ جانتے ہیں کہ آپ کے پیچھے کن لوگوں نے نماز پڑھی ہے؟ میں نے کہا کہ مجھے تو معلوم نہیں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ آپ کے پیچھے ہر اس نبی نے نماز ادا کی ہے جسے اللہ عزوجل نے مبعوث فرمایا ہے۔

حضرات انبیاء علیہم السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے جو نماز پڑھی تھی جو اجسام اور ارواح دونوں کے مجموعے کے ساتھ پڑھی تھی۔ ملا علی بن سلطان محمد القاری الهروی الحنفی (ت1014ھ) لکھتے ہیں:

فَإِنَّ حِقِيْقَةَ الصَّلَاةِ وَهِيَ الْإِتْيَانُ بِالْأَفْعَالِ الْمُخْتَلِفَةِ إِنَّمَا تَكُوْنُ لِلْأَشْبَاحِ لَا لِلْأَرْوَاحِ.

مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح: ج10 ص571 باب فی المعراج

ترجمہ: نماز کی حقیقت اس کے مختلف افعال کو وجود میں لانا ہے اور یہ اجسام ہی کا کام ہو سکتا ہے نہ کہ صرف ارواح کا۔

فائدہ نمبر 7: افضل الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام ومرتبہ تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہے۔
قرآن وسنت سے دلائل درج ذیل ہیں:

دلیل نمبر 1:

وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّنَ عَلٰى بَعْضٍ وَّاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا

سورۃ الاسراء:55

ترجمہ: ہم نے بعض انبیاء کو بعض دوسرے انبیاء پر فضیلت عطا کی ہے اور ہم نے داؤد کو زبور عطا کی ہے۔

حافظ عماد الدین ابو الفداء اسماعیل بن خطیب ابی حفص عمر بن کثیر دمشقی شافعی (ت 774ھ) اس آیت کے تحت فرماتے ہیں:
وَلَا خِلَافَ أَنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْضَلُهُمْ.

تفسیر ابن کثیر: ج5 ص88

ترجمہ: اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء علیہم السلام میں سب سے افضل ہیں۔

دلیل نمبر 2:

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا

سورۃ الاعراف:158

ترجمہ: (اے پیغمبر!) آپ کہہ دیجیے کہ میں تم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

گزشتہ انبیاء کرام علیہم السلام کا دائرۂ نبوت محدود تھا جبکہ آپ صلی اللہ علیہ

وسلم کی نبوت کا دائرہ غیر محدود ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم عالمی نبی ہیں جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی افضیلت کی دلیل ہے۔

دلیل نمبر 3:

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: فُضِّلْتُ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ: أُعْطِيتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ، وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ، وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ طَهُورًا وَمَسْجِدًا وَأُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً وَخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّونَ.

صحیح مسلم: رقم الحدیث 522

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے تمام انبیاء علیہم السلام پر چھ باتوں میں فضیلت دی گئی ہے۔ مجھے جامع کلمات عطا کیے گئے، رعب سے میری مدد کی گئی، میرے لیے غنیمت کا مال حلال کر دیا گیا، میرے لیے تمام زمین نماز کو پڑھنے کی جگہ اور پاک کرنے کا ذریعہ بنا دیا گیا، مجھے تمام مخلوق کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا اور مجھ پر ہی سلسلہ نبوت کو ختم کیا گیا۔

علمائے امت کا موقف:

1: امام فخر الدین ابو عبد اللہ محمد بن عمر بن الحسین الرازی الشافعی (ت 606ھ) فرماتے ہیں:

الْحُجَّةُ التَّاسِعَةُ: أَنَّ دِينَ مُحَمَّدٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَفْضَلُ الْأَدْيَانِ، فَيَلْزَمُ أَنْ يَكُونَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْضَلَ الْأَنْبِيَاءِ.

التفسیر الکبیر ج6 ص212 تحت قولہ تعالیٰ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ سورۃ البقرۃ:253

ترجمہ: نویں دلیل یہ ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین چونکہ تمام انبیاء علیہم السلام کے دین سے افضل ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں۔

2: امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی المالکی (ت 671ھ) لکھتے ہیں:

فِي هٰذِهِ الْآيَةِ دَلِيلٌ عَلٰى جَوَازِ اتِّبَاعِ الْأَفْضَلِ لِلْمَفْضُوْلِ لِمَا تَقَدَّمَ فِي الْأُصُوْلِ وَالْعَمَلِ بِهٖ، وَلَا دَرَكَ عَلَى الْفَاضِلِ فِي ذٰلِكَ، لِأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْضَلُ الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ، وَقَدْ أُمِرَ بِالِاقْتِدَاءِ بِهِمْ فَقَالَ ﴿ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ﴾ وَقَالَ هُنَا: ﴿ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا﴾.

الجامع لاحکام القرآن: ج2 ص1810 تحت قولہ تعالیٰ ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا سورۃ النحل:123

ترجمہ: اس آیت میں دلیل ہے کہ افضل اپنے سے مفضول کی اتباع کرے اور اس کی رائے پر عمل کرے تو جائز ہے جیسا کہ اصول میں گزرا اور اس میں فاضل کے لیے کوئی عار بھی نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل الانبیاء ہیں، اس کے باوجود آپ کو سابقہ انبیاء علیہم السلام کی اقتداء کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پچھلے انبیاء کی راہ کی اقتداء کریں۔

3: علامہ علاء الدین علی بن محمد بن ابراہیم البغدادی المعروف "علامہ الخازن" (ت 741ھ) فرماتے ہیں:

أَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ أَفْضَلَ الْأَنْبِيَاءِ لِمَا اجْتَمَعَ فِيْهِ مِنْ هٰذِهِ الْخِصَالِ الَّتِيْ كَانَتْ مُتَفَرِّقَةً فِيْ جَمِيْعِهِمْ.

تفسیر الخازن: ج2 ص157 تحت قولہ تعالیٰ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ سورۃ الانعام:90

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں کیونکہ آپ میں وہ تمام خصوصیت اور فضائل یکجا جمع ہیں جو دیگر انبیاء علیہم السلام میں متفرق طور پر جمع تھے۔

4: حافظ عماد الدین عمر بن کثیر دمشقی شافعی (ت 774ھ) فرماتے ہیں:

وَلَا خِلَافَ أَنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْضَلُهُمْ.

تفسیر ابن کثیر: ج5 ص88 تحت قولہ تعالیٰ وَ لَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ سورۃ الاسراء: 55

ترجمہ: اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء علیہم السلام میں سب سے افضل ہیں۔

5: امام مسعود بن عمر بن عبد اللہ المعروف سعد الدین تفتازانی (م793ھ) فرماتے ہیں:

وَأَجْمَعَ الْمُسْلِمُوْنَ عَلٰى أَنَّ أَفْضَلَ الْأَنْبِيَاءِ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَنَّ أُمَّتَهٗ خَيْرُ الْأُمَمِ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ ﴿وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا﴾ وَتَفْضِيْلُ الْأُمَّةِ مِنْ حَيْثُ أَنَّهَا أُمَّةٌ تَفْضِيْلٌ لِلرَّسُوْلِ الَّذِيْ هُمْ أُمَّتُهٗ وَلِأَنَّهٗ مَبْعُوْثٌ إِلَى الثَّقَلَيْنِ.

شرح المقاصد فی علم الکلام للتفتازانی: ج2 ص192

ترجمہ: تمام مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ انبیاء علیہم السلام میں افضل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس لیے کہ آپ کی امت تمام امتوں میں بہترین ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے نکالے گئے ہو، (مزید ارشاد ہے) اسی طرح ہم نے تم کو معتدل امت بنایا ہے۔ امت کا بحیثیت امت کے فضیلت والا ہونا اس امت کے نبی کی فضیلت کی دلیل ہے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے افضل ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جن وانس کی طرف بھیجا گیا ہے۔

فائدہ نمبر 8: نبی العالمین صلی اللہ علیہ وسلم

پہلے انبیاء علیہم السلام کسی خاص قوم، بستی یا شہر کی طرف بھیجے جاتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ایسی ہے جو تمام عالمین کی طرف مبعوث ہوئی ہے۔ پہلے

انبیاء علیہم السلام کی نبوت؛ نبوتِ عامہ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت؛ نبوتِ خاصہ ہے۔

1: وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا

سورۃ النساء:79

ترجمہ: ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا اور اللہ تعالیٰ بطورِ گواہ کافی ذات ہے۔

2: قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا

سورۃ الاعراف:158

ترجمہ: آپ فرما دیجئے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

3: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: فُضِّلْتُ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ ؛ أُعْطِيتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ طَهُوْرًا وَمَسْجِدًا وَأُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً وَخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّونَ."

صحیح مسلم: رقم الحدیث 1195

ترجمہ: مجھے چھ اعزازات دے کر دیگر انبیاء علیہم السلام پر فضیلت دی گئی: (۱) مجھے جوامع الکلم دیے گئے (۲) رعب عطا فرما کے میری مدد کی گئی (۳) مال غنیمت کو میرے لیے حلال کیا گیا (۴) پوری زمین کو میرے لیے "طَهُوْر" یعنی پاک کرنے کا ذریعہ بنا دیا گیا (۵) پوری زمین کو میرے لیے سجدہ گاہ بنا دیا گیا اور (٦) مجھے پوری مخلوق کا نبی بنا دیا گیا۔ ان تمام اعزازات کی وجہ یہ ہے کہ مجھے آخری نبی بنایا گیا ہے۔

اس حدیث میں "وَأُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً" کا جملہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت عامہ کی دلیل ہے۔

فائدہ نمبر9: خاتم الانبیاء علیہم السلام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہو گا۔ ختم نبوت ایک اجماعی عقیدہ ہے جس کا منکر دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

1: مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنۡ رِّجَالِكُمۡ وَ لٰكِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمًا

الاحزاب:40

ترجمہ: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والے ہیں۔

2: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: فُضِّلْتُ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ ؛ أُعْطِيتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ طَهُورًا وَمَسْجِدًا وَأُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً وَخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّونَ."

صحیح مسلم: رقم الحدیث 1195

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے چھ اعزازات دے کر دیگر انبیاء علیہم السلام پر فضیلت دی گئی: (۱) مجھے جوامع الکلم دیے گئے۔ (۲) رعب عطا فرما کے میری مدد کی گئی۔ (۳) مال غنیمت کو میرے لیے حلال کیا گیا۔ (۴) پوری زمین کو میرے لیے "طَهُوْر" یعنی پاک کرنے کا ذریعہ بنا دیا گیا۔ (۵) پوری زمین کو میرے لیے سجدہ گاہ بنا دیا گیا اور (۶) مجھے پوری مخلوق کا نبی بنا دیا گیا۔ اور ان تمام اعزازات کی وجہ یہ ہے کہ مجھے آخری نبی بنایا گیا ہے۔

☼ ملا علی بن سلطان محمد القاری الهروی الحنفی (ت 1014ھ) فرماتے ہیں:

وَدَعْوَى النُّبُوَّةِ بَعْدَ نَبِيِّنَا صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُفْرٌ بِالْإِجْمَاعِ.

شرح الفقہ الاکبر: ص 451

ترجمہ: ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی اور شخص کا دعوی نبوت کرنا کفر ہے اور اس پر اجماع ہے۔

فائدہ: بانی دار العلوم دیوبند قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی (ت 1297ھ) نے اپنی کتاب "تحذیر الناس" میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کی ایسی جامع اور دلنشیں تشریح فرمائی ہے کہ جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت کامل اور مکمل طور پر ظاہر ہوتی ہے۔ اس مضمون کا خلاصہ یہ ہے:

أَنَّ الْخَاتِمِيَّةَ جِنْسٌ تَحْتَهُ نَوْعَانِ، أَحَدُهُمَا خَاتِمِيَّةٌ زَمَانِيَّةٌ وَهُوَ أَن يَّكُوْنَ زَمَانُ نُبُوَّتِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ مُتَأَخِّرًا مِّنْ زَمَانِ نُبُوَّةِ جَمِيْعِ الْأَنْبِيَآءِ وَ يَكُوْنَ خَاتِمًا لِّنُبُوَّتِهِمْ بِالزَّمَانِ، وَالثَّانِيْ: خَاتِمِيَّةٌ ذَاتِيَّةٌ وَّ هِيَ أَن يَّكُوْنَ نَفْسُ نُبُوَّتِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ خُتِمَتْ بِهَا وَ انْتَهَتْ إِلَيْهَا نُبُوَّةُ جَمِيْعِ الْأَنْبِيَآءِ وَ كَمَا أَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ بِالزَّمَانِ كَذٰلِكَ هُوَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ بِالذَّاتِ فَإِنَّ كُلَّ مَا بِالْعَرْضِ يُخْتَمُ عَلٰى مَا بِالذَّاتِ وَيَنْتَهِيْ إِلَيْهِ وَ لَا تَتَعَدَّاهُ وَ لَمَّا كَانَ نُبُوَّتُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ بِالذَّاتِ وَ نُبُوَّةُ سَائِرِ الْأَنْبِيَآءِ بِالْعَرْضِ لِأَنَّ نُبُوَّتَهُمْ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ بِوَاسِطَةِ نُبُوَّتِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ وَ هُوَ الْفَرْدُ الْأَكْمَلُ الْأَوْحَدُ الْأَبْجَلُ قُطْبُ دَائِرَةِ النُّبُوَّةِ وَ الرِّسَالَةِ وَ وَاسِطَةُ عَقْدِهَا فَهُوَ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ ذَاتًا وَ زَمَانًا.

وَ لَيْسَ خَاتِمِيَّتُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ مُنْحَصِرَةً فِي الْخَاتِمِيَّةِ الزَّمَانِيَّةِ فَإِنَّهٗ لَيْسَ كَبِيْرَةُ فَضْلٍ وَّ لَا زِيَادَةُ رِفْعَةٍ أَن يَّكُوْنَ زَمَانُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ مُتَأَخِّرًا مِّنْ زَمَانِ الْأَنْبِيَآءِ قَبْلَهٗ بَلِ السِّيَادَةُ الْكَامِلَةُ وَ الرِّفْعَةُ الْبَالِغَةُ وَ

الْمَجْدُ الْبَاهِرُ وَ الْفَخْرُ الزَّاهِرُ تَبْلُغُ غَايَتَهَا إِذَا كَانَ خَاتَمِيَّتُهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ ذَاتًا وَّ زَمَانًا وَ أَمَّا إِذَا اقْتُصِرَ عَلَى الْخَاتَمِيَّةِ الزَّمَانِيَّةِ فَلَا تَبْلُغُ سِيَادَتُهُ وَ رَفْعَتُهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَالَهَا وَلَا يَحْصُلُ لَهُ الْفَضْلُ بِكُلِّيَتِهٖ وَجَامِعِيَّتِهٖ.

المہند علی لمفند: ص70 تا ص72

ترجمہ: خاتمیت ایک جنس ہے جس کی دو انواع ہیں۔ ایک خاتمیت باعتبار زمانہ کے ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا زمانہ تمام انبیاء علیہم السلام کی نبوت کے زمانہ کے بعد ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم زمانہ کے اعتبار سے تمام انبیاء علیہم السلام کی نبوت کے خاتم ہیں۔ دوسری نوع خاتمیت باعتبار ذات ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی نبوت پر تمام انبیاء علیہم السلام کی نبوت ختم اور منتہی ہوئی ہے اور جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم زمانہ کے اعتبار سے خاتم النبیین ہیں اسی طرح ذات کے اعتبار سے بھی خاتم النبیین ہیں کیونکہ ہر بالعرض شے بالذات شے پر ختم ہو جاتی ہے، اس سے آگے سلسلہ نہیں چلتا۔ چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت بالذات ہے اور باقی تمام انبیاء علیہم السلام کی نبوت بالعرض ہے اس لیے کہ سارے انبیاء علیہم السلام کی نبوت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی وجہ سے ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی فردِ اکمل، یکتا، دائرہ رسالت و نبوت کے مرکز اور عقد نبوت کے واسطہ ہیں تو آپ علیہ السلام ذات اور زمانہ دونوں اعتبار سے خاتم النبیین ہوئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت صرف زمانہ کے اعتبار سے نہیں ہے اس لیے کہ یہ کوئی بڑی فضیلت اور زیادہ اعزاز کی بات نہیں کہ آپ علیہ السلام کا زمانہ تمام انبیاء سابقین علیہم السلام کے زمانہ کے بعد ہے بلکہ کامل سرداری وبلندی مقام اور انتہاء درجہ کی عظمت و فضیلت اسی وقت ثابت ہو گی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت ذات اور زمانہ دونوں اعتبار سے ہو ورنہ محض زمانہ کے اعتبار سے خاتم الانبیاء ہونے سے

نہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیادت ورفعت کمال کو پہنچے گی اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جامعیت وفضیلت کلی حاصل ہوگی۔

قَوْلُهٗ: وَالْيَوْمِ الْآخِرِ

آخرت پر ایمان:

اس سے مراد دوسرا جہان اور دوسری زندگی ہے۔ اس سے قیامت کا دن مراد نہیں کیونکہ اس کے لیے "وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ" آگے مستقل آرہا ہے۔

فائدہ نمبر 1: اہلِ اسلام کا نظریہ ہے کہ ایک زندگی ہم اس جہان میں گزار رہے ہیں۔ جب موت آتی ہے تو انسان بالکل فنا نہیں ہوتا بلکہ اس جہان سے دوسرے جہان میں منتقل ہوتا ہے۔ اسلام میں اس جہان کی طرح دوسرے جہان کا بھی تصور موجود ہے۔ اس کے برعکس کفار کا نظریہ یہ ہے اس جہان کے اختتام پر انسان فنا ہوجاتا ہے اور اس کے بعد دوسرے جہان کا کوئی تصور نہیں ہے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ "وَالْيَوْمِ الْآخِرِ" کہہ کر اہلِ اسلام کے نظریے کی تائید اور کفار کے نظریے کی تردید فرمارہے ہیں کہ دوسرے جہان کا تصور برحق ہے۔

شاعرِ مشرق ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

موت کو سمجھے ہیں غافل اختتامِ زندگی　　ہے یہ شامِ زندگی، صبحِ دوامِ زندگی

پہلی اور دوسری زندگی کا ذکر ان الفاظ کے ساتھ قرآن مجید میں موجود ہے:

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ

سورۃ الواقعۃ:62

ترجمہ: تمہیں تمہاری پہلی پیدائش کا علم ہے (کہ وہ ہماری قدرت سے وجود میں آئی) تو تم لوگ کیوں نہیں سمجھتے؟ (کہ ہم دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہیں)۔

دوسرے مقام پر ہے:

وَاَنَّ عَلَيْهِ النَّشْاَةَ الْاُخْرٰى

سورۃ النجم:47

ترجمہ: اور دوبارہ پیدا کرنا بھی اسی (خدا تعالیٰ) کے ذمہ ہے۔

پہلی آیت میں پہلی زندگی اور دوسری آیت میں دوسری زندگی مراد ہے۔

فائدہ نمبر2: ایک زندگی موت کے بعد سے لے کر حشر تک ہے اور ایک زندگی حشر سے لے کر جنت اور جہنم تک کی ابدی زندگی ہے۔ موت کے بعد قیامت شروع ہو جاتی ہے البتہ موت سے لے کر حشر تک کی زندگی کو "قیامت صغریٰ" اور حشر کے بعد کی زندگی کو "قیامت کبریٰ" کہتے ہیں۔

فائدہ نمبر3: موت کے بعد قبر میں سوال وجواب اجمالاً ہوں گے اور حشر میں تفصیلاً ہوں گے۔ اسی طرح موت کے بعد جزا وسزا اجمالاً ہو گی لیکن قیامت کبریٰ کے بعد جزاء وسزا تفصیلاً ہو گی۔ چنانچہ موت کے بعد قبر کی زندگی میں میت پر عرضِ جنت اور عرضِ نار ہو گا اور حشر کے بعد دخولِ جنت اور دخولِ نار ہو گا۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے "وَالْيَوْمِ الْآخِرِ" میں قیامتِ صغریٰ یعنی قبر کی زندگی اور "وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ" میں قیامت کبریٰ کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

فائدہ نمبر4: موت سے لے کر حشر تک کی زندگی کو "قبر کی زندگی" بھی کہا جاتا ہے اور "عالمِ برزخ" بھی۔ اس لیے اس مقام پر قبر اور برزخ کا معنی بیان کیا جاتا ہے۔

قبر کا معنی:

قبر اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں میت یا اجزائے میت ہوں۔

1: وَلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ

سورۃ التوبۃ:84

ترجمہ: آپ اس کی قبر پر کھڑے نہ ہوں۔

2: وَاَنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ مَنْ فِی الْقُبُوْرِ

سورۃ الحج:7

ترجمہ: بے شک اللہ ان سب لوگوں کو اٹھا کھڑا کرے گا جو قبروں میں ہیں۔

3: عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ قَالَ رَأَيْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَقِفُ عَلٰى قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيُصَلِّي عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلٰى أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا.

موطا امام مالک: ص150 باب ما جاء فی الصلوۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ترجمہ: عبد اللہ بن دینار رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر کھڑے دیکھا۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیج رہے تھے اور ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے لیے دعا مانگ رہے تھے۔

4: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا: مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى قَبْرَيْنِ فَقَالَ: "إِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّبَانِ مِنْ كَبِيْرٍ"، ثُمَّ قَالَ: "بَلٰى أَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ يَسْعٰى بِالنَّمِيمَةِ وَأَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ لَا يَسْتَتِرُ مِنْ بَوْلِهِ" قَالَ: ثُمَّ أَخَذَ عُودًا رَطْبًا فَكَسَرَهُ بِاثْنَتَيْنِ ثُمَّ غَرَزَ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا عَلٰى قَبْرٍ ثُمَّ قَالَ: "لَعَلَّهُ يُخَفَّفُ عَنْهُمَا مَا لَمْ يَيْبَسَا".

صحیح البخاری: رقم الحدیث 1378

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں کے قریب سے گذرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے اور ان کو کسی بڑے گناہ کی وجہ سے عذاب نہیں ہو رہا، بلکہ ایک کو تو اس لیے عذاب ہو رہا ہے کہ وہ چغلی کیا کرتا تھا اور دوسرا پیشاب کی چھینٹوں

سے نہیں بچتا تھا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کی ایک تر ٹہنی لی اور اس کے دو ٹکڑے کیے، ان دو ٹکڑوں میں سے ہر ایک کی قبر پر ایک ایک ٹکڑا گاڑ دیا، پھر ارشاد فرمایا: جب تک یہ خشک نہیں ہوں گی ان کے عذاب میں تخفیف ہوتی رہے گی۔

وضاحت: قبر کا معنی ”جہاں میت یا اجزائے میت ہوں“ کرنے سے وہ تمام اشکالات حل ہو جاتے ہیں جو بعض لوگ کرتے ہیں کہ جب کسی میت کو جلا دیا گیا یا اس کی لاش کو پرندے کھا گئے، جانوروں نے نوچ ڈالا یا پانی میں بہا دیا گیا تو اس کو قبر کیسے ملی؟ جواب یہ ہے کہ اس کے اجزاء جہاں گئے ہیں وہی اس کی قبر ہے کیونکہ یہاں اجزاء کا احالہ ہوتا ہے مگر ازالہ نہیں ہوتا یعنی اجزاء تحلیل ہو کر دوسری شکل اختیار کر لیتے ہیں، بالکل ختم نہیں ہوتے۔

فائدہ نمبر 5: برزخ کا معنی:

”برزخ“ سے مراد دو چیزوں کا مجموعہ ہے: زمان اور مکان۔

۱: زمان.... موت سے لے کر حشر تک کا وقت

۲: مکان.... سجین سے لے کر علیین تک کی جگہ

”برزخ“ کا معنی سمجھ میں آ جائے تو کئی اشکالات ختم ہو جاتے ہیں۔ مثلاً بعض لوگ اشکال کرتے ہیں کہ اگر موت کے بعد انسان برزخ میں چلا جاتا ہے تو فرعون اسی زمین پر موجود ہے اور ہم بھی اسی زمین پر موجود ہیں، اس اعتبار سے اسے تو برزخ نہ ملی کیوں کہ زمین پر موجود ہوتے ہوئے اسے برزخ میں مانا جائے تو لازم آئے گا کہ ہم بھی برزخ میں ہوں کیونکہ ہم بھی تو اسی زمین پر موجود ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ فرعون کو موت سے لے کر حشر تک کا زمان اور سجین سے لے کر علیین تک کا مکان ملا ہے لیکن ہمیں سجین سے لے کر علیین تک کا مکان تو ملا ہے لیکن موت سے لے کر حشر تک کا

زمان نہیں ملا۔ اس لیے فرعون تو برزخ میں ہے لیکن ہم برزخ میں نہیں ہیں۔

فائدہ نمبر 6: برزخ کے احوال:

برزخ کے تمام احوال پردے میں ہوتے ہیں۔ میت کے پیچھے پردہ ہوتا ہے۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمِنۡ وَّرَآئِهِمۡ بَرۡزَخٌ اِلٰى يَوۡمِ يُبۡعَثُوۡنَ

سورۃ المؤمنون:100

ترجمہ: اور ان کے پیچھے ایک آڑ ہے (جس میں وہ) اٹھائے جانے کے دن تک (رہیں گے)۔

برزخ اور پردے کا ضابطہ یہ ہے کہ جو پردے کے پیچھے ہو وہ باہر والے کے حالات دیکھ لے تو یہ پردے کے مخالف نہیں۔ اس لیے یہ جو روایت ہے کہ:

عَنۡ أَبِي هُرَيۡرَةَ قَالَ: " إِذَا مَرَّ الرَّجُلُ بِقَبۡرٍ يَّعۡرِفُهٗ فَسَلَّمَ عَلَيۡهِ رَدَّ عَلَيۡهِ السَّلَامَ وَعَرَفَهٗ وَإِذَا مَرَّ بِقَبۡرٍ لَا يَعۡرِفُهٗ فَسَلَّمَ عَلَيۡهِ رَدَّ عَلَيۡهِ السَّلَامَ "

شعب الایمان للبیہقی: ج7 ص17 فصل فی زیارۃ القبور رقم الحدیث 9296

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص اس آدمی کی قبر کے قریب سے گزرتا ہے جس کو وہ پہچانتا تھا اور اس کو سلام کرتا ہے تو صاحبِ قبر اس کو پہچان کر اس کے سلام کا جواب دیتا ہے اور جب کسی ایسے آدمی کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے جس کو وہ نہیں پہچانتا اور اس کو سلام کرتا ہے تو وہ بھی اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔

یہ روایت برزخ کے مفہوم کے خلاف نہیں۔ ہاں! اگر باہر والا اندر والے کو دیکھ لے تو یہ برزخ کے خلاف ہے۔

یہاں یہ وضاحت سمجھ لینا ضروری ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جو

روایت ہے کہ

كُنْتُ أَدْخُلُ بَيْتِي الَّذِي دُفِنَ فِيهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبِي فَأَضَعُ ثَوْبِي فَأَقُولُ إِنَّمَا هُوَ زَوْجِي وَأَبِي فَلَمَّا دُفِنَ عُمَرُ مَعَهُمْ فَوَاللَّهِ مَا دَخَلْتُ إِلَّا وَأَنَا مَشْدُودَةٌ عَلَيَّ ثِيَابِي حَيَاءً مِنْ عُمَرَ۔

مسند احمد: ج18 ص24 رقم الحدیث25536، مشکوٰۃ المصابیح: ص154 باب زیارۃ القبور

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں کہ میرے گھر کے جس کمرے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور میرے والد (حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ) کی قبریں تھیں میں وہاں اپنے سر پر دوپٹہ نہ ہونے کی حالت میں بھی چلی جاتی تھی کیونکہ میں سمجھتی تھی کہ یہاں صرف میرے شوہر اور میرے والد ہی تو ہیں، لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بھی وہاں تدفین ہوئی تو بخدا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حیا کی وجہ سے میں جب بھی اس کمرے میں گئی تو اپنی چادر اچھی طرح لپیٹ کر ہی گئی۔

اس پر یہ اشکال نہ ہونا چاہیے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کیسے دیکھ سکتے تھے؟ وجہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو برزخ میں تھے لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ برزخ میں نہیں تھیں۔ اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دیکھ لینا برزخ کے خلاف نہیں، ہاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا دیکھ لینا برزخ کے خلاف ہے۔

نیز اگر دنیا کا کوئی شخص برزخ میں دیکھ لے جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھا تھا:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَتَيْتُ وَفِيْ رِوَايَةِ هَدَّابٍ مَرَرْتُ عَلَى مُوسَى لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِيْ عِنْدَ الْكَثِيْبِ الْأَحْمَرِ وَهُوَ قَائِمٌ يُّصَلِّي فِي قَبْرِهِ۔

صحیح مسلم: رقم الحدیث2375

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شب معراج میرا گزر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سرخ ٹیلے کے قریب سے ہوا، تو دیکھا کہ وہ اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں۔

تو یہ خرق عادت ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے۔

قَوْلُهُ: وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ

بعث بعد الموت پر ایمان:

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے "وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ" فرمایا ہے، "وَالْإِحْيَاءِ بَعْدَ الْمَوْتِ" نہیں فرمایا کیونکہ جب موت آتی ہے تو اس کے بعد قبر میں حیات مل جاتی ہے، پھر حشر کو دوبارہ حیات نہیں ملتی بلکہ اس وقت بعث ہوگی۔ اس لیے قیامت کے دن اٹھنے کا مطلب یہ ہے کہ قبر میں زندہ تھے مگر وہ حیات ظاہری نہ تھی اور اب اسی زندگی کے ظہور کے ساتھ میدان محشر میں جمع ہو گئے ہیں۔

قبر کی حیات نظر نہ آنے والی مخفی حیات ہوتی ہے، نہ آنکھ سے نظر آتی ہے اور نہ ہاتھ لگانے سے محسوس ہوتی ہے۔ قیامت کے دن جب انسانوں کو قبروں سے نکالا جائے گا تو اس کے لیے دو قسم کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں؛ بعث اور احیاء۔

1: کبھی اس اٹھانے کو لفظ "بعث" سے تعبیر کر دیا جاتا ہے یعنی جو شخص قبر میں ہے اس میں حیات ہے اگرچہ مخفی ہی کیوں نہ ہو، اب اسے حشر میں لا کر کھڑا کر دیا گیا۔

ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ

سورۃ المؤمنون:16

ترجمہ: پھر قیامت کے دن تمہیں اٹھایا جائے گا۔

وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ

سورۃ المؤمنون:100

ترجمہ: اور ان کے پیچھے ایک آڑ ہے (جس میں وہ) اٹھائے جانے کے دن تک (رہیں گے)۔

2: کبھی اس اٹھانے کو لفظ "احیاء" سے بھی تعبیر کر دیتے ہیں اور اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ قبر میں حیات مخفی تھی اور نظر نہیں آ رہی تھی لیکن اب بعث کے بعد حیات ظاہراً ہے اور نظر آ رہی ہے۔ اس لیے لفظ "احیاء" سے قبر کی حیات کی نفی ہرگز نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ؕ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ

سورۃ البقرۃ:73

ترجمہ: ہم نے انہیں کہا کہ اس گائے کا کچھ حصہ اس میت کو لگاؤ۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کریں گے اور وہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتے ہیں تاکہ تم سمجھو!

اِنَّ الَّذِيْٓ اَحْيَاهَا لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ؕ اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

سورۃ فصلت:39

ترجمہ: بے شک وہ ذات جو اس (زمین) کو زندہ کرتی ہے وہی مردوں کو بھی زندہ کرے گی کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اشکال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ قرآن کریم کی بعض آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ قبر میں نہ حیات ہوتی ہے اور نہ روح و جسم کا کوئی تعلق ہوتا ہے بلکہ قیامت کے دن اجساد کو زندگی عطا کی جائے گی اور روح و جسم کا تعلق بحال کیا جائے گا۔ یہ لوگ دلیل کے طور پر یہ دو آیتیں پیش کرتے ہیں:

وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا

سورۃ مریم:15

ترجمہ: سلامتی ہے اس پر جس دن وہ پیدا ہوا تھا اور جس دن اس کی وفات ہو گی اور جس دن اسے زندہ اٹھایا جائے گا۔

وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا

سورۃ مریم:33

ترجمہ: سلامتی ہے مجھ پر اس دن بھی جس دن میں پیدا ہوا تھا اور اس دن بھی جس دن میں فوت ہوں گا اور اس دن بھی جب مجھے زندہ اٹھایا جائے گا۔

"یَوْمَ یُبْعَثُ حَیًّا" اور "یَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا" کہنا دلیل ہے کہ قبر میں حیات نہیں ہے کیونکہ یہاں پہلے موت ہے اور پھر جب بعثت ہو گی تو اس وقت حیات حاصل ہو گی۔

جواب: دونوں آیتیں ایک طرز کی ہیں۔ ان میں سے پہلی آیت "یَوْمَ یُبْعَثُ حَیًّا" میں "یُبْعَثُ" کی ضمیر مستتر "ھُوَ" ذو الحال ہے اور "حَیًّا" حال ہے اور دوسری آیت "یَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا" میں "اُبْعَثُ" کی ضمیر مستتر "انا" ذو الحال ہے اور "حَیًّا" حال ہے۔ حال اور ذو الحال کے متعلق قاعدہ یہ ہے کہ حال کا زمانہ اور فعلِ ذوالحال کا زمانہ ایک ہوتا ہے۔ مثلاً ایک جملہ ہے:

"جَاءَنِیْ زَیْدٌ رَاکِبًا" کہ زید میرے پاس سوار ہو کر آیا۔

اس جملے میں "زید" ذو الحال ہے، "مجیئۃ" فعل ہے اور "رَاکِبًا" حال ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ زید کے راکب (سوار ہونے) اور اس کے فعل مجیئت (آنے) کا زمانہ ایک ہے۔ یعنی جس وقت زید آ رہا تھا اس وقت سوار تھا۔ اس سے پہلے سوار تھا یا پیدل تھا اس بات کی وضاحت سے یہ جملہ خاموش ہے۔

اس اصول اور قاعدے کی روشنی میں اب آیت کا معنی سمجھیں۔ آیت ہے:

"یَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا"

اس میں "أُبْعَثُ" کی ضمیر "انا" ذوالحال ہے، "بعث" فعل ہے اور "حیا" حال ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حی (زندہ) ہونے اور ان کے فعلِ بعث (یعنی اٹھنے) کا زمانہ ایک ہے۔ یعنی جس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام اٹھ رہے ہوں گے اس وقت "حی" ہوں گے۔ اس سے پہلے "حی" ہوں گے یا "میت" اس بات کی وضاحت سے یہ آیت خاموش ہے۔

بعض لوگوں کا استدلال تو اس وقت درست ہو گا جب یہ ثابت ہو کہ اٹھنے سے پہلے "میت" ہوں اور وہ ثابت نہیں۔ اس لیے حیات قبر کے خلاف اس آیت سے استدلال درست نہیں ہے۔

اشکال: بعض لوگ قرآن کریم کی اس آیت کو پیش کر کے ایک اشکال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَ اَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ

سورۃ المؤمن:11

ترجمہ: (قیامت کے دن) کفار کہیں گے: اے ہمارے رب! آپ نے ہمیں دو مرتبہ موت دی تھی اور دو مرتبہ زندگی دی تھی۔ اب ہم اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں۔ کیا اب واپس جانے کی کوئی صورت ہے؟

یہ لوگ کہتے ہیں کہ قرآن کریم سے معلوم ہو رہا ہے کہ موتیں بھی دو ہیں اور حیاتیں بھی دو ہیں۔ جن کی تفصیل یوں ہے کہ ایک موت ماں کے پیٹ والی تھی کہ اس میں بے جان تھے۔ جب دنیا میں آئے تو ایک حیات ملی۔ دوسری موت دنیا میں متعارف موت ہے اور دوسری حیات حشر کے دن ملنے والی حیات ہے۔ اب اگر قبر میں بھی حیات کو مانا جائے تو یہ تین موتیں اور تین حیاتیں بنیں گی جو نص قرآنی کے خلاف

ہیں۔ اس لیے قبر کی حیات ثابت نہیں!

جواب: ایک ہوتی ہے ظاہری موت اور ظاہری حیات، اور ایک ہوتی ہے مخفی موت اور مخفی حیات۔ موت کے بعد سے لے کر حشر تک کی جو حیات ہے یہ حیات برزخ کی حیات ہے جو نظر نہیں آتی، یہ مخفی حیات ہے۔ اس لیے حیاتِ قبر کا ذکر لفظِ حیات سے نہیں کیا گیا۔

قبر کی حیات: چند نصوص ملاحظہ ہوں:

(1): اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ

ابراہیم:27

ترجمہ: جو لوگ ایمان لائے ہیں اللہ تعالی ان کو اس مضبوط بات (یعنی کلمہ ایمان) کے ذریعے دنیا کی زندگی میں بھی ثابت قدم رکھتا ہے اور آخرت کی زندگی میں بھی۔

اس آیت کی تفسیر میں امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث نقل کی ہے:

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ قَالَ: نَزَلَتْ فِي عَذَابِ الْقَبْرِ، فَيُقَالُ لَهُ: مَنْ رَبُّكَ؟ فَيَقُولُ: رَبِّيَ اللهُ، وَنَبِيِّي مُحَمَّدٌ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَذٰلِكَ قَوْلُهُ عَزَّ وَجَلَّ: يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ

صحیح مسلم: رقم الحدیث 2871

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت "يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ" کے متعلق فرمایا کہ یہ آیت عذاب قبر کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ (میت کو جب قبر میں رکھا جاتا

ہے تو) اس سے پوچھا جاتا ہے کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ جواب دیتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور میرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) اللہ تعالیٰ کے فرمان يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ کا یہی مطلب ہے۔

اس آیت مبارکہ میں لفظ "الْاٰخِرَةِ" کا عطف لفظ "الدُّنْيَا" پر ہے۔ جس طرح "الدُّنْيَا" کا موصوف "الْحَيٰوةِ" ہے اسی طرح "الْاٰخِرَةِ" کا موصوف بھی "الْحَيٰوةِ" ہے۔ آیت کا معنی یہ ہوگا کہ "اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اس مضبوط بات (کلمہ ایمان) کے ذریعے دنیا کی زندگی اور قبر کی زندگی میں ثابت قدم رکھتا ہے۔" اس سے قبر کی حیات ثابت ہوتی ہے۔

(2): عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى قَبْرَيْنِ فَقَالَ: "إِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّبَانِ مِنْ كَبِيرٍ" ثُمَّ قَالَ: "بَلٰى! أَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ يَسْعٰى بِالنَّمِيمَةِ وَأَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ لَا يَسْتَتِرُ مِنْ بَوْلِهٖ" قَالَ: ثُمَّ أَخَذَ عُوْدًا رَطْبًا فَكَسَرَهٗ بِاثْنَتَيْنِ ثُمَّ غَرَزَ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا عَلٰى قَبْرٍ ثُمَّ قَالَ: "لَعَلَّهٗ يُخَفَّفُ عَنْهُمَا مَا لَمْ يَيْبَسَا".

صحیح البخاری: رقم الحدیث 1378

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں کے قریب سے گذرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے اور ان کو کسی بڑے گناہ کی وجہ سے عذاب نہیں ہو رہا، بلکہ ایک کو تو اس لیے عذاب ہو رہا ہے کہ وہ چغلی کیا کرتا تھا اور دوسرا پیشاب کی چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا۔ پھر آپ نے کھجور کی ایک تر ٹہنی لی اور اس کے دو ٹکڑے کئے، ان دو ٹکڑوں میں سے ہر ایک کی قبر پر ایک ایک ٹکڑا گاڑ دیا، پھر ارشاد فرمایا: جب تک یہ

خشک نہیں ہوں گی ان کے عذاب میں تخفیف ہوتی رہے گی۔

(3): عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنْ أَبِی أَیُّوبَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ قَالَ خَرَجَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَقَدْ وَجَبَتِ الشَّمْسُ فَسَمِعَ صَوْتًا فَقَالَ: "یَہُوْدُ تُعَذَّبُ فِی قُبُوْرِہَا".

صحیح البخاری: رقم الحدیث 1375

ترجمہ: حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورج غروب ہونے کے بعد نکلے۔ آپ نے ایک آواز سنی تو فرمایا: یہودیوں کو ان کی قبروں میں عذاب ہوتا ہے۔

ان دو احادیث میں عذابِ قبر کا ذکر ہے۔ عذاب کہتے ہیں: "اِیْلَامُ الْحَیِّ عَلٰی سَبِیْلِ الْھُوَانِ" کہ زندہ کو ذلت کے لیے تکلیف دینا۔ لفظ عذاب سے معلوم ہوتا ہے کہ قبر میں حیات ہوتی ہے تبھی تو عذاب دیا جاتا ہے۔ اگر اس میں حیات نہ ہوتی تو عذاب دینے کا کوئی معنی نہیں بنتا۔

اشکال نمبر 1:

بعض لوگ اھل السنۃ والجماعۃ کے موقف پر اشکال کرتے ہیں کہ آپ قبر کی حیات کے قائل ہیں جبکہ اس حیات کا ذکر قرآن میں ہے نہ حدیث مبارک میں۔

جواب:

قرآن وحدیث میں قبر کی حیات کا ذکر لفظ "حیات" کے ساتھ صراحتاً موجود ہے۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ

سورۃ البقرۃ: 154

ترجمہ: جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کیے گئے اُن کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں، لیکن تمہیں ان کی زندگی کا احساس نہیں ہوتا۔

عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللہُ عَنہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْاَنْبِیَاءُ اَحْیَاءٌ فِیْ قُبُوْرِھِمْ یُصَلُّوْنَ.

مسند ابی یعلی الموصلی: ص658 رقم الحدیث 3425 من حدیث انس بن مالک

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔

اشکال نمبر2:

اس آیت اور حدیث میں تو شہداء اور انبیاء علیہم السلام کی حیات کا ذکر ہے جبکہ آپ لوگ توان دو کے ساتھ عام مؤمنین حتی کہ کفار کو بھی قبروں میں زندہ مانتے ہیں؛ ان کی حیات کا ذکر صراحتاً تو کہیں بھی نہیں آیا!

جواب:

قبر میں زندہ افراد چار قسم کے ہیں: ا.... کفار، ۲.... عامۃ المؤمنین، ۳.... شہداء، ۴.... انبیاء علیہم السلام

ان میں سب سے اضعف حیات ''کفار'' کی ہے، ضعیف حیات ''عامۃ المؤمنین'' کی ہے، اس سے قوی حیات ''شہداء'' کی ہے اور سب سے قوی حیات ''انبیاء علیہم السلام'' کی ہے۔ چونکہ انبیاء علیہم السلام اور شہداء کی حیات اقویٰ اور قوی ہے اس لیے اس کا ذکر صراحتاً کیا ہے۔ عامۃ المؤمنین کی حیات چونکہ ضعیف اور کفار کی حیات اضعف ہے اس لیے اس کے لیے ردِروح، عذابِ قبر وغیرہ کے الفاظ لائے۔

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

فِي جِنَازَةِ رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ فَانْتَهَيْنَا إِلَى الْقَبْرِ وَلَمَّا يُلْحَدْ فَجَلَسَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَلَسْنَا حَوْلَهُ وَكَأَنَّ عَلَى رُءُوسِنَا الطَّيْرَ وَفِي يَدِهِ عُودٌ يَنْكُتُ فِي الْأَرْضِ فَرَفَعَ رَأْسَهُ فَقَالَ اسْتَعِيذُوا بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا ..... حَتّٰى يُنْتَهٰى بِهِ إِلَى السَّمَاءِ السَّابِعَةِ فَيَقُولُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: اكْتُبُوا كِتَابَ عَبْدِي فِي عِلِّيِّينَ وَأَعِيدُوهُ إِلَى الْأَرْضِ فَإِنِّي مِنْهَا خَلَقْتُهُمْ وَفِيهَا أُعِيدُهُمْ وَمِنْهَا أُخْرِجُهُمْ تَارَةً أُخْرٰى، قَالَ: فَتُعَادُ رُوحُهُ فِي جَسَدِهِ فَيَأْتِيهِ مَلَكَانِ فَيُجْلِسَانِهِ فَيَقُولَانِ لَهُ: مَنْ رَبُّكَ؟ فَيَقُولُ: رَبِّيَ اللّٰهُ. فَيَقُولَانِ لَهُ: مَا دِينُكَ؟ فَيَقُولُ: دِينِيَ الْإِسْلَامُ. فَيَقُولَانِ لَهُ: مَا هٰذَا الرَّجُلُ الَّذِي بُعِثَ فِيكُمْ ؟ فَيَقُولُ: هُوَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الحدیث

مسند احمد: ج14 ص202 تا204 رقم الحدیث 18443

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک انصاری صحابی کے جنازے میں گئے۔ جب قبرستان پہنچے تو قبر ابھی تک تیار نہیں ہوئی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوئے تو ہم بھی آپ کے ارد گرد بیٹھ گئے۔ ہم اس طرح (خاموش اور باادب) بیٹھے تھے کہ گویا ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہیں (کہ ہم نے ذرا بھی حرکت کی تو وہ اڑ جائیں گے)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ایک تنکا تھا جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم زمین کرید رہے تھے۔ اسی اثناء میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر اٹھایا اور فرمایا: عذاب قبر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگا کرو! یہ جملہ دو یا تین بار فرمایا۔ (آگے طویل حدیث ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مؤمن اور کافر کی وفات کا ذکر فرمایا۔ مؤمن کی وفات کے تذکرہ میں یہ الفاظ بھی موجود ہیں) مؤمن کی روح کو ساتویں آسمان تک پہنچا دیا جاتا ہے۔ اللہ عزوجل فرماتے ہیں کہ میرے بندے کا نام علیین میں درج کر دو اور اسے زمین کی

طرف لوٹا دو کیونکہ میں نے اپنے بندوں کو اسی سے پیدا کیا ہے، اسی میں لوٹاؤں گا اور دوبارہ اسی سے نکالوں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اس بندۂ مؤمن کی روح اس کے جسم میں لوٹا دی جاتی ہے۔ وہیں اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں، اسے بٹھاتے ہیں اور اس سے پوچھتے ہیں کہ تیرا دین کیا ہے؟ وہ جواب دیتا ہے: میرا دین اسلام ہے! پھر پوچھتے ہیں کہ جو شخص تم میں بھیجے گئے تھے وہ کون تھے؟ بندہ جواب دیتا ہے: وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنْ أَبِي أَيُّوبَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ قَالَ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ وَجَبَتِ الشَّمْسُ فَسَمِعَ صَوْتًا فَقَالَ: "يَهُودُ تُعَذَّبُ فِي قُبُوْرِهَا".

صحیح البخاری: رقم الحدیث 1375

ترجمہ: حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورج غروب ہونے کے بعد نکلے۔ آپ نے ایک آواز سنی تو فرمایا: یہودیوں کو ان کی قبروں میں عذاب ہوتا ہے۔

تو جس طرح درجہ بدرجہ حیات ثابت ہے، اس کے بیان کے لیے الفاظ بھی اسی درجہ کے لائے ہیں۔

فائدہ نمبر 1:

جس طرح قرآن وحدیث میں قبر کی حیات کو مخفی ہونے کی وجہ سے ”رُقُوْد“ اور ”نَوْم“ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

1: قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا

سورۃ یٰسین: 52

ترجمہ: وہ کہیں گے کہ ہمیں ہماری خواب گاہ سے کس نے بیدار کر دیا۔

2: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا قُبِرَ الْمَيِّتُ أَوْ قَالَ أَحَدُكُمْ أَتَاهُ مَلَكَانِ أَسْوَدَانِ أَزْرَقَانِ يُقَالُ لِأَحَدِهِمَا الْمُنْكَرُ وَالْآخَرُ النَّكِيرُ فَيَقُولَانِ مَا كُنْتَ تَقُولُ فِي هٰذَا الرَّجُلِ فَيَقُولُ مَا كَانَ يَقُولُ هُوَ عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ فَيَقُولَانِ قَدْ كُنَّا نَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُولُ هٰذَا ثُمَّ يُفْسَحُ لَهُ فِي قَبْرِهِ سَبْعُونَ ذِرَاعًا فِي سَبْعِينَ ثُمَّ يُنَوَّرُ لَهُ فِيهِ ثُمَّ يُقَالُ لَهُ نَمْ فَيَقُولُ أَرْجِعُ إِلٰى أَهْلِي فَأُخْبِرُهُمْ فَيَقُولَانِ نَمْ كَنَوْمَةِ الْعَرُوسِ الَّذِي لَا يُوقِظُهُ إِلَّا أَحَبُّ أَهْلِهِ إِلَيْهِ.

سنن الترمذی: رقم الحدیث 1071

ترجمہ: جب کسی شخص کو قبر میں دفن کیا جاتا ہے تو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں جو سیاہ اور نیلے رنگ کے ہوتے ہیں۔ ایک کو منکر اور دوسرے کو نکیر کہتے ہیں۔ وہ اس شخص (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم) سے پوچھتے ہیں کہ تم اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ بندہ جواب دیتا ہے کہ یہ تو اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ فرشتے کہتے ہیں کہ ہمیں معلوم تھا کہ تم یہی بات کہو گے۔ پھر اس کی قبر ستر ہاتھ طول وعرض میں کشادہ کر دی جاتی ہے اور اس کو روشن کر دیا جاتا ہے۔ پھر فرشتے اسے کہتے ہیں: سو جا! وہ شخص پوچھتا ہے کہ کیا میں گھر جا کر اپنے ان حالات کی خبر اپنے گھر والوں کو نہ دوں؟ تو فرشتے کہتے ہیں: سو جا جیسے پہلی رات کی دلہن سوتی ہے، جسے گھر والوں میں سے اس کا محبوب (یعنی خاوند) ہی بیدار کرتا ہے۔

معلوم ہوا کہ قبر میں حیات ہے لیکن ظاہری نہیں جس طرح سونے والے میں حیات ہوتی ہے لیکن جاگنے والے کی طرح نہیں ہوتی۔

لطیفہ علمیہ:

اس حدیث مبارک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فرشتہ کہتا ہے "نَمْ كَنَوْمَةِ الْعَرُوْسِ" کہ پہلی رات کی دلہن کی طرح سو جا! "دلہن" کا لفظ یہ بات سمجھانے کے لیے لائے ہیں کہ مثلاً کوئی عورت کسی مرد کو میسج بھیجنا چاہے، فون کرنا چاہے، ملنا چاہے تو یہ تمام کام نہیں کر سکتی کیونکہ اسے اللہ تعالیٰ کا ڈر ہے اور خاندان اور معاشرے میں بدنامی کا خوف ہے لیکن یہی عورت جب کلمۂ نکاح کے ساتھ دلہن بن کر اسی شخص کے کمرے میں آجائے تو جس خاندان کا ڈر تھا وہ باہر ہے لیکن اس عورت کو کمرے میں اب کوئی ڈر نہیں ہے، پہلے میسج اور فون کا ڈر تھا لیکن اب اسی شخص کے ساتھ بغیر کسی خوف کے سوئی ہوئی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اب یہ عورت اس کے پاس کلمۂ نکاح کے ساتھ آئی ہے۔ بالکل اسی طرح قبر ظلمت اور وحشت کا گھر ہے، کیڑوں اور عذاب کا گھر ہے لیکن جب بندہ کلمۂ ایمان کے ساتھ اس میں آجائے تو اسے بھی اب کوئی ڈر نہیں ہے۔ یہ بات لفظ "دلہن" کے بغیر سمجھ میں نہیں آسکتی تھی اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ "عروس" ذکر فرمایا۔

اسی طرح احادیث میں "نوم" کو "موت" سے تعبیر کیا گیا ہے۔

عَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَخَذَ مَضْجَعَهُ مِنَ اللَّيْلِ وَضَعَ يَدَهُ تَحْتَ خَدِّهِ ثُمَّ يَقُولُ: "اللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ أَمُوتُ وَأَحْيَا". وَإِذَا اسْتَيْقَظَ قَالَ: "الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإِلَيْهِ النُّشُورُ".

صحیح البخاری: رقم الحدیث 6314

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو بستر پر تشریف لاتے تو اپنے ہاتھ کو اپنے گال کے نیچے رکھتے اور یہ دعا پڑھتے: "اے اللہ! میں تیرا ہی نام لے کر سوتا اور اٹھتا ہوں" اور جب بیدار ہوتے تو یہ

دعا پڑھتے: "تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں نیند کے بعد جگایا اور اسی کے پاس (ہم سب نے) اکٹھے ہونا ہے"

معلوم ہوا کہ موت کو سمجھنے کے لیے نیند کا سمجھنا ضروری ہے۔ جس طرح جاگنے کی حالت میں احوال بلاواسطہ، اصالۃً اور بالذات جسم پر اور بالواسطہ، ضمناً اور تبعاً روح پر آتے ہیں لیکن سونے کی حالت میں احوال بلاواسطہ، اصالۃً اور بالذات روح پر آتے ہیں اور بالواسطہ، ضمناً اور تبعاً جسم پر آتے ہیں اسی طرح موت کے بعد احوال بلا واسطہ، اصالۃً اور بالذات روح پر اور بالواسطہ، ضمناً اور تبعاً جسم پر آتے ہیں۔

فائدہ نمبر 2:

شہداء کی حیات بعد الممات کو بیان کرنے کے بعد " وَ لٰكِنۡ لَّا تَشۡعُرُوۡنَ " فرمایا، " وَ لٰكِنۡ لَّا تَعۡلَمُوۡنَ " نہیں فرمایا۔ کیونکہ شعور کہتے ہیں ادراک بالحواس کو اور علم کہتے ہیں ادراک بالوحی کو۔ قبر کی حیات چونکہ مخفی ہے اس لیے اس کا ادراک حواس سے نہیں بلکہ وحی سے ہوتا ہے۔

اس لیے فرمایا" وَ لٰكِنۡ لَّا تَشۡعُرُوۡنَ "کہ اس حیات کا ادراک تمہیں حواس سے نہیں ہو سکتا، یہ نہیں فرمایا کہ " وَ لٰكِنۡ لَّا تَعۡلَمُوۡنَ "کہ اس کا ادراک تمہیں وحی سے بھی نہیں ہو سکتا۔ معلوم ہو کہ حیات ہے لیکن مخفی ہے جس کا ادراک حواس سے نہیں ہو سکتا۔

خلاصہ کلام

خلاصہ کلام یہ ہے کہ خود قرآن کریم ہی سے قبر کی مخفی حیات ثابت ہو رہی ہے۔ "قَالُوۡا یٰوَیۡلَنَا مَنۡۢ بَعَثَنَا مِنۡ مَّرۡقَدِنَا" کفار کا کلام نقل ہوا ہے جس میں قبر کی زندگی کو "مرقد" (سونے کی جگہ) کہا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حیات ہے

لیکن مخفی ہے۔" وَ لٰکِنۡ لَّا تَشۡعُرُوۡنَ "مومنین شہداء کے بارے میں کہا گیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ حیات ہے لیکن مخفی ہے جو شعور (ادراک بالحواس) سے معلوم نہیں ہو سکتی۔

قَوۡلُہٗ: وَالۡقَدۡرِ خَیۡرِہٖ وَشَرِّہٖ مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی

تقدیر پر ایمان:

اس مقام پر تین باتیں سمجھنا ضروری ہیں:

(1): تقدیر کا معنی

تقدیر؛ علمِ الٰہی اور امرِ الٰہی کے مجموعے کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ وہ بندے کو اختیار دیں گے تو بندہ اپنے اختیار سے یہ کام کرے گا یہ علمِ الٰہی ہوا، اور اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا کہ بندہ یہ کام کرے گا یہ امرِ االٰہی ہوا۔ اب علمِ الٰہی؛ امرِ الٰہی کے خلاف ہو یا امرِ الٰہی؛ علمِ الٰہی کے خلاف ہو ایسا نہیں ہو سکتا۔ تو تقدیر صرف ”علمِ الٰہی“ کا نام نہیں بلکہ تقدیر علمِ الٰہی اور امرِ الٰہی کے مجموعے کا نام ہے۔ نیز بندہ مجبورِ محض بھی نہیں کیونکہ بندہ اپنے اختیار سے کام کر رہا ہے۔

(2): تقدیرِ خیر اور تقدیرِ شر

اللہ تعالیٰ کے جو فیصلے بندے کے نفس، خواہش اور مزاج کے موافق ہوں ان کو ”تقدیرِ خیر“ کہتے ہیں اور جو فیصلے بندے کے نفس، خواہش اور مزاج کے خلاف ہوں انہیں ”تقدیرِ شر“ کہتے ہیں جیسے کسی شخص کے ہاں اولاد کا ہونا یا ہونا پھر فوت ہونا۔ اللہ کے تمام فیصلے اپنی ذات میں بالکل درست اور خیر ہی ہوتے ہیں، انہیں خیر یا شر سے تعبیر کرنا یہ بندے کی طبیعت کی طرف نسبت کی وجہ سے ہے۔

(3): تقدیرِ مبرم اور تقدیرِ معلق

تقدیر کی دو قسمیں ہیں:

ا.... **تقدیر مبرم:** وہ تقدیر ہے جس میں تغیر و تبدل واقع نہیں ہوتا۔ جو بات اللہ تعالیٰ نے لوحِ محفوظ میں لکھی ہوئی ہے وہ ہو کر رہتی ہے۔

۲.... **تقدیر معلق:** وہ تقدیر ہے جس میں تغیر و تبدل واقع ہو سکتا ہے۔ مثلاً تقدیر میں لکھا ہو کہ اگر فلاں شخص نے صدقہ دیا تو اس کو مرض سے شفا ملے گی، صدقہ نہ دیا تو شفا نہیں ملے گی۔

تقدیر کی یہ تقسیم مخلوق کے اعتبار سے ہے، اللہ تعالیٰ کے ہاں تقدیر؛ مبرم ہی ہے۔ حافظ بدر الدین محمود بن احمد بن موسیٰ العینی الحنفی (ت 855ھ) لکھتے ہیں:

وَقَدْ عَلِمَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ بِمَا سَيَقَعُ لَهُ مِنْ ذٰلِكَ فَبِالنِّسْبَةِ إِلَى اللهِ تَعَالٰى لَا زِيَادَةَ وَلَا نُقْصَانَ وَيُقَالُ لَهُ الْقَضَاءُ الْمُبْرَمُ وَإِنَّمَا يُتَصَوَّرُ الزِّيَادَةُ بِالنِّسْبَةِ إِلَيْهِمْ وَيُسَمّٰى مِثْلُهُ بِالْقَضَاءِ الْمُعَلَّقِ.

عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری: ج15 ص154 تحت رقم الحدیث 5985

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ (اس شخص کی زندگی میں) آئندہ کیا احوال رونما ہوں گے۔ تو اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرتے ہوئے دیکھا جائے تو تقدیر میں کمی آتی ہے نہ زیادتی۔ اسی کو "تقدیر مبرم" کہتے ہیں۔ ہاں کمی زیادتی کا رونما ہونا یہ مخلوق کے اعتبار سے ہوتا ہے جسے "تقدیر معلق" کہتے ہیں۔

قَوْلُهُ: وَالْحِسَابِ

حساب کتاب پر ایمان:

قیامت کے دن جب انسان اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہو گا تو اس کے تمام

اعمال کا حساب ہو گا۔ جو چھوٹی سے چھوٹی نیکی اس نے دنیا میں سر انجام دی ہو گی یا چھوٹے سے چھوٹا گناہ جس کا ارتکاب کیا ہو گا اس کا حساب دینا بندے کے ذمہ ہو گا۔

فَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ خَيۡرًا يَّرَهٗ ؕ وَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ

سورۃ الزلزال:7،8

ترجمہ: جس شخص نے ذرہ برابر بھی اچھائی کی ہو گی وہ اسے دیکھے گا اور جس نے ذرہ برابر بھی برائی کی ہو گی وہ بھی اسے دیکھے گا۔

فَاَمَّا مَنۡ اُوۡتِىَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيۡنِهٖ ‏(۷) فَسَوۡفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيۡرًا ‏(۸) وَّيَنۡقَلِبُ اِلٰٓى اَهۡلِهٖ مَسۡرُوۡرًا ؕ‏ (۹) وَاَمَّا مَنۡ اُوۡتِىَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهۡرِهٖ ‏(۱۰) فَسَوۡفَ يَدۡعُوۡا ثُبُوۡرًا ‏(۱۱) وَّيَصۡلٰى سَعِيۡرًا ؕ‏ (۱۲)

سورۃ الانشقاق:7 تا12

ترجمہ: جس شخص کو اس کا نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں ملے گا تو اس کا حساب بہت آسان ہو جائے گا۔ یہ شخص اپنے گھر والوں کی طرف خوش وخرم واپس لوٹے گا اور جس شخص کو اس کا نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں ملے گا تو وہ ہلاکت کو پکارے گا اور آگ میں جائے گا۔

قَوْلُهٗ: وَالْمِيْزَانِ

وزنِ اعمال پر ایمان:

فائدہ نمبر 1: ترازو کو "میزان" کہتے ہیں۔ قیامت کے دن وزن کا اعمال کیا جانا یقینی ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَالۡوَزۡنُ يَوۡمَئِذِ ۨالۡحَـقُّ ۚ فَمَنۡ ثَقُلَتۡ مَوَازِيۡنُهٗ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ

الاعراف:8

ترجمہ: قیامت کے دن اعمال کا وزن ہونا برحق ہے۔ جن کے ترازو کے پلڑے

بھاری ہوں گے تو وہی لوگ کامیاب ہوں گے۔

وَ نَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا ؕ وَ اِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ؕ وَ كَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ

الانبیاء:47

ترجمہ: اور ہم قیامت کے دن ایسے ترازو قائم کریں گے جو سراپا انصاف ہوں گے۔ کسی پر کوئی ظلم نہیں ہو گا اور اگر کوئی عمل رائی کے دانے کے برابر بھی ہو گا تو ہم اسے بھی سامنے لے آئیں گے اور حساب لینے کے لیے ہم کافی ہیں۔

فائدہ نمبر2: میزان کی جمع "موازین" ہے۔ راجح قول کے مطابق اعمال کو تولنے کے لیے ایک ہی ترازو ہو گا لیکن وہ اتنا بڑا ہو گا کہ اس کے بڑے پن کو بیان کرنے کے لیے اسے جمع لاکر "موازین" بھی کہہ دیا جائے تو بھی درست ہے۔ گویا ایک ہی ترازو کو "موازین" کہنا عظمت اور بڑے پن کی وجہ سے ہے نہ کہ تعدد کی وجہ سے۔ حافظ ابو الفضل شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی الشافعی (ت852ھ) لکھتے ہیں:

وَالَّذِي يَتَرَجَّحُ أَنَّهُ مِيزَانٌ وَاحِدٌ.

فتح الباری شرح صحیح البخاری: ج13 ص659 تحت رقم الحدیث 7563

ترجمہ: راجح یہی ہے کہ قیامت کے دن اعمال کو تولنے والا ترازو ایک ہی ہو گا۔

فائدہ نمبر3: قیامت کے دن اعمال کو صرف گنا نہیں جائے گا بلکہ تولا بھی جائے گا۔ اس لیے اعمال کے وزن کی بنیاد حسنِ نیت ہو گی۔ جس شخص کے اعمال حسنِ نیت سے معمور ہوں گے اس کا میزان بھی بھاری ہو گا اور جس شخص کے اعمال ریا اور عجب کا شکار ہوں گے تو اس کا میزان ہلکا اور بے وزن ہو گا۔ اسی لیے قرآن کریم میں ہے:

اِلَّذِیۡ خَلَقَ الۡمَوۡتَ وَ الۡحَیٰوۃَ لِیَبۡلُوَکُمۡ اَیُّکُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلًا ؕ وَ ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡغَفُوۡرُ

سورۃ الملک:2

ترجمہ: وہی ذات ہے جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہیں جانچے کہ کس کے اعمال اچھے ہیں۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے "أَيُّكُمْ أَكْثَرُ عَمَلًا" نہیں فرمایا کہ کس کے اعمال زیادہ ہیں بلکہ "أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا" فرمایا کہ کس کے اعمال اچھے ہیں۔ حسنِ عمل؛ حسنِ نیت سے ہی معرضِ وجود میں آتا ہے۔ اس لیے اعمال سر انجام دیتے وقت حسنِ نیت کو بطورِ خاص ملحوظ رکھنا چاہیے۔

فائدہ نمبر 4: نبی کا عمل مقدار کے اعتبار سے بظاہر کم بھی ہو تب بھی وزن کے اعتبار سے امت کے تمام اعمال سے بڑھ جاتا ہے۔ اس لیے کہ قیامت کے دن اعمال کو صرف گنا نہیں جائے گا بلکہ ان کا وزن بھی کیا جائے گا۔ وزن کی بنیاد تواضع، خشوع و خضوع، حسنِ نیت اور اخلاص پر ہو گی۔ تنہا پیغمبر کا عمل جس تواضع، خشوع و خضوع، حسنِ نیت اور اخلاص کے ساتھ ہوتا ہے پوری امت کے اعمال جمع بھی ہو جائیں تو اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

قَوْلُهٗ: وَالْجَنَّةِ وَالنَّارِ

جنت و جہنم پر ایمان:

فائدہ نمبر 1: جہنم میں دخولِ ابدی کی بنیاد کفر ہے۔ اس لیے کافر شخص ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہے گا۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ مَاتُوۡا وَ ہُمۡ کُفَّارٌ اُولٰٓئِکَ عَلَیۡہِمۡ لَعۡنَۃُ اللّٰہِ وَ الۡمَلٰٓئِکَۃِ وَ

النَّاسِ اَجۡمَعِیۡنَ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَا ۚ لَا یُخَفَّفُ عَنۡهُمُ الۡعَذَابُ وَ لَا هُمۡ یُنۡظَرُوۡنَ

سورۃ البقرۃ: 161، 162

ترجمہ: بے شک جن لوگ نے کفر اختیار کیا اور کفر کی حالت ہی میں مرے تو ان پر اللہ، فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہے۔ یہ لوگ ہمیشہ اس میں رہیں گے، ان سے عذاب کم نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی انہیں کوئی ڈھیل دی جائے گی۔

اشکال:

قرآن کریم کی آیت " خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَا ۚ لَا یُخَفَّفُ عَنۡهُمُ الۡعَذَابُ وَ لَا هُمۡ یُنۡظَرُوۡنَ "(سورۃ البقرۃ: 162) سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کے عذاب میں تخفیف نہیں ہو گی جبکہ صحیح مسلم میں حدیث ہے:

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذُكِرَ عِنْدَهُ عَمُّهُ أَبُو طَالِبٍ فَقَالَ: "لَعَلَّهُ تَنْفَعُهُ شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَيُجْعَلُ فِي ضَحْضَاحٍ مِنْ نَارٍ يَبْلُغُ كَعْبَيْهِ، يَغْلِي مِنْهُ دِمَاغُهُ."

صحیح مسلم: رقم الحدیث 210

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ابو طالب کا ذکر کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شاید قیامت کے دن میری شفاعت سے انہیں نفع پہنچے گا تو انہیں مقام ضحضاح میں لے جایا جائے گا جہاں آگ میں ان کے پاؤں ہوں گے جس سے ان کا دماغ کھولے گا۔

اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے ابو طالب کے عذاب میں تخفیف ہو گی۔

اسی طرح ابو لہب کے بارے میں صحیح البخاری میں موجود ہے:

قَالَ عُرْوَةُ: وثُوَيْبَةُ مَوْلَاةٌ لِأَبِي لَهَبٍ كَانَ أَبُو لَهَبٍ أَعْتَقَهَا فَأَرْضَعَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا مَاتَ أَبُو لَهَبٍ أُرِيَهُ بَعْضُ أَهْلِهِ بِشَرِّ حِيبَةٍ قَالَ لَهُ: مَاذَا لَقِيتَ؟ قَالَ أَبُو لَهَبٍ: لَمْ أَلْقَ بَعْدَكُمْ غَيْرَ أَنِّي سُقِيتُ فِي هٰذِهِ بِعَتَاقَتِي ثُوَيْبَةَ.

صحیح البخاری: رقم الحدیث 5101

ترجمہ: حضرت عروہ کہتے ہیں: ثویبہ ابو لہب کی باندی تھی جسے ابو لہب نے آزاد کر دیا تھا۔ ثویبہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا تھا۔ جب ابو لہب فوت ہوا تو اس کے اہل خانہ میں سے کسی کو خواب میں دکھایا گیا کہ وہ انتہائی بری حالت میں ہے۔ خواب دیکھنے والے نے اس سے پوچھا کہ تمہارے ساتھ کیا معاملہ پیش آیا؟ تو ابو لہب نے جواب دیا: جب سے میں تم سے جدا ہوا ہوں (یعنی فوت ہوا ہوں) تو مجھے کبھی بھی آرام نہیں ملا، ہاں البتہ ثویبہ کو آزاد کرنے کی وجہ سے مجھے اتنی سی مقدار (یعنی انگلی اور انگوٹھے کے درمیان گڑھے کی مقدار کے برابر پانی) پلایا جاتا ہے۔

بظاہر یہ دونوں روایتیں اس آیت کے خلاف ہیں۔

جواب:

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جو عذاب جس جہنمی کے حق میں متعین ہو جائے اس میں کمی نہیں ہو گی اور ابو طالب اور ابو لہب کے حق میں اتنا ہی عذاب متعین ہے، لہذا اس میں کمی نہیں ہو گی۔ چنانچہ امام ابو عبد اللہ محمد بن محمد ابن عَرَفَۃ المالکی (ت 803ھ) ابو طالب اور ابو لہب کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(اَلْعَذَابُ) اَلَّذِي اسْتَحَقَّهُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا وَنَزَلَ بِهِ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُ مِنْهُ.

تفسیر ابن عرفۃ: ج2 ص481 تحت قولہ تعالیٰ "لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ" سورۃ البقرۃ: 162

ترجمہ: جس عذاب کی تخفیف نہیں ہو گی اس سے مراد وہ عذاب ہے جو اِن دونوں (ابو طالب اور ابو لہب) کے حق میں متعین ہو چکا ہے اور انہیں مل رہا ہے اس میں کمی

نہیں کی جائے گی۔

مسلمان اگر اعمالِ بد کی وجہ سے جہنم میں چلا بھی گیا تو وہاں ہمیشہ ہمیشہ نہیں رہے گا بلکہ اپنے اعمالِ بد کی سزا پانے کے بعد جنت میں چلا جائے گا۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں:

أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ ثَوْبٌ أَبْيَضُ وَهُوَ نَائِمٌ ثُمَّ أَتَيْتُهُ وَقَدِ اسْتَيْقَظَ فَقَالَ مَا مِنْ عَبْدٍ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ثُمَّ مَاتَ عَلٰى ذٰلِكَ إِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ قُلْتُ وَإِنْ زَنٰى وَإِنْ سَرَقَ قَالَ وَإِنْ زَنٰى وَإِنْ سَرَقَ قُلْتُ وَإِنْ زَنٰى وَإِنْ سَرَقَ قَالَ وَإِنْ زَنٰى وَإِنْ سَرَقَ قُلْتُ وَإِنْ زَنٰى وَإِنْ سَرَقَ قَالَ وَإِنْ زَنٰى وَإِنْ سَرَقَ عَلٰى رَغْمِ أَنْفِ أَبِي ذَرٍّ وَكَانَ أَبُو ذَرٍّ إِذَا حَدَّثَ بِهٰذَا قَالَ وَإِنْ رَغِمَ أَنْفُ أَبِي ذَرٍّ

صحیح البخاری: رقم الحدیث 5827

ترجمہ: میں ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس وقت ایک سفید کپڑا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما رہے تھے۔ (اس وقت میں واپس چلا آیا لیکن پھر) میں دوبارہ حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت بیدار ہو چکے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے لا الہ الا اللہ کہا (یعنی اللہ کی وحدانیت کا سچے دل سے اقرار کیا) اور پھر وہ اسی حالت میں وہ فوت ہوا تو وہ ضرور جنت میں داخل ہو گا۔ میں نے عرض کیا کہ اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری کرے تب بھی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! چاہے وہ زنا کرے اور چوری کرے! میں نے دوبارہ عرض کیا کہ اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری کرے تب بھی؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا: ہاں! چاہے وہ زنا کرے اور چوری کرے! میں نے تیسری بار عرض کیا کہ اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری کرے تب بھی؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! چاہے وہ زنا کرے اور چوری کرے! خواہ

ابوذر کو ناگوار گذرے۔

ملا علی القاری (ت1014ھ) اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

فَفِيهِ بَشَارَةٌ إِلَى أَنَّ عَاقِبَتَهُ دُخُولُ الْجَنَّةِ، وَإِنْ كَانَ لَهُ ذُنُوبٌ جَمَّةٌ، لٰكِنَّ أَمْرَهُ إِلَى اللَّهِ إِنْ شَاءَ عَفَا عَنْهُ وَأَدْخَلَهُ الْجَنَّةَ، وَإِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ بِقَدْرِ ذَنْبِهِ، ثُمَّ أَدْخَلَهُ الْجَنَّةَ.

مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح: ج1 ص175 کتاب الایمان

ترجمہ: اس حدیث میں اس بات کی خوشخبری دی گئی ہے کہ اس (گناہِ کبیرہ کے مرتکب کا) انجام یہ ہے کہ وہ جنت میں ضرور داخل ہو گا چاہے اس کے گناہ بہت زیادہ ہی کیوں نہ ہوں لیکن اس کا یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو اسے معاف فرما کر جنت میں داخل فرما دے اور اگر چاہے تو اسے گناہوں کے بقدر سزا دے کر جنت میں داخل کر دے۔

فائدہ نمبر2: کوئی کافر جنت میں ایک لمحہ کے لیے بھی نہیں جائے گا۔ کافر کو جنت کی ہوا کا ایک جھونکا بھی نہیں ملے گا خواہ وہ معتدل کافر ہو یا متشدد۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ اسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَ لَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ

سورۃ الاعراف:40

ترجمہ: بے شک جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور ان کو ماننے سے منہ موڑا تو ایسے لوگوں کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور وہ جنت میں بھی داخل نہیں ہو پائیں گے جب تک کوئی اونٹ کسی سوئی کے ناکے میں داخل نہیں ہو جاتا۔ ہم مجرموں کو ایسے ہی بدلہ دیتے ہیں۔

فائدہ نمبر 3: جہنم میں کفار کو جو تکلیف ملے گی وہ بطورِ عذاب ہو گی اور مؤمن کو جو تکلیف ملے گی وہ برائے تزکیہ ہو گی۔ اس لیے کہ عذاب کہتے ہیں: "إِيْلَامُ الْحَيِّ عَلٰى سَبِيْلِ الْهُوَانِ" (زندہ آدمی کو ذلیل کرنے کے لیے تکلیف دینا) مؤمن کو اللہ تعالیٰ ذلیل ورسوا نہیں فرمائیں گے۔ قرآن کریم میں ہے:

يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ

سورۃ التحریم:8

ترجمہ: اس دن اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو اور ان لوگوں کو جو نبی کے ساتھ ایمان لائے رسوا نہیں کرے گا۔

باقی فاسق مؤمنین کو جہنم میں داخل کرنے کی غرض محض تزکیہ ہو گا کہ انہیں پاک کر کے جنت میں بھیجا جائے کیونکہ جنت پاک لوگوں کی جگہ ہے۔ فاسق مسلمان اعمالِ بد سے ناپاک ہو چکے ہوں گے تو انہیں جہنم میں بھیج کر پاک کیا جائے گا اور پھر جنت میں داخل کیا جائے گا۔

☼ حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانوی (ت1362ھ) سورۃ الفرقان کی آیت "وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا" کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

"مؤمن عاصی کے لیے تزاید اور خلود نہ ہو گا اور وہ تطہیر وتزکیہ کے لیے مُعاقَب ہو گا نہ کہ اہانت کے لیے۔"

بیان القرآن: ج3 ص23

☼ شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی (ت1369ھ) سورۃ البقرۃ کی آیت "وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ" کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر عذاب ذلت کے لیے نہیں ہوتا بلکہ مسلمانوں کو جو اُن کے معاصی پر عذاب ہو گا گناہوں سے پاک کرنے کے لیے ہو گا نہ

بغرض تذلیل، البتہ کافروں کو بغرض تذلیل عذاب دیا جائے گا۔"

تفسیر عثمانی: ج1ص95

☼ مفتی محمد شفیع عثمانی (ت1396ھ) سورۃ سبا کی اس آیت " وَ هَلۡ نُجٰزِیۡۤ اِلَّا الۡكَفُوۡرَ " کے تحت لکھتے ہیں:

"سزا بطور سزا تو صرف کافر کو دی جاتی ہے اور مومن گناہ گار کو جو تکلیف آگ وغیرہ کی دی جاتی ہے وہ صرف صورت سزا کی ہوتی ہے، درحقیقت اس کو گناہوں سے پاک کرنا مقصود ہوتا ہے۔ جیسے سونے کو بھٹی میں ڈال کر تپانے سے اس کا میل دور کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اسی طرح مومن کو اگر کسی گناہ کی پاداش میں جہنم میں ڈالا گیا تو اس لیے کہ اس کے بدن کے وہ اجزاء جل جائیں جو حرام سے پیدا ہوئے ہیں اور جب یہ ہو چکتا ہے تو وہ جنت میں جانے کے قابل ہو جاتا ہے، اس وقت جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کر دیا جاتا ہے۔"

معارف القرآن: ج7ص285

اشکال نمبر1: بعض اکابر کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ فاسق مؤمنین کو بھی جہنم میں رسوا کرنے کے لیے ڈالا جائے گا۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی سورۃ آل عمران کی آیت "رَبَّنَاۤ اِنَّكَ مَنۡ تُدۡخِلِ النَّارَ فَقَدۡ اَخۡزَيۡتَهٗ" کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"جو شخص جتنی دیر دوزخ میں رہے گا اسی قدر رسوائی سمجھو۔ اس قاعدہ سے دائمی رسوائی صرف کفار کے لیے ہے۔ جن آیات میں عامۂ مومنین سے خزی (رسوائی) کی نفی کی گئی ہے وہاں یہ ہی معنی سمجھنے چاہییں۔"

تفسیر عثمانی: ج1ص359

جواب: اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ حقیقتاً رسوا کرنے کے لیے نہیں ہوگا بلکہ صورتاً

رسوائی ہو گی، اس لیے صورتاً رسوائی کی وجہ سے اس پر لفظ "خزی" اور "رسوائی" کا اطلاق کر دیا جاتا ہے (جیسا کہ معارف القرآن میں مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مومن گناہ گار کو جو تکلیف آگ وغیرہ کی دی جاتی ہے وہ صرف صورت سزا کی ہوتی ہے، در حقیقت اس کو گناہوں سے پاک کرنا مقصود ہوتا ہے۔ ج7ص285)

اشکال نمبر2: قرآن کریم کی آیت رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ [سورۃ آل عمران:192] سے معلوم ہوتا ہے کہ جس کو بھی جہنم میں داخل کیا جائے تو اسے رسوا ہی کیا جائے گا جبکہ ایک اور مقام پہ ہے: يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ [سورۃ التحریم:8] کہ قیامت کے دن نبی اور مومنین کو رسوا نہیں فرمائیں گے۔ یہ بات ثابت ہے کہ گنہگار مؤمن جہنم میں تو جائے گا اور آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جہنم رسوائی کی جگہ ہے تو بظاہر ان دونوں آیات میں تعارض ہے۔

جواب: مؤمن کا جہنم میں جانا حقیقتاً رسوا کرنے کے لیے نہیں ہو گا بلکہ یہ صورتاً رسوائی ہو گی۔ صورتاً رسوائی کی وجہ سے اس پر لفظ "خزی" کا اطلاق کر دیا گیا ہے۔

فائدہ نمبر4: جہنم کے عذاب:

جہنم میں مختلف انواع واقسام کا عذاب ہو گا۔

گندھک کا لباس:

وَ تَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّ تَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ

سورۃ ابراہیم:49، 50

ترجمہ: آپ اس دن مجرموں کو دیکھیں گے کہ وہ زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہوں

گے۔ ان کا لباس گندھک کا بنا ہو گا اور ان کے چہروں کو آگ نے ڈھانپا ہو گا۔

آگ کا لباس:

هٰذٰنِ خَصۡمٰنِ اخۡتَصَمُوۡا فِیۡ رَبِّهِمۡ ۫ فَالَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا قُطِّعَتۡ لَهُمۡ ثِیَابٌ مِّنۡ نَّارٍ ؕ یُصَبُّ مِنۡ فَوۡقِ رُءُوۡسِهِمُ الۡحَمِیۡمُ

سورۃ الحج:19

ترجمہ: یہ دو فریق ہیں جو اپنے رب کے بارے میں آپس میں جھگڑ رہے ہیں۔ (ان میں سے) جو کافر ہیں تو ان کے لیے آگ کے کپڑے کاٹ (کر تیار کر) لیے جائیں گے اور ان کے سروں کے اوپر کھولتا ہوا پانی انڈیلا جائے گا۔

گلے میں طوق اور زنجیر:

اِذِ الۡاَغۡلٰلُ فِیۡۤ اَعۡنَاقِهِمۡ وَ السَّلٰسِلُ ؕ یُسۡحَبُوۡنَ

سورۃ المؤمن:71

ترجمہ: ان کی گردنوں میں طوق اور زنجیریں ہوں گی، انہیں گھسیٹا بھی جائے گا۔

گرم پانی اور پیپ:

لَا یَذُوۡقُوۡنَ فِیۡهَا بَرۡدًا وَّ لَا شَرَابًا اِلَّا حَمِیۡمًا وَّ غَسَّاقًا

سورۃ النبا:24،25

ترجمہ: جہنمی لوگ جہنم میں نہ ٹھنڈک چکھ سکیں گے اور نہ انہیں پینے کی کوئی چیز ملے گی سوائے گرم پانی اور پیپ کے۔

سانپ اور بچھو کا عذاب:

عَنۡ عَبۡدِ اللّٰهِ بۡنِ الۡحَارِثِ بۡنِ جَزۡءٍ الزُّبَیۡدِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنۡهُ قَالَ قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ فِي النَّارِ حَيَّاتٍ كَأَمْثَالِ أَعْنَاقِ الْبُخْتِ تَلْسَعُ إِحْدَاهُنَّ اللَّسْعَةَ فَيَجِدُ حَمْوَتَهَا أَرْبَعِينَ خَرِيفًا وَإِنَّ فِي النَّارِ عَقَارِبَ كَأَمْثَالِ الْبِغَالِ الْمُوكَفَةِ تَلْسَعُ إِحْدَاهُنَّ اللَّسْعَةَ فَيَجِدُ حَمْوَتَهَا أَرْبَعِينَ سَنَةً."

مسند احمد: ج13 ص471 رقم الحدیث 17643

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن حارث بن جَزْء الزبیدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جہنم میں عجمی اونٹوں کی طرح بڑے بڑے سانپ ہوں گے جو جہنمیوں کو ڈستے ہوں گے۔ یہ سانپ ایسے زہریلے ہوں گے کہ اگر ایک مرتبہ کاٹ لیں تو چالیس سال تک ان کے زہر کا درد نہیں جائے گا۔ اسی طرح جہنم میں لگام لگائے ہوئے خچروں کے برابر بڑے بڑے بچھو ہوں گے جو جہنمیوں کو ڈنک مارتے رہیں گے۔ اُن کے ایک مرتبہ ڈنک مارنے کی تکلیف چالیس سال تک باقی رہے گی۔

فائدہ نمبر 5: جہنم کے سات طبقات:

وَ اِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ

سورۃ الحجر: 43،44

ترجمہ: جہنم ان لوگوں کے وعدے کی جگہ ہے۔ اس کے سات دروازے ہیں اور اِن میں سے ہر دروازے کے لیے ایک حصہ مقرر ہوا ہے۔

اس کی تفسیر میں امام ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید الطبری (ت 310ھ) ابو الولید عبد الملک بن عبد العزیز بن جریج المکی (ت 150ھ) کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَوْلُهُ " لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ " قَالَ: أَوَّلُهَا جَهَنَّمُ، ثُمَّ لَظٰى، ثُمَّ الْحُطَمَةُ، ثُمَّ السَّعِيْرُ، ثُمَّ سَقَرُ، ثُمَّ الْجَحِيْمُ، ثُمَّ الْهَاوِيَةُ.

تفسیر جامع البیان للطبری: ج14 ص42 تحت قولہ تعالیٰ "لَهَا سَبْعَةُ أَبْوَابٍ" سورۃ الحجر: 44

ترجمہ: حافظ ابن جریج سے مروی ہے کہ اللہ تعالی کے فرمان جہنم کے سات دروازے ہیں، سے مراد یہ ہے کہ پہلا دروازہ جہنم، پھر لظٰی، پھر حطمہ، پھر سعیر، پھر سقر، پھر جہیم اور آخری ہاویہ ہے۔

1: جہنم:

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ

سورۃ آل عمران:12

ترجمہ: آپ کافروں کو فرمادیجیے کہ تم عنقریب (دنیا کی زندگی میں) مغلوب ہو جاؤ گے اور تمہیں (آخرت کی زندگی میں) جہنم کی طرف جمع کی جائے گا اور جہنم بہت برا ٹھکانہ ہے۔

2: سعیر:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَ سَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا

سورۃ النساء:10

ترجمہ: جو لوگ یتیموں کا مال ناجائز طور پر کھاتے ہیں تو وہ دراصل اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں اور عنقریب انہیں بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈالا جائے گا۔

3: لظٰی:

كَلَّا ؕ اِنَّهَا لَظٰى نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى

سورۃ المعارج:15، 16

ترجمہ: ہرگز ایسا نہیں ہو گا (کہ فدیہ دے کر چھوڑ دیا جائے بلکہ) وہ تو ایک دہکتی ہوئی آگ ہے جو کھال تک اتار کے رکھ دے گی۔

4: سقر:

مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ

سورۃ المدثر: 42 تا 44

ترجمہ: (اصحاب الیمین جب جہنمیوں سے پوچھیں گے) تمہیں کس وجہ سے جہنم میں آنا پڑا؟ تو جہنمی بتائیں گے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے، مسکینوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔

5: جحیم:

ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ

سورۃ المطففین: 16

ترجمہ: پھر یہ لوگ دوزخ میں داخل ہوں گے۔

6: ہاویہ:

وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ۚ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَاهِيَهْ نَارٌ حَامِيَةٌ

سورۃ القارعۃ: 8 تا 11

ترجمہ: جس شخص کے (اعمال کے) وزن ہلکے ہوں گے تو اس کا ٹھکانہ ہاویہ ہو گا۔ آپ کو کیا معلوم کہ ہاویہ کیا ہے؟ وہ دہکتی ہوئی آگ ہے۔

7: حطمہ:

كَلَّا لَيُنْبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ۖ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْئِدَةِ

سورۃ الہمزۃ: 4 تا 7

ترجمہ: ہر گز نہیں (کہ مال جمع کر کے رکھنے والے شخص کا مال اس کے پاس رہے) اسے ضرور بالضرور حطمہ میں ڈالا جائے گا۔ آپ کو کیا معلوم کہ حطمہ کیا ہے؟ یہ اللہ کی دہکائی ہوئی آگ ہے جو دلوں تک پہنچ جائے گی۔

فائدہ نمبر 6: سب سے آخری طبقہ میں منافقین کو عذاب دیا جائے گا۔ قرآن کریم میں ہے:

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ۙ

سورۃ النساء: 145

ترجمہ: بے شک منافقین جہنم کے نچلے درجے میں ہوں گے اور آپ کسی کو بھی ان کا مددگار نہیں پائیں گے۔

اشکال: کفار احکام کے مکلف نہیں ہیں اس لیے اگر وہ اعمالِ بد کا مظاہرہ کریں تب بھی انہیں اس بدعملی کی وجہ سے دوزخ میں نہیں ڈالنا چاہیے لیکن قرآن کریم کی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں بدعملی کی وجہ سے جہنم میں ڈالا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ۙ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ۙ

سورۃ المدثر: 42 تا 44

ترجمہ: (اصحاب الیمین جب جہنمیوں سے پوچھیں گے کہ) تمہیں کس وجہ سے جہنم میں آنا پڑا؟ تو جہنمی بتائیں گے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے، مسکینوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔

تو بظاہر یہ تکلیف مالا یطاق ہے۔

جواب: حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی (ت 1362ھ) اس کا بہت عمدہ جواب دیتے ہیں:

”اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ کفار مکلف بالفروع ہیں۔ سقر میں دو چیزیں ہوں گی: تعذیب وزیادتِ تعذیب۔ پس ممکن ہے کہ مجموعۂ اعمال مذکورہ سبب ہو مجموعۂ تعذیب وزیادتِ تعذیب کا اس طرح کہ کفر و تکذیب تو سبب ہو تعذیب کا اور ترکِ صلوٰۃ وغیرہ سبب ہو زیادتِ تعذیب کا، اور غیر مکلف بالفروع ہونے کے معنی یہ کہے جاویں گے کہ ان فروع پر نفسِ تعذیب نہ ہوگی اور زیادتِ تعذیب اس لیے ہو کہ ضمنِ اصول میں تو آخر ان فروع کے بھی مکلف ہیں۔ بس تکلیفِ ضمنی سبب ہو جاوے زیادت کا۔“

تفسیر بیان القرآن: ج3ص611

فائدہ نمبر7: جنت اور جہنم کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرما دیا ہے اور یہ اب بھی موجود ہیں۔ قرآن وحدیث سے دلائل ملاحظہ ہوں:

جنت کی تخلیق:

(1): وَ سَارِعُوۡۤا اِلٰی مَغۡفِرَۃٍ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ وَ جَنَّۃٍ عَرۡضُہَا السَّمٰوٰتُ وَ الۡاَرۡضُ ۙ اُعِدَّتۡ لِلۡمُتَّقِیۡنَ

آل عمران: 133

ترجمہ: اپنے رب کی جانب سے ملنے والی بخشش اور اس جنت کی طرف دوڑو جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے، وہ متقین کے لیے تیار کی گئی ہے۔

(2): سَابِقُوۡۤا اِلٰی مَغۡفِرَۃٍ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ وَ جَنَّۃٍ عَرۡضُہَا کَعَرۡضِ السَّمَآءِ وَ الۡاَرۡضِ ۙ اُعِدَّتۡ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰہِ وَ رُسُلِہٖ

سورۃ الحدید: 21

ترجمہ: اپنے رب کی جانب سے ملنے والی بخشش اور اس جنت کی طرف ایک دوسرے سے بڑھ کر چلو جس کی چوڑائی آسمان اور زمین کے برابر ہے، وہ ان لوگوں

کے لیے تیار کی گئی ہے جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے۔

جہنم کی تخلیق:

(1): فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا وَ لَنۡ تَفۡعَلُوۡا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیۡ وَ قُوۡدُهَا النَّاسُ وَ الۡحِجَارَةُ اُعِدَّتۡ لِلۡكٰفِرِيۡنَ

سورۃ البقرۃ:24

ترجمہ: اگر تم یہ نہ کر سکے اور ہر گز ایسا نہ کر سکو گے تو پھر اس آگ سے بچو جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہیں جو کفار کے لیے تیار کی گئی ہے۔

(2): وَ اتَّقُوا النَّارَ الَّتِیۡۤ اُعِدَّتۡ لِلۡكٰفِرِيۡنَ

آل عمران:131

ترجمہ: اس آگ سے بچو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔

(3): عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "اشْتَكَتْ النَّارُ إِلَى رَبِّهَا فَقَالَتْ رَبِّ أَكَلَ بَعْضِي بَعْضًا فَأَذِنَ لَهَا بِنَفَسَيْنِ نَفَسٍ فِي الشِّتَاءِ وَنَفَسٍ فِي الصَّيْفِ فَأَشَدُّ مَا تَجِدُونَ مِنَ الْحَرِّ وَأَشَدُّ مَا تَجِدُونَ مِنَ الزَّمْهَرِيرِ."

صحیح البخاری: رقم الحدیث3260

ترجمہ: حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جہنم نے اپنے رب سے شکایت کی۔ اس نے کہا کہ اے میرے رب! میرے ایک حصہ نے دوسرے حصہ کو کھا لیا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اسے (سال بھر میں) دو سانس لینے کی اجازت دے دی۔ ایک سانس سردیوں میں اور ایک سانس گرمیوں میں۔ اس لیے تم جو گرمی اور سردی کی شدت دیکھتے ہو (تو یہ انہی سانسوں کا اثر ہے)۔“

(4): عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، إِذْ سَمِعَ وَجْبَةً، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "تَدْرُونَ مَا هٰذَا؟" قَالَ: قُلْنَا: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: "هٰذَا حَجَرٌ رُمِيَ بِهٖ فِي النَّارِ مُنْذُ سَبْعِينَ خَرِيفًا، فَهُوَ يَهْوِي فِي النَّارِ الْآنَ، حَتَّى انْتَهٰى إِلٰى قَعْرِهَا."

صحیح مسلم: رقم الحدیث 2844

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ ایک زوردار آواز سنائی دی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ یہ کس چیز کی آواز ہے؟ ہم نے کہا کہ اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ ایک پتھر کی آواز ہے جو ستر سال پہلے جہنم میں پھینکا گیا تھا اور وہ مسلسل دوزخ میں گر رہا تھا یہاں تک کہ وہ ابھی ابھی جہنم کی تہہ میں پہنچا ہے۔“

فائدہ نمبر 8: جنت اور جہنم پیدائش کے بعد فنا نہیں ہوں گی بلکہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گی۔

جنت کا ہمیشہ رہنا:

1: وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ

سورۃ النساء: 13

ترجمہ: جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا تو اللہ اسے ایسے باغات میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، یہ لوگ ہمیشہ ان میں رہیں گے اور یہی بڑی کامیابی ہے۔

2: جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ

سورۃ البینۃ:8

ترجمہ: ان (اہلِ ایمان) کا انعام ان کے رب کے ہاں ایسے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ان باغات میں یہ لوگ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی اور یہ اللہ سے راضی ہوں گے۔ یہ انعامات اس شخص کے لیے ہیں جو اللہ سے ڈرتا ہو۔

3: عَنْ أَبِي سَعِيدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يُجَاءُ بِالْمَوْتِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَأَنَّهُ كَبْشٌ أَمْلَحُ - زَادَ أَبُو كُرَيْبٍ - فَيُوقَفُ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ - وَاتَّفَقَا فِي بَاقِي الْحَدِيثِ - فَيُقَالُ: يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ هَلْ تَعْرِفُونَ هٰذَا؟ فَيَشْرَئِبُّونَ وَيَنْظُرُونَ وَيَقُولُونَ نَعَمْ هٰذَا الْمَوْتُ - قَالَ - وَيُقَالُ يَا أَهْلَ النَّارِ! هَلْ تَعْرِفُونَ هٰذَا؟ قَالَ: فَيَشْرَئِبُّونَ وَيَنْظُرُونَ وَيَقُولُونَ نَعَمْ هٰذَا الْمَوْتُ - قَالَ - فَيُؤْمَرُ بِهِ فَيُذْبَحُ - قَالَ - ثُمَّ يُقَالُ يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ! خُلُودٌ فَلَا مَوْتَ وَيَا أَهْلَ النَّارِ! خُلُودٌ فَلَا مَوْتَ". قَالَ ثُمَّ قَرَأَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " وَ اَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ ۘ وَ هُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَّ هُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ " وَأَشَارَ بِيَدِهٖ إِلَى الدُّنْيَا.

صحیح مسلم: رقم الحدیث 2849

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن موت کو چتکبرے رنگ کے مینڈھے کی صورت میں لایا جائے گا۔ حدیث کے راوی ابو کریب نقل کرتے ہیں کہ پھر اس موت کو جنت اور جہنم کے درمیان میں کھڑا کر دیا جائے گا۔ آگے حدیث کے راوی الفاظ پر متفق ہیں۔ پھر اعلان ہو گا: اے جنتیو! کیا تم اسے پہچانتے ہو؟ جنتی لوگ اپنی گردنیں

اٹھا کر دیکھیں گے اور عرض کریں گے: جی ہاں! ہم اسے پہچانتے ہیں، یہ موت ہے۔ پھر اعلان ہو گا: اے جہنمیو! کیا تم اسے پہچانتے ہو؟ وہ لوگ بھی اپنی گردنیں اٹھا کر دیکھیں گے اور کہیں گے کہ ہاں! ہم اسے پہچانتے ہیں، یہ موت ہے۔ پھر اس موت کو ذبح کرنے کا حکم دیا جائے گا اور اسے ذبح کر دیا جائے گا۔ پھر اعلان ہو گا: اے اہلِ جنت! (جنت میں) تمہاری ہمیشہ کی زندگی ہے، تمہیں موت کبھی نہیں آئے گی۔ اوراہلِ جہنم سے کہا جائے گا: اے اہلِ جہنم! (جہنم میں) تمہاری ہمیشہ کی زندگی ہے، تمہیں بھی موت کبھی نہیں آئے گی۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی: "وَ اَنۡذِرۡهُمۡ يَوۡمَ الۡحَسۡرَةِ اِذۡ قُضِیَ الۡاَمۡرُ ۘ وَ هُمۡ فِیۡ غَفۡلَةٍ وَّ هُمۡ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ " کہ اے پیغمبر! آپ انہیں حسرت والے دن سے ڈرائیں جب تمام معاملات کا فیصلہ کیا جائے گا لیکن یہ لوگ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اور اس بات کو نہیں مانتے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دستِ مبارک سے دنیا کی طرف اشارہ فرمایا۔

ان آیات اور حدیث مبارک سے ثابت ہوا کہ جنتی جنت میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ جنت کے ہمیشہ رہنے کی دلیل ہے۔

جہنم کا ہمیشہ رہنا:

1: يُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ يَّخۡرُجُوۡا مِنَ النَّارِ وَ مَا هُمۡ بِخٰرِجِيۡنَ مِنۡهَا ۖ وَ لَهُمۡ عَذَابٌ مُّقِيۡمٌ

سورۃ المائدۃ:37

ترجمہ: وہ (کافر) آگ سے نکلنا چاہیں گے لیکن نکل نہیں سکیں گے اور وہاں انہیں دائمی عذاب دیا جائے گا۔

2: اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَ الْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ

سورۃ البینۃ:6

ترجمہ: اہلِ کتاب اور مشرکین میں سے جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا تو وہ آگ میں ڈالے جائیں گے جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ مخلوق میں سے بدترین لوگ ہیں۔

ان آیات اور سابق حدیث مبارک سے ثابت ہوا کہ جہنمی جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ جہنم کے ہمیشہ رہنے کی دلیل ہے۔

اشکال: جنت وجہنم فنا نہیں ہوں گی، یہ عقیدہ قرآن کریم کی ان دو آیتوں کے خلاف ہے۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۚ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ

سورۃ الرحمٰن:26

ترجمہ: اس زمین پر جو کوئی ہے وہ فنا ہونے والا ہے اور صرف تمہارے پروردگار کی جلال والی اور فضل وکرم والی ذات باقی رہے گی۔

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ؕ لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ

سورۃ القصص:88

ترجمہ: ہر چیز فنا ہونے والی ہے سوائے اس کی ذات کے، حکومت اسی کی ہے اور اسی کی طرف تمہیں لوٹایا جائے گا۔

جواب نمبر 1: حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی (ت1362ھ) سورۃ القصص آیت 88 " كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ" کو غیر اللہ کے مستحق عبادت نہ ہونے کی دلیل بناتے ہوئے اور مذکورہ اشکال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"پس طریانِ عدم دلیل ہے عدمِ قدم کی، اور عدمِ قدم دلیل ہے عدمِ وجود

کی، اور استحقاقِ عبادت کے لیے وجود شرط ہے اور شرط کا فوت؛ مستلزم فوت مشروط کو ہے۔ پس اس کے سوا کوئی مستحق عبادت نہ ٹھہرا۔ یہ مضمون توحید کا ہو گیا.....ف: جن روایتوں میں جنت ودوزخ، عرش وکرسی کا فنا نہ ہونا آیا ہے جیسا درِ منثور میں ہے اگر وہ سند صحیح سے ثابت ہو جاویں تو بھی صحتِ دلیل وصحتِ استدلال میں کوئی اشکال نہیں۔ ہالک عام ہو جاوے گا ہالک الذات وہالک الصفات کو اور صفات سب کی بدلتی ہیں بالخصوص تقید بالزمان کہ اس سے بجز منزہ مطلق کے کوئی خالی نہیں، پس سب ہالک ہوئے اور محل حوادث چونکہ حادث ہوتا ہے اس لیے سب حادث ہوئے اور حدوث دلیل ہے عدمِ وجوب کی، پس استدلال بھی عام رہا۔"

تفسیر بیان القرآن: ج3 ص105،106

جواب نمبر2: فنا کی دو قسمیں ہیں:

1: فنائے امکانی... یعنی ایک چیز کا فنا ہو سکنا

2: فنائے عملی... یعنی ایک چیز کا فنا ہو جانا

ان دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی ذات سے فنائے امکانی اور فنائے عملی دونوں کی نفی ہے۔ باقی جنت، جہنم وغیرہ کے لیے جو عدمِ فنا ثابت ہے تو اس سے مراد فناء عملی ہے یعنی عملاً یہ فنا تو نہیں ہوں گی لیکن فنائے امکانی ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہیں تو فنا کر سکتے ہیں گو فنا کریں گے نہیں۔

تنقیحاتِ متکلم اسلام

وضاحت:

علامہ جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر السیوطی الشافعی (ت 911ھ) فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ آٹھ چیزیں اور بھی ہیں جو فنا نہیں ہوں گی:

جنت، جہنم، عرش، کرسی، عجب الذنب (ریڑھ کی ہڈی)، ارواح، لوح اور قلم۔ ان آٹھ کو انہوں نے ایک شعر میں جمع کیا ہے۔ چنانچہ شیخ علامہ محمد امین بن عبد اللہ الأُرَمِيّ العَلَوِيّ الهَرَرِيّ الشافعی (ت 1441ھ / 2019ء) علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے یہ شعر نقل کرتے ہیں:

ثَمَانِيَةٌ حُكْمُ الْبَقَاءِ يَعُمُّهَا مِنَ الْخَلْقِ وَالْبَاقُوْنَ فِيْ حَيِّزِ الْعَدَمْ

هِيَ الْعَرْشُ وَالْكُرْسِيُّ وَنَارٌ وَجَنَّةٌ وَعَجْبٌ وَأَرْوَاحٌ كَذَا اللَّوْحُ وَالْقَلَمْ

تفسیر حدائق الرّوح والرّیحان: ج21 ص316 تحت قولہ تعالیٰ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهٗ سورۃ القصص:88

ترجمہ: آٹھ چیزیں باقی رہیں گی ان کے علاوہ باقی تمام مخلوق فنا ہو جائے گی۔ وہ آٹھ چیزیں یہ ہیں: عرش، کرسی، جہنم، جنت، ریڑھ کی ہڈی، ارواح، لوح اور قلم۔

فائدہ نمبر 9: جو شخص جہنم سے سب سے آخر میں نکلے گا اور جنت داخل ہو گا اسے دنیا سے دس گنا بڑی جنت ملے گی۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّي لَأَعْلَمُ آخِرَ أَهْلِ النَّارِ خُرُوجًا مِنْهَا وَآخِرَ أَهْلِ الْجَنَّةِ دُخُولًا، رَجُلٌ يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ كَبْوًا فَيَقُولُ اللّٰهُ: اذْهَبْ فَادْخُلِ الْجَنَّةَ فَيَأْتِيهَا فَيُخَيَّلُ إِلَيْهِ أَنَّهَا مَلْأَى فَيَرْجِعُ فَيَقُولُ يَا رَبِّ وَجَدْتُهَا مَلْأَى فَيَقُولُ اذْهَبْ فَادْخُلِ الْجَنَّةَ فَيَأْتِيهَا فَيُخَيَّلُ إِلَيْهِ أَنَّهَا مَلْأَى فَيَرْجِعُ فَيَقُولُ يَا رَبِّ وَجَدْتُهَا مَلْأَى فَيَقُولُ اذْهَبْ فَادْخُلِ الْجَنَّةَ فَإِنَّ لَكَ مِثْلَ الدُّنْيَا وَعَشَرَةَ أَمْثَالِهَا أَوْ إِنَّ لَكَ مِثْلَ عَشَرَةِ أَمْثَالِ الدُّنْيَا فَيَقُولُ تَسْخَرُ مِنِّي أَوْ تَضْحَكُ مِنِّي وَأَنْتَ الْمَلِكُ فَلَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَحِكَ حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهٗ وَكَانَ يَقُولُ ذَاكَ أَدْنٰى أَهْلِ الْجَنَّةِ مَنْزِلَةً.

صحیح البخاری: رقم الحدیث 6571، صحیح مسلم: رقم الحدیث 186

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اس آدمی کو خوب اچھی جانتا ہوں جو جہنم سے سب سے آخر میں نکلے گا اور جنت میں سب سے آخر میں داخل ہو گا۔ ایک شخص ہو گا جو جہنم سے گھٹنوں کے بل گھسٹتے ہوئے نکلے گا۔ اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے کہ جاؤ اور جنت میں داخل ہو جاؤ! وہ شخص جنت کے قریب آئے گا لیکن اسے یوں محسوس ہو گا کہ جنت تو بھری ہوئی ہے۔ تو وہ واپس آئے گا اور اللہ تعالیٰ سے عرض کرے گا کہ اے میرے رب! میں نے تو جنت کو دیکھا ہے، وہ تو بھری ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے پھر فرمائیں گے کہ جاؤ اور جنت میں داخل ہو جاؤ! وہ دوبارہ جنت کے قریب آئے گا اور اس بار بھی اسے یوں محسوس ہو گا کہ جنت بھری ہوئی ہے۔ وہ واپس جا کر عرض کرے گا کہ اے میرے رب! میں نے تو جنت کو دیکھا ہے، وہ تو بھری ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ جاؤ اور جنت میں داخل ہو جاؤ! تمہیں دنیا اور اس جیسی دس گناہ جنت دی جاتی ہے یا اللہ تعالیٰ یوں فرمائیں گے کہ تمہیں دنیا کی طرح دس گنا دیا جاتا ہے۔ وہ شخص کہے گا: اے اللہ! آپ مجھ سے مذاق کرتے ہیں حالانکہ آپ تو مالک ہیں! حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ اس بات پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسی آگئی اور دندان مبارک ظاہر ہو گئے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ یہ جنت میں سب سے کم درجے والا شخص ہو گا۔

فائدہ نمبر 10:

جہاں سکھ اور دکھ دونوں ہوں اسے "دنیا" کہتے ہیں۔ جہاں صرف سکھ ہوں اسے "جنت" کہتے ہیں اور جہاں صرف دکھ ہوں اسے "جہنم" کہتے ہیں۔

توحیدِ باری تعالیٰ کا مفہوم

وَاللهُ تَعَالٰى وَاحِدٌ لَا مِنْ طَرِيْقِ الْعَدَدِ وَلٰكِنْ مِنْ طَرِيْقِ أَنَّهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ایک ہے لیکن گنتی کے اعتبار سے نہیں بلکہ اس اعتبار سے کہ اس کا کوئی شریک نہیں۔ (اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:) اس کی کوئی اولاد نہیں اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور کوئی اس کا ہمسر نہیں۔

توحید کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات والاصفات میں یکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ایک ہونا گنتی کے ایک کی طرح نہیں کیونکہ گنتی کا ایک اگرچہ ایک ہے لیکن

ا:.... یہ "ایک" کبھی "دو" کا آدھا ہوتا ہے۔

۲:.... کبھی یہ "ایک" نصف، تہائی، چوتھائی وغیرہ میں تقسیم بھی ہو سکتا ہے۔

۳:.... کبھی اس "ایک" کے بعد دوسرا عدد بھی آتا ہے۔

گنتی کے اس "ایک" کے یہ تمام مفاہیم اللہ تعالیٰ کی ذات کے کسی طرح مناسب وموزوں نہیں۔ اس لیے ایسا "ایک" جس کی تجزی و تقسیم ممکن ہو تو یہ حادث ہوتا ہے اور ذاتِ باری تعالیٰ حادث ہونے سے پاک ہے۔ ایک کے بعد اگر دوسرے، تیسرے، چوتھے کا وجود ممکن ہو تو "توحید" باقی نہ رہے گی جبکہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی الہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا

سورۃ الانبیاء:22

ترجمہ: اگر آسمان وزمین میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور معبود ہوتے تو آسمان وزمین تباہ ہو جاتے۔

اس لیے خدا تعالیٰ کی توحید اور یکتائیت کو گنتی کے ایک کی طرح بیان کرنا درست نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا ایک ہونا اس اعتبار سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں، نہ ذات میں اور نہ صفات میں۔ توحید کا یہ مفہوم اللہ تعالیٰ کے اس ارشادِ گرامی سے مستفاد ہے:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اَللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۙ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ

سورۃ الاخلاص

ترجمہ: کہہ دیجیے کہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ذات ہے۔ نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور کوئی اس کا ہمسر نہیں۔

ان آیات کے شانِ نزول میں یہ روایت مروی ہے:

عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ الْمُشْرِكِينَ قَالُوا لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اُنْسُبْ لَنَا رَبَّكَ! فَأَنْزَلَ اللّٰهُ: " قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اَللّٰهُ الصَّمَدُ "

سنن الترمذی: رقم الحدیث 3364

ترجمہ: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مشرکین مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ اپنے رب کا نسب نامہ بیان کیجیے! تو اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔ " قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اَللّٰهُ الصَّمَدُ "

امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی المالکی (ت 671ھ) لکھتے ہیں:

إِنَّ أَهْلَ التَّفْسِيرِ قَالُوا: نَزَلَتِ الْآيَةُ جَوَابًا لِأَهْلِ الشِّرْكِ لَمَّا قَالُوا لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: صِفْ لَنَا رَبَّكَ، أَمِنْ ذَهَبٍ أَمْ مِنْ نُحَاسٍ أَمْ مِنْ صُفْرٍ؟ فَقَالَ اللّٰهُ جَلَّ وَعَزَّ رَدًّا عَلَيْهِمْ:: " قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ "

الجامع لاحکام القرآن للقرطبی: ج2 ص3401

ترجمہ: مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ سورت مشرکین کے جواب میں نازل ہوئی جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا کہ آپ اپنے رب کے بارے میں

بتائیں کہ وہ کس چیز کا بنا ہوا ہے، سونے کا ہے یا تانبے کا ہے یا پیتل کا؟ تو اللہ تعالیٰ نے ان مشرکین کے رد میں یہ سورت نازل فرمائی کہ "فرما دیجیے! اللہ ایک ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں فرمایا کہ اس کی ذات "احد" ہے یعنی ترکیب، تجزی، تعدد اور دیگر اشیاء کی مشابہت سے یکسر پاک ہے۔ "اَللّٰهُ اَحَدٌ" میں ذات باری تعالیٰ کی وحدانیت کا تذکرہ فرمایا۔ اس میں مشرکین کے سوال کا جواب ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ سونے کا بنا ہے نہ تانبے کا اور نہ ہی پیتل کا۔ کیونکہ اجزاء سے ترکیب پانے والی ذات مرکب ہوتی ہے جبکہ اللہ "احد" یعنی یکتا ہے اور ترکیب سے پاک ہے۔

آگے "لَمْ يَلِدْ ۙ وَ لَمْ يُوْلَدْ وَ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ" میں صفاتِ باری تعالیٰ میں یکتائیت کا تذکرہ فرمایا کہ مخلوق میں سے کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی ہمسری نہیں کر سکتا۔ کوئی مخلوق اللہ تعالیٰ کے علم، قدرت، اختیارات وغیرہ میں بالکل برابری نہیں کر سکتی۔ یہ صفات میں وحدانیت ہے۔ نیز اس آیت میں مشرکین کے اس سوال کا بھی جواب ہے جو کہتے تھے کہ اپنے رب کا نسب نامہ بیان کریں۔ تو ان کو جواب دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نسب سے پاک ہے، نہ وہ کسی کا بیٹا ہے اور نہ اس کا کوئی بیٹا ہے۔

خلاصہ یہ کہ توحید باری تعالیٰ ذات اور صفات دونوں جہت سے ثابت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا مخلوق کی مشابہت سے پاک ہونا

لَا يُشْبِهُ شَيْئًا مِنَ الْأَشْيَاءِ مِنْ خَلْقِهٖ وَلَا يُشْبِهُهٗ شَيْءٌ مِنْ خَلْقِهٖ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی کے مشابہ نہیں اور نہ ہی مخلوق میں سے کوئی اس کے مشابہ ہے۔

یعنی جس طرح انسان دیکھنے میں آنکھ کا محتاج ہے، بولنے میں زبان کا محتاج

ہے، سننے میں کان کا محتاج ہے اور موجود ہونے میں اپنے جسم اور اجزائے جسم کا محتاج ہے اللہ تعالیٰ کی ذات اس طرح نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا معاملہ مخلوق سے یکسر مختلف ہے۔ اللہ تعالیٰ دیکھتے ہیں لیکن دیکھنے میں آنکھ کے محتاج نہیں، سنتے ہیں لیکن سننے میں کان کے محتاج نہیں اور کلام فرماتے ہیں لیکن کلام فرمانے میں زبان کے محتاج نہیں۔

نوٹ:

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے ید، وجہ، عین، ساق وغیرہ کلمات استعمال ہوئے ہیں ان کے متعلق وضاحت یہ ہے کہ ان سے مراد اعضائے جسم نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں جن کا معنی اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ اس کی مزید تفصیل آگے آرہی ہے۔

اشکال: امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "لَا يُشْبِهُ شَيْئًا مِنَ الْأَشْيَاءِ مِنْ خَلْقِهٖ الخ" کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی کے مشابہ نہیں! لیکن قرآن واحادیث میں اللہ تعالیٰ کی ذات کو مخلوقات سے تشبیہ دی گئی ہے۔ مثلا اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کی مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا:

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌؕ

النور:35

ترجمہ: اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے، اس کے نور کی مثال ایسے ہے جیسے ایک طاق ہو جس میں چراغ رکھا ہو۔

تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کو چراغ کے نور کے مشابہ قرار دیا ہے۔

جواب نمبر 1: امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے جو عقیدہ ذکر فرمایا ہے یہ قرآن مجید

کے موافق ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ

سورۃ الشوریٰ:11

ترجمہ: اللہ کی مثل کوئی چیز نہیں، وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

جواب نمبر2: یہاں دو باتیں الگ الگ ہیں: ایک ہے اللہ تعالیٰ کا کسی چیز کے مشابہ ہونا اور دوسرا ہے اللہ تعالیٰ کی صفات کو سمجھانے کے لیے مثال دینا۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے جو عقیدہ بیان کیا ہے کہ "لَا يُشْبِهُ شَيْئًا مِنَ الْأَشْيَاءِ مِنْ خَلْقِهٖ" (اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں کسی کے مشابہ نہیں) تو اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کی مشابہت سے پاک ہے، کوئی چیز بھی اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات جیسی نہیں ہو سکتی۔ باقی قرآن مجید میں جو مثال بیان ہوئی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے نور کو چراغ کے نور کے مشابہ قرار دینے کے لیے بیان نہیں ہوئی بلکہ انسانی عقل و فہم اور بساط کے پیشِ نظر نور الٰہی کو محض سمجھانے کے لیے بیان ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا مخلوق کی طرح ہونا اور ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کو سمجھانے کے لیے مثال دینا بالکل دوسری چیز ہے۔ دونوں میں کوئی تعارض نہیں۔

فائدہ: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی (ت 1362ھ) کا یہ فرمان اس بات کو سمجھنے کے لیے بہت مفید ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مثل کوئی چیز نہیں لیکن سمجھانے کے لیے مثال دی جا سکتی ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"مثلاً جو دو کاغذ گوند سے چپکا دیے گئے ہیں وہ ایک دوسرے سے اتنے قریب نہیں بلکہ گوند جو کہ واسطہ ہے وہ زیادہ قریب ہے۔ اللہ تعالیٰ مثال سے پاک ہیں لیکن آخر میں تمہیں کس طرح سمجھاؤں، پس جب اللہ تعالیٰ تمہارے اور تمہاری ہستی کے درمیان واسطہ ہیں تو وہ ہستی سے زیادہ قریب ہوئے۔ اور یہی حاصل تھا تمہارے

ساتھ بنسبت تمہاری جان ہونے کا۔ پس تم سے اتنے قریب ہوئے جتنے کہ خود تم بھی اپنے قریب نہیں جیسا کہ گوند کی مثال میں سمجھایا گیا۔ یہ بہت موٹی بات ہے کہ کوئی قیل وقال کی گنجائش نہیں۔"

خطباتِ حکیم الامت: ج17 ص431 عنوان: اقربیت کا مفہوم

اسماء وصفات ذاتیہ وفعلیہ

لَمْ يَزَلْ وَلَا يَزَالُ بِأَسْمَائِهِ وَصِفَاتِهِ الذَّاتِيَّةِ وَالْفِعْلِيَّةِ، أَمَّا الذَّاتِيَّةُ فَالْحَيَاةُ وَالْقُدْرَةُ وَالْعِلْمُ وَالْكَلَامُ وَالسَّمْعُ وَالْبَصَرُ وَالْإِرَادَةُ وَأَمَّا الْفِعْلِيَّةُ فَالتَّخْلِيقُ وَالتَّرْزِيقُ وَالْإِنْشَاءُ وَالْإِبْدَاعُ وَالصُّنْعُ وَغَيْرُ ذٰلِكَ مِنْ صِفَاتِ الْفِعْلِ لَمْ يَزَلْ وَلَا يَزَالُ بِصِفَاتِهِ وَأَسْمَائِهِ لَمْ يَحْدُثْ لَهُ صِفَةٌ وَلَا اسْمٌ.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اپنے اسماء اور صفات ذاتیہ اور فعلیہ کے ساتھ ہمیشہ سے متصف رہا ہے اور ہمیشہ متصف رہے گا۔ اللہ تعالیٰ کی صفاتِ ذاتیہ حیات، قدرت، علم، کلام، سمع، بصر اور ارادہ ہیں اور صفاتِ فعلیہ میں پیدا کرنا، رزق دینا، وجود عطا کرنا، بغیر نمونۂ سابق کے بنانا، خوش اسلوبی و حسنِ سلیقہ سے بنانا وغیرہ جیسی صفات شامل ہیں جن سے (اللہ تعالیٰ کے) فعل کا صدور معلوم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی ان صفات اور اسماء کے ساتھ ہمیشہ سے متصف ہے اور ہمیشہ متصف رہے گا۔ اللہ تعالیٰ کی کوئی صفت حادث ہے نہ کوئی نام۔

اسمائے باری تعالیٰ:

فائدہ نمبر 1: اللہ تعالیٰ کے اسماء کی دو قسمیں ہیں: ذاتی اور صفاتی۔ لفظ "اللہ" ذاتی نام ہے اور اس کے علاوہ باقی نام صفاتی نام ہیں۔

فائدہ نمبر 2: اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں کو ”اسمائے حسنیٰ“ کہتے ہیں۔

فائدہ نمبر 3: قرآن وحدیث میں منقول تمام اسمائے الٰہیہ کا اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے استعمال کرنا جائز ہے اور جو اسماء قرآن وحدیث میں وارد نہیں امام ابوالحسن علی بن اسماعیل الاشعری الحنبلی (ت 324ھ) کے نزدیک ان کا استعمال ذاتِ باری کے لیے ناجائز ہے، جبکہ امام ابو حامد محمد بن محمد بن محمد الغزالی (ت 505ھ) اور امام فخر الدین ابوعبد اللہ محمد بن عمر بن الحسین الرازی الشافعی (ت 606ھ) کے نزدیک ذاتِ باری کے لیے ان کا استعمال بطورِ اسم کے ناجائز اور بطورِ وصف کے جائز ہے۔ مثلاً ”یَا قَدِیْمُ“ نہیں کہہ سکتے البتہ ”اَللّٰہُ قَدِیْمٌ“ کہہ سکتے ہیں۔

فائدہ نمبر 4: ہر زبان میں ذاتِ باری کے لیے ذاتی نام مقرر ہے۔ ان کا استعمال اسی زبان میں ذات باری کے لیے جائز ہے۔ جیسے اردو اور فارسی میں ”خدا“ اور انگریزی میں ”God“ (بڑی G کے ساتھ) البتہ کفار میں ذات باری کے لیے استعمال ہونے والے اسماء کے بارے میں جب تک یہ تحقیق نہ ہو کہ یہ ذاتی ہیں یا صفاتی اور صفاتی میں سے کس صفت کی ترجمانی کرتے ہیں، اس وقت تک ان کے استعمال سے احتراز کرنا چاہیے۔ جیسے فارسی میں لفظ ”یَزدان“ اور ”آھَرُمَنْ“ ہیں۔ ان الفاظ کا معنی معلوم ہے کہ ”یَزدان“ کا معنی ہے ”خیر کا خدا“ اور ”آھَرُمَنْ“ کا معنی ہے ”شر کا خدا“۔ ثَنْوِیہ (ایک مجوسی فرقہ) کا عقیدہ یہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو ”خیر کا خدا“ اور شیطان کو ”شر کا خدا“ کہتے تھے۔ خیر کے خدا کے لیے ”یزدان“ اور شر کے خدا کے لیے ”آھَرُمَنْ“ کے الفاظ استعمال کرتے تھے۔

علامہ محمد طاہر بن محمد بن محمد طاہر بن عاشور التیونسی المالکی (ت 1393ھ) سورۃ الصافات آیت: 158 "وَ جَعَلُوْا بَیْنَهٗ وَ بَیْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ؕ وَ لَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ

إِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ "[ان لوگوں نے اللہ اور جنات میں رشتہ مقرر کر رکھا ہے] کی تفسیر میں ایک قول یہ بھی ذکر کرتے ہیں:

أَنَّهُ إِشَارَةٌ إِلٰى قَوْلِ الثَّنَوِيَّةِ مِنَ الْمَجُوسِ بِوُجُودِ إِلٰهٍ لِلْخَيْرِ هُوَ اللهُ، وَإِلٰهٍ لِلشَّرِّ هُوَ الشَّيْطَانُ وَهُمْ مِنْ مِلَلِ مَجُوسِ فَارِسَ وَسَمَّوْا إِلٰهَ الْخَيْرِ (يَزْدَانَ) وَإِلٰهَ الشَّرِّ (أَهْرُمُنْ)

تفسیر التحریر والتنویر لابن عاشور: ج23ص94

ترجمہ: (آیت میں) مجوسی فرقہ ثَنُوِیہ کے عقیدہ کی طرف اشارہ ہے کہ وہ اس بات کے قائل تھے کہ خیر کا خدا؛ اللہ تعالیٰ اور شر کا خدا؛ شیطان ہے۔ ثَنُوِیہ؛ فارس کے مجوسیوں کا ایک فرقہ ہے۔ یہ لوگ خیر کے خدا کو "یزدان" اور شر کے خدا کو "أَهْرُمُنْ" کہتے تھے۔

یزدان کا لفظ ہمارے اکابرین اور مسلم مصنفین کی کتب میں اللہ تعالی کے لیے مستعمل ہے اس لیے ذاتِ باری تعالی کے لیے اس کا استعمال جائز ہے البتہ اھرمن کا لفظ خدا تعالی کے لیے کہیں مستعمل نہیں دیکھا گیا اس لیے ذاتِ باری تعالی کے لیے اس لفظ کے استعمال سے احتراز لازم ہے۔

تنبیہ:

غیر عربی زبان کا ایسا لفظ جو اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کی ترجمانی تو کرے لیکن غیر اقوام کا شعار بن چکا ہو تو یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال کرنا جائز نہیں۔ ہاں اگر شعار نہ بنا ہو تو اس کا استعمال درست ہے۔ فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی (ت1416ھ) لکھتے ہیں:

"اس صورت میں ان ہی ناموں کو منع کیا جاسکتا ہے جو غیر قوم کا شعار ہیں اور جو شعار نہیں ان کو منع نہیں جاسکتا جیسے خدا، ایزد، یزداں کہ یہ نام کسی مخصوص غیر

مسلم کے شعار نہیں بلکہ بکثرت اہلِ اسلام کی تصانیف میں موجود ہیں۔"

فتاویٰ محمودیہ: ج1ص271

فائدہ نمبر5: بعض اسماء ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ ہی کے لیے بولے جاتے ہیں جیسے رحمٰن، عالم الغیب، مختار کل، قادر مطلق، مشکل کشا، حاجت روا وغیرہ۔ ان اسماء کو مخلوق کے لیے بولنا جائز نہیں۔

فائدہ نمبر6: بعض اسماء ایسے ہیں جو مخلوق پر بھی بولے گئے ہیں جیسے سمیع، بصیر، متکلم وغیرہ۔ مخلوق کے لیے ان اسماء کا معنی یہ ہے کہ مخلوق سننے میں کان کی، دیکھنے میں آنکھ کی، بولنے میں زبان کی محتاج ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا معاملہ یوں نہیں ہے، اللہ تعالیٰ سمیع یعنی سنتے ہیں لیکن کان کے محتاج نہیں، بصیر یعنی دیکھتے ہیں لیکن آنکھ کے محتاج نہیں، متکلم یعنی بولتے ہیں لیکن زبان کے محتاج نہیں۔ تو ان اسماء کا جو معنی مخلوق کے لیے ہے وہ معنی اللہ تعالیٰ کے لیے ہر گز مراد نہیں۔ اس لیے معنی خاص کے اعتبار سے یہ اسماء بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں۔

فائدہ نمبر7: اسمائے حسنیٰ میں سے کون سے اسماء بندوں کے لیے استعمال کے جاسکتے ہیں۔

اس بارے میں شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم کی تحقیق نہایت ہی قابل قدر ہے اور ہماری نظر میں اہل علم حضرات کے لیے کافی وافی ہے، "فتاویٰ عثمانی" سے من وعن نقل کی جاتی ہے۔

سوال: آج کل عموماً باری تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کے ساتھ "عبد" کے اضافے کے ساتھ نام رکھے جاتے ہیں، مگر عموماً غفلت کی وجہ سے مسمّٰی کو بدون "عبد" کے پکارا جاتا ہے، حالانکہ بعض اسماء باری تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں، مثلاً عبد الرزاق

وغیرہ، اندریں احوال اپنی جستجو کے مطابق فیض الباری ج: ۴ ص: ۴۲۳ سے اسمائے حسنی درج کر رہا ہوں، تحقیق فرمائیں کہ کون سے اسماء باری تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں، کہ ان کو بدون ''عبد'' کے مخلوق کے لیے استعمال کرنا گناہ کبیرہ ہے، اگر ان کے علاوہ اور کوئی اسماء ہوں تو وہ بھی درج فرمائیں مع تحقیق کے، نیز اسماء کے شروع یا آخر میں ''محمد'' یا ''احمد'' یا ''اللہ'' کا اضافہ کیسا ہے؟ مثلاً محمد متکبر، خالق احمد، محمد اللہ، احمد رزاق۔

اللہ، الرحمن، الرحیم، الملك، القدوس، السلام، المؤمن المهيمن، العزيز، الجبار، المتكبر، الخالق، البارئ، المصور، الغفار، القهار، التواب، الوهاب، الخلّاق، الرزاق، الفتاح، الحليم، العليم، العظيم، الواسع، الحكيم، الحی، القيوم، السميع، البصير، اللطيف، الخبير، العلی، الكبير، المحيط، القدير، المولىٰ، النصير، الكريم، الرقيب، القريب، المجيب، الحفيظ، المقيت، الودود، المجيد، الوارث، الشهيد، الولی، الحميد، الحق، المبين، الغنی، المالك، القوی، المتين، لشديد، القادر، المقتدر، القاهر، الكافی، الشاكر، المستعان، الفاطر، البديع، الفاخر، الاول، الآخر، الظاهر، الباطن، الكفيل، الغالب، الحكم، العالم، الرفيع، الحافظ، المنتقم، القائم، المحيی، الجامع، المليك، المتعالی، النور، الهادی، الغفور، الشكور، العفو، الرؤوف، الا كرام، الاعلىٰ، البر، الخفی، الرب الاله، الاحد، الصمد، الذی لم يلد، ولم يولد، ولم يكن له كفوا احد.

جواب: کسی کتاب میں یہ تفصیل تو نظر سے نہیں گزری کہ کون کون سے اسمائے حسنیٰ صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے مخصوص ہیں، اور کون سے اسماء کا اطلاق دوسروں پر ہو سکتا ہے، لیکن مندرجہ ذیل عبارتوں سے اس کا ایک اصول معلوم ہوتا ہے:۔

تفسیر روح المعانی میں علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

”وَذَكَرَ غَيْرُوَاحِدٍ مِنَ الْعُلَمَآءِ اَنَّ هٰذِهِ الْاَسْمَاءَ...تَنْقَسِمُ قِسْمَةٌ اُخْرٰى اِلٰى مَا لَايَجُوْزُ اِطْلَاقُهٗ عَلٰى غَيْرِهٖ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى كَاللّٰهِ وَالرَّحْمٰنِ وَمَا يَجُوْزُ كَالرَّحِيْمِ وَالْكَرِيْمِ.

روح المعانی ج:9ص123 تحت قولہ تعالیٰ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا سورۃ الاعراف:179

ترجمہ: کئی علماء کا کہنا ہے کہ ان اسماء کی ایک اور تقسیم اس اعتبار سے بھی ہے کہ ان میں سے کس نام کا استعمال غیر اللہ کے لیے جائز نہیں جیسے اسم ”اللہ“ اور ”الرحمٰن“ اور کس نام کا استعمال غیر اللہ کے لیے جائز ہے جیسے اسم ”رحیم“ اور ”کریم“

اور رد المحتار میں ہے:

”وَجَازَ التَّسْمِيَّةُ بِعَلِيٍّ وَرَشِيْدٍ مِنَ الْاَسْمَآءِ الْمُشْتَرَكَةِ وَيُرَادُ فِيْ حَقِّنَا غَيْرُ مَا يُرَادُ فِيْ حَقِّ اللّٰهِ تَعَالٰى. وَفِيْ رَدِّ الْمُحْتَارِ: اَلَّذِيْ فِي التَّاتَرْخَانِيَّةِ عَنِ السِّرَاجِيَّةِ التَّسْمِيَّةُ بِاسْمٍ يُوْجَدُ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰى كَالْعَلِيِّ وَالْكَبِيْرِ وَالرَّشِيْدِ وَالْبَدِيْعِ جَائِزَةٌ الخ“

شامی ج:5 ص:268 کتاب الحظر والاباحۃ، فصل یکرہ اعطاء سائل المسجد إلا إذا لم یتخط رقاب الناس

ترجمہ: کسی کا نام اسماء مشترکہ میں سے رکھنا جائز ہے جیسے ”علی“ اور ”رشید“۔ ان اسماء سے ہمارے حق میں وہ معنی مراد نہیں ہوتا جو اللہ تعالیٰ کے لیے مراد ہوتا ہے۔ رد المحتار میں ہے کہ فتاویٰ تاتر خانیہ میں فتاویٰ سراجیہ کے حوالے سے جو منقول ہے کہ ایسا نام رکھنا جائز ہے جو قرآن مجید میں پایا جاتا ہو جیسے علی، کبیر، رشید، بدیع وغیرہ الخ

وَفِي الْفَتَاوٰى الْهِنْدِيَّةِ: اَلتَّسْمِيَّةُ بِاسْمٍ لَمْ يَذْكُرْهُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ عِبَادِهٖ وَلَا ذَكَرَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا اسْتَعْمَلَهُ الْمُسْلِمُوْنَ تَكَلَّمُوْا فِيْهِ وَالْاَوْلٰى اَنْ لَّا يَفْعَلَ كَذَا فِي الْمُحِيْطِ.

فتاویٰ عالمگیریہ ص:362 حظر واباحت باب 22

ترجمہ: فتاویٰ ہندیہ میں ہے کہ ایسا نام رکھنے کے بارے میں علماء نے کلام کیا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں ذکر نہیں کیا، نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ذکر کیا ہے اور نہ ہی مسلمانوں میں رائج ہے اور بہتر یہی ہے کہ ایسا نام نہ رکھا جائے۔

اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب تحریر فرماتے ہیں:

اسماء حسنیٰ میں بعض نام ایسے بھی ہیں جن کو قرآن وحدیث میں دوسرے لوگوں کے لیے بھی استعمال کیا گیا ہے اور بعض وہ ہیں جن کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی اور کے لیے استعمال کرنا قرآن وحدیث سے ثابت نہیں۔ تو جن ناموں کا استعمال غیر اللہ کے لیے قرآن وحدیث سے ثابت ہے وہ نام تو اوروں کے لیے بھی استعمال ہوسکتے ہیں جیسے رحیم، رشید، علی، کریم، عزیز وغیرہ۔ اور اسمائے حسنیٰ میں سے وہ نام جن کا غیر اللہ کے لیے استعمال کرنا قرآن وحدیث سے ثابت نہیں وہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہیں، ان کو غیر اللہ کے لیے استعمال کرنا الحادِ مذکور میں داخل اور ناجائز وحرام ہے۔

معارف القرآن ج:۴ ص:۱۳۲ سورہ اعراف:۱۸

ان عبارتوں سے اس بارے میں یہ اصول مستنبط ہوتے ہیں۔

نمبر 1: وہ اسمائے حسنیٰ جو باری تعالیٰ کے اسم ذات ہوں یا صرف باری تعالیٰ کی صفات مخصوصہ کے معنی ہی میں استعمال ہوتے ہوں، ان کا استعمال غیر اللہ کے لیے کسی حال میں جائز نہیں، مثلاً: اللہ، الرحمٰن، القدوس، الجبار، المتکبر، الخالق، الباریٔ، المصور، الرزاق، الغفار، القہار، التواب، الوہاب، الخلاق، الفتاح، القیوم، الرب، المحیط، الملیک، الغفور، الاحد، الصمد، الحق، القادر المحیی۔

نمبر 2: وہ اسماء جو باری تعالیٰ کی صفات خاصہ کے علاوہ دوسرے معنی میں بھی استعمال ہوتے ہیں اور دوسرے معنی کے لحاظ سے ان کا اطلاق غیر اللہ پر کیا جاسکتا ہو، ان میں

تفصیل یہ ہے کہ اگر قرآن وحدیث، تعاملِ امت یا عرفِ عام میں ان اسماء سے غیر اللہ کا نام رکھنا ثابت ہو تو ایسا نام رکھنے میں مضائقہ نہیں، مثلاً: عزیز، علی، کریم، رحیم، عظیم، رشید، کبیر، بدیع، کفیل، ہادی، واسع، حکیم وغیرہ اور جن اسمائے حسنیٰ سے نام رکھنا نہ قرآن وحدیث سے ثابت ہو اور نہ مسلمانوں میں معمول رہا ہو، غیر اللہ کو ایسے نام دینے سے پرہیز لازم ہے۔

نمبر 3: مذکورہ دواصولوں سے اصول خود بخود نکل آیا کہ جن اسمائے حسنیٰ کے بارے میں یہ تحقیق نہ ہو کہ قرآن وحدیث، تعاملِ امت یا عرف میں وہ غیر اللہ کے لیے استعمال ہوئے ہیں یا نہیں؟ ایسے نام رکھنے سے بھی پرہیز لازم ہے، کیونکہ اسمائے حسنیٰ میں اصل یہ ہے کہ ان سے غیر اللہ کا نام رکھنا جائز نہ ہو، جواز کے لیے دلیل کی ضرورت ہے۔ ان اصولوں پر تمام اسمائے حسنیٰ کے بارے میں عمل کیا جائے، تاہم یہ جواب چونکہ قواعد سے لکھا ہے اور ہر ہر نام کے بارے میں اسلام کی کوئی تصریح احقر کو نہیں ملی، اس لیے اگر اس میں دوسرے اہل علم سے بھی استصواب کر لیا جائے تو بہتر ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم

فتاویٰ عثمانی: ج1 ص52، 53

فائدہ نمبر 8: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ لِلّٰہِ تَعَالٰی تِسۡعَةً وَتِسۡعِیۡنَ اسۡمًا مِائَةً غَیۡرَ وَاحِدَةٍ مَنۡ اَحۡصَاھَا دَخَلَ الۡجَنَّةَ.

سنن الترمذی: رقم الحدیث 3506

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں۔ جو انہیں یاد کر لے تو وہ جنت میں داخل ہو گا۔

وہ مبارک نام یہ ہیں:

هُوَ اللّٰهُ الَّذِىْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ الْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ الْغَفَّارُ الْقَهَّارُ الْوَهَّابُ الرَّزَّاقُ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الْخَافِضُ الرَّافِعُ الْمُعِزُّ الْمُذِلُّ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ الْحَكَمُ الْعَدْلُ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ الْحَلِيْمُ الْعَظِيْمُ الْغَفُوْرُ الشَّكُوْرُ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ الْحَفِيْظُ الْمُقِيْتُ الْحَسِيْبُ الْجَلِيْلُ الْكَرِيْمُ الرَّقِيْبُ الْمُجِيْبُ الْوَاسِعُ الْحَكِيْمُ الْوَدُوْدُ الْمَجِيْدُ الْبَاعِثُ الشَّهِيْدُ الْحَقُّ الْوَكِيْلُ الْقَوِيُّ الْمَتِيْنُ الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ الْمُحْصِي الْمُبْدِئُ الْمُعِيْدُ الْمُحْيِي الْمُمِيْتُ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ الْوَاجِدُ الْمَاجِدُ الْوَاحِدُ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الْقَادِرُ الْمُقْتَدِرُ الْمُقَدِّمُ الْمُؤَخِّرُ الْاَوَّلُ الْاٰخِرُ الظَّاهِرُ الْبَاطِنُ الْوَالِيُ الْمُتَعَالُ الْبَرُّ التَّوَّابُ الْمُنْتَقِمُ الْعَفُوُّ الرَّؤُوْفُ مَالِكُ الْمُلْكِ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ الْمُقْسِطُ الْجَامِعُ الْغَنِيُّ الْمُغْنِي الْمَانِعُ الضَّآرُّ النَّافِعُ النُّوْرُ الْهَادِي الْبَدِيْعُ الْبَاقِي الْوَارِثُ الرَّشِيْدُ الصَّبُوْرُ.

اس حدیث مبارک میں اسمائے باری تعالیٰ کا حصر مقصود نہیں بلکہ محض ان اسماء کے حفظ کی فضیلت کو بیان کرنا مقصود ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کے اسماء ان ننانوے کے علاوہ اور بھی ہیں۔ اس لیے ان اسماء کو یاد کرنے کی کوشش کی جائے۔

صفاتِ باری تعالیٰ:

صفاتِ محکمات کی دو قسمیں ہیں: صفات ذاتیہ اور صفات فعلیہ۔

صفاتِ ذاتیہ

ان صفات کو کہتے ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ موصوف ہو اور ان کی ضد کے ساتھ موصوف نہ ہو۔

یہ صفات سات ہیں: جیسے حیات، علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر اور کلام۔

☼ اللہ تعالیٰ صفتِ حیات کے ساتھ موصوف ہے، اس کی ضد "موت" کے ساتھ نہیں۔

☼ صفتِ علم کے ساتھ موصوف ہے، اس کی ضد "جہل" کے ساتھ نہیں۔

☼ صفتِ قدرت کے ساتھ موصوف ہے، اس کی ضد "عجز" کے ساتھ نہیں۔

☼ صفتِ ارادہ (عزم ویقین) کے ساتھ موصوف ہے، اس کی ضد تردد و بے یقینی کے ساتھ نہیں۔

☼ صفتِ سمع کے ساتھ موصوف ہے، اس کی ضد "صَمّ" (بہرا پن) کے ساتھ نہیں۔

☼ صفتِ بصر کے ساتھ موصوف ہے، اس کی ضد "عَمیٰ" (نابینا پن) کے ساتھ نہیں۔

☼ صفتِ کلام کے ساتھ موصوف ہے، اس کی ضد "بُکم" (گونگا پن) کے ساتھ نہیں۔

[1]: حیات

زندہ ہونا۔ اس کی ضد یعنی "موت" سے اللہ تعالیٰ پاک ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

اَللّٰہُ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ۚ اَلۡحَیُّ الۡقَیُّوۡمُ

سورۃ البقرۃ:255

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، وہ ہمیشہ سے زندہ اور سب کو تھامنے والا ہے۔

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر میں زندہ ماننا

شرک ہے کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ کی صفت حیات میں شراکت لازم آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی ہمیشہ زندہ ہوں اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی قبر، حشر اور جنت میں زندہ ہوں۔

جواب: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر میں زندہ ماننے سے اللہ تعالیٰ کی صفتِ حیات میں شراکت لازم نہیں آتی۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی حیات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں دو فرق ہیں:

پہلا فرق یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ازلی (یعنی ایسی حیات جو ہمیشہ سے ہو) نہیں ہے بلکہ ابدی (یعنی ہمیشہ رہنے والی) ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کی حیات ازلی بھی ہے اور ابدی بھی ہے۔ نیز یہ ابدی حیات تو جنت میں ہر مسلمان کو حاصل ہو گی۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات انقطاع کے ساتھ ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کی حیات بغیر انقطاع کے ہے۔

اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر میں اور اہلِ جنت کو جنت میں زندہ ماننے سے اللہ تعالیٰ کی صفت حیات میں شراکت لازم نہیں آتی۔

[2]: قدرت

اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ مخلوق میں سے کوئی بھی چیز اس کی قدرت سے باہر نہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ

سورۃ البقرۃ:20

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

فائدہ:

یہاں ایک بات بطور فائدہ سمجھنا ضروری ہے کہ جب ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے تو اس قدرت کا تعلق ممکنات کے ساتھ ہوتا ہے، واجبات اور محالات کے ساتھ نہیں ہوتا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ واجب اور محال میں اپنے ماسوا کی تاثیر کو قبول کرنے کی صلاحیت ہی نہیں ہوتی۔ جیسے سورج میں یہ خاصیت ہے کہ وہ ہر چیز کو گرم کرتا ہے لیکن ایسا سنگ مرمر جس میں سورج کی تپش کو قبول کرنے کی صلاحیت ہی نہیں ہے وہ جون جولائی کی گرمی میں عین دوپہر کے وقت بھی ٹھنڈا رہتا ہے۔ اس لیے جب کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے تو یہ سوال پیدا نہ ہونا چاہیے کہ جب قادر ہے تو کیا اپنے جیسا اور خدا پیدا کرنے پر بھی قادر ہے یا اپنی ذات کو ختم کرنے پر بھی قادر ہے؟ - العیاذ باللہ - اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا وجود واجب ہے اور خدائی صفات رکھنے والے کسی اور "خدا" کا وجود ممتنع اور محال ہے۔ اس لیے قدرت کا تعلق ان کے ساتھ ہو گا ہی نہیں اس لیے یہ سوال ہی بے جا تصور ہو گا۔

[3]: علم

اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا علم ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے کائنات کو پیدا نہیں فرمایا تھا تب بھی اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ کس کس مخلوق کو پیدا کروں گا اور وہ کیا کام کرے گی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کو ازل سے لے کر ابد تک کے تمام واقعات و احوال کا علم ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ

سورۃ آل عمران:29

ترجمہ: آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے۔

[4]: کلام

صفت کلام اللہ تعالیٰ کی وہ صفت ہے جو الفاظ اور حروف سے مرکب نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ازل سے قائم ہے۔ جسے "کلام نفسی" کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

يٰمُوْسٰى اِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِيْ وَبِكَلَامِيْ

سورۃ الاعراف:144

ترجمہ: اے موسیٰ! میں نے اپنا پیغام پہنچانے اور کلام کرنے کے لیے لوگوں میں سے آپ کو چنا ہے۔

کلام اصل میں "کلام نفسی" ہی ہوتا ہے۔ کلام لفظی اس کلام نفسی پر دلالت کرتا ہے۔

معروف شاعر غیاث بن غوث تغلبی المعروف اخطل (ت98ھ) کا شعر ہے:

اِنَّ الْكَلَامَ لَفِي الْفُؤَادِ وَاِنَّمَا جُعِلَ اللِّسَانُ عَلَى الْفُؤَادِ دَلِيْلَا

شرح المقاصد: ج2 ص102

ترجمہ: کلام تو دل میں ہوتا ہے اور زبان کو دل (کے اس کلام) پر دلیل بنایا گیا ہے۔

کلامِ نفسی کو مخلوق تک پہنچانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اسے الفاظ اور حروف کا لباس عطا فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کلامِ نفسی بھی قدیم ہے اور اس پر الفاظ و حروف کا لباس بھی قدیم ہے البتہ مخلوق کا اس کو پڑھنا اور کتابت کرنا حادث ہے۔

یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ مخلوق بھی کلام کرتی ہے اور باری تعالیٰ بھی کلام کرتے ہیں لیکن مخلوق کا کلام کرنا زبان، الفاظ، آواز وغیرہ کا محتاج ہے۔ اگر زبان نہ ہو، الفاظ نہ ہوں یا آواز بند ہو تو مخلوق کلام نہیں کر سکتی۔ اللہ تعالیٰ کا کلام کرنا ایسے نہیں

بلکہ اللہ تعالیٰ کلام فرماتے ہیں لیکن زبان، الفاظ اور آواز کے محتاج نہیں۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَىْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ

سورۃ الشوریٰ:11

ترجمہ: اللہ کی مثل کوئی چیز نہیں، وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

[5]: سمع

اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کی نداء کو سنتے ہیں۔ یہ سننا بھی مخلوق کے سننے کی طرح نہیں کیونکہ مخلوق سننے میں کان کی محتاج ہے جبکہ اللہ تعالیٰ بغیر کان کے سنتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ

سورۃ البقرۃ:224

ترجمہ: اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

[6]: بصر

مخلوق دیکھنے میں آنکھ اور بینائی کی محتاج ہے لیکن باری تعالیٰ کا معاملہ ایسا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ دیکھتے ہیں لیکن آنکھ اور قوت بصر کے محتاج نہیں بلکہ بغیر آنکھ کے دیکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

اِنَّهٗ بِكُلِّ شَىْءٍۢ بَصِيْرٌ

سورۃ الملک:19

ترجمہ: بے شک وہ ہر چیز کو دیکھنے والا ہے۔

[7]: ارادہ

اللہ تعالیٰ اپنے ارادے میں کسی زمان و مکان یا مخلوق کے پابند و محتاج نہیں بلکہ جس چیز کا جب ارادہ فرمائیں فرما سکتے ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ ارادہ فرمائیں کہ فلاں شخص کو فلاں زمانے میں پیدا کرنا ہے تو یہ ارادہ مخلوق کا پابند نہیں کہ مخلوق چاہے گی تب فلاں شخص فلاں زمانے میں پیدا ہو گا بلکہ یہ ارادہ مخلوق کی پابندی اور احتیاج کے بغیر ہی وقوع پذیر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ

سورۃ البروج:16

ترجمہ: اللہ جس چیز کا ارادہ کرتا ہے اسے کر ڈالتا ہے۔

مزید ارشاد فرمایا:

اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ

سورۃ یٰسین:82

ترجمہ: اس کا معاملہ تو یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو صرف اتنا کہتا ہے: ہو جا! بس وہ ہو جاتی ہے۔

اشکال: اس آیت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کا ارادہ فرما کر لفظ "کُنۡ" ارشاد فرماتے ہیں تو وہ چیز فوراً ہو جاتی ہے حالانکہ ایسا نہیں کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ مثلاً اللہ تعالیٰ کسی ماں کو بیٹا عطا کرنے کا ارادہ فرمائیں تو بچے کی پیدائش میں نو ماہ لگ جاتے ہیں۔ آسمان و زمین کو پیدا فرمانے کے لیے لفظ "کُنۡ" فرمایا تھا تو فوراً بننا چاہیے تھا حالانکہ آسمان و زمین چھے دنوں میں بنے ہیں کما قال تعالیٰ:

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ

سورۃ الاعراف:54

ترجمہ: آپ کا رب وہ ذات ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھے دن میں پیدا کیا۔

جواب: اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کا ارادہ فرماتے ہوئے لفظ "کُنْ" ارشاد فرماتے ہیں تو اس میں اس چیز کے وقوع پذیر ہونے کی مدت بھی ملحوظ ہوتی ہے۔ جیسے کسی عورت کو بچہ عطا فرمانے کا ارادہ فرماتے ہیں تو لفظ "کُنْ" ارشاد فرماتے ہیں۔ اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ بچہ مثلاً نو ماہ میں پیدا ہو جائے۔ اسی طرح جب آسمان و زمین کی تخلیق کا ارادہ فرمایا تو لفظ "کُنْ" کہنے میں چھے دنوں کی مدت بھی ملحوظ تھی۔ تو ارادہ کرنے میں لفظ "کُنْ" فرماتے ہوئے مدت بھی ملحوظ ہوتی ہے۔

قَوْلُہٗ: وَأَمَّا الْفِعْلِيَّةُ فَالتَّخْلِيْقُ وَالتَّرْزِيْقُ وَالْإِنْشَاءُ

صفات فعلیہ:

وہ صفات ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ موصوف ہو اور ان کی ضد کے ساتھ بھی موصوف ہو لیکن ان کا وقوع اللہ تعالیٰ کے غیر پر ہوتا ہو۔ صفاتِ فعلیہ کئی ہیں جن میں سے چند ایک کا تذکرہ کیا جا رہا ہے:

[1]: تخلیق

تخلیق کا معنیٰ ہے "پیدا کرنا"۔ تخلیق سے مراد ایسی پیدائش عمل میں لانا ہے جس میں مخلوق کے متعلقات و ضروریات کو بھی ملحوظ رکھا جائے۔ مثلاً جب انسان کو پیدا فرمایا تو اس کی جسمانی ساخت، سر، دھڑ، ہاتھ، پاؤں وغیرہ، اسی طرح رزق، عزت، ذلت، بلندی، پستی جیسی چیزوں کو بھی مقرر فرمایا۔ نیز مخلوقات کو جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے ان کی پیدائش بھی صفتِ تخلیق میں ملحوظ ہوتی ہے۔

اس کی طرف اس آیت میں اشارہ ملتا ہے:

اِنَّا کُلَّ شَیۡءٍ خَلَقۡنٰہُ بِقَدَرٍ

القمر:49

ترجمہ: ہم نے ہر چیز کو ناپ تول کر پیدا فرمایا ہے۔

اسی طرح سے صفتِ تخلیق میں یہ بات بھی ملحوظ ہوتی ہے کہ جس چیز کو پیدا کیا جارہا ہے اس کی کوئی مثال پہلے موجود نہ ہو۔ بغیر کسی مثال کے اشیاء کو بنانا تخلیق ہے۔ اس معنی کی طرف اشارہ اس آیت میں موجود ہے:

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ

سورۃ الانعام:1

ترجمہ: تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا (ان کی پیدائش سے پہلے کوئی مثال موجود نہ تھی)

اس لیے صفت تخلیق کا معنیٰ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو ان کے متعلقات وضروریات کے ساتھ پیدا فرمایا اور ایسی پیدائش عمل میں لائے کہ جس کی مثال پہلے موجود نہ تھی۔

فائدہ: امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے صفت ''تخلیق'' ذکر فرمائی ہے نہ کہ صفتِ ''خلق''۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ''خلق'' کا لفظ اگرچہ فعل کے معنی میں بھی مستعمل ہے لیکن اس سے معنی مفعول ''مخلوق'' بھی مراد لیا جاتا ہے لیکن چونکہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد محض فعل کو بیان کرنا تھا اس لیے لفظ ''تخلیق'' ذکر فرمایا ہے۔

[2]: ترزیق

''رزق عطا کرنا''۔ اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کو رزق عطا فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

هَلۡ مِنۡ خَالِقٍ غَیۡرُ اللّٰہِ یَرۡزُقُکُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا هُوَ ۫ۖ فَاَنّٰی

تُؤْفَكُوْنَ

سورۃ الفاطر:3

ترجمہ: کیا اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی اور تمہارا خالق ہے جو تمہیں آسمانوں اور زمین سے رزق دیتا ہو؟ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ تو تم کہاں بہکے جاتے ہو؟

[3]: انشاء

"انشاء" سے مراد ایسی پیدائش ہے جس میں مخلوق کو وجود میں لانے کے ساتھ ساتھ اس میں نمو اور افزائش کو بھی ملحوظ رکھا جائے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کسی چیز کو عدم سے وجود میں لا کر اس کی نشو ونما اور افزائش کا بھی خیال فرمائیں تو یہ صفت "انشاء" کا اظہار ہو گا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

قُلْ هُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَكُمْ وَ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ

سورۃ الملک:23

ترجمہ: فرما دیجیے کہ وہی تو ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے کان، آنکھیں اور دل بنائے لیکن تم لوگ بہت کم شکر ادا کرتے ہو!

فائدہ: "انشاء" کا ایک معنی مطلق پیدا کرنا بھی ہے چاہے اس چیز کا مواد اور نقشہ پہلے سے موجود ہو یا نہ ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

قُلْ یُحْیِیْهَا الَّذِیْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ وَ هُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِیْمُ

سورۃ یٰسین:79

ترجمہ: آپ فرما دیجیے ان (بوسیدہ ہڈیوں) کو وہی زندہ کرے گا جس نے انہیں پہلی مرتبہ پیدا فرمایا تھا اور وہ تخلیق کے متعلق تمام امور جانتا ہے۔

یہاں "انشاء" کا لفظ اس پیدائش پر بولا گیا ہے جس کی مثال پہلے موجود نہیں

تھی۔ مواد اور مثال پہلے موجود ہو پھر پیدا کیا جائے تو اس بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ملاحظہ ہو:

وَاَنَّ عَلَيْهِ النَّشْاَةَ الْاُخْرٰى

سورۃ النجم:47

ترجمہ: اور دوسری مرتبہ زندگی دینے کی ذمہ داری بھی خدا کے سپرد ہے۔

انسان اجزاء میں تبدیل ہو جائے تو انہی اجزاء کو دوبارہ جمع کر کے سابقہ شکل میں لانا خدا تعالیٰ ہی کا فعل ہے۔ جس شخص کو حیاتِ نو عطا کی جائے گی اس کا مادہ اور شکل وصورت پہلے سے موجود ہو گی۔

[4]:ابداع

کسی چیز کو از سر نو پیدا کرنا یعنی کسی چیز کا نمونہ پہلے موجود نہ ہو تو اسے وجود عطا کرنا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

سورۃ البقرۃ:117

ترجمہ: (اللہ تعالیٰ ہی ہے) جو آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والا ہے۔

[5]:صنع

کسی چیز کو حسنِ سلیقہ اور کاریگری سے بنانا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ

سورۃ النمل:88

ترجمہ: (یہ تمام چیزیں) اللہ تعالیٰ کی کاریگری ہیں جس نے ہر چیز کو حسنِ سلیقہ سے پیدا فرمایا۔

تخلیق، انشاء، ابداع اور صنع میں فرق

تمام ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے کسی چیز کو عدم سے وجود میں لانا "تخلیق" ہے۔
بڑھوتری اور نمو کو مد نظر رکھتے ہوئے کسی چیز کو عدم سے وجود میں لانا "انشاء" ہے۔
بغیر کسی سابق نمونہ کے کسی چیز کو عدم سے وجود میں لانا "ابداع" ہے۔
کسی چیز کو حسنِ سلیقہ سے عدم سے وجود میں لانا "صنع" ہے۔

قَوْلُہٗ: وَغَيْرُ ذٰلِكَ مِنْ صِفَاتِ الْفِعْلِ

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے صفاتِ فعلیہ میں سے پانچ صفات ذکر فرما کر باقی صفات کی طرف بھی اشارہ فرمادیا کہ جس طرح یہ صفات ہیں اسی طرح اور صفات فعلیہ بھی موجود ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ موصوف ہیں۔ دیگر صفات میں اِحیاء (زندہ کرنا)، اِماتت (مارنا)، اِنبات (پیدا کرنا)، اِھداء (ہدایت دینا)، اِضلال (گمراہ کرنا)، اِعزاز (عزت دینا) اور اِذلال (ذلت دینا)، اِنماء (پرورش کرنا اور بڑھانا)، اِرواء (سیراب کرنا) وغیرہ جیسی صفات شامل ہیں۔

سوال: بعض صفات ایسی ہیں جو مُتَشابہات بھی نہیں ہیں اور محکمات کی دونوں قسموں یعنی ذاتیہ اور فعلیہ کے ساتھ بھی نہیں آتیں۔ مثلاً حکیم اور خبیر۔ اب یہ مُتَشابہات بھی نہیں ہیں کیونکہ ان کا معنی واضح ہے اور انہیں محکمات بھی نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہ صفاتِ ذاتیہ بھی نہیں کیونکہ ذاتیہ تو سات ہیں اور یہ صفات فعلیہ بھی نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ صفت حکیم اور صفت خبیر کی ضد کے ساتھ موصوف نہیں ہو سکتے۔ تو ان صفات کو کون سی صفات کہیں گے؟

جواب: یہ جو سات صفات ذاتیہ ہیں یہ "ام الصفات" ہیں، باقی تمام صفات جو مُتَشابہات نہیں اور محکماتِ فعلیہ بھی نہیں وہ ان سات صفاتِ ذاتیہ کے تحت داخل ہو

جائیں گی جیسے صفت خبیر، علیم یہ صفت "علم" کے تحت داخل ہیں۔

قَوْلُهُ: لَمْ يَزَلْ وَلَا يَزَالُ بِصِفَاتِهِ وَأَسْمَائِهِ

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرمارہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے اسماء اور صفات کے ساتھ ہمیشہ سے متصف ہے اور ہمیشہ متصف رہے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنی صفات ذاتیہ مثلاً حیات، قدرت، علم وغیرہ کے ساتھ ہمیشہ سے متصف رہا ہے۔ کوئی ایسا لمحہ نہیں گزرا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات تو موجود ہو لیکن اس میں حیات نہ ہو- معاذ اللہ- یا قدرت اور علم سے متصف نہ رہا ہو... ایسا ہر گز نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اپنی صفات کے ساتھ ہمیشہ سے متصف ہے۔ نیز صفاتِ فعلیہ سے بھی ہمیشہ متصف رہا ہے اور ہمیشہ متصف رہے گا۔

قَوْلُهُ: لَمْ يَحْدُثْ لَهُ صِفَةٌ وَلَا اسْمٌ

اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرح اللہ تعالیٰ کی صفات و اسماء بھی قدیم ہیں۔

دلیل نمبر 1: اگر اللہ تعالیٰ کی صفات کو قدیم نہ مانا جائے تو لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ پر ایک وقت ایسا گزرا ہے کہ اللہ تعالیٰ موجود تھے لیکن صفتِ علم نہ تھی- معاذ اللہ- تو اس سے اللہ تعالیٰ کا صفاتِ کمال کے بغیر ہونا لازم آئے گا اور یہ نقص ہے جبکہ اللہ تعالیٰ تمام نقائص سے پاک ہے۔

دلیل نمبر 2: اگر یہ کہا جائے کہ فلاں صفت اللہ تعالیٰ میں پہلے نہ تھی، بعد میں پیدا ہوئی ہے تو لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ میں یہ صفت کسی عارض کی بنا پر نہ تھی، وہ عارض رفع ہوا یا موجود ہوا تب یہ صفت ظاہر ہوئی۔ تو اس میں احتیاج لازم آئے گی حالانکہ اللہ تعالیٰ محتاجی سے پاک صمد اور بے نیاز ذات ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کو تمام صفات و اسماء کے ساتھ ازلی اور ابدی ماننا لازم ہے اور یہ ماننا بھی لازم ہے کہ کوئی صفت ایسی نہیں جو اللہ تعالیٰ میں پہلے نہ ہو بعد میں پیدا ہوئی ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کو تمام صفات کے ساتھ قدیم ماننا لازم ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفات کا ازلی ہونا

لَمْ یَزَلْ عَالِمًا بِعِلْمِهٖ وَالْعِلْمُ صِفَةٌ فِي الْأَزَلِ وَقَادِرًا بِقُدْرَتِهٖ وَالْقُدْرَةُ صِفَةٌ فِي الْأَزَلِ وَمُتَكَلِّمًا بِكَلَامِهٖ وَالْكَلَامُ صِفَةٌ فِي الْأَزَلِ وَخَالِقًا بِتَخْلِيْقِهٖ وَالتَّخْلِيْقُ صِفَةٌ فِي الْأَزَلِ وَفَاعِلًا بِفِعْلِهٖ وَالْفِعْلُ صِفَةٌ فِي الْأَزَلِ وَالْفَاعِلُ هُوَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَالْفِعْلُ صِفَةٌ فِي الْأَزَلِ وَالْمَفْعُوْلُ مَخْلُوْقٌ وَفِعْلُ اللّٰهِ تَعَالٰى غَيْرُ مَخْلُوْقٍ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنے علم کے ساتھ موصوف ہو کر عالم رہا ہے اور علم اس کی ازلی (دائمی) صفت ہے۔ وہ ہمیشہ اپنی قدرت کے ساتھ موصوف ہو کر قادر رہا ہے اور قدرت اس کی ازلی صفت ہے۔ وہ ہمیشہ اپنے کلام کے ساتھ موصوف ہو کر متکلم رہا ہے اور کلام اس کی ازلی صفت ہے۔ وہ ہمیشہ اپنی صفتِ تخلیق کے ساتھ موصوف رہ کر خالق رہا ہے اور تخلیق اس کی ازلی صفت ہے۔ وہ ہمیشہ اپنے فعل کے ساتھ موصوف ہو کر فاعل رہا ہے اور فعل اس کی ازلی صفت ہے۔ فاعل خود اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، فعل اس کی ازلی صفت ہے اور مفعول مخلوق ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا فعل مخلوق نہیں ہے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے قدیم ہونے کو تفصیل سے بیان فرما رہے ہیں۔ ماقبل میں دو قسم کی صفات کا تذکرہ کیا تھا: صفات ذاتیہ اور صفات فعلیہ۔ ان ہر دو قسم کی صفات کا تعلق چونکہ ذاتِ باری تعالیٰ کے ساتھ ہے اس لیے ذات کی طرح یہ صفات بھی قدیم اور ازلی ہیں۔ چنانچہ علم، قدرت، کلام، تخلیق وغیرہ ایسی صفات ہیں جن سے اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے موصوف رہا ہے اور یہ صفات ازلی اور دائمی ہیں۔

وضاحت:

یہاں ایک بات کی وضاحت امام صاحب نے فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی فعل سر انجام دیتے ہیں تو ذاتِ باری تعالیٰ "فاعل" ہوئے اور جو فعل سر انجام دیا وہ "صفت" ہوئی۔ یہ صفت ذات باری تعالیٰ کے ساتھ ازل سے قائم ہونے کی وجہ سے ازلی ہے البتہ فعل کا صدور جس چیز پر واقع ہوا ہے یعنی "مفعول" وہ یقیناً حادث ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کو پیدا فرمایا تو اللہ تعالیٰ خالق ہیں، تخلیق کا فعل یہ صفتِ باری تعالیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ ازل سے اس صفت کے ساتھ موصوف ہیں اس لیے صفت تخلیق قدیم ہوئی البتہ جب اس صفت کا اظہار ہوا اور مخلوق معرض وجود میں آئی تو مخلوق حادث ٹھہری۔ "مخلوق" کے حادث ہونے کی بنا پر ذات باری تعالیٰ اور صفات باری تعالیٰ حادث نہیں کہلائیں گے بلکہ ذات وصفاتِ باری تعالیٰ قدیم ہی ہوں گے۔ یہی حال اللہ تعالیٰ کی باقی صفات کا ہے۔

صفاتِ باری تعالیٰ کا مخلوق نہ ہونا

وَصِفَاتُهُ فِي الْأَزَلِ غَيْرُ مُحْدَثَةٍ وَلَا مَخْلُوقَةٍ وَمَنْ قَالَ إِنَّهَا مَخْلُوقَةٌ أَوْ مُحْدَثَةٌ أَوْ وَقَفَ أَوْ شَكَّ فِيهِمَا فَهُوَ كَافِرٌ بِاللهِ تَعَالٰى

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی صفات ازلی ہیں، نہ حادث ہیں نہ مخلوق۔ اس لیے جو شخص یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات مخلوق ہیں یا حادث ہیں، یا ان کے بارے میں توقف اختیار کرے یا ان میں کسی قسم کا شک وشبہ ظاہر کرے تو ایسا شخص کافر اور خدا تعالیٰ کا منکر ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفات اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرح ازلی ہیں۔ اگر ان کے بارے

میں یہ عقیدہ رکھا جائے کہ یہ صفات بعد میں پیدا ہوئی ہیں، ازل سے موجود نہ تھیں یا اس بارے میں توقف کیا جائے یعنی خاموشی اختیار کی جائے یا شک کیا جائے کہ نامعلوم یہ ازلی ہیں یا بعد میں پیدا ہوئی ہیں تو یہ موقف ذات باری تعالیٰ کا انکار کرنے کے مترادف ہے اور کفر ہے۔

سوال:

ایک شخص اللہ تعالیٰ کی صفات کو مخلوق یا محدث مانے یا اس بارے میں توقف یا شک کرے کہ نامعلوم یہ مخلوق ہیں یا نہیں تو یہ ذاتِ باری تعالیٰ کا انکار کیسے ہے؟ کیونکہ یہ شخص ذات کو تو مان رہا ہے۔

جواب:

صفات باری تعالیٰ کے مخلوق ہونے کا عقیدہ یا ان کے ازلی ہونے میں توقف اور شک کا اعتقاد رکھنا دراصل باری تعالیٰ کے بارے میں یہ اعتقاد رکھنا ہے کہ ذات باری تعالیٰ کسی وقت صفاتِ کمال سے متصف نہ تھے اور یہ بات یقیناً باری تعالیٰ کو باکمال نہ ماننے کے مترادف ہے، اس لیے اس کے کفر ہونے میں کوئی شک نہیں۔ تو اللہ تعالیٰ کے انکار کرنے کا مطلب اللہ تعالیٰ کو باکمال ماننے کا انکار ہے۔

فائدہ:

اس عبارت میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اس بات پر بھی تنبیہ فرما رہے ہیں کہ عقیدے کے معاملے میں انسان کو شکوک و شبہات اور توقفات سے بالکل دور رہنا چاہیے۔ صحیح عقیدہ کی حقانیت کا اعتقاد رکھتے ہوئے تہ دل سے اسے تسلیم کرنے میں ہی نجات اور کامیابی ہے۔

قرآن مجید کی تعریف

وَالْقُرْاٰنُ كَلَامُ اللّٰهِ تَعَالٰى فِي الْمَصَاحِفِ مَكْتُوْبٌ وَفِي الْقُلُوْبِ مَحْفُوْظٌ وَعَلَى الْأَلْسُنِ مَقْرُوْءٌ وَعَلَى النَّبِيِّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ مُنَزَّلٌ

ترجمہ: قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو مصاحف میں لکھا گیا ہے، دلوں میں محفوظ ہے، زبانوں کے ذریعے اس کی تلاوت کی جاتی ہے اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے۔

قَوْلُهٗ: كَلَامُ اللّٰهِ تَعَالٰى

فائدہ نمبر 1: قرآن کریم کے متعلق اہل السنۃ والجماعۃ کا موقف یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

فائدہ نمبر 2: کلام اللہ تعالیٰ کی صفاتِ ذاتیہ میں سے ایک صفت ہے۔

فائدہ نمبر 3: "کلام اللہ" ازلی اور قدیم ہے۔ اس لیے قرآن مجید بھی صفتِ باری تعالیٰ ہونے کی وجہ سے ازلی اور قدیم ہے۔

قَوْلُهٗ: فِي الْمَصَاحِفِ مَكْتُوْبٌ

فائدہ نمبر 1: "مصاحف" مصحف کی جمع ہے۔ "مصحف" سے مراد اوراق کا وہ مجموعہ ہے جس میں قرآن مجید کو لکھا گیا تھا۔

فائدہ نمبر 2: "الْمَصَاحِفِ" پر الف لام عہد خارجی کا ہے۔

فائدہ نمبر 3: المصاحف سے مراد سات مشہور مصاحف ہیں جو قراء سبعہ نے جمع کیے ہیں۔

قراء سبعہ کا تعارف:

قراء سبعہ کا مختصراً تذکرہ درج ذیل ہے:

[1]: قاری عبد اللہ بن عامر بن یزید الیَحصُبِی الدمشقی الشامی (ت118ھ)

شمالی اردن کے چھوٹے سے قصبے ”رحاب“ میں 21ھ میں پیدا ہوئے۔ کئی اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کی ملاقات سے مشرف ہوئے جن میں حضرت معاویہ بن ابی سفیان، حضرت نعمان بن بشیر، حضرت واثلہ بن الاسقع، حضرت ابو الدرداء اور حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔ آپ ”امام اہل الشام“ اور ”شیخ القراء“ کے لقب سے معروف تھے۔ امیر المؤمنین عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کے دورِ خلافت سے پہلے اور بعد میں کئی سالوں تک دمشق کی جامع مسجد میں امامت کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ فنِ قراءت کے ساتھ ساتھ فنِ حدیث میں بھی امامت اور ثقاہت کا درجہ حاصل تھا۔ آپ کے اساتذہ میں حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ، مغیرہ بن ابی الشہاب المخزومی اور فضالہ بن عبید رحمہم اللہ شامل ہیں۔

آپ سے روایت کرنے والے دو راوی ہیں:

۱... امام عبد اللہ بن احمد بن بشیر بن ذکوان القرشی الدمشقی (ت242ھ)

۲... امام ابو الولید ہشام بن عمار بن نصیر بن میسرۃ السلمی الدمشقی (ت245ھ)

[2]: قاری ابو معبد عبد اللہ بن کثیر بن عمرو الداری المکی (ت120ھ)

آپ 45ھ میں مکہ میں پیدا ہوئے۔ کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زیارت کی جن میں حضرت ابو ایوب انصاری، حضرت عبد اللہ بن زبیر، حضرت عبد اللہ بن

سائب المخزومی اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہم خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ آپ مکہ میں عطر فروشی کا کام کرتے تھے۔ اہلِ مکہ عطر فروش کو "الداری" کہتے تھے، اس لیے آپ "الداری" کے لقب سے معروف ہوئے۔ آپ اپنی وفات تک مکہ مکرمہ میں فنِ قرأت میں امامت کے درجہ پر فائز رہے۔ علم قرأت کے ساتھ ساتھ قرآن، حدیث اور لغتِ عربیہ میں بھی عمدہ مہارت کے حامل تھے۔ آپ نے علمِ قرأت صحابیِ رسول حضرت عبد اللہ بن سائب المخزومی رضی اللہ عنہ اور دیگر جلیل القدر تابعین سے حاصل کیا جن میں امام مجاہد بن جَبُر المکی اور امام عکرمہ مولی ابن عباس رحمہما اللہ خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔

آپ سے روایت کرنے والے دو راوی ہیں:

ا.... امام احمد بن محمد بن عبد اللہ البزی (ت 250ھ)

۲.... امام محمد بن عبد الرحمٰن بن محمد المکی المخزومی المعروف "قنبل" (ت 291ھ)

[3]: قاری عاصم بن أبي النَّجُوْد الاسدی الکوفی (ت 127ھ)

آپ کے ابتدائی حالات مفقود ہیں۔ اتنا ضرور ملتا ہے کہ آپ کی پیدائش دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہوئی اور آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کسبِ فیض کیا ہے۔ فنِ قرأت میں جلالتِ شان کی وجہ سے قراءِ سبعہ میں آپ کو اولین مقام حاصل ہے حتی کہ آپ قاری حمزہ زیات اور امام کسائی جیسے سلاطینِ فن پر بھی فوقیت رکھتے تھے۔ پچاس برس تک امت کو فنِ قرأت سے فیض یاب کرتے رہے۔ فنِ قرأت کے ساتھ ساتھ قرآن، حدیث، علم فقہ، لغت عربیہ، صرف اور نحو میں بھی عمدہ مہارت کے حامل تھے۔ آپ کے اساتذہ میں امام ابو عبد الرحمٰن السُلَمی، ابو مریم زِر بن حُبیش الاسدی، ابو عمرو الشیبانی، حارث بن حسان البِکری رحمہم اللہ شامل ہیں۔ ایک امت

آپ کے علم سے فیض یاب ہوئی۔ مشہور تلامذہ اَبان بن ابو ثعلب، اَبان بن یزید، اسماعیل بن مجاہد، سفیان بن عیینہ، حمزہ بن حبیب اور سعید بن ابو عروبہ رحمہم اللہ ہیں۔

آپ کی قرأت کے دو راوی مشہور ہیں:

ا... امام حفص بن سلیمان بن مغیرہ بن الاسدی الکوفی (ت180ھ)

۲... امام ابو بکر شعبہ بن عیاش بن سالم الاسدی الکوفی (ت193)

[4]: قاری ابو عمرو زَبّان بن العلاء بن عمار البصری (ت154ھ)

آپ 68ھ یا 70ھ ہجری میں مکہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا بچپن بصرہ میں گزرا۔ آپ نے کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زیارت کی جن میں خصوصیت سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا نام ملتا ہے۔ آپ پر وقار، بارعب اور عمدہ خصائل وصفات کی حامل شخصیت تھے۔ مشہور ادیب اور لغوی اصمعی فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں دیکھا۔ علم قرأت کے ساتھ ساتھ نحو اور فقہ میں بھی یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ آپ کے اساتذہ کی تعداد شمار سے باہر ہے کیونکہ آپ نے مکہ، مدینہ، کوفہ اور بصرہ کے جلیل القدر اعیانِ فن کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا ہے۔ اس لیے قراءِ سبعہ میں سب سے زیادہ اساتذہ آپ ہی کے شمار کیے جاتے ہیں۔ معروف اساتذہ حسن بن ابو الحسن بصری، حمید بن قیس الاعرج، سعید بن جبیر، شیبہ بن نصاح، عاصم بن ابی النجود، عبد اللہ بن کثیر مکی، عطا بن ابی رباح، مجاہد بن جبر المکی، یحییٰ بن یعمُر رحمہم اللہ ہیں۔ آپ سے روایت کرنے والے دو راوی ہیں:

ا... امام ابو عمر حفص بن عمر بن عبد العزیز الدوری الازدی (ت246ھ)

۲... امام صالح بن زیاد بن عبد اللہ بن سوسی (ت261ھ)

[5]: قاری حمزہ بن حبیب بن عُمارۃ الزیات الکوفی (ت156ھ)

آپ خلیفہ ہشام بن عبد الملک کے دور خلافت میں 80ھ میں حلوان میں پیدا ہوئے۔ بعض مؤرخین نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ملاقات کی ہے، اس لیے انہوں نے آپ کو تابعین میں شمار کیا ہے۔ آپ عابد، زاہد، متقی اور پرہیز گار انسان تھے۔ آپ کی قرأت مستند ترین قرأتوں میں سے ایک ہے۔ فنِ قرأت کے علاوہ قرآن، حدیث، عربی ادب اور علم المیراث میں بھی عمدہ مہارت کے حامل تھے۔ آپ تیل کا کاروبار کرنے کی وجہ سے "الزیات" کہلائے۔ آپ زیتون کا تیل کوفہ سے حلوان لے جاتے اور واپسی پر حلوان سے پنیر اور اخروٹ کوفہ لاتے تھے۔ یہی آپ کا ذریعہ معاش تھا۔ آپ کے اساتذہ میں امام سلیمان بن مہران الاعمش، امام حُمران بن اُعیُن الشیبانی، امام محمد بن عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ، اور امام ابو عبد اللہ جعفر الصادق رحمہم اللہ زیادہ معروف ہیں۔ مشہور شاگرد عبد اللہ بن مبارک، سفیان ثوری، یحییٰ بن مبارک اور علی بن حمزہ الکسائی رحمہم اللہ ہیں۔

آپ کی قرأت کے دو راوی معروف ہیں:

۱... امام ابو عیسیٰ خلاد بن خالد الشیبانی الکوفی (ت220ھ)

۲... امام ابو محمد خلف بن ہشام بن ثعلب الاسدی البغدادی البزار (ت229ھ)

[6]: قاری ابو رُوَیم نافع بن عبد الرحمٰن اللیثی المدنی (ت169ھ)

آپ رحمۃ اللہ علیہ 70ھ کے قرب وجوار میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ عمر عزیز کے 70 سال فنِ قرأت کی خدمت میں گزار دیے۔ 60 سال تک مسجد نبوی میں امامت کے فرائض سر انجام دیتے رہے۔ آپ زہد و تقویٰ، جود و سخا اور اخلاق حسنہ میں اپنی مثال آپ تھے۔ آپ نے تقریباً 70 تابعین سے فنِ قرأت حاصل کیا۔ آپ

کے اساتذہ میں امام ابو جعفر، امام شیبہ بن نصاح، امام یزید بن رومان، امام محمد بن مسلم بن شہاب الزہری اور عبد الرحمن بن ہرمز الاعرج رحمہم اللہ جیسے اکابرین شامل ہیں۔ ایک عالَم نے آپ سے کسبِ فیض کیا جن میں امام مالک، امام لیث بن سعد، امام ابو عمرو بن العلاء، امام عیسیٰ بن وردان، امام سلیمان بن مسلم بن جماز رحمہم اللہ قابل ذکر ہیں۔

قرأت میں آپ کے کئی شاگرد ہیں لیکن قرأت کو روایت کرنے والے مشہور شاگرد دو ہیں:

ا...امام عیسیٰ بن میناوردان قالون (ت220ھ)

۲...امام عثمان بن سعید بن عبد اللہ ورش (ت197ھ)

[7]: امام ابو الحسن علی بن حمزہ الکسائی النحوی الکوفی (ت189)

آپ رحمۃ اللہ علیہ تقریباً120ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے۔ یہ اموی خلیفہ ہشام بن عبد الملک دورِ حکومت تھا۔ آپ کا شمار تابعین میں ہوتا ہے۔ قراءات سبعہ میں آپ کی قرأت کو خصوصی مقام حاصل ہے۔ آپ نے فنِ قرأت کے ساتھ ساتھ لغتِ عربی اور نحو میں بھی خوب مہارت حاصل کی اور درجہ امامت پر فائز ہوئے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا فرمان آپ کے بارے میں مشہور ہے کہ ”جو شخص فنِ نحو میں مہارت حاصل کرنا چاہتا ہو تو وہ امام کسائی کا محتاج ہے۔“

آپ نے علمِ قرأت خصوصی طور پر قاری حمزہ الزیات سے حاصل کیا اور ان کے نامور شاگردوں میں شمار ہوئے۔ اس کے علاوہ آپ کے اساتذہ میں عیسیٰ بن عمر ہمدانی، محمد بن عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ، ابو بکر بن عیاش الاسدی، امام سلیمان بن مہران الاعمش اور ابو حیوۃ شریح رحمہم اللہ بھی قابلِ ذکر ہیں۔

آپ کے شاگردوں میں ابو الحارث لیث بن خالد، ابو عمرو حفص الدوری،

نصیر بن یوسف الرازی، ابراہیم بن زاذان، قتیبہ بن مہران الاصفہانی، یعقوب الحضرمی، عبداللہ بن ذکوان رحمہم اللہ زیادہ معروف ہیں۔

آپ کی قرأت کے راوی یہ ہیں:

ا.... ابو الحارث لیث بن خالد مروزی بغدادی (ت 240ھ)

۲.... امام ابو عمر حفص بن عمر بن عبد العزیز الدوری الازدی (ت 246ھ)

آپ خلیفہ ہارون الرشید کے ساتھ خراسان جارہے تھے کہ فرشتہ اجل آن پہنچا۔ آپ نے مقامِ "رَے" کے قریب مقامِ "رنبویہ" میں 189ھ میں وفات پائی۔ وفات کے وقت آپ کی عمر 70 سال تھی۔ اسی دن نامور فقیہ اور آپ کے خالہ زاد بھائی امام محمد بن حسن الشیبانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی مقام پر وفات پائی۔ اس وقت خلیفہ ہارون الرشید نے ایک جملہ کہا تھا:

"دَفَنَّا الْفِقْهَ وَالنَّحْوَ فِي الرَّيِّ فِيْ يَوْمٍ وَاحِدٍ"

کہ ہم نے فقہ اور نحو کو ایک ہی دن مقامِ "رَے" میں دفن کر دیا۔

فائدہ نمبر 5: "فِي الْمَصَاحِفِ مَكْتُوْبٌ" کی قید کا فائدہ یہ ہے اس سے وہ آیات قرآن ہونے سے خارج ہو گئیں جن کی تلاوت تو منسوخ ہے لیکن حکم منسوخ نہیں۔

مثال نمبر 1: "اَلشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ إِذَا زَنَيَا فَارْجُمُوْهُمَا أَلْبَتَّةَ" اس لیے کہ یہ آیت ان مصاحف میں نہیں لکھی گئی۔

مثال نمبر 2: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں سورۃ المائدۃ آیت نمبر 89 "فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ؕ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ" میں

یہ الفاظ منقول ہیں:

"فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ مُتَتَابِعَاتٍ"

اس قرائت میں "مُتَتَابِعَاتٍ" (پے در پے روزے رکھنا) کے الفاظ چونکہ ان سات مصاحف میں لکھے ہوئے نہیں ہیں اس لیے انہیں قرآن نہیں کہیں گے۔

قَوْلُهٗ: وَفِي الْقُلُوْبِ مَحْفُوْظٌ

قرآن کریم وہ ہے جو دلوں میں محفوظ ہے۔ یعنی دل حافظہ کا مرکز ہے۔ اس کی دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ روایت ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الَّذِي لَيْسَ فِي جَوْفِهِ شَيْءٌ مِنَ الْقُرْآنِ كَالْبَيْتِ الْخَرِبِ.

سنن الترمذی: رقم الحدیث 2913

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے پیٹ (دل) میں قرآن شریف کا کوئی حصہ محفوظ نہیں وہ (دل) بمنزل ویران گھر کے ہے۔

اس حدیث میں "فِي جَوْفِهِ" (پیٹ میں) کا لفظ ہے حالانکہ مراد اس سے "فِيْ قَلْبِهٖ" (دل میں) یہ ایسے ہی ہے جیسے کلام عرب میں ظرف بول کر مظروف مراد لیا جائے۔ مثلاً "النهر جار" نہر بہہ رہی ہے حالانکہ بہتا پانی ہے۔ بالکل اسی طرح مقصود دل میں محفوظ ہونے کو بیان کرنا تھا تو لفظ "جوف" (پیٹ) لائے تو یہاں بھی مظروف (پیٹ) بول کر ظرف (دل) مراد لیا گیا ہے۔

حافظہ کا مرکز دل یا دماغ:

حافظہ کا مرکز دماغ ہے یا دل؟ اس حوالے سے ہماری رائے یہ ہے کہ دماغ

میں محفوظ ہونے کو عرف میں دل میں محفوظ ہونا کہہ دیتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دماغ تمام حواس کا مرکز ہے۔ جب کسی سے کوئی بات کہی جائے تو سننا کان کا کام ہے لیکن سنی ہوئی چیز دماغ کو منتقل ہو جاتی ہے۔ دیکھتی آنکھ ہے لیکن دیکھی ہوئی چیز دماغ میں منتقل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح حواس خمسہ ظاہرہ سے حاصل شدہ چیزیں دماغ میں منتقل ہو جاتی ہیں۔ اب اگر دماغ اس منتقل شدہ چیز کو اپنے پاس محفوظ رکھتے ہوئے دوسری جگہ محفوظ رکھنے کے لیے دل کے حوالے بھی کر دے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ چونکہ دماغ اور دل کا باہمی ربط قوی ہے اس لیے دل میں فہم اور حفظ کی صلاحیت بھی اسی وقت پیدا ہوتی ہے جب دماغ کام کر رہا ہو اور بیدار ہو۔ اس لیے باوجودیکہ سمجھتا دل ہے لیکن اس ربط کی وجہ سے فہم کی نسبت بعض مرتبہ دماغ کی طرف بھی کر دی جاتی ہے جیسے کم فہم شخص کو کہہ دیا جاتا ہے کہ "تیرا دماغ نہیں، اس لیے تو بات نہیں سمجھتا!" مقصد یہ ہوتا ہے کہ دماغ کے بغیر دل سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

تو قرآن پاک کان کے واسطے سے دماغ میں منتقل ہو اور دماغ اسے اپنے پاس محفوظ رکھتے ہوئے دل کے حوالے کر دے اور یہ دل بھی اسے محفوظ رکھ لے تو یہ عین ممکن ہے۔

قَوْلُهٗ: وَعَلَى الْأَلْسُنِ مَقْرُوْءٌ

فائدہ نمبر 1: قرآن مجید کی زبان کے ذریعے تلاوت کی جاتی ہے۔

فائدہ نمبر 2: قرآن مجید کی تلاوت حروف اور کلمات سے کی جاتی ہے۔

قَوْلُهٗ: وَعَلَى النَّبِيِّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ مُنَزَّلٌ

قرآن کریم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے۔

فائدہ نمبر 1: "مُنَزَّل" کا لفظ تنزیل سے ہے۔ اس کا معنی ہے تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا ہوا۔ قرآن مجید بھی حضرت جبرائیل علیہ السلام کے واسطے سے ضرورت و

مصلحت کے تحت مختلف اوقات میں تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا رہا ہے۔

فائدہ نمبر 2: ”مُنَزَّل“ کی قید سے غیر آسمانی کتابوں کو خارج کر دیا گیا۔

فائدہ نمبر 3: ”عَلَى النَّبِيِّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ“ کی قید سے ان کتب سماویہ کو خارج کر دیا گیا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دیگر انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوئیں جیسے تورات، زبور اور انجیل۔

فائدہ نمبر 4: قرآن کریم نے اپنے نزول کے لیے دو قسم کے الفاظ بیان کیے ہیں: انزال اور تنزیل

انزال:

”انزال“ کا معنی ”یکبارگی اتارنا“۔ قرآن کریم میں جہاں اِنزال کا لفظ ذکر ہوا ہے اس سے مراد قرآنِ کریم کا ”لوحِ محفوظ“ سے آسمانِ دنیا کی طرف نزول ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ فِىۡ لَيۡلَةِ الۡقَدۡرِ

سورۃ القدر: 1

ترجمہ: ہم نے اس (قرآن) کو شبِ قدر میں اتارا۔

تنزیل:

لفظِ ”تنزیل“ تدریجی (موقع بموقع) نزول کے لیے استعمال ہوا ہے۔ قرآن کریم میں جہاں تنزیل کا لفظ استعمال ہوا ہے وہاں قرآن کریم کا بیت العزت یعنی آسمان دنیا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب کی طرف نزول مراد ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَإِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ

سورۃ البقرۃ:97

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما دیجیے کہ جو کوئی جبرئیل علیہ السلام کا دشمن ہو تو اسے یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ جبرئیل نے تو یہ کلام اللہ کے حکم سے آپ کے دل پر اتارا ہے جو اپنے سے پہلے نازل شدہ کتب کی تصدیق کرتا ہے اور مؤمنین کے لیے سراپا ہدایت اور خوشخبری ہے۔

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد بن ایوب الشامی الطبرانی (ت 360ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا فِي قَوْلِهِ: "إِنَّآ أَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ" قَالَ: أُنْزِلَ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً حَتّٰى وُضِعَ فِي بَيْتِ الْعِزَّةِ فِي السَّمَاءِ الدُّنْيَا وَنَزَّلَهٗ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلٰى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

المعجم الکبیر للطبرانی، ج6 ص32 رقم الحدیث:12213

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سورۃ القدر کی تفسیر میں فرماتے ہیں: (لوح محفوظ سے) مکمل قرآن کریم آسمان دنیا کے بیت العزۃ میں اتارا گیا پھر حضرت جبرائیل امین علیہ السلام (واقعات کے مطابق موقع بموقع) آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کرتے رہے۔

فائدہ نمبر 5: قرآنی آیات کی ترتیب دو قسم کی ہے: ترتیبِ نزولی اور ترتیبِ وضعی۔

ترتیبِ نزولی: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے سورۃ العلق کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں، پھر سورۃ المزمل کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔ اسی طرح

یکے بعد دیگرے جس ترتیب سے آیات نازل ہوتی رہیں اس ترتیب کو "ترتیبِ نزولی" کہتے ہیں۔ ترتیبِ نزولی کے اعتبار سے پہلی وحی سورۃ العلق کی ابتدائی پانچ آیات ہیں۔ یہ سب سے پہلے نازل ہوئیں۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ

تفسیر القران الکریم لابن کثیر: ج6 ص492

ترتیبِ نزولی کے اعتبار سے آخری آیت سورت البقرۃ کی آیت نمبر 281 ہے "وَ اتَّقُوْا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِیْهِ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَ هُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ "

تفسیر القران الکریم لابن کثیر: ج1 ص157، الاتقان فی علوم القرآن للسیوطی: ج1 ص65

ترتیبِ وضعی: قرآن مجید کے نزول کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ حکم فرماتے تھے کہ اس سورت کو فلاں سورت سے پہلے یا بعد میں رکھ لیں۔ اس آیت کو فلاں آیت کے آگے یا پیچھے رکھ دیں۔ یہ ترتیبِ وضعی ہے۔ اس ترتیب کے اعتبار سے سورۃ الفاتحۃ پہلی سورت ہے:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّیْنَ

اور آخری سورت سورۃ الناس ہے:

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ مَلِكِ النَّاسِ اِلٰهِ النَّاسِ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ

فائدہ نمبر 6: قرآن کریم کے پانچ نام ہیں جو درج ذیل آیات میں مذکور ہیں:

1:الکتاب:

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ

سورۃ البقرۃ:2

ترجمہ: یہ (قرآن کریم) ایسی کتاب ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں ہے یہ باعث ہدایت ہے ان لوگوں کے لیے جو اللہ تعالی سے ڈرتے ہیں۔

2:الذکر:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ

سورۃ الحجر:9

ترجمہ: یقینی بات ہے کہ یہ ذکر (قرآن کریم) ہم ہی نے اتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

3:القرآن:

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَ يُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا

سورۃ الاسراء:9

ترجمہ: یقینی بات ہے کہ یہ قرآن وہ راستہ دکھاتا ہے جو سب سے زیادہ سیدھا ہے اور جو لوگ (اس قرآن کریم پر) ایمان لا کر نیک عمل کرتے ہیں یہ (قرآن) انہیں خوشخبری دیتا ہے کہ ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔

4:الفرقان:

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا

سورۃ الفرقان:1

ترجمہ: بہت برکتیں دینے والی ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر حق وباطل کا فیصلہ کردینے والی یہ کتاب نازل فرمائی تاکہ وہ دنیا جہان کے لوگوں کو باخبر کرسکے۔

5:التنزیل:

تَنۡزِيۡلَ الۡعَزِيۡزِ الرَّحِيۡمِ

سورۃ یٰس:5

ترجمہ: یہ (قرآن کریم) اس ذات کی طرف سے اتارا جارہا ہے جس کا اقتدار بھی کامل ہے اور اس کی رحمت بھی کامل ہے۔

فائدہ: بعض حضرات نے قرآن کریم کے نام زیادہ ذکر فرمائے ہیں۔ چند تصریحات ملاحظہ ہوں:

1: علامہ جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر السیوطی الشافعی (ت 911ھ) لکھتے ہیں:

وَقَالَ أَبُو الْمَعَالِي عُزَيْزِيُّ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ الْمَعْرُوفُ بِ "شَيْذَلَةَ" فِي كِتَابِ الْبُرْهَانِ: اعْلَمْ أَنَّ اللّٰهَ سَمَّى الْقُرْآنَ بِخَمْسَةٍ وَخَمْسِينَ اسْمًا.

الاتقان فی علوم القرآن للسیوطی: ج1 ص178 النوع السابع عشر

ترجمہ: علامہ ابو المعالی عزیزی بن عبد الملک المعروف "شیذلہ" [م494ھ] اپنی کتاب "البرہان" میں فرماتے ہیں: جان لیجیے! اللہ تعالیٰ نے قرآن کے پچپن نام ذکر کیے ہیں۔

2: علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی (ت 817ھ) لکھتے ہیں:

وَقَدْ ذَكَرَ اللّٰهُ تَعَالٰى لِلْقُرْآنِ مِائَةَ اسْمٍ.

بصائر ذوی التمیز فی لطائف الکتاب العزیز لمجد الدین الفیروزآبادی: ص61

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے قرآن کے ایک سو نام ذکر کیے ہیں۔

محاکمہ: دراصل ان حضرات نے "اسماء القرآن" اور "صفات القرآن" کو جمع کر دیا ہے، یعنی قرآن کریم کی صفات مثلاً مجید، کریم، حکیم وغیرہ کو نام ذکر کر کے تعداد اس حد تک پہنچائی ہے ورنہ درحقیقت قرآن کریم کے کل نام پانچ ہیں جو اوپر ذکر کر دیے گئے ہیں۔

فائدہ نمبر 7: قرآن کریم کا نام "قرآن" کیوں رکھا گیا ہے؟ اس کی دو وجوہات سامنے آئی ہیں۔

وجہ نمبر 1: قرآن؛ "قراءۃ" کی طرح مصدر ہے جس کا معنی ہے "پڑھنا"۔ کلامِ عرب میں مصدر کو اسم مفعول کے معنیٰ میں بکثرت استعمال کیا جاتا ہے۔ اس لیے قرآن کو بھی "قرآن" اسی معنی میں کہا جاتا ہے یعنی "پڑھی ہوئی چیز"۔ چنانچہ شیخ مناع بن خلیل القطان (ت 1420ھ) لکھتے ہیں:

"قَرَأَ": تَأْتِيْ بِمَعْنَى الْجَمْعِ وَالضَّمِّ، وَالْقِرَاءَةُ ضَمُّ الْحُرُوْفِ وَالْكَلِمَاتِ بَعْضِهَا إِلٰى بَعْضٍ فِي التَّرْتِيْلِ، وَالْقُرْآنُ فِي الْأَصْلِ كَالْقِرَاءَةِ مَصْدَرُ قَرَأَ قِرَاءَةً وَقُرْآنًا. قَالَ تَعَالٰى: ﴿اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ﴾ أَيْ قِرَاءَتَهٗ، فَهُوَ مَصْدَرٌ عَلٰى وَزْنِ "فُعْلَانَ" بِالضَّمِّ: كَالْغُفْرَانِ وَالشُّكْرَانِ، تَقُوْلُ: قَرَأْتُهٗ قَرْءًا وَقِرَاءَةً وَقُرْآنًا، بِمَعْنًى وَاحِدٍ. سُمِّيَ بِهِ الْمَقْرُوْءُ تَسْمِيَةً لِلْمَفْعُوْلِ بِالْمَصْدَرِ.

مباحث فی علوم القرآن: ص 15

ترجمہ: "قَرَءَ" فعل "جمع کرنے اور ملانے" کے معنی میں آتا ہے۔ یوں "قراءۃ" کا معنی ہو گا: حروف اور کلمات کو ترتیل میں ایک دوسرے سے ملانا۔ قرآن بھی لغت میں "قراءۃ" کی طرح مصدر ہے یعنی "قرء، یقرء، قرآناً"۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: " اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ "[کہ اس قرآن کو یاد کرانا اور

پڑھوانا ہمارے ذمہ ہے۔ اس لیے جب ہم اسے پڑھیں تو آپ بھی ساتھ ساتھ پڑھتے رہیں۔] یہاں "قرآن" بمعنی "پڑھنا" ہے۔ "قرآن" یہ فُعْلان کے وزن پر مصدر ہے جیسے غفران اور شُکران ہیں۔ جیسے آپ کہتے ہیں: "قَرَأْتُهٗ قَرْءًا وَقِرَاءَةً وَقُرْآنًا" تو تینوں کا ایک ہی معنی ہے۔ پڑھی ہوئی چیز کو "قرآن" کہہ دیا گیا ہے جیسا کہ مفعول کو کبھی کبھی مصدر کا نام دے دیتے ہیں۔ (یہاں پڑھی ہوئی چیز یعنی "مقروء" کو مصدر یعنی "قرآن" کہہ دیا گیا ہے)

وجہ نمبر2: قرآن کا معنی ہے "جمع کرنا"۔ قرآن کریم بھی سابقہ کتب کے ثمرات بلکہ تمام علوم کا جامع ہے اسی لیے اسے "قرآن" کہتے ہیں۔ چنانچہ شیخ مناع بن خلیل القطان (ت1420ھ) لکھتے ہیں:

وَذَكَرَ بَعْضُ الْعُلَمَاءِ أَنَّ تَسْمِيَةَ هٰذَا الْكِتَابِ قُرْآنًا مِنْ بَيْنِ كُتُبِ اللهِ لِكَوْنِهٖ جَامِعًا لِثَمَرَةِ كُتُبِهٖ، بَلْ لِجَمْعِهٖ ثَمَرَةَ جَمِيْعِ الْعُلُوْمِ كَمَا أَشَارَ تَعَالٰى إِلٰى ذٰلِكَ بِقَوْلِهٖ: وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَقَوْلِهٖ: مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ

مباحث فی علوم القرآن: ص16

ترجمہ: بعض علماء فرماتے ہیں کہ قرآن کو قرآن اس لیے کہتے ہیں کہ یہ تمام کتب الٰہیہ کے ثمرات بلکہ تمام علوم کے ثمرات کی جامع کتاب ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے: " وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ "[ہم نے آپ پر وہ کتاب نازل کی ہے جو ہر چیز کو کھول کر بیان کرتی ہے] اس طرح اس ارشاد میں کہ " مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ "[ہم نے کتاب میں کسی شئ کو بیان کرنے میں کمی نہیں کی۔]

قرآن مخلوق نہیں

وَلَفْظُنَا بِالْقُرْاٰنِ مَخْلُوْقٌ وَ کِتَابَتُنَا لَہٗ مَخْلُوْقَۃٌ وَقِرَاءَتُنَا لَہٗ مَخْلُوْقَۃٌ وَالْقُرْاٰنُ غَیْرُ مَخْلُوْقٍ

ترجمہ: قرآن کریم کے الفاظ جو ہم اپنی زبان سے ادا کرتے ہیں تو یہ الفاظ مخلوق ہیں، ہم جو قرآن لکھتے ہیں تو یہ لکھے ہوئے نقوش مخلوق ہیں، ہم جو اس کی قرأت کرتے ہیں تو ہمارا قرأت کرنا (یعنی فعل) مخلوق ہے لیکن خود قرآن مخلوق نہیں۔

فائدہ نمبر 1: اھل السنۃ والجماعۃ کا موقف یہ ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ "کلام" اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صفات بھی قدیم ہیں۔

دلائل:

(1): اِنَّ رَبَّکُمُ اللّٰہُ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ فِیۡ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡشِ ۟ یُغۡشِی الَّیۡلَ النَّہَارَ یَطۡلُبُہٗ حَثِیۡثًا ۙ وَّ الشَّمۡسَ وَ الۡقَمَرَ وَ النُّجُوۡمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمۡرِہٖ ؕ اَلَا لَہُ الۡخَلۡقُ وَ الۡاَمۡرُ ؕ تَبٰرَکَ اللّٰہُ رَبُّ الۡعٰلَمِیۡنَ

سورۃ الاعراف:54

ترجمہ: آپ کا رب وہ ذات ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھے دنوں میں پیدا کیا۔ پھر عرش پر مستوی ہوا۔ وہ اللہ دن کو رات کا لباس پہنا دیتا ہے کہ وہ دن کے پیچھے دوڑتی چلی آتی ہے۔ سورج، چاند اور تارے سب اسی کے حکم کے تابع چل رہے ہیں۔ خبر دار! وہی ذات ہے جو پیدا کرتا ہے اور اسی کا حکم چلتا ہے۔ تمام جہانوں کو پالنے والی ذات بڑی ہی برکتوں والی ہے۔

اس آیت میں ''خلق'' اور ''امر'' کو عطف کے ساتھ الگ الگ ذکر کیا ہے۔ اصول ہے کہ معطوف اور معطوف علیہ میں تغایر ہوتا ہے۔ اس تغایر کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت تخلیق الگ ہو اور صفتِ امر (جو کہ کلام ہے لقولہ تعالیٰ: '' اِنَّمَآ اَمْرُہٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ '') الگ ہو۔ اگر کلام ہی کو مخلوق مانا جائے تو وہ صفتِ تخلیق کے تحت داخل ہو جائے گا، پھر ''خلق'' کے بعد ''امر'' لانے کی ضرورت باقی نہ رہے گی۔ ثابت ہوا کہ کلام اللہ مخلوق نہیں ہے۔

(2): اِنَّمَآ اَمْرُہٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ

سورۃ یٰسین:82

ترجمہ: اس کا معاملہ تو یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو صرف اتنا کہتا ہے: ہو جا! بس وہ ہو جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ مخلوق کو پیدا کرنے کے لیے کلام ''کُنْ'' ارشاد فرماتے ہیں۔ اگر کلام ''کُنْ'' کو مخلوق مانا جائے تو اسے پیدا کرنے کے لیے پھر لفظ ''کُنْ'' کہنا پڑے گا۔ یوں کلام ''کُنْ'' کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو گا جو کہ تسلسل ہے اور تسلسل باطل ہے۔ لہٰذا کلام اللہ کا مخلوق ہونا بھی باطل ہے۔

(3): اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ

سورۃ الرحمٰن:1 تا 3

ترجمہ: رحمٰن نے قرآن کی تعلیم دی اور انسان کی تخلیق فرمائی۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو ''تعلیم'' کے ساتھ اور انسان کے وجود کو ''تخلیق'' کے ساتھ ذکر فرما کر دونوں میں فرق کیا۔ ثابت ہوا کہ ''قرآن مجید'' کی تخلیق نہیں ہوئی یعنی قرآن کریم مخلوق نہیں۔

(4): قُلْ اِنَّ ھُدَی اللّٰہِ ھُوَ الْھُدٰی ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَھْوَآءَھُمْ بَعْدَ الَّذِیْ

جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ

سورۃ البقرۃ:120

ترجمہ: آپ فرما دیجیے کہ اللہ تعالیٰ کی (طرف سے ملنے والی) ہدایت ہی اصل ہدایت ہے اور اگر آپ نے اپنے پاس علم آجانے کے بعد بھی ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی کی تو (پھر جان لیجیے کہ) آپ کو اللہ تعالی سے بچانے والا نہ کوئی دوست ملے گا اور نہ کوئی مددگار۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس خدا تعالیٰ کی طرف سے جو علم بصورتِ قرآن مجید آچکا ہے، اس کے آنے کے بعد منکرین کی خواہشات کی پیروی کرنا خدا تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو "علم" سے تعبیر فرمایا ہے۔ اگر قرآن کو "مخلوق" مانا جائے تو لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ پر ایسا زمانہ بھی گزرا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو موجود تھے لیکن اللہ تعالیٰ کا علم (قرآن مجید، صفتِ کلام) نہیں تھا۔ یہ عیب ہے جبکہ اللہ تعالیٰ عیب سے پاک ہے۔

(5): عَنْ خَوْلَةَ بِنْتِ حَكِيمٍ السُّلَمِيَّةِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا تَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "مَنْ نَزَلَ مَنْزِلًا ثُمَّ قَالَ أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ لَمْ يَضُرَّهُ شَيْءٌ حَتّٰى يَرْتَحِلَ مِنْ مَنْزِلِهٖ ذٰلِكَ."

صحیح مسلم: رقم الحدیث2708

ترجمہ: حضرت خولہ بنت حکیم السلمیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: جو شخص کسی جگہ پڑاؤ ڈالے اور یہ کلمات پڑھے: "أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ" تو جب تک وہاں سے کوچ نہیں کرلیتا کوئی چیز بھی اسے نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

اس حدیث مبارک میں "أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ" میں "با" برائے استعانت

ہے جو کلمات اللہ پر داخل ہے۔ اگر کلماتُ اللہ مخلوق ہوتے تو لازم آتا کہ -معاذ اللہ- آپ صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق سے استعانت کی تعلیم دے رہے ہیں اور یہ محال ہے۔ ثابت ہوا کہ کلمات وکلام اللہ مخلوق نہیں۔

امام محمد بن اسماعیل البخاری (ت256ھ) اس طرح کی احادیث سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَفِيْ هٰذَا دَلِيْلٌ أَنَّ كَلَامَ اللهِ غَيْرُ مَخْلُوْقٍ وَأَنَّ سِوَاهُ مَخْلُوْقٌ.

خلق افعال العباد للبخاری:96

ترجمہ: یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام مخلوق نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز مخلوق ہے۔

فائدہ نمبر2: اھل السنۃ والجماعۃ کے موقف "قرآن مخلوق نہیں" میں قرآن سے مراد وہ کلامِ نفسی ہے جو ذات باری تعالیٰ کے ساتھ قائم ہے۔

فائدہ نمبر3: "کلام نفسی" اللہ تعالیٰ کی وہ صفت ہے جو الفاظ اور حروف سے مرکب نہیں اور نہ ہی اس میں تقدم و تاخر ہے کہ فلاں لفظ پہلے اور فلاں بعد میں ہے۔ یہ کلام تقدم و تاخر کی نسبتوں سے پاک ہے کیونکہ تقدم و تاخر کی صفات حادث کی ہوتی ہیں کہ پہلے نہ ہو، بعد میں ہو جائے جبکہ صفات باری تعالی قدیم ہیں۔

فائدہ نمبر4: اللہ تعالیٰ کے کلامِ نفسی کو ہم حروف اور الفاظ کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ ہمارا فعل "تلاوت کرنا" حادث ہے۔ ہم اسے نقوش کی مدد سے لکھتے ہیں۔ ہمارا یہ "لکھنا" حادث ہے۔ جن مادی اشیاء سے مصحفِ قرآنی وجود میں آتا ہے مثلاً کاغذ، روشنائی، قلم، دوات وغیرہ تو یہ اشیاء بھی مخلوق اور حادث ہیں جبکہ خود "کلام" (کلامِ نفسی) قدیم ہے۔

گویا کلام باری تعالیٰ جو "مقروء" (پڑھا جانے والا) ہے وہ تو قدیم ہے لیکن

ہمارا اس کلام کو حروف اور الفاظ کے ساتھ پڑھنا، نقوش کے ساتھ لکھنا اور آواز کے ساتھ ادا کرنا یہ سب حادث ہے۔ علمائے متکلمین اسے ان الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں:

اَلْمَقْرُوْءُ قَدِیْمٌ وَالْقِرَاءَۃُ حَادِثٌ.

شرح الفقہ الاکبر للملا علی القاری: ص92

ترجمہ: جس کلام کی تلاوت کی جاتی ہے وہ تو قدیم ہے البتہ (ہمارا) قراءت کرنا حادث ہے۔

فائدہ نمبر 5: فرقہ معتزلہ قرآن مجید کو مخلوق کہتا ہے۔ اس پر وہ دو شبہے پیش کرتے ہیں۔

شبہ نمبر 1: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

قُلِ اللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیۡءٍ

سورۃ الرعد: 16

ترجمہ: کہہ دیجیے کہ اللہ تعالی ہر چیز کا خالق ہے۔

قرآن مجید بھی ایک چیز ہے، اس لیے اس کا خالق بھی اللہ ہے۔

جواب: آیت " قُلِ اللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیۡءٍ " میں لفظ "کُلِّ شَیۡءٍ" عام ہے۔ اھل السنۃ والجماعۃ کے موقف میں پیش کردہ دلائل سے قرآن مجید کو لفظ "کُلّ" کے عموم سے خاص کر لیا گیا ہے جس طرح آیت "کُلُّ نَفۡسٍ ذَآئِقَۃُ الۡمَوۡتِ" میں لفظ "نَفۡسٍ" عام ہے لیکن اس سے اللہ تعالیٰ کے نفس [کما فی قولہ تعالیٰ: وَ یُحَذِّرُکُمُ اللّٰہُ نَفۡسَہٗ (آل عمران: 28)] کو خاص کر لیا گیا ہے ورنہ لازم آئے گا کہ جب "کُلُّ نَفۡسٍ ذَآئِقَۃُ الۡمَوۡتِ" میں لفظ "نَفۡسٍ" ہے اور اللہ بھی نفس ہیں تو اس عموم کے تحت اللہ تعالیٰ پر بھی موت آئے گی- معاذ اللہ- تو جس طرح "کُلُّ نَفۡسٍ ذَآئِقَۃُ الۡمَوۡتِ" میں "نَفۡسٍ" سے مراد غیر خدا ہے اسی طرح " قُلِ اللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیۡءٍ " میں بھی

"شَیۡءٍ" سے مراد غیر قرآن ہے۔

شبہ نمبر2: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

مَا يَأۡتِيۡهِمۡ مِّنۡ ذِكۡرٍ مِّنۡ رَّبِّهِمۡ مُّحۡدَثٍ اِلَّا اسۡتَمَعُوۡهُ وَ هُمۡ يَلۡعَبُوۡنَ

سورۃ الانبیاء:2

ترجمہ: ان کے پاس جب بھی ان کے رب کی جانب سے کوئی نئی نصیحت آتی ہے تو وہ اس کے ساتھ ہنسی مذاق شروع کر دیتے ہیں۔

شبہ پیدا ہوتا ہے کہ یہاں قرآن کریم کو "مُحۡدَث" (نیا کلام) کہا گیا جبکہ آپ کا دعویٰ "قدیم" ہونے کا ہے۔

جواب: "مِنۡ ذِكۡرٍ" یہ "مَا يَأۡتِيۡهِمۡ" کا بیان ہے یعنی جو کلام لفظی وقفہ وقفہ سے نازل یعنی ظاہر ہو رہا ہے وہ کلام حادث ہے جبکہ ہم نے کلامِ نفسی کو قدیم کہا ہے اور یہ کلامِ لفظی اس کلامِ نفسی پر دال ہے۔ تو "مُحۡدَثٍ" یہ نازل ہونے یعنی ظاہر ہونے والے الفاظ کی صفت ہے اور ان الفاظ کو ہم بھی حادث مانتے ہیں۔

امام فخر الدین الرازی الشافعی (ت606ھ) اس کا جواب دیتے ہیں:

وَالۡجَوَابُ: أَنَّ كُلَّ ذٰلِكَ يَرۡجِعُ إِلٰى هٰذِهِ الۡأَلۡفَاظِ وَنَحۡنُ نُسَلِّمُ حُدُوثَهَا إِنَّمَا نَدَّعِيۡ قِدَمَ أَمۡرٍ آخَرَ وَرَاءَ هٰذِهِ الۡحُرُوفِ، وَلَيۡسَ فِي الۡآيَةِ دَلَالَةٌ عَلٰى ذٰلِكَ.

التفسیر الکبیر للرازی: ج24 ص493

ترجمہ: معتزلہ کے اس استدلال کا جواب یہ ہے کہ اس سارے استدلال کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ جو الفاظ وقتاً فوقتاً نازل ہو رہے ہیں وہ حادث ہیں اور ہم تو خود اس بات کے قائل ہیں۔ ہم جو کلام اللہ کو قدیم کہتے ہیں تو اس سے مراد کچھ اور ہے (اور وہ کلام نفسی ہے) اور اس آیت میں اس (کلام نفسی) کے حادث ہونے پر کوئی دلیل نہیں پائی جارہی۔

قرآن مجید میں غیر اللہ کا کلام

وَمَا ذَكَرَهُ اللهُ تَعَالٰى فِي الْقُرْاٰنِ حِكَايَةً عَنْ مُوْسٰى وَغَيْرِهٖ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ وَعَنْ فِرْعَوْنَ وَإِبْلِيْسَ فَإِنَّ ذٰلِكَ كُلَّهٗ كَلَامُ اللهِ تَعَالٰى إِخْبَارًا عَنْهُمْ وَكَلَامُ اللهِ تَعَالٰى غَيْرُ مَخْلُوْقٍ وَكَلَامُ مُوْسٰى وَغَيْرِهٖ مِنَ الْمَخْلُوْقِيْنَ مَخْلُوْقٌ، وَالْقُرْاٰنُ كَلَامُ اللهِ تَعَالٰى فَهُوَ قَدِيْمٌ لَا كَلَامُهُمْ.

ترجمہ: قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے جو واقعات بیان فرمائے ہیں یا فرعون اور ابلیس کے جو حالات ذکر کیے ہیں تو یہ سب اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جس کے ذریعے اللہ نے ان کے حالات و واقعات کی خبر دی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کلام غیر مخلوق ہے جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور باقی مخلوقات کا کلام مخلوق ہے۔ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اس لیے قدیم ہے لیکن مخلوق کا کلام قدیم نہیں (بلکہ حادث ہے)۔

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں جن وانس کی ہدایت اور کامیابی کے لیے مختلف اسلوب میں مختلف مضامین بیان فرمائے ہیں۔ ان مضامین میں اعتقادات، عبادات، اخلاقیات، معاشرات، معاملات، عقوبات، پند ونصائح، امثال وواقعات، وعدے ووعیدات، اہلِ حق کی کامیابی اور اہلِ باطل کی ناکامی، حضرات انبیاء علیہم السلام اور صلحائے سابقین کے واقعات، امم سابقہ کے حالات، امورِ آخرت، جنت وجہنم وغیرہ کے حالات شامل ہیں۔

ان واقعات وحالات میں حضرات انبیاء سابقین علیہم السلام کے قصص کا بھی ذکر ہے اور دشمنانِ خدا جیسے ابلیس، فرعون، یہود ونصاریٰ اور مشرکین ومنافقین وغیرہ کے حالات بھی ذکر کیے گئے ہیں۔ جن احکام؛ اوامر ونواہی کو اللہ تعالیٰ نے اپنی

طرف نسبت کر کے بیان فرمایا ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور جو کلام انبیاء علیہم السلام یا ابلیس و فرعون وغیرہ کی طرف نسبت کر کے بیان فرمایا ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرۃ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول حکایت کرتے ہوئے فرمایا:

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً

سورۃ البقرۃ:67

ترجمہ: اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تمہیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے۔

ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدم علیہ السلام کے واقعہ سے متعلق ابلیس کا قول حکایت کرتے ہوئے فرمایا:

قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ

سورۃ الاعراف:12

ترجمہ: ابلیس نے کہا کہ میں اس (آدم) سے بہتر ہوں (کیونکہ) آپ نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو مٹی سے۔

فرعون کا قول حکایت کرتے ہوئے فرمایا:

فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى

سورۃ النازعات:24

ترجمہ: فرعون کہنے لگا کہ میں تمہارا بڑا خدا ہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام، ابلیس اور فرعون کا کلام اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جن الفاظ سے نقل کیا ہے یہ الفاظ اللہ تعالیٰ کا کلام ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے علم کامل کی بناء پر معلوم تھا کہ آئندہ زمانہ میں انبیاء علیہم السلام،

صلحائے کرام، ابلیس، فرعون، یہود و نصاریٰ اور مشرکین و منافقین وغیرہ یہ کلام کریں گے۔ یہ الفاظ اور مقولات اللہ تعالیٰ کے کلام میں اس وقت سے تھے جب یہ مخلوقات پیدا ابھی نہ ہوئی تھیں۔ تو علمِ ازلی کی بنا پر یہ الفاظ اللہ تعالیٰ کا کلامِ نفسی ہیں، اس جہت سے قدیم ہیں البتہ جب مخلوقات پیدا ہوئیں اور اپنے اپنے وقت پر انہوں نے مذکورہ مقولات اور الفاظ کا تکلم کیا تو اس وقت مخلوق کا تکلم حادث ہے۔ یہی بات امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ بیان فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ان مخلوقات کے کلام کو نقل کرنا قدیم ہے البتہ ان مخلوقات کا اس کلام کو اپنے وقت پر تکلم کرنا حادث ہے۔

وضاحت:

یہاں ایک بات کی وضاحت کرنا ضروری ہے کہ یہ کہنا بالکل درست نہیں کہ جب مخلوق نے کلام کیا تب اللہ تعالیٰ کے علم میں ان کا کلام آیا اور اللہ نے قرآن کی صورت میں اسے نازل فرما دیا۔ وجہ یہ ہے کہ اگر یہی اعتقاد رکھا جائے تو اللہ تعالیٰ کے علم کا – معاذ اللہ – نامکمل اور ناقص ہونا لازم آتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کا علم اس کی صفتِ قدیمہ ہے۔ اس لیے صحیح اعتقاد یہی ہے کہ ان مخلوقات کی پیدائش سے قبل ہی اللہ کو ان کے اقوال کا علم تھا جسے اللہ تعالیٰ نے کلام نفسی کی صورت میں بیان فرما دیا جو کہ قدیم ہے۔

اللہ کا کلام اور غیر اللہ کا کلام

وَسَمِعَ مُوسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ کَلَامَ اللّٰہِ تَعَالٰی کَمَا فِیْ قَوْلِہٖ تَعَالٰی: ﴿وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا﴾ وَقَدْ کَانَ اللّٰہُ تَعَالٰی مُتَکَلِّمًا وَلَمْ یَکُنْ کَلَّمَ مُوْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ وَقَدْ کَانَ اللّٰہُ تَعَالٰی خَالِقًا فِی الْأَزَلِ وَلَمْ یَخْلُقِ الْخَلْقَ ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾ فَلَمَّا کَلَّمَ اللّٰہُ مُوْسٰی کَلَّمَہٗ بِکَلَامِہِ الَّذِیْ ھُوَ لَہٗ صِفَۃٌ فِی الْأَزَلِ.

ترجمہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ ہی کا کلام سنا تھا جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا﴾ کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کلام کیا (لیکن) اللہ تعالیٰ اس وقت بھی متکلم تھے جب کہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کلام نہیں کیا تھا۔ (فرمان باری تعالیٰ ہے) اللہ تعالیٰ کی مثل کوئی چیز نہیں اور وہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔ اس لیے جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے گفتگو فرمائی تو اسی صفتِ کلام سے فرمائی جو ازل ہی سے خدا تعالیٰ کے ساتھ قائم ہے۔

تمہید:

اس عبارت کو سمجھنے سے پہلے بطور تمہید ایک بات کا جاننا ضروری ہے:

اللہ تعالیٰ کی تمام صفات ازلی ہیں اور ذات باری تعالیٰ کے ساتھ قائم ہیں۔ اللہ تعالیٰ قدیم ذات ہیں اس لیے اللہ کی صفات بھی قدیم ہیں۔ مثلاً تخلیق؛ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، یہ قدیم ہے اور باری تعالیٰ کے ساتھ قائم ہے۔ جب اس صفت کا بالفعل اظہار ہو گا تو جو چیز تخلیق پائے گی یعنی مخلوق تو وہ حادث ہو گی۔ گویا صفتِ تخلیق قدیم ہے لیکن اس کا اظہار مخلوق کی پیدائش کے وقت ہوتا ہے۔

اب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کو سمجھیں کہ کلام جو کہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے وہ ازلی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس صفت کے ساتھ ازل سے متصف ہو کر متکلم ہیں۔ اس صفت کا اظہار اس وقت ہو گا جب اللہ تعالیٰ بالفعل کسی سے کلام فرمائیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم کلام ہوئے تھے اور اللہ تعالیٰ کے کلام کو سنا تھا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ اپنی اسی صفت کے ساتھ متکلم تھے جو ازل سے اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ ازل سے خالق ہیں اور تخلیق اللہ تعالیٰ کی صفتِ ازلی ہے۔ جب مخلوق کو وجود نہ ملا تھا اللہ تعالیٰ تب بھی اس صفت سے متصف تھے گو کہ اس صفت کا بالفعل اظہار اس وقت ہوا جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا۔ بالکل اسی طرح اللہ تعالیٰ صفتِ تکلم کے ساتھ ازل سے متصف ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ گفتگو بھی اسی صفتِ کلام کے ساتھ فرمائی جو ازلی صفت ہے لیکن چونکہ صفت ازلی کلام نفسی ہے جس کا سننا مخلوق کے لیے ممکن نہیں اس لیے اللہ نے اس کلام نفسی پر حروف، الفاظ اور آواز کا پردہ ڈالا تاکہ موسیٰ علیہ السلام اس کلام کا سماع کر سکیں۔ تو صفت کلام ازلی ہے لیکن موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اس کا اظہار الفاظ واصوات کی صورت میں اس وقت ہوا ہے جب موسیٰ علیہ السلام سے تکلم فرمایا ہے۔

مثال:

جس طرح ایک قاری قرآن جب خاموش ہو تب بھی قاری ہے البتہ جب قرآن کریم کی تلاوت شروع کرے تو اس کی صفتِ قرأت کا ظہور ہوتا ہے اور جب خاموش ہو تو صفتِ قرأت تب بھی موجود ہوتی ہے۔ معلوم ہوا کہ صفت کا وجود اور ہے اور ظہور اور ہے۔

صفات باری تعالیٰ کا یکتا و بے مثال ہونا

وَصِفَاتُهٗ كُلُّهَا بِخِلَافِ صِفَاتِ الْمَخْلُوْقِيْنَ يَعْلَمُ لَا كَعِلْمِنَا وَيَقْدِرُ لَا كَقُدْرَتِنَا وَيَرٰى لَا كَرُؤْيَتِنَا وَيَتَكَلَّمُ لَا كَكَلَامِنَا وَيَسْمَعُ لَا كَسَمْعِنَا وَنَحْنُ نَتَكَلَّمُ بِالْآلَاتِ وَالْحُرُوْفِ وَاللّٰهُ تَعَالٰى يَتَكَلَّمُ بِلَا آلَةٍ وَلَا حُرُوْفٍ وَالْحُرُوْفُ مَخْلُوْقَةٌ وَكَلَامُ اللّٰهِ تَعَالٰى غَيْرُ مَخْلُوْقٍ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی تمام صفات مخلوق کی صفات سے بالکل مماثلت نہیں رکھتیں۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے لیکن اس طرح نہیں جس طرح ہم جانتے ہیں، وہ قدرت رکھتا ہے لیکن اس طرح نہیں جس طرح ہمیں کسی کام پر قدرت حاصل ہوتی ہے، وہ دیکھتا ہے لیکن اس طرح نہیں جس طرح ہم دیکھتے ہیں، وہ سنتا ہے لیکن اس طرح نہیں جس طرح ہم سنتے ہیں۔ ہم بولنے میں اسباب (زبان، قوت گویائی، گلا وغیرہ) اور حروف کے محتاج ہیں لیکن اللہ تعالیٰ بولنے میں ان اسباب اور حروف کے محتاج نہیں ہیں کیونکہ حروف مخلوق ہیں اور اللہ کا کلام غیر مخلوق ہے۔

قَوْلُهٗ: وَنَحْنُ نَتَكَلَّمُ بِالْآلَاتِ وَالْحُرُوْفِ

1: "آلات"؛ آلۃ کی جمع ہے۔ آلہ کا معنی اوزار اور ہتھیار ہے جس سے کوئی فعل سرانجام دیا جاسکے۔ مثلاً بولنے کا آلہ زبان ہے۔ کاٹنے کا آلہ تلوار ہے۔ لکھنے کا آلہ قلم ہے۔

2: "حروف"؛ حرف کی جمع ہے۔ حرف اس کلمہ کو کہتے ہیں جس کے معانی دوسرے لفظ کے ساتھ ملے بغیر سمجھ میں نہ آئیں جیسے من، الی وغیرہ۔ حروف کو جوڑنے سے الفاظ بنتے ہیں اور الفاظ کو ترکیب دینے سے جملے وجود میں آتے ہیں۔

3: اللہ تعالیٰ اپنی صفات میں بے مثال اور یکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات مخلوق کی

صفات کی طرح نہیں ہیں بلکہ وہ مخلوق سے بالکل جداگانہ صفات کا مالک ہے۔

4: اللہ تعالیٰ کی صفت علم ہے لیکن مخلوق کی طرح نہیں۔ مخلوق کا علم، تجربہ، مشاہدہ، حواس اور کسی واسطے سے حاصل ہوتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کا علم ذاتی اور بلاواسطہ ہے۔

5: مخلوق کسی کام پر قدرت رکھتی ہے لیکن یہ قدرت اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے ارادے کی پابند ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اس میں تاثیر پیدا فرمادے اور اگر چاہے تو تاثیر کو سلب کر دے جبکہ خود اللہ تعالیٰ کی قدرت کسی کے فیصلے اور چاہت کی پابند نہیں ہے۔

6: مخلوق دیکھتی ہے لیکن آنکھ اور بینائی کی محتاج ہوتی ہے جب کہ اللہ تعالیٰ دیکھنے میں ان چیزوں کے محتاج نہیں ہیں۔

7: مخلوق سنتی ہے لیکن آلۂ سماع (کان) کی محتاج ہوتی ہے جب کہ اللہ تعالیٰ سنتے ہیں لیکن بغیر آلۂ سماع کان کے۔ مخلوق کلام کرتی ہے لیکن مخلوق کا کلام کرنا آلات و اسباب کا محتاج ہے۔

8: اگر زبان نہ ہو یا قوت گویائی نہ ہو تو مخلوق تکلم نہیں کر سکتی جبکہ اللہ تعالیٰ تکلم فرماتے ہیں لیکن حروف و آلات کے محتاج نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا کلام مخلوق نہیں بلکہ یہ اس کی صفتِ قدیمہ ہے جبکہ مخلوق کا کلام خود مخلوق کی طرح حادث اور ختم ہونے والا ہے۔

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی صفات مخلوق کی صفات سے بالکل جداگانہ حیثیت رکھتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا جسم سے پاک ہونا

وَهُوَ شَیْءٌ لَا كَالْأَشْيَاءِ وَمَعْنَى الشَّیْءِ الثَّابِتُ بِلَا جِسْمٍ وَلَا جَوْهَرٍ وَلَا عَرَضٍ وَلَا حَدَّ لَهُ وَلَا ضِدَّ لَهُ وَلَا نِدَّ لَهُ وَلَا مِثْلَ لَهُ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ بھی ایک شے ہے لیکن دیگر اشیاء کی طرح نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کو شے کہنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بغیر جسم، جوہر اور عرض کے موجود ہے، نہ اللہ تعالیٰ کی کوئی حد ہے، نہ کوئی اس کا مخالف ہے، نہ کوئی مقابل ہے اور نہ ہی کوئی مثل ہے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں عقیدہ تجسیم کا رد فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ شے ہے یعنی وجود رکھتے ہیں لیکن جسم اور صفاتِ جسم سے پاک ہیں۔ اللہ تعالیٰ جسم ہیں نہ جوہر، عرض رکھتے ہیں نہ کوئی حد، اللہ تعالیٰ کا کوئی مخالف ومقابل ہے نہ کوئی مثل۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت میں چند الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ ان کا معنی و مفہوم سمجھ لیا جائے۔

1: جسم

اَلْمُرَكَّبُ مِنْ جُزْئَيْنِ فَصَاعِداً.

احسن الفوائد فی شرح الفقہ الاکبر: ص76

ترجمہ: دو یا دو سے زائد اجزاء سے مرکب چیز کو جسم کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ جسم ہونے سے پاک ہیں۔ اس لیے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو جسم مانیں تو لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کم از کم دو چیزوں سے مل کر بنے ہوں۔ مختلف اجزاء سے ترکیب وہ پاتا ہے جو پہلے بنا ہوا نہ ہو۔ تو یہ صفت تو حادث ہونے کی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ قدیم ذات ہے۔ اس لیے جسم ہونے سے پاک ہے۔

2: جوہر

كُلُّ مُمْكِنٍ لَهٗ قِيَامٌ بِذَاتِهٖ اَیْ لَيْسَ تَحَيُّزُهٗ تَابِعاً لِتَحَيُّزِ غَيْرِهٖ.

احسن الفوائد فی شرح الفقہ الاکبر: ص76

ترجمہ: ہر وہ ممکن چیز جوہر کہلاتی ہے جس کا قیام ذاتی ہو یعنی اس کا کسی جگہ میں ہونا کسی دوسری چیز کے اس جگہ میں ہونے کے تابع نہ ہو۔

جوہر کی تعریف میں بھی "ممکن" ہونے کی قید ملحوظ ہے۔ اس لیے اگر اللہ تعالیٰ کی ذات کو جوہر مانا جائے تو اللہ تعالیٰ کا ممکن ہونا لازم آئے گا۔ تمام ممکنات حادث ہوتے ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ قدیم ذات ہے۔ اس لیے جوہر ہونے سے بھی پاک ہے۔

3: عرض

كُلُّ مُمْكِنٍ لَهٗ قِيَامٌ بِالْغَيْرِ اَیْ يَكُوْنُ تَحَيُّزُهٗ تَابِعاً لِتَحَيُّزِ الْغَيْرِ.

احسن الفوائد فی شرح الفقہ الاکبر: ص76

ترجمہ: "عرض" ہر اس ممکن چیز کو کہتے ہیں جو کسی دوسری چیز کی وجہ سے قائم ہو، یعنی اس کا کسی جگہ میں ہونا کسی دوسرے چیز کے اس جگہ میں ہونے کے تابع ہو۔

اگر اللہ تعالیٰ کو عرض مانا جائے تو لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کا وجود کسی دوسری چیز کے وجود کا تابع ہے کہ اگر دوسری چیز موجود ہو تب وجود باری تعالیٰ متحقق ہو گا۔ یہ دلیلِ احتیاج ہے جبکہ اللہ تعالیٰ صمد اور بے نیاز ذات ہے۔ علامہ حافظ الدین ابو البرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود النسفی الحنفی (ت710ھ) "صمد" کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لَا يَحْتَاجُ اِلٰى اَحَدٍ وَ يَحْتَاجُ اِلَيْهِ كُلُّ اَحَدٍ.

تفسیر المدارک للامام النسفی: ج2 ص842 تحت قولہ تعالیٰ: اللہ الصمد

ترجمہ: صمد وہ ذات ہے جو کسی کی محتاج نہ ہو اور سارے اس کے محتاج ہوں۔

اس لیے اللہ تعالیٰ عرض ہونے سے بھی پاک ہے۔

4: حد

اَلنِّهَايَةُ هِيَ مَا بِهٖ يَسِيْرُ الشَّيْءُ ذُو الْكَمِيَّةِ اِلٰى حَيْثُ لَا يُوْجَدُ وَرَاءَهٗ شَيْءٌ مِنْهُ.

جواہر الفرائد شرح شرح العقائد: ص 197 مولانا مفتی محمد یوسف تاؤلی استاذ دار العلوم دیوبند

ترجمہ: کمیت والی چیز جب اس مقام تک پہنچ جائے کہ آگے اس کا وجود نہ ہو۔

حد ماننے کی صورت میں اللہ تعالیٰ کا محدود ہونا لازم آئے گا جب کہ اللہ تعالیٰ کی ذات لامحدود ہے۔

فائدہ:

اللہ تعالیٰ حد سے پاک ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو صرف عرش پر ماننا درست نہیں۔ اس لیے کہ عرش مخلوق ہے اور اللہ تعالیٰ خالق ہے۔ مخلوق جتنی بھی بڑی ہو محدود ہی ہو گی جب کہ اللہ تعالیٰ غیر محدود ذات ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کو صرف عرش پر مانا جائے تو عرش محدود ہے تو اللہ تعالیٰ جو غیر محدود ذات ہے وہ محدود میں کیسے سمائے گا؟!

تنبیہ:

اگر اللہ تعالیٰ کو محض عرش پر مانا جائے تو کئی سوالات پیدا ہوں گے۔

[1]: یہ عقیدہ ان تمام آیات کے خلاف ہے جن سے اللہ تعالیٰ کا محض عرش پر ہونا ثابت نہیں ہو رہا بلکہ ان آیات سے تو ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جہت میں ہے، ہر ایک کے ساتھ ہے، آسمانوں اور زمین میں موجود ہے، معیت ذاتیہ کے ساتھ موجود

ہے۔ چند آیات ملاحظہ ہوں:

1: وَ اللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ

سورۃ البقرۃ:19

ترجمہ: اور اللہ کافروں کا احاطہ کرنے والے ہیں۔

2: وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ

سورۃ البقرۃ:115

ترجمہ: مشرق و مغرب اللہ تعالیٰ ہی کا ہے، جس طرف پھر جاؤ ادھر اللہ تعالیٰ کا رخ ہے۔

3: وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ

سورۃ البقرۃ:186

ترجمہ: جب آپ سے میرے بندے میرے بارے میں پوچھیں تو (کہہ دو کہ) میں تو تمہارے پاس ہی ہوں۔

4: يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَ لَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَ هُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ

النساء:108

ترجمہ: یہ لوگوں سے [اپنی دغابازیاں] چھپا سکتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ سے نہیں چھپا سکتے! وہ تو اس وقت بھی ان کے ساتھ ہوتا ہے جب وہ راتوں کو اللہ کی ناپسندیدہ باتوں کے مشورے کر رہے ہوتے ہیں۔

5: وَ هُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ فِي الْاَرْضِ ؕ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَ جَهْرَكُمْ وَ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ

سورۃ الانعام: آیت 3

ترجمہ: وہ اللہ آسمانوں میں بھی ہے اور زمینوں میں بھی وہ تمہاری پوشیدہ اور ظاہری

باتوں کو جانتا ہے اور جو تم کرتے ہو اسے بھی جانتا ہے۔

6: اِنَّ رَبِّیْ قَرِیْبٌ مُّجِیْبٌ

سورۃ ہود:61

ترجمہ: بے شک میرا رب قریب ہے، قبول کرنے والا ہے۔

7: وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْکُمْ وَ لٰکِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ

سورۃ الواقعۃ:85

ترجمہ: تم سے زیادہ ہم اس کے قریب ہوتے ہیں لیکن تم دیکھتے نہیں۔

8: وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ

سورۃ ق:16

ترجمہ: ہم اس کی شہ رگ سے زیادہ اس کے قریب ہیں۔

[2]: اللہ تعالیٰ خالق ہے اور عرش مخلوق ہے، خالق ازل سے ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کو عرش پر مانا جائے تو سوال پیدا ہو گا کہ جب عرش نہیں تھا تو اللہ تعالی کہاں تھے؟

[3]: حقیقتاً مستوی علی العرش ہونے کی تین صورتیں ہیں:

الف: اللہ تعالیٰ عرش کے محاذات میں ہوں گے۔

ب: عرش سے متجاوز ہوں گے۔

ج: عرش سے کم ہوں گے۔

اگر عرش کے محاذات میں مانیں تو عرش چونکہ محدود ہے لہذا اللہ تعالیٰ کا محدود ہونا لازم آئے گا، اور متجاوز مانیں تو اللہ تعالیٰ کی تجزی یعنی تقسیم لازم آئے گی (اور تجزی یعنی تقسیم جسم کی ہوتی ہے اور جسم حادث ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم ہے) اور اگر عرش سے کم مانیں تو عرش یعنی مخلوق کا اللہ تعالیٰ یعنی خالق سے بڑا ہونا لازم آئے گا، جبکہ یہ تینوں صورتیں محال اور ناممکن ہیں۔

[4]: اللہ تعالیٰ خالق ہے جو کہ غیر محدود ہے، عرش مخلوق ہے جو کہ محدود ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کو عرش پر مانا جائے تو غیر محدود کا محدود میں سمانا لازم آئے گا جو کہ محال ہے۔

[5]: اگر اللہ تعالیٰ کو عرش پر حقیقتاً مانیں تو حقیقی وجود کے ساتھ کسی چیز پر ہونا یہ خاصیت جسم کی ہے اور اللہ تعالی جسم سے پاک ہیں کیونکہ ہر جسم مرکب ہوتا ہے اور ہر مرکب حادث ہوتا ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ قدیم ہیں۔

[6]: اگر اللہ تعالیٰ کو حقیقتاً عرش پر مانیں تو عرش اللہ تعالیٰ کے لیے مکان ہو گا اور اللہ تعالیٰ مکین ہوں گے اور ضابطہ ہے کہ مکان مکین سے بڑا ہوتا ہے، اس عقیدے سے ''اللہ اکبر'' والا عقیدہ ٹوٹ جائے گا۔

[7]: اگر اللہ تعالیٰ کا فوق العرش ہونا مانیں تو جہتِ فوق لازم آئے گی جبکہ اللہ تعالی جہات ستہ سے پاک ہیں کیونکہ جہت کو حد بندی لازم ہے۔ حد بندی محدود کی ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ غیر محدود ہیں۔

[8]: حد بندی کو جسم لازم ہے جبکہ اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے۔

[9]: اگر اللہ تعالیٰ کو فوق العرش مانیں تو عرش اس کے لیے مکان ہو گا اور مکان اپنے مکین کو محیط ہوتا ہے اور مکین محاط ہوتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ محیط ہیں محاط نہیں، قرآن کریم میں ہے:

وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو محیط ہے۔

اس لیے اللہ تعالیٰ کو صرف عرش پر ماننا درست نہیں۔

5: ضد

''ضد'' مخالف کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اضداد سے پاک ہے۔ کوئی اللہ کا مخالف نہیں۔

اشکال:

اللہ تعالیٰ کے ضد اور مخالف تو بہت ہیں جنہوں نے اللہ کی مخالفت کی ہے۔ تو یہ کہنا کیسے درست ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا مخالف اور ضد کوئی نہیں؟

جواب:

اللہ تعالیٰ کی مخالفت تو کئی لوگوں نے کی ہے لیکن یہ لوگ مخالف بننے کے قابل نہیں ہیں کیونکہ حقیقی مخالف وہ ہوتا ہے جس کی مخالفت کا دوسرے فریق پر اثر بھی ہو اور اس کے پاس طاقت اور حیثیت بھی ہو۔ اللہ تعالیٰ کی مخالفت کرنے والوں کے پاس نہ طاقت ہے نہ حیثیت، اس لیے وہ لاشئ کے درجے میں ہیں۔

وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ

الاخلاص:4

ترجمہ: اور اس کا کوئی ہمسر نہیں۔

5: ند

”ند“ شریک کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ شریک سے بھی پاک ہے۔

اشکال: لوگوں نے تو اللہ تعالیٰ کے کئی شریک بنائے ہوئے ہیں۔ کسی کو عبادت میں، کسی کو اولاد دینے میں، کسی کو رزق دینے میں شریک ٹھہرایا ہوا ہے۔ تو یہ کہنا کیسے درست ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں۔

جواب: ”اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں“ اس کا معنی یہ ہے کہ کوئی مخلوق اللہ تعالیٰ کا شریک بننے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتی۔ اس لیے کہ شراکت کی ضرورت اس کو ہوتی ہے جو محتاج ہو اور اپنے افعال اکیلا سرانجام نہ دے سکتا ہو۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کسی کی

محتاج نہیں اس لیے اسے شرکاء کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

6: مثل

کوئی چیز اللہ تعالیٰ کی مثل بھی نہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

لَيۡسَ كَمِثۡلِهٖ شَىۡءٌ‌ ۚ وَهُوَ السَّمِيۡعُ الۡبَصِيۡرُ

سورۃ الشوریٰ:11

ترجمہ: اللہ کی مثل کوئی چیز نہیں، وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

شبہ: اس آیت "لَيۡسَ كَمِثۡلِهٖ شَىۡءٌ" سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مثل کوئی چیز نہیں لیکن قرآن کریم کی دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مثل ہے:

اَللّٰهُ نُوۡرُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ‌ؕ مَثَلُ نُوۡرِهٖ كَمِشۡكٰوةٍ فِيۡهَا مِصۡبَاحٌ‌ؕ

النور:35

ترجمہ: اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے، اس کے نور کی مثال ایسے ہے جیسے ایک طاق ہو جس میں چراغ رکھا ہو۔

تو بظاہر دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔

جواب: "لَيۡسَ كَمِثۡلِهٖ شَىۡءٌ" کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی مثال موجود نہیں ہے اور "مَثَلُ نُوۡرِهٖ كَمِشۡكٰوةٍ فِيۡهَا مِصۡبَاحٌ" اللہ تعالیٰ کے نور کو سمجھانے کے لیے کہا گیا ہے۔ حقیقتاً مثل نہ ہونا اور ہے اور سمجھانے کے لیے مثال دینا اور ہے۔ لہذا دونوں آیات میں کوئی تعارض نہیں۔

صفات متشابہات کے بارے میں موقف

وَلَهٗ يَدٌ وَوَجْهٌ وَنَفْسٌ كَمَا ذَكَرَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِي الْقُرْآنِ فَمَا ذَكَرَهُ اللّٰهُ فِي الْقُرْآنِ مِنْ ذِكْرِ الْوَجْهِ وَالْيَدِ وَالنَّفْسِ فَهُوَ لَهٗ صِفَاتٌ بِلَا كَيْفٍ وَلَا يُقَالُ إِنَّ يَدَهٗ قُدْرَتُهٗ أَوْ نِعْمَتُهٗ لِأَنَّ فِيهِ إِبْطَالَ الصِّفَةِ وَهُوَ قَوْلُ أَهْلِ الْقَدَرِ وَالْاِعْتِزَالِ وَلٰكِنْ يَدُهٗ صِفَتُهٗ بِلَا كَيْفٍ وَغَضَبُهٗ وَرِضَاهُ صِفَتَانِ مِنْ صِفَاتِ اللّٰهِ تَعَالٰى بِلَا كَيْفٍ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا ید، وجہ اور نفس ہے جیسا کہ اس نے خود قرآن میں ذکر فرمایا ہے لیکن اس نے قرآن میں جو وجہ، ید اور نفس کا ذکر فرمایا ہے تو یہ اس کی صفات بلا کیف ہیں۔ یوں نہیں کہنا چاہیے کہ "ید" سے مراد اللہ کی قدرت یا اس کی نعمت ہے کیونکہ اس صورت میں اللہ تعالیٰ کی صفت کا ابطال لازم آتا ہے جو کہ قدریہ اور معتزلہ کا عقیدہ ہے (بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ) اللہ کا "ید" اس کی صفت بلا کیف ہے۔ اسی طرح اللہ کا غضب اور رضا بھی اس کی منجملہ صفات میں سے دو صفتیں ہیں جو بلا کیف ہیں۔

صفات متشابہات:

صفات متشابہات وہ صفات ہیں جن کے معانی غیر واضح اور مبہم ہیں، عقل انسانی کی وہاں تک رسائی نہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے ید، وجہ، عین وغیرہ کلمات اللہ تعالیٰ کی صفات متشابہات ہیں۔

صفات متشابہات کی دو اقسام ہیں:

1: غیر معلوم المعنی وغیر معلوم المراد جیسے حروف مقطعات۔ ان صفات متشابہات کو "متشابہات من کل الوجوہ" بھی کہتے ہیں۔

2: معلوم المعنی وغیر معلوم المراد جیسے استواء علی العرش اور ید، وجہ، عین، ساق، نفس وغیرہ جو کلمات اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہوئے ہیں۔ ان صفات متشابہات کو "متشابہات من وجہ" بھی کہتے ہیں۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں چند ایک الفاظ (وجہ، ید، نفس) ذکر فرمائے ہیں جو مخلوق کے لیے اعضاء کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں جبکہ یہی الفاظ اگر اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہوں تو ان سے صفاتِ متشابہات مراد ہوتی ہیں۔

صفاتِ متشابہات کے بارے میں چار موقف ہیں:

1: موقف اہل السنۃ والجماعۃ متقدمین

2: موقف اہل السنۃ والجماعۃ متاخرین

3: موقف معتزلہ

4: موقف غیر مقلدین

موقف نمبر 1: اہل السنۃ والجماعۃ متقدمین

یہ کلمات صفات متشابہات ہیں۔ ان کا معنی ہمیں معلوم نہیں۔ ہم ان کے معانی ومفاہیم کو اس اعتقاد کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لیے ید، عین، ساق وغیرہ صفات ثابت ہیں مگر مخلوق کی مشابہت سے پاک ہیں۔

امام زین الدین قاسم بن قُطلُوبُغا السودونی الجمالی الحنفی (ت 879ھ) لکھتے ہیں:

وَقَالَ سَلَفُنَا فِيْ جُمْلَةِ الْمُتَشَابِهِ: نُؤْمِنُ بِهٖ وَنُفَوِّضُ تَأْوِيْلَهٗ إِلَى اللهِ تَعَالٰى مَعَ تَنْزِيْهِهٖ عَمَّا يُوْجِبُ التَّشْبِيْهَ وَالْحُدُوْثَ.

حاشیۃ علی المسایرۃ للقطلوبغا: ص45

ترجمہ: ہمارے سلف حضرات تمام متشابہات کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ ہم ان صفات پر ایمان لاتے ہیں اور ان کا معنی اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں اس اعتقاد کے

ساتھ کہ اللہ تعالیٰ ان تمام امور سے پاک ہے جن سے تشبیہ اور حدوث ثابت ہو تا ہو۔

علامہ عبد العزیز پرہاڑوی الحنفی (ت 1239ھ) لکھتے ہیں:

وَعُلَمَاءُ السُّنَّةِ بَعْدَ إِجْمَاعِهِمْ عَلَىٰ أَنَّ مَعَانِيَهَا الظَّاهِرَةَ غَيْرُ مُرَادَةٍ ذَهَبُوْا مَذْهَبَيْنِ، أَحَدُهُمَا مَذْهَبُ السَّلَفِ وَهُوَ الْإِيْمَانُ بِمَا أَرَادَ اللهُ سُبْحَانَهُ وَتَفْوِيْضُ عِلْمِهَا إِلَيْهِ تَعَالَىٰ مَعَ تَنْزِيْهِهٖ عَنِ التَّجَسُّمِ وَالتَّشَبُّهِ.

النبراس شرح شرح العقائد: ص120

ترجمہ: علمائے اھل السنۃ اس بات پر اجماع کرنے کے بعد کہ ان الفاظ کا ظاہری معنی مراد نہیں، دو موقف رکھتے ہیں۔ ایک موقف علمائے سلف کا ہے کہ ان صفات سے اللہ تعالیٰ کی جو بھی مراد ہو ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کا علم اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں اس اعتقاد کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ جسم رکھنے اور مشابہ ہونے سے پاک ہے۔

خلاصہ: مقتدمین اھل السنۃ والجماعۃ کے موقف کا خلاصہ یہ ہے کہ ید، عین، ساق سے مراد:

1: اعضاء نہیں

2: یہ صفات ہیں

3: صفاتِ متشابہات ہیں

4: ہمیں ان کا معنی معلوم نہیں

5: ان کا جو بھی معنی ہے بہر حال مخلوقات والا نہیں

موقف نمبر2: اھل السنۃ والجماعۃ متاخرین

یہ کلمات صفات متشابہات ہیں اور ان کا حقیقی معنی اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم

ہے۔ ہم ان کے معانی میں مناسب تاویل درجۂ ظن میں کرتے ہیں۔ مثلاً ید کا معنی ”قدرت“ عین کا معنی ”حفاظت“ اور وجہ کا معنی ”ذات“۔

علامہ عبد العزیز پرہاڑوی الحنفی (ت 1239ھ) لکھتے ہیں:

وَمَذْهَبُ الْخَلَفِ تَفْسِيْرُهَا بِمَا يَلِيْقُ بِهٖ تَعَالٰى لِاشْتِهَارِ الْمَذَاهِبِ الْفَاسِدَةِ فِيْ زَمَانِهِمْ وَتَذْلِيْلِ الْمُشَبِّهَةِ عَوَامَ الْمُسْلِمِيْنَ فَفَعَلُوْا ذٰلِكَ حِفْظاً لِلدِّيْنِ.

النبراس شرح شرح العقائد: ص120

ترجمہ: علمائے خلَف (از اھل السنۃ) کا موقف یہ ہے کہ ان صفات کی ایسی تاویل کی جائے جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہو کیونکہ خلَف کے زمانے میں غلط نظریات عام ہو رہے تھے اور فرقہ مشبہہ عامۃ المسلمین کو گمراہ کر رہا تھا، تو خلَف حضرات نے صفات کی تاویل اس لیے کی تاکہ لوگوں کے اعتقادات کو فاسد ہونے سے بچایا جا سکے۔

یہ بات بھی واضح رہے کہ متاخرین اھل السنۃ والجماعۃ نے صفات کی جو تاویل کی ہے یہ درجہ ظن میں ہے نہ کہ درجہ یقین میں۔ چنانچہ علامہ کمال الدین محمد بن عبد الواحد بن عبد الحمید سکندری الحنفی المعروف ابن الہمام (ت 861ھ) فرماتے ہیں:

”هٰذَا التَّاوِيْلُ لِهٰذِهِ الْاَلْفَاظِ لِمَا ذَكَرْنَا مِنْ صَرْفِ فَهْمِ الْعَامَّةِ عَنِ الْجِسْمِيَّةِ وَهُوَ يُمْكِنُ اَنْ يُّرَادَ وَلَا يُجْزَمُ بِاِرَادَتِهٖ“

المسایرۃ مع المسامرۃ لابن الہمام ص48 الاصل الثامن

ترجمہ: ان الفاظ کی یہ تاویل جو ہم نے ذکر کی ہے، عوام کی فہم کو ”عقیدۂ جسمیت“ سے بچانے کے لیے ہے اور یہ ممکن ہے کہ (ان الفاظ کا تاویلی معنی) مراد لیا جائے اور اس پر جزم (یقین) نہ کیا جائے۔

فائدہ نمبر 1:

متقدمین اور متاخرین کے درمیان حد فاصل سن 300 ہجری ہے۔ چنانچہ سن

300 ہجری کے آخر تک کے محققین علماء "سلف" کہلائیں گے اور بعد کے "خلف"۔

علامہ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن عثمان ذہبی (ت 748ھ) فرماتے ہیں:

"فَالْحَدُّ الْفَاصِلُ بَيْنَ الْمُتَقَدِّمِ وَالْمُتَأَخِّرِ هُوَ رَأْسُ سَنَةِ ثَلَاثِ مِأَةٍ"

میزان الاعتدال للامام الذہبی: ج 1 ص 48، مقدمۃ المصنف

ترجمہ: متقدمین ومتاخرین کے درمیان حدِ فاصل تین سو ہجری کا آخر ہے۔

فائدہ نمبر 2:

متقدمین اور متاخرین اہل السنۃ والجماعۃ کے مابین یہ نزاع لفظی ہے۔ اس کی دو وجہیں ہیں:

(1): متقدمین اہل السنۃ والجماعۃ صفات کے معنی مؤول کو درجہ یقین میں قبول نہیں کرتے جبکہ متاخرین اہل السنۃ والجماعۃ معنیٔ مؤول کو درجۂ ظن میں قبول کرتے ہیں۔

(2): بوقتِ ضرورت متشابہات میں تاویل کرنا متقدمین اہل السنۃ والجماعۃ سے بھی منقول ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ درجہ ظن میں تاویل کرنا ان کے موقف؛ تفویض کے خلاف نہیں۔

1: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما (ت 68ھ)

حافظ ابو الفضل شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی الشافعی (ت 852ھ) لکھتے ہیں:

وَأَمَّا السَّاقُ فَجَاءَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ قَالَ: عَنْ شِدَّةٍ مِنَ الْأَمْرِ.

فتح الباری شرح صحیح البخاری: ج 13 ص 524، باب قول اللہ وجوہ یومئذ ناضرۃ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے فرمان "يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ" کہ جس دن ساق کھول دی

جائے گی میں لفظ "ساق" کا معنی بیان کرتے ہوئے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما (ت 68ھ) فرماتے ہیں کہ اس کا معنی ہے کہ جس دن سخت معاملہ رونما ہو گا۔

2: امام مجاہد بن جَبرُ المکی (ت 103ھ)

امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری (ت 256ھ) فرماتے ہیں:

وَقَالَ مُجَاهِدٌ "اِسْتَوٰى" عَلَا عَلَى الْعَرْشِ.

صحیح البخاری: کتاب التوحید، باب وکان عرشہ علی الماء

ترجمہ: امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "اِسْتَوٰى" کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر غالب ہوا۔

3: امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت الکوفی (ت 150ھ) فرماتے ہیں:

وَلَيْسَ قُرْبُ اللهِ تَعَالٰى وَلَا بُعْدُهٗ مِنْ طَرِيْقِ طُوْلِ الْمَسَافَةِ وَقَصْرِهَا وَلٰكِنْ عَلٰى مَعْنَى الْكَرَامَةِ وَالْهَوَانِ.

الفقہ الاکبر

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا قرب اور دوری مسافت کی کمی بیشی کے اعتبار سے نہیں بلکہ عزت اور ذلت کے معنی کے اعتبار سے ہے۔

4: امام ابو عبد الرحمٰن عبد اللہ بن یحییٰ بن مبارک اللغوی النحوی (ت 237ھ) لکھتے ہیں:

"اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى" اسْتَوٰى: اسْتَوْلٰى.

غریب القرآن وتفسیرہ: ص 243

ترجمہ: "اللہ عرش پر مستوی ہوا" کا معنی ہے کہ عرش کا مالک بنا۔

موقف نمبر 3: معتزلہ

فرقہ معتزلہ ان کلمات کا حتمی معنی بیان کرتا ہے، انہیں اللہ تعالیٰ کی صفات

ازلیہ نہیں مانتا۔ پھر حتمی معنی بیان کر کے بھی ان کو مخلوق مانتا ہے۔ اس فرقہ کا کہنا ہے کہ اگر ان کلمات سے مراد صفات ہوں اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہوں تو جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم ہے اسی طرح ان صفات کو بھی قدیم ماننا پڑے گا۔ اس سے تعدد قدماء لازم آئے گا جو توحید کے منافی ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فَمَا ذَكَرَهُ اللّٰهُ فِي الْقُرْآنِ مِنْ ذِكْرِ الْوَجْهِ وَالْيَدِ وَالنَّفْسِ فَهُوَ لَهُ صِفَاتٌ بِلَا كَيْفٍ وَلَا يُقَالُ اِنَّ يَدَهُ قُدْرَتُهُ اَوْ نِعْمَتُهُ لِاَنَّ فِيْهِ اِبْطَالَ الصِّفَةِ وَهُوَ قَوْلُ اَهْلِ الْقَدْرِ وَالْاِعْتِزَالِ.

الفقہ الاکبر

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جو وجہ، ید اور نفس کا ذکر فرمایا ہے تو یہ اس کی صفات بلا کیف ہیں۔ یوں نہیں کہنا چاہیے کہ "ید" سے مراد اللہ کی قدرت یا اس کی نعمت ہے کیونکہ اس صورت میں اللہ تعالیٰ کی صفت کا ابطال لازم آتا ہے جو کہ قدریہ اور معتزلہ کا عقیدہ ہے۔

"ید" سے مراد عضو معروف نہیں کیونکہ اعضاء جسم کے ہوتے ہیں، جب اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے تو اعضائے جسم سے بھی پاک ہے۔ اب یقینی بات ہے کہ "ید" صفت ہے۔ پھر "ید" صفتِ محکمہ بھی نہیں ہو سکتی کیونکہ صفتِ محکمہ تب ہو گی جب اس کا معنی بالکل واضح ہو گا اور جو واضح معنی ہے وہ "ہاتھ" ہے، وہ تو عضو بن جاتا ہے۔ لہذا یہ صفت متشابہ ہو گی۔ پھر صفت متشابہ کی دو قسمیں ہیں؛ یا تو غیر معلوم المعنی غیر معلوم المراد ہو۔ "ید" کا چونکہ لغوی معنیٰ معلوم ہے اس لیے یہ متشابہ کی پہلی قسم نہ ہوئی .... یا پھر معلوم المعنیٰ غیر معلوم المراد ہو۔ اب جب "ید" کا لغوی معنی معلوم ہے تو معلوم المعنیٰ ہوا، اور جب اس کا معنی "قدرت" کریں گے تو مراد بھی

معلوم ہو جائے گی۔ تو یوں متشابہ کی دوسری قسم غیر معلوم المعنی اور غیر معلوم المراد بھی نہ رہی۔ امام اعظم رحمہ اللہ یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ اگر "ید" کا معنی "قدرت" کریں گے تو قدرت؛ صفتِ محکمہ بھی نہیں ہے، متشابہ کی دونوں قسموں میں شامل نہیں ہے تو اس طرح صفت ہی باطل ہو جائے گی اور یہی معتزلہ کا موقف ہے۔

امام ابو الحسن علی بن اسماعیل الاشعری الحنبلی (ت 324ھ) فرماتے ہیں:

وَقَدْ قَالَ قَائِلُوْنَ مِنَ الْمُعْتَزِلَةِ وَالْجَهْمِيَّةِ وَالْحَرُوْرِيَّةِ: إِنَّ مَعْنٰى قَوْلِ اللهِ تَعَالٰى: (اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى) أَنَّهُ اسْتَوْلٰى وَمَلَكَ وَقَهَرَ ... وَجَحَدُوْا أَنْ يَكُوْنَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ مُسْتَوٍ عَلٰى عَرْشِهٖ كَمَا قَالَ أَهْلُ الْحَقِّ وَذَهَبُوْا فِي الِاسْتِوَاءِ إِلَى الْقُدْرَةِ.

کتاب الابانۃ للاشعری: ص34

ترجمہ: فرقہ معتزلہ، جہمیہ اور حروریہ کے لوگ کہتے ہیں کہ اللہ کے فرمان " اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى "(رحمٰن عرش پر مستوی ہوا) کا معنیٰ یہ ہے کہ رحمٰن عرش پر غالب ہوا، اور مالک بنا... اور جس طرح اہلِ حق کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے یہ لوگ اس کا انکار کرتے ہیں۔ نیز یہ لوگ استواء کا معنی "قدرت" کرتے ہیں۔

امام موصوف مزید لکھتے ہیں:

وَنَفَتِ الْجَهْمِيَّةُ أَنْ يَكُوْنَ لِلّٰهِ تَعَالٰى وَجْهٌ كَمَا قَالَ وَأَبْطَلُوْا أَنْ يَكُوْنَ لَهٗ سَمْعٌ وَبَصَرٌ وَعَيْنٌ.

کتاب الابانۃ: ص37

ترجمہ: فرقہ جہمیہ اللہ تعالیٰ کے فرمان سے جو "وجہ" ثابت ہے اس کی نفی کرتا ہے اور اس فرقہ کے لوگوں نے اللہ کے سمع، بصر اور عین کو باطل قرار دیا ہے۔

آگے امام موصوف نے مستقل ایک باب قائم کیا ہے:

"اَلْبَابُ السَّابِعُ الرَّدُّ عَلَى الْجَهْمِيَّةِ فِي نَفْيِهِمْ عِلْمَ اللهِ تَعَالٰى وَقُدْرَتَهٗ وَجَمِيْعِ صِفَاتِهٖ"

کتاب الابانۃ: ص41

ترجمہ: اس باب میں فرقہ جہمیہ کا رد ہے جو اللہ تعالیٰ کے علم، قدرت اور تمام صفات کی نفی کرتے ہیں۔

موقف نمبر4: غیر مقلدین

ید، عین، ساق وغیرہ کے حقیقی معنی مراد ہیں۔ چند عبارات ملاحظہ ہوں:

(۱): غیر مقلد عالم محمد یحییٰ گوندلوی صاحب لکھتے ہیں:

ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا چہرہ ہے۔

عقیدہ مسلم از محمد یحیی گوندلوی؛ ص177

اللہ تعالیٰ کے دو ہاتھ ہیں۔

عقیدہ مسلم از محمد یحیی گوندلوی؛ ص179

(۲) علامہ ابو عبد اللہ محمد بن صالح بن محمد بن سلیمان بن عبد الرحمٰن العثیمین (ت 2001ء) آیت "فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللهِ" کے بارے میں لکھتے ہیں:

"اَلصَّحِيْحُ اَنَّ الْمُرَادَ بِالْوَجْهِ هُنَا وَجْهُ اللهِ الْحَقِيْقِيُّ اَيْ اِلٰى اَيِّ جِهَةٍ تَتَوَجَّهُوْنَ فَثَمَّ وَجْهُ اللهِ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى"

شرح عقیدۃ واسطیۃ: ص156

ترجمہ: صحیح یہ ہے کہ یہاں "وجہ" سے مراد اللہ تعالیٰ کا حقیقی چہرہ ہے۔ مطلب اس آیت کا یہ ہوگا کہ جس جہت کی طرف تم رخ کرو اسی طرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا چہرہ ہے۔

(۳)　شیخ ڈاکٹر محمد بن خلیل ہراس (ت 1975ء) لکھتے ہیں:

”تَضَمَّنَتْ هَاتَانِ الْآيَتَانِ إِثْبَاتَ الْيَدَيْنِ صِفَةً حَقِيقِيَّةً لَهُ سُبْحَانَهُ عَلَى مَا يَلِيقُ بِهِ.“

شرح عقیدۃ واسطیۃ لخلیل ہراس: ص 61

ترجمہ:　یہ دو آیتیں (یعنی "مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ" (سورۃ ص: 75) اور " بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ" (سورۃ المائدۃ: 64) اللہ تعالیٰ کے لیے دو ہاتھوں کو صفت حقیقی کے طور پر ثابت کرتی ہیں جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے۔

دلائل اہل السنۃ والجماعۃ:

دلیل نمبر 1:

اَللّٰهُ الصَّمَدُ

سورۃ اخلاص: 2

ترجمہ:　اللہ بے نیاز ہے۔

صمد کہتے ہیں: ”[اَلَّذِيْ] لَا يَحْتَاجُ إِلٰى اَحَدٍ وَيَحْتَاجُ إِلَيْهِ كُلُّ اَحَدٍ.“

تفسیر المدارک للامام النسفی: ج 2 ص 842 تحت قولہ تعالیٰ: اللہ الصمد

ترجمہ:　جو کسی کا محتاج نہ ہو اور سارے اس کے محتاج ہوں۔

اللہ تعالیٰ موجود ہونے میں جسم کے، سننے میں کان کے، دیکھنے میں آنکھ کے اور پکڑنے میں ہاتھ کے محتاج نہیں۔ لہذا اللہ تعالیٰ جسم اور اعضائے جسم سے پاک ہیں۔

دلیل نمبر 2:

اللہ تعالیٰ چونکہ جسم سے پاک ہے لہذا اعضاء سے بھی پاک ہیں اس لیے کہ

اعضاء ہمیشہ جسم کے ہوتے ہیں تو جب جسم ہی نہیں ہے تو اعضاء بھی نہیں ہیں۔

فائدہ:

اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہیں۔ اس پر چند دلائل ملاحظہ ہوں:

(1): اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے کیونکہ جسم ہمیشہ دو یا دو سے زائد چیزوں سے مرکب ہوتا ہے اور مرکب وہ ہوتا ہے کہ پہلے دو مفرد ہوں، پھر ملیں تو مرکب بن جائے۔ تو مرکب پہلے نہیں ہوتا بعد میں بنتا ہے۔ جو پہلے نہ ہو اور بعد میں بنے اسے حادث کہتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ تو قدیم ہے، حادث نہیں ہے۔

(2): اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے اس لیے کہ جسم جتنا بھی بڑا ہو وہ ایک جگہ پر جا کر ختم ہو جاتا ہے، اس کی حد ہوتی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ غیر محدود ہے لہذا جسم سے پاک ہے۔

(3): اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے اس لیے کہ جسم کو خاص مکان چاہیے جبکہ اللہ تعالیٰ خاص مکان سے پاک ہے اس لیے اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے۔

(4): اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے اس لیے کہ جسم کی ایک خاص جہت ہوتی ہے جب اللہ تعالیٰ جہات سے پاک ہے تو جسم سے بھی پاک ہے۔

دلیل نمبر 3:

اگر ان کلمات "ید، عین، وجہ، ساق "وغیرہ کے لیے کیفیات ثابت کر دی جائیں اگرچہ مجہول ہی کیوں نہ ہوں تو اللہ تعالیٰ کے لیے جسم لازم آئے گا' کیونکہ کیفیات اجسام کے ساتھ خاص ہیں۔

چنانچہ امام ابو بکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ البیہقی (ت458ھ) فرماتے ہیں:

”فَاِنَّ الَّذِیْ یَجِبُ عَلَیْنَا وَعَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ اَنْ یَّعْلَمَہٗ اَنَّ رَبَّنَا لَیْسَ بِذِیْ صُوْرَۃٍ وَلَا ھَیْئَۃٍ فَاِنَّ الصُّوْرَۃَ تَقْتَضِی الْکَیْفِیَّۃَ وَھِیَ عَنِ اللہِ وَعَنْ صِفَاتِہٖ مَنْفِیَّۃٌ.“

کتاب الاسماء والصفات للبیہقی: ج2 ص21، باب ما ذکر فی الصورۃ

ترجمہ: جو چیز ہمیں اور ہر مسلمان کو جاننا ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ ہمارا رب صورت والا ہے نہ ہیئت والا۔ کیونکہ صورت کیفیت کا تقاضا کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات کیفیات سے پاک ہیں۔

دلیل نمبر4:

معنی جنس، نوع کے ضمن میں پایا جاتا ہے۔ ”ید“ جو کہ اسم جنس ہے، کا معنی ”جارحہ“ ہے جو کہ بالاتفاق حادث ہے۔ اگر ”ید اللہ“ سے بھی یہی معنی مراد ہو تو ”ید“ جو کہ صفت باری ہے، کا حادث ہونا لازم آئے گا حالانکہ ”ید اللہ“ جو کہ صفت باری ہے، قدیم ہے۔

دلیل نمبر5:

ان کلمات کے حقیقی معنی مگر مجہول الکیفیۃ مراد لینے سے تناقض اور تضاد لازم آئے گا کیونکہ حقیقی معنی مجہول الکیفیۃ نہیں بلکہ معلوم الکیفیۃ ہیں۔ تناقض باطل ہوتا ہے اور جو مستلزمِ باطل ہو وہ بھی باطل ہوتا ہے۔

دلیل نمبر6:

متشابہ کی دو قسمیں ہیں:

ا: غیر معلوم المعنی وغیر معلوم المراد جیسے حروف مقطعات الٓمٓ، حٰمٓ، نٓ وغیرہ۔

۲: معلوم المعنی وغیر معلوم المراد جیسے "ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ"

سورۃ الحدید:4

اگر ہم ان کلمات ید، عین وغیرہ سے اعضاء مجہول الکیفیۃ مراد لیں تو مُتَشابہ کی ان دو قسموں کے علاوہ تیسری قسم معلوم المعنی معلوم المراد مجہول الکیفیت لازم آئے گی، جبکہ مُتَشابہ کی تیسری قسم باطل ہے اور مستلزمِ باطل بھی باطل ہوتا ہے۔

اشکال:

اگر مُتَشابہ کی تیسری قسم مان لی جائے تو اس میں کیا حرج ہے؟ مُتَشابہ کی پہلی دو قسمیں بھی تو منصوص نہیں۔ اگر تیسری کو مانا جائے تو کسی نص کی مخالف تو لازم نہیں آتی!

جواب:

تیسری قسم "معلوم المعنی، معلوم المراد اور مجہول الکیفیت" ہے۔ اگر اس کو بھی ثابت مانا جائے تو اللہ تعالیٰ کے لیے کیفیات کا اثبات لازم آئے گا جبکہ اللہ تعالیٰ کے لیے کیفیات کا ثابت کرنا باطل ہے، اس لیے تیسری قسم کا ہونا بھی باطل ہے۔

فائدہ نمبر 1:

صفاتِ باری تعالیٰ عین ذات ہیں نہ غیر ذات ہیں؛ کیونکہ دو چیزوں کے مفہوم کا مصداق ہر اعتبار سے ایک ہو تو اسے "عین" کہتے ہیں اور دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کے بغیر ہو سکتا ہو تو اس کو "غیر" کہتے ہیں۔ صفات باری تعالیٰ عینِ ذاتِ باری اس لیے نہیں کہ صفت، ذات سے ایک زائد چیز کا نام ہے اور غیر اس لیے نہیں کہ صفت تابع اور موصوف متبوع ہوتا ہے اور تابع بغیر متبوع کے نہیں ہو سکتا اور

ذات باری تعالیٰ صفات کے بغیر اس لیے نہیں کہ اللہ تعالی کا صفات کمال سے خالی ہونا لازم آئے گا اور یہ محال ہے۔ بلکہ یہ صفات لازمِ ذات ہیں۔

اس سے معتزلہ کا شبہ زائل ہو جاتا ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ اگر صفات کو بھی ازلی مانا جائے تو تعددِ اِلٰہ لازم آتا ہے جو توحید کے منافی ہے۔ جواب یہ ہے کہ یہ لازم ذات ہیں۔ اس سے تعدد اِلٰہ کا شبہ باطل ہو جاتا ہے۔

اشکال: امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ سے جب استواء کے متعلق پوچھا گیا:

لَمَّا سُئِلَ عَنْ قَوْلِہٖ تَعَالٰی "ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ" کَیْفَ اسْتَوٰی؟

توانہوں نے فرمایا:

اَلْاِسْتِوَاءُ مَعْلُوْمٌ وَالْکَیْفُ مَجْھُوْلٌ وَالْاِیْمَانُ بِہٖ وَاجِبٌ وَالسُّوَالُ عَنْہُ بِدْعَۃٌ.

شرح العقیدہ الطحاویۃ لابن ابی العز: ج1 ص188، الرد علی الجہمیۃ لابن مندہ: ص104

ترجمہ: استواء معلوم ہے، کیفیت مجہول ہے، اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے۔

امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ نے استواء ثابت کر کے مجہول الکیفیت قرار دیا ہے۔ لہذا صفات باری کے حقیقی معنی مراد لے کر مجہول الکیفیت قرار دینا درست ہے۔

جواب: شیخ عماد الدین احمد حیدر؛ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "الاسماء والصفات" پر اپنی تعلیق میں لکھتے ہیں:

وَأَمَّا مَا یُرْوٰی عَنْہُ أَنَّہٗ قَالَ: "اَلْاِسْتِوَاءُ مَعْلُوْمٌ وَالْکَیْفِیَّۃُ مَجْھُوْلَۃٌ" فَھٰذَا لَمْ یَثْبُتْ عَنْ مَالِکٍ وَلَا غَیْرِہٖ مِنَ الْأَئِمَّۃِ.

التعلیق علی کتاب الاسماء والصفات: ج2 ص151

ترجمہ: یہ بات جو بیان کی جاتی ہے کہ "استواء معلوم ہے اور کیفیت مجہول ہے" یہ

امام مالک بن انس بلکہ کسی بھی امام سے ثابت نہیں۔

امام ابو بکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ البیہقی (ت 458ھ) نے "کتاب الاسماء والصفات" میں اور حافظ ابو الفضل شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی الشافعی (ت 852ھ) نے "فتح الباری شرح صحیح البخاری" میں بسند جید امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کا صحیح قول نقل کیا ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ وَهْبٍ، يَقُولُ: كُنَّا عِنْدَ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ فَدَخَلَ رَجُلٌ، فَقَالَ: يَا أَبَا عَبْدَ اللّٰهِ! " اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى " كَيْفَ اسْتِوَاؤُهُ؟ قَالَ: فَأَطْرَقَ مَالِكٌ وَأَخَذَتْهُ الرُّحَضَاءُ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَقَالَ: " اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى " كَمَا وَصَفَ نَفْسَهُ، وَلَا يُقَالُ: كَيْفَ، وَكَيْفٌ عَنْهُ مَرْفُوعٌ، وَأَنْتَ رَجُلُ سُوءٍ صَاحِبُ بِدْعَةٍ، أَخْرِجُوهُ. قَالَ: فَأُخْرِجَ الرَّجُلُ.

کتاب الاسماء والصفات: ج2 ص150، فتح الباری شرح صحیح البخاری: ج13 ص498 باب وکان عرشہ علی الماء

ترجمہ: امام عبد اللہ بن وھب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک آدمی آیا۔ اس نے امام مالک سے کہا: اے ابو عبد اللہ! رحمٰن عرش پر مستوی ہے، اس کا استواء کیسے ہے؟ ابن وہب فرماتے ہیں کہ امام مالک نے سر جھکا لیا اور آپ کو پسینہ آگیا۔ پھر آپ نے اپنا سر اٹھایا اور فرمایا: رحمٰن عرش پر مستوی ہے جیسا کہ اس نے خود بیان کیا ہے، یہ نہ کہا جائے کہ کیسے؟ (یعنی کیفیت کی نفی کی جائے) اور اللہ تعالیٰ سے کیفیت مرفوع ہے (یعنی کیفیت کا لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں بولا جاتا) اور تو برا اور بدعتی آدمی ہے۔ پھر حاضرین سے فرمایا: اسے نکال دو۔ چنانچہ اسے باہر نکال دیا گیا۔

اسی طرح امام ابو بکر بیہقی اور حافظ ابن حجر عسقلانی الشافعی رحمہما اللہ نے ولید

بن مسلم کے طریق سے نقل کیا ہے:

عَنِ الْوَلِيدِ بْنِ مُسْلِمٍ، قَالَ: سُئِلَ الْأَوْزَاعِيُّ وَمَالِكٌ وَسُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَاللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ هٰذِهِ الْأَحَادِيثِ الَّتِي جَاءَتْ فِي التَّشْبِيهِ فَقَالُوا: أَمِرُّوهَا كَمَا جَاءَتْ بِلَا كَيْفِيَّةٍ.

کتاب الاسماء والصفات: ج2ص198، فتح الباری شرح صحیح البخاری: ج13ص498باب وکان عرشہ علی الماء

ترجمہ: ولید بن مسلم فرماتے ہیں کہ امام اوزاعی، امام مالک، امام سفیان ثوری اور امام لیث بن سعد سے ان احادیث سے متعلق سوال کیا گیا جن میں اللہ کی صفات کا بیان ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ: یہ احادیث جیسے منقول ہیں ویسے ہی کیفیت کے بغیر بیان کرو۔

تو امام مالک رحمہ اللہ سے مروی درج بالا روایات میں ”کیف“ کی باقاعدہ نفی ہے۔

فائدہ نمبر2:

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں علمائے راسخین کا طرز یہ بیان فرمایا ہے کہ وہ صفاتِ متشابہات میں کھود کرید نہیں کرتے۔ ان میں ایسی تاویلات نہیں کرتے جن سے ان کی مراد ہی باطل ہو جائے بلکہ ان کا معنی اللہ تعالیٰ کے حوالے کرتے ہیں۔ راسخین فی العلم اللہ تعالیٰ کی صفات متشابہات کے بارے میں تشبیہ، تعطیل یا تکییف کے قائل نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ وَ مَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَ مَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ

سورۃ آل عمران:7

ترجمہ: وہی اللہ ہے جس نے تم پر یہ کتاب نازل کی ہے، اس میں کچھ آیات محکمات ہیں جو کتاب کی اصل بنیاد ہیں اور دوسری متشابہات ہیں۔ اب جن لوگوں کے دلوں میں ٹیڑھا پن ہے وہ فتنے کی تلاش میں ان متشابہات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور ان کی تاویلات کرنے میں لگے رہتے ہیں حالانکہ ان آیتوں کا صحیح صحیح مطلب اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا اور وہ لوگ جو علم میں پختہ کار ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم ان پر ایمان لاتے ہیں۔ یہ سب کچھ ہمارے رب کی طرف سے ہے اور نصیحت وہی لوگ حاصل کرتے ہیں جو عقل والے ہیں۔

اشکال:

راسخین فی العلم کا وظیفہ صفات متشابہات میں تاویل نہ کرنا ہے جبکہ متاخرین اھل السنۃ والجماعۃ تو صفات متشابہات میں تاویل کرتے ہیں۔ تو کیا متاخرین اھل السنۃ والجماعۃ راسخین فی العلم نہیں؟

جواب:

قرآن کریم میں راسخین فی العلم کی جو صفت بیان ہوئی کہ وہ تاویلات میں نہیں پڑتے اس کا معنی یہ ہے کہ وہ درجہ یقین میں تاویل نہیں کرتے اور متاخرین اھل السنۃ والجماعۃ نے جو صفات متشابہات کا معنی بیان کیا ہے وہ درجہ ظن میں بیان کیا ہے، یہ عقیدہ تفویض کے منافی نہیں۔

اشکال:

متشابہات میں بحث کرنے کو اللہ تعالیٰ نے کج رَو لوگوں کا مشغلہ قرار دیا ہے تو اھل السنۃ والجماعۃ ان میں بحث کیوں کرتے ہیں؟ مثلاً استواء علی العرش، ید، عین،

وجہ پر بحث کرتے ہیں۔

جواب:

یہاں دو باتیں الگ الگ ہیں:

1: صفات متشابہات میں بحث کرنا

2: ان صفات میں بحث کرنے والوں کو جواب دینا

ہم اھل السنۃ والجماعۃ صفات متشابہات کی بحث میں نہیں پڑتے بلکہ اہلِ باطل جو متشابہات کی بحث میں پڑ کر امت کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو اہم ان کو جواب دینے کے لیے بحث کرتے ہیں۔ اول مذموم ہے جبکہ ثانی محمود ہے۔

اشکال:

جب اللہ تعالیٰ مشابہاتِ مخلوق سے پاک ہیں تو قرآن و حدیث میں ایسے الفاظ کیوں استعمال کیے گئے جو انسان کو وہم میں ڈال دیتے ہیں؟

جواب:

امام ابو الفرج عبد الرحمٰن بن ابی الحسن علی بن محمد تمیمی المعروف ابن الجوزی (ت 597ھ) "دَفْعُ شُبَهِ التَّشْبِيْهِ" میں لکھتے ہیں:

إِنَّ الْخَلْقَ غَلَبَ عَلَيْهِمُ الْحِسُّ فَلَا يَكَادُوْنَ يَعْرِفُوْنَ غَيْرَهُ وَسَبَبُهُ الْمُجَانَسَةُ لَهُمْ فِي الْحَدِيْثِ فَعَبَدَ قَوْمٌ النُّجُوْمَ وَأَضَافُوْا إِلَيْهَا الْمَنَافِعَ وَالْمَضَارَ وعَبَدَ قَوْمٌ النُّوْرَ وَأَضَافُوْا إِلَيْهِ الْخَيْرَ وَأَضَافُوا الشَّرَّ إِلَى الظُّلْمَةِ وَعَبَدَ قَوْمٌ الْمَلَائِكَةَ وَقَوْمٌ الشَّمْسَ و قَوْمٌ عِيْسٰى وَقَوْمٌ عُزَيْرَ وَعَبَدَ قَوْمٌ الْبَقَرَ وَالْأَكْثَرُوْنَ الْأَصْنَامَ فَآنَسَتْ نُفُوْسُهُمْ بِالْحِسِّ الْمَقْطُوْعِ بِوُجُوْدِهٖ وَلِذٰلِكَ قَالَ قَوْمُ سَيِّدِنَا مُوْسٰى

عَلَيْهِ السَّلَامُ! "اِجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا" فَلَوْ جَاءَتِ الشَّرَائِعُ بِالتَّنْزِيْهِ الْمَحْضِ جَاءَتْ بِمَا يُطَابِقُ النَّفْيَ فَلَمَّا قَالُوْا: صِفْ لَنَا رَبَّكَ! نَزَلَتْ! "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" وَلَوْ قَالَ لَهُمْ: لَيْسَ بِجِسْمٍ وَلَا جَوْهَرٍ وَلَا عَرَضٍ وَلَا طَوِيْلٍ وَلَا عَرِيْضٍ وَلَا يَشْغَلُ الْاَمْكِنَةُ وَلَا يَحْوِيْهِ مَكَانٌ وَلَا جِهَةٌ مِنَ الْجِهَاتِ السِّتِّ وَلَيْسَ بِمُتَحَرِّكٍ وَلَا سَاكِنٍ وَلَا يُدْرِكُهُ الْإِحْسَاسُ لَقَالُوْا: حُدَّ لَنَا النَّفْيَ بِأَنْ تَمَيَّزَ مَا تَدْعُوْنَا إِلٰى عِبَادَتِهٖ عَنِ النَّفْيِ وَإِلَّا فَأَنْتَ تَدْعُوْ إِلٰى عَدَمٍ.

دَفْعُ شُبَهِ التَّشْبِيْهِ لابن الجوزی: ص 11

ترجمہ: انسانی طبیعت پر محسوسات اتنے غالب ہو گئے تھے کہ لوگ محسوسات کے بغیر (اِلٰہ کو) سمجھ ہی نہ پاتے تھے۔ اس کی وجہ محض یہ تھی کہ ان کی گفتگو میں اِلٰہ کا تذکرہ محسوسات کی بنا پر ہی ہوتا تھا۔ چنانچہ کچھ لوگوں نے ستاروں کی پرستش کی اور انہیں نفع ونقصان کا مالک قرار دیا۔ کچھ لوگوں نے نور کی پرستش کی اور اسے خیر کا مالک جبکہ ظلمت کو شر کا مالک قرار دیا۔ کسی نے فرشتوں کی، کسی نے سورج کی، کسی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی، کسی نے حضرت عُزَیر علیہ السلام کی، کسی نے گائے کی اور کئی لوگوں نے تو بتوں کی پرستش کی۔ اس لیے طبائع انسانی حسی اِلٰہ کے وجود کے ساتھ ہی مانوس ہو کر رہ گئے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے (ان سے) کہا تھا کہ ہمارے لیے بھی ایسا معبود بنائیے جس طرح ان لوگوں کے معبود ہیں۔ اگر شریعت میں اِلٰہ کے خواص کو تنزیہ محض کی صورت میں بیان کیا جاتا تو صفات کو نافیہ ہی لایا جاتا۔ چنانچہ جب مشرکین نے (آپ صلی اللہ علیہ وسلم) سے سوال کیا کہ آپ اپنے رب کی صفات بیان کیجیے (کہ وہ کیسا ہے؟) تو "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" نازل ہوئی کہ کہہ دیجیے اللہ ایک ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ (صفاتِ نافیہ ذکر کرتے ہوئے) یہ فرمادیتے کہ "وہ نہ جسم ہے، نہ جوہر، نہ طویل، نہ عریض، نہ امکنہ میں اتر کر ان کو بھر سکتا ہے اور

نہ کوئی مکان اس کا احاطہ کر سکتا ہے اور نہ اس کے لیے جہات ستہ میں سے کوئی جہت ثابت ہے، نہ ہی وہ متحرک ہے، نہ ساکن ہے، نہ اسے محسوس کیا جاسکتا ہے "تو مشرکین کہہ اٹھتے کہ آپ اس "نہ ہونے والی ذات" (مطلب کہ یہ بھی نہیں، یہ بھی نہیں، تو وہ نہ ہونے والی ذات ہے کیا؟) کی تعریف تو کریں تاکہ آپ صفاتِ منفیہ بیان کر کے جس ذات کی عبادت کی دعوت دے رہے ہیں وہ واضح تو ہو ورنہ یہ تو ایسا ہے کہ آپ ہمیں معدوم کی عبادت کی طرف بلا رہے ہیں۔

فائدہ: صفاتِ متشابہ کی مزید تفصیل کے لیے بندہ کی مرتب کردہ فائل "القواعد فی العقائد" ملاحظہ فرمائیں۔

تقدیرِ الٰہی کا بیان

خَلَقَ اللهُ تَعَالَى الْأَشْيَاءَ لَا مِنْ شَيْءٍ وَكَانَ اللهُ تَعَالَى عَالِمًا فِي الْأَزَلِ بِالْأَشْيَاءِ قَبْلَ كَوْنِهَا وَهُوَ الَّذِي قَدَّرَ الْأَشْيَاءَ وَقَضَاهَا وَلَا يَكُونُ فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْآخِرَةِ شَيْءٌ إِلَّا بِمَشِيئَتِهِ وَعِلْمِهِ وَقَضَائِهِ وَقَدْرِهِ وَكَتْبِهِ فِي اللَّوْحِ الْمَحْفُوظِ وَلٰكِنْ كَتَبَهُ بِالْوَصْفِ لَا بِالْحُكْمِ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء کو کسی مادہ کے بغیر پیدا فرمایا۔ اشیاء کے وجود میں آنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کو ازل سے ان کا علم تھا۔ اس نے تمام مخلوق کے لیے کچھ چیزیں مقرر کیں اور ان میں اپنا حکم جاری فرمایا۔ دنیا و آخرت میں جو چیز بھی وقوع پذیر ہو گی وہ اس کی مشیت، علم، فیصلہ، تقدیر اور لوحِ محفوظ کے نوشتہ کے مطابق ہی ہو گی البتہ لوحِ محفوظ میں اس کو باعتبار وصف کے تحریر فرمایا نہ کہ باعتبار حکم کے۔

قَوْلُهٗ: خَلَقَ اللّٰهُ تَعَالٰى الْأَشْيَاءَ لَا مِنْ شَيْءٍ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء کو کسی مادہ کے بغیر پیدا فرمایا۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اس عبارت میں بدیع، مبدی، فاطر اور منشی جیسی صفات کا مفہوم بیان فرمارہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو پیدا فرمایا لیکن اسے کسی مادے کی ضرورت نہیں پڑی کہ پہلے وہ مادہ موجود ہو تب عالَم کو تخلیق کریں بلکہ تمام مخلوقات کو بغیر مادے کے عدم سے وجود بخشا ہے۔

فائدہ نمبر 1:

فلاسفہ اس بات کے قائل ہیں کہ خالق نے جب موجودات کو وجود بخشا تو انہیں ایک مادہ سے پیدا کیا۔ مادہ موجودات کے وجود سے پہلے موجود تھا۔ اسے فلسفہ کی زبان میں "ہیولیٰ" سے تعبیر کرتے ہیں۔ "ہیولیٰ" یونانی زبان کا لفظ ہے جس کا معنی "اصل" اور "مادہ" ہے۔

لیکن ان کا یہ قول چند وجوہات کی بنا پر غلط ہے:

نمبر1: اس پر کوئی نصِ صریح یا نقلِ صحیح موجود نہیں، محض وہم کی بناء پر عقائد ثابت نہیں ہوتے۔

نمبر2: اس سے لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کی طرح "مادہ" بھی قدیم ہو۔ یوں تعددِ قدماء لازم آئے گا اور یہ عقیدۂ توحید کے منافی ہے۔

نمبر3: اگر مادے کو موجودات پر مقدم مانا جائے تو ایک موجد اور خالقِ عالَم میں فرق باقی نہ رہے گا۔ موجد بھی موجود اشیاء کو اپنی کاریگری سے ایک نیا وجود عطا کرتا ہے۔ تو اگر خالقِ عالَم کے لیے بھی یہی معاملہ تسلیم کرلیا جائے تو خالقِ عالَم اور موجد میں سوائے مخصوص صنعت اور کاریگری کے کوئی اور فرق باقی نہ رہے گا جبکہ خالق کا مخلوق

کے مشابہ نہ ہونا ایک طے شدہ بات ہے۔

نمبر4: اس نظریے سے خالق کی احتیاج لازم آتی ہے کہ موجودات کو عدم سے وجود میں لانے کے لیے وہ "مادہ" کے محتاج تھے۔ محتاج ہونا اللہ تعالیٰ کی شانِ صمدیت کے خلاف ہے۔

فائدہ نمبر2:

کسی چیز کو عدم سے وجود میں لانا "تخلیق" اور موجود کو نئی شکل دینا "ایجاد" کہلاتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ بغیر مادہ کے اشیاء کو پیدا فرماتے ہیں تو ان کو "خالق" کہتے ہیں اور انسان اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ اشیاء کو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ عقل سے نئی شکل دیتا ہے تو اسے "موجد" کہتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: وَكَانَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَالِمًا فِى الْأَزَلِ بِالْأَشْيَاءِ قَبْلَ كَوْنِهَا وَهُوَ الَّذِىْ قَدَّرَ الْأَشْيَاءَ وَقَضَاهَا

ترجمہ: اشیاء کے وجود میں آنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کو ازل سے ان کا علم تھا۔ اس نے تمام مخلوق کے لیے کچھ چیزیں مقرر کیں اور ان میں اپنا حکم جاری فرمایا۔

اللہ تعالیٰ جس طرح ازلی ذات ہے اسی طرح اس کا علم بھی ازلی ہے۔ اللہ تعالیٰ موجودات کو وجود عطا کرنے سے پہلے ہی ان کے متعلق جانتے تھے کہ جب انہیں وجود عطا ہوگا تو وہ کس طرح ہوں گی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو پیدا کیا اور ان کے لیے کچھ چیزیں مقرر کیں۔ مثلاً انسان کو پیدا فرمایا تو اس کی جسمانی ساخت سر، دھڑ، ہاتھ، پاؤں وغیرہ کو پیدا فرمایا۔ اسی طرح اس کا رزق، عزت، ذلت، بلندی، پستی وغیرہ جیسی چیزوں کو بھی مقرر فرمایا۔ مخلوق کو جن چیزوں کی ضرورت پڑتی

ہے وہ بھی پیدا فرمائیں اور کتنی مقدار میں ضرورت پڑتی ہے اتنی مقدار میں پیدا فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ کا مخلوقات کو پیدا فرما کر ان کے لیے ضروری اشیاء کو مقرر فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کی تخلیق سے پہلے انہیں جانتے تھے تب ہی تو ان کی تخلیق کے ساتھ ساتھ آئندہ پیش آنے والی چیزوں کو بھی متعین فرما دیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّا کُلَّ شَیۡءٍ خَلَقۡنٰہُ بِقَدَرٍ

القمر:49

ترجمہ: ہم نے ہر چیز کو ناپ تول کر پیدا فرمایا ہے۔

اَلَمۡ یَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ یَعۡلَمُ سِرَّہُمۡ وَ نَجۡوٰىہُمۡ وَ اَنَّ اللّٰہَ عَلَّامُ الۡغُیُوۡبِ

سورۃ التوبۃ:78

ترجمہ: کیا ان لوگوں کو اس بات کا علم نہیں کہ اللہ ان کی پوشیدہ اور ظاہری سب باتوں کو جانتے ہیں اور اللہ تمام غیب کی باتوں کا علم رکھتا ہے۔

قَوْلُهٗ: وَلَا يَكُوْن فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْآخِرَةِ شَيْءٌ إِلَّا بِمَشِيْئَتِهٖ وَعِلْمِهٖ وَقَضَائِهٖ وَقَدْرِهٖ وَكَتْبِهٖ فِي اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ وَلٰكِنْ كَتَبَهٗ بِالْوَصْفِ لَا بِالْحُكْمِ

ترجمہ: دنیا و آخرت میں جو چیز بھی وقوع پذیر ہو گی وہ اس کی مشیت، علم، فیصلہ، تقدیر اور لوحِ محفوظ کے نوشتہ کے مطابق ہی ہو گی البتہ لوحِ محفوظ میں اس کو باعتبار وصف کے تحریر فرمایا نہ کہ باعتبار حکم کے۔

اس عبارت میں چند الفاظ استعمال ہوئے ہیں، پہلے ان کا معنی سمجھ لیا جائے:

مشیت:

اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ میں بندوں کو نیکی اور برائی دونوں کا اختیار دوں۔ اب

بندے کی مرضی کہ نیکی والا اختیار استعمال کر کے نیک کام کرے یا برائی والا اختیار استعمال کر کے گناہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کا اپنی چاہت سے بندے کو نیکی یا برائی کا اختیار دینا "مشیت" ہے۔

علم:

دنیا میں جو کچھ ہو گا وہ اللہ تعالیٰ پہلے سے جانتے ہیں۔ مثلاً ایک شخص نے اپنے اختیار سے اطاعت والے کام کرنے ہیں یا نافرمانی کا ارتکاب کرنا ہے، یہ پہلے سے اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔ اسی کا نام "علمِ باری تعالیٰ" ہے۔

قضاء:

بندہ جب کسی کام کے لیے اسبابِ خیر یا اسبابِ شر اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کام کے ہونے کا فیصلہ فرما دیتے ہیں۔

قدر (تقدیر):

تقدیر؛ علمِ الٰہی اور امرِ الٰہی کے مجموعے کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ وہ بندے کو اختیار دیں گے تو بندہ اپنے اختیار سے یہ کام کرے گا یہ علمِ الٰہی ہوا، اور اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا کہ بندہ یہ کام کرے گا یہ امرِ الٰہی ہوا۔ اب علمِ الٰہی؛ امرِ الٰہی کے خلاف ہو یا امرِ الٰہی؛ علمِ الٰہی کے خلاف ہو ایسا نہیں ہو سکتا۔ تو تقدیر صرف "علمِ الٰہی" کا نام نہیں بلکہ تقدیر علمِ الٰہی اور امرِ الٰہی کے مجموعے کا نام ہے۔ نیز بندہ مجبورِ محض بھی نہیں کیونکہ بندہ اپنے اختیار سے کام کر رہا ہے۔

اب عبارت کا مفہوم سمجھیں!

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ دنیا اور آخرت میں جو

واقعات و حادثات رونما ہوں گے وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت، علم، قضاء، تقدیر اور لوحِ محفوظ کے لکھے ہوئے کے بالکل مطابق ہوں گے۔ مثلاً زید کے قرآن کریم حفظ کرنے کا واقعہ رونما ہوا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ”مشیت“ کے موافق ہوا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے چاہا تھا کہ میں زید کو اختیار دوں گا اور یہ اپنے اختیار سے حفظ کرے گا۔ زید کا حفظِ قرآن اللہ تعالیٰ کے ”علم“ کے مطابق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ زید یہ عمل کرے گا۔ زید کا یہ عمل اللہ کی ”قضا اور فیصلہ“ کے بھی مطابق ہے کیونکہ زید نے حفظ قرآن کے اسباب اختیار کیے، قاری صاحب کے پاس گیا، یاد کرنا شروع کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے حفظ کرنے کا فیصلہ بھی فرما دیا۔ یہ حفظ ”تقدیر الٰہی“ کے بھی مطابق ہے کیونکہ علم الٰہی اور امر الٰہی دونوں کے موافق ہے۔ یہ ”لوح محفوظ کے لکھے ہوئے“ کے بھی موافق ہے کیونکہ اللہ نے اپنے علم ازلی کی بنا پر لوحِ محفوظ میں لکھوا دیا تھا۔ تو دنیا اور آخرت میں واقعات کا ہونا یہ اللہ تعالیٰ کے علم، قدرت اور مشیت سے باہر نہیں۔ ہاں البتہ یہ ملحوظ رہے کہ لوحِ محفوظ میں جو کچھ لکھا گیا ہے کہ یہ ہو گا تو یہ ”ہونا“ وصف کے اعتبار سے ہے، نہ کہ حکم کے اعتبار سے۔ مثلاً زید نے عمرو کو قتل کرنا تھا تو اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا زید یہ کام کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے لوح محفوظ میں لکھ لیا۔ اب لکھنے کا معنی حکم نہیں کہ ”زید عمرو کو قتل کرے“، بلکہ لکھا جانا وصف کے اعتبار سے ہے کہ ”زید عمرو کو قتل کرے گا۔“

فائدہ:

لوح محفوظ میں امور کا لکھا جانا وصف کے اعتبار سے ہے نہ کہ حکم کے اعتبار سے۔ اگر یہ نکتہ سمجھ میں آجائے تو فرقہ جبریہ کا دعویٰ باطل ہو جاتا ہے۔ فرقہ جبریہ انسان کو مجبورِ محض مانتا ہے۔ اس کا یہ کہنا ہے کہ انسان سے جن کاموں کا صدور ہوا ہے

یہ لوح محفوظ میں لکھے ہوئے کی وجہ سے ہوا ہے، اس میں انسان کا ذاتی کوئی اختیار نہیں، اس لیے انسان مجبور محض ہے۔

جبریہ کے اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ یہ موقف اس وقت درست ہو گا جب یہ لکھا جانا "حکم" کے اعتبار سے ہو لیکن ایسا نہیں، لوح محفوظ میں امور کا لکھا جانا "وصف" کے اعتبار سے ہے، اس لیے بندہ مجبور محض نہیں!

امام ابو بکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ البیہقی (ت458ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللہُ عَنْہُمَا قَالَ: إِنَّ أَوَّلَ مَا خَلَقَ اللہُ عَزَّ وَجَلَّ مِنْ شَیْءٍ الْقَلَمُ فَقَالَ: اکْتُبْ. قَالَ: یَا رَبِّ وَمَا أَکْتُبُ؟ قَالَ: اکْتُبِ الْقَدَرَ. قَالَ: فَجَرٰی بِمَا ھُوَ کَائِنٌ مِنْ ذٰلِکَ الْیَوْمِ إِلٰی قِیَامِ السَّاعَۃِ.

السنن الکبریٰ للبیہقی: ج9 ص3 رقم الحدیث 18157

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سب سے پہلی چیز جو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی وہ قلم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے حکم فرمایا کہ لکھو! قلم نے عرض کیا: اے میرے رب! میں کیا لکھوں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تقدیر کو لکھو! تو قلم چلنا شروع ہوا اور اس دن سے لے کر قیامت تک جو ہونا ہے وہ سارا لکھ لیا۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قلم کو یہ حکم دیا کہ قیامت تک جو کچھ ہونا ہے وہ لکھو! یہ نہیں فرمایا کہ "یہ لکھو کہ قیامت تک فلاں فلاں واقعہ رونما ہو!" تو حدیث میں کتابت بالوصف کا ذکر ہے، نہ کہ کتابت بالحکم کا۔

قضاء، قدر اور مشیتِ الٰہیہ کا ازلی ہونا

وَالْقَضَاءُ وَالْقَدْرُ وَالْمَشِيْئَةُ صِفَاتُهٗ فِي الْأَزَلِ بِلَا كَيْفٍ يَعْلَمُ اللّٰهُ تَعَالٰى الْمَعْدُوْمَ فِيْ حَالِ عَدَمِهٖ مَعْدُوْمًا وَيَعْلَمُ أَنَّهٗ كَيْفَ يَكُوْنُ إِذَا أَوْجَدَهٗ وَيَعْلَمُ اللّٰهُ الْمَوْجُوْدَ فِيْ حَالِ وُجُوْدِهٖ مَوْجُوْدًا وَيَعْلَمُ أَنَّهٗ كَيْفَ يَكُوْنُ فَنَاؤُهٗ وَيَعْلَمُ اللّٰهُ الْقَائِمَ فِيْ حَالِ قِيَامِهٖ قَائِمًا وَإِذَا قَعَدَ فَقَدْ عَلِمَهٗ قَاعِدًا فِيْ حَالِ قُعُوْدِهٖ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَّتَغَيَّرَ عِلْمُهٗ أَوْ يَحْدُثَ لَهٗ عِلْمٌ وَلٰكِنِ التَّغَيُّرُ وَالْاِخْتِلَافُ يَحْدُثُ عِنْدَ الْمَخْلُوْقِيْنَ.

ترجمہ: قضاء، قدر اور مشیت اللہ تعالیٰ کی ازلی صفات ہیں جو بلا کیف ہیں۔ اللہ تعالیٰ معدوم چیز کو اس وقت بھی جانتا ہے جبکہ وہ ابھی حالت عدم میں ہو اور یہ بھی جانتا ہے کہ جب اسے (یعنی شے معدوم کو) وجود عطا کرے گا تو وہ کیسی ہو گی؟ اسی طرح اللہ تعالیٰ موجود شے کو اس کی موجودہ حالت میں بھی جانتا ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ وہ کب فنا ہو گی؟ اللہ تعالیٰ ہر کھڑی ہونے والی چیز کو اس کے قیام کی حالت میں بھی جانتا ہے اور جب وہ چیز بیٹھے تو اس کا بھی اللہ تعالیٰ کو علم ہوتا ہے۔ (ان تمام باتوں میں) نہ تو اس کے علم میں کوئی تغیر پیدا ہوتا ہے اور نہ ہی اس کے علم میں کوئی نئی بات آتی ہے (کیونکہ ہر چیز وہ پہلے سے ہی جانتا ہے) ہاں تغیر اور تبدیلی جو پیدا ہوتی ہے تو وہ مخلوق کے اعتبار سے پیدا ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا علم ازلی ہے جو ازل سے اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔ دنیا میں جو کچھ وقوع پذیر ہوا، جو کچھ ہو رہا ہے اور جو آئندہ ہو گا یہ سب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور اللہ تعالیٰ کے علم کے کامل ہونے کی دلیل ہے۔ اگر مخلوق کے واقعات ہو جانے کے بعد اللہ تعالیٰ کو ان واقعات کا علم ہونا تسلیم کیا جائے تو یہ نقص ہے کہ وصفِ علم اللہ

تعالیٰ میں پہلے نہ تھی، جب واقعہ رونما ہوا تو بعد میں اللہ تعالیٰ اس سے متصف ہو گیا۔ یہ دلیلِ نقص ہے اور اللہ تعالیٰ نقائص سے پاک ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کا اشیاء کو ان کی ہر حالت میں جاننا ثابت ہوا۔

یہ بات بھی واضح رہے کہ اشیاء میں جب کوئی تغیر رونما ہوتا ہے مثلاً زید پیدا ہوا، اس نے علم حاصل کیا، بالآخر فوت ہو گیا۔ تو زید کے یہ احوال مختلف اوقات میں پیش آئے۔ اللہ تعالیٰ یہ احوال جانتے ہیں لیکن اس کا معنی یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تغیر آیا ہو کہ اللہ تعالیٰ کو پہلے اس چیز کے احوال کا علم نہ تھا یا یہ بات اللہ تعالیٰ کے علم میں اب آئی ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ازل ہی سے ان احوال سے باخبر تھے۔ ہاں واقعات میں تغیر مخلوق کے اعتبار سے ہوتا ہے، خالق کے اعتبار سے نہیں۔

توضیح بالمثال:

ایک شخص کی قیام کی حالت کو لوگ اس وقت دیکھتے ہیں جب وہ شخص کھڑا ہوتا ہے۔ قیام کی حالت میں لوگ اس کے بیٹھنے کی حالت کو نہیں دیکھتے جبکہ اللہ تعالیٰ اس کے کھڑے ہونے کی حالت میں اس کے بیٹھنے کی حالت کو بھی جانتے ہیں گو یہ شخص ابھی بیٹھا نہ بھی ہو۔ تو بندے کے قیام کے وقت اللہ تعالیٰ کے علم میں اس کے قعود کی حالت بھی ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ مثال سے پاک ہیں لیکن سمجھانے کے لیے مثال پیش کی جاتی ہے کہ جس طرح ایک آدمی قریب والے شخص کو تو دیکھ رہا ہوتا ہے لیکن دور والے شخص کو نہیں دیکھ سکتا۔ ایک دوسرا آدمی دوربین لگا کر بیٹھا ہو تو اس کو دور والا شخص بھی اسی طرح نظر آتا ہے جس طرح جس طرح قریب والا شخص نظر آتا ہے۔ یہ دور والا شخص دوربین کے بغیر دیکھنے والے آدمی کے لیے تو غائب ہے لیکن دوربین والے آدمی کے

لیے وہ شخص غائب نہیں بلکہ اس کے لیے قریب والا اور دور والا دونوں برابر ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے سامنے قیام والے شخص کی حالتِ قعود ایسے ہی ہے جس طرح اس کی ابھی والی حالتِ قیام سامنے ہے۔

فطرتِ انسانی

خَلَقَ اللّٰهُ تَعَالَى الْخَلْقَ سَلِيْمًا مِنَ الْكُفْرِ وَالْإِيْمَانِ ثُمَّ خَاطَبَهُمْ وَأَمَرَهُمْ وَنَهَاهُمْ فَكَفَرَ مَنْ كَفَرَ بِفِعْلِهٖ وَإِنْكَارِهٖ وَجُحُوْدِهِ الْحَقَّ بِخِذْلَانِ اللّٰهِ تَعَالٰى إِيَّاهُ وَاٰمَنَ مَنْ اٰمَنَ بِفِعْلِهٖ وَإِقْرَارِهٖ وَتَصْدِيْقِهٖ بِتَوْفِيْقِ اللّٰهِ تَعَالٰى إِيَّاهُ وَنُصْرَتِهٖ لَهٗ.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کو کفر و ایمان سے خالی پیدا فرمایا۔ پھر انہیں خطاب فرمایا اور کچھ کاموں کے کرنے کا حکم دیا اور کچھ سے منع فرمایا۔ پھر کسی نے باختیارِ خود (احکاماتِ خداوندی کا) انکار کیا اور (راہِ حق کی) مخالفت کی جس کی وجہ سے توفیقِ الٰہی اس کے شامل حال نہ رہی تو وہ کافر ہو گیا، اور کسی نے باختیارِ خود (احکاماتِ خداوندی کا) اقرار کیا اور تصدیق کی جس کی وجہ سے توفیق و نصرتِ الٰہی اس کے شاملِ حال ہوئی تو وہ ایمان کی دولت سے مالا مال ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے جب مخلوق کو پیدا کیا تو اسے کفر اور ایمان سے خالی پیدا فرمایا۔ البتہ ان میں یہ صلاحیت رکھ دی کہ کفر کو اختیار کرنا چاہے یا ایمان کو تو اختیار کر سکے۔ اللہ تعالیٰ نے جبراً کسی ایک جہت کا پابند نہیں بنایا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا

سورۃ الشمس: 7، 8

ترجمہ: قسم ہے نفس کی اور اس ذات کی جس نے اسے درست کیا(یعنی بنایا)اور اس میں گناہ کرنے کا اور گناہ سے بچنے کا مادہ ودیعت فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں گیارہ قسمیں کھا کر اس مضمون کو بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندے کو "فُجُوْرَهَا" گناہ کی طاقت اور "تَقْوٰىهَا" اس کو کنٹرول کرنے کی طاقت دی ہے۔

کفر اور ایمان سے مبرا پیدا فرما کر انہیں اطاعت کا حکم دیا اور نافرمانی سے منع فرمایا۔ اب یہ انسانی فعل ہے کہ وہ اپنی مرضی سے کس جانب کو اختیار کرتا ہے اور کس جانب کو مسترد کرتا ہے۔ اسی پر انسان کی کامیابی کا مدار ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۫ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۙ اِنَّاۤ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا

سورۃ الکہف:29

ترجمہ: آپ فرما دیجیے کہ حق تمہارے رب کی جانب سے (واضح ہو چکا) ہے اس لیے جس کا دل چاہے ایمان لائے اور جس کا دل چاہے کفر اختیار کرے۔ ہم نے (انکار کرنے والے) ظالموں کے لیے آگ تیار کر رکھی ہے۔

جب کوئی شخص حق کا انکار کرے تو اس نے خود ہی قبولِ حق کی استعداد کو ختم کر دیا۔ ظاہر ہے اب خدا تعالیٰ کی طرف سے ناکامی اس کا مقدر بنے گی اور بالآخر یہ شخص جادۂ حق سے ہٹ کر گمراہ ہو جائے گا۔ یہی اللہ تعالیٰ کی جانب سے خذلان ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص خداداد صلاحیت سے حق کی راہ پر چلتا ہے تو نتیجۃً کامیابی اس کا مقدر بنے گی۔ یہی خدا تعالیٰ کی طرف سے توفیق کا ملنا ہے۔

اشکال:

"مَنْ كَفَرَ بِفِعْلِهٖ وَإِنْكَارِهٖ وَجُحُوْدِهِ الْحَقَّ بِخِذْلَانِ اللهِ تَعَالٰى إِيَّاهُ وَاٰمَنَ مَنْ اٰمَنَ

بِفِعْلِهٖ وَإِقْرَارِهٖ وَتَصْدِيْقِهٖ بِتَوْفِيْقِ اللهِ تَعَالٰى إِيَّاهُ وَنُصْرَتِهٖ لَهٗ"....جب اللہ تعالیٰ کسی کو گمراہ کرنے کا ارادہ فرماتے ہیں تو بندہ کیسے ایمان لائے؟ اور جب اللہ تعالیٰ کسی کو ہدایت دینے کا فیصلہ فرمائے تو بندہ کیسے کفر کرے؟ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ بندہ مجبورِ محض ہے۔

جواب:

یہ اشکال اس وقت ہوتا ہے جب "بِخِذْلَانِ اللهِ تَعَالٰى" اور "بِتَوْفِيْقِ اللهِ تَعَالٰى" میں "با" تعلیل کا ہو لیکن یہاں "با" تعلیل کا نہیں بلکہ عاقبت اور نتیجہ کا ہے۔

جس طرح قرآن کریم میں ہے:

فَالْتَقَطَهٗۤ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّ حَزَنًا ؕ اِنَّ فِرْعَوْنَ وَ هَامٰنَ وَ جُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِئِيْنَ

سورۃ القصص:8

ترجمہ: فرعون کے لوگوں نے اس (بچے) کو اٹھالیا تاکہ یہ بچہ ان کا دشمن اور غم کا ذریعہ بنے۔ بے شک فرعون، ہامان اور ان دونوں کا لشکر خطا پر تھے۔

یہاں بھی "لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّ حَزَنًا" میں "لام" عاقبت اور انجام کا ہے۔

یعنی انہوں نے اس بچے کو اس لیے نہیں اٹھایا تھا کہ ان کا دشمن بنے بلکہ اٹھایا تو اس لیے تھا کہ ان کا بیٹا بنے اور ان کے لیے خوشی کا سبب ہو لیکن نتیجہ یہ نکلا وہ بچہ ان کا دشمن بنا اور ان کے غم کا ذریعہ بنا۔

اسی طرح قرآن کریم میں ہے:

وَ اِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَ حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَاۤ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللهُ بَيْنَهُمَا

سورۃ النساء:35

ترجمہ: اگر تمہیں اس بات کا اندیشہ ہو کہ خاوند اور بیوی کے درمیان تعلقات خراب ہو جائیں گے تو ایک منصف مرد کے خاندان سے اور ایک منصف عورت کے خاندان سے منتخب کرو، اگر یہ دونوں صلح کروانا چاہیں تو اللہ دونوں میاں بیوی میں اتفاق پیدا فرمادے گا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بندہ جب مخلص ہو کر کوئی کام کرنا چاہے تو اللہ تعالیٰ اسے اسباب عطا فرمادیتے ہیں۔ اسی کا نام ''توفیق'' ہے۔

وعدۂ الست

أَخْرَجَ ذُرِّيَّةَ اٰدَمَ مِنْ صُلْبِهٖ فَجَعَلَهُمْ عُقَلَاءَ فَخَاطَبَهُمْ وَأَمَرَهُمْ بِالْإِيْمَانِ وَنَهَاهُمْ عَنِ الْكُفْرِ فَأَقَرُّوْا لَهٗ بِالرَّبُوْبِيَّةِ فَكَانَ ذٰلِكَ مِنْهُمْ إِيْمَانًا فَهُمْ يُوْلَدُوْنَ عَلٰى تِلْكَ الْفِطْرَةِ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَقَدْ بَدَّلَ وَغَيَّرَ وَمَنْ اٰمَنَ وَصَدَّقَ فَقَدْ ثَبَتَ عَلَيْهِ وَدَاوَمَ.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی اولاد کو پیدا فرمایا۔ پھر ان میں عقل کی دولت ودیعت فرمائی۔ پھر انہیں خطاب فرمایا اور ایمان لانے کا حکم دیا اور کفر سے منع فرمایا۔ (اس خطاب کے نتیجے میں) انہوں نے خدا تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کیا۔ یہ اقرار دراصل ان کی طرف سے ایمان کا اظہار تھا۔ اسی فطرت پر یہ لوگ پیدا ہوتے ہیں۔ پھر جو شخص اس کے بعد کفر کرتا ہے تو وہ اپنی اس فطرت کو تبدیل کر ڈالتا ہے اور جو ایمان لاتا اور تصدیق کرتا ہے تو وہ اسی فطرت کو اپناتے ہوئے اس پر ثابت قدم رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے عالمِ ارواح میں حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد سے اپنی

ربوبیت کا جو اقرار کروایا تھا اسے "وعدۂ الست" کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی ساری اولاد کو چھوٹی چھوٹی چیونیٹوں کی طرح نکالا جو قیامت تک پیدا ہونے والی تھی، پھر ان میں ارواح ڈالیں اور ان سے عہد لے کر اپنے رب ہونے کا اعتراف کروایا۔ اس عہد لینے کا ذکر قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں موجود ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَ اَشْهَدَهُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰی ۛۚ شَهِدْنَا ۛۚ اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِیْنَ ۙ

سورۃ الاعراف:172

ترجمہ: اس وقت کو یاد کیجیے جب آپ کے رب نے بنی آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا اور انہیں خود انہی پر گواہ بناتے ہوئے پوچھا: کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا کہ کیوں نہیں؟ ہم سب اس بات کی گواہی دیتے ہیں۔ (اور یہ اقرار ہم نے اس لیے لیا تھا) تاکہ تم قیامت کے دن یہ نہ کہہ سکو کہ ہمیں تو اس بات کا پتا ہی نہیں تھا۔

امام ابو عبد اللہ احمد بن حنبل البغدادی (ت 241ھ) حدیث مبارک روایت کرتے ہیں:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَخَذَ اللهُ الْمِيثَاقَ مِنْ ظَهْرِ آدَمَ بِنَعْمَانَ يَعْنِي عَرَفَةَ فَأَخْرَجَ مِنْ صُلْبِهِ كُلَّ ذُرِّيَّةٍ ذَرَأَهَا فَنَثَرَهُمْ بَيْنَ يَدَيْهِ كَالذَّرِّ ثُمَّ كَلَّمَهُمْ قِبَلًا قَالَ "اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰی ۛۚ شَهِدْنَا ۛۚ اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِیْنَ"

مسند احمد: ج3 ص118 رقم الحدیث 2455

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میدان عرفہ کی وادی نعمان میں آدم علیہ السلام کی اولاد سے عہد لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے آپ کی (قیامت تک کی) ساری اولاد کو نکالا اور اپنے سامنے ایک جگہ اس طرح جمع فرمایا کہ وہ سب چیونٹیوں کے برابر جسم رکھتے تھے۔ پھر ان سے یہ عہد لیا اور فرمایا: کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا کہ کیوں نہیں؟ ہم سب اس بات کی گواہی دیتے ہیں۔ (یہ اقرار ہم نے اس لیے لیا تھا) تاکہ تم قیامت کے دن یہ نہ کہہ سکو کہ ہمیں تو اس بات کا پتا ہی نہیں تھا۔

اشکال:

قرآن مجید کی آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کی پشت سے ان کی نسل کو نکال کر ان سے عہد لیا گیا جبکہ مسند احمد کی حدیث کے مطابق خود حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی نسل کو نکال کر یہ عہد لیا گیا۔ بظاہر دونوں میں تعارض ہے۔

جواب:

حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ان لوگوں کو نکالا گیا تھا جو براہِ راست حضرت آدم علیہ السلام سے پیدا ہونے تھے اور اولادِ آدم کی پشت سے ان کو نکالا گیا جو اولادِ آدم کی پشت سے پیدا ہونے والے تھے۔ یعنی پہلے تو حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی براہ راست اولاد کو نکالا گیا پھر اس اولاد کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا گیا اور یوں تمام سے عہد لیا گیا۔ اب کوئی تعارض نہیں۔

فائدہ: یہ عہد اس وقت لیا گیا جب آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا گیا تھا۔ مسند احمد

کی مذکورہ حدیث میں اس کی تصریح موجود ہے:

أَخَذَ اللّٰهُ الْمِيْثَاقَ مِنْ ظَهْرِ آدَمَ بِنَعْمَانَ يَعْنِيْ عَرَفَةَ.

مسند احمد: ج3 ص118 رقم الحدیث 2455

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے میدان عرفہ کی وادی نعمان میں آدم علیہ السلام کی اولاد سے عہد لیا تھا۔

سوال:

اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیت کا جو اقرار لیا تھا اس کا کیا فائدہ ہوا؟

جواب

اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیت کا اقرار اس لیے لیا تھا تاکہ عقیدہ ربوبیت انسان کی فطرت میں شامل ہو سکے۔ انسانی فطرت آج اس بات پر متفق ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی عالَم کا رب ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ انسان کو جب کوئی مصیبت اور پریشانی لاحق ہوتی ہے یا انسان کے احوال اس کے موافق نہیں ہوتے تو اس میں طبعی طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف رجحان ہونے لگتا ہے۔ یہ اسی "وعدۂ الست" کا اثر ہے۔

سوال:

یہ عہد کسی کو بھی یاد نہیں کہ اس نے خدا کی ربوبیت کا اقرار کیا تھا۔ اس لیے عہد لیے جانے کا بظاہر کوئی فائدہ نظر نہیں آتا۔

جواب:

1: یہاں دو باتیں قابل غور ہیں: ایک عمل اور دوسرا اس عمل کا اثر۔ عہدِ الست کا عمل اگرچہ یاد نہیں لیکن اس کے اثرات آج بھی موجود ہیں۔ آثار کا باقی رہنا بھی

مفید ہے اس لیے عہدِ الست بے فائدہ نہ ہوا۔ اس کی مثال یوں دی جا سکتی ہے جیسے ایک جید عالم فاضل ہے جو ایک طویل عرصہ سے دینِ متین کی خدمت کر رہا ہو۔ اسے اپنے بچپن کے واقعات جس میں وہ ابتدائی تعلیم میں منہمک ہوا کرتا تھا یاد نہیں ہوں گے۔ استاد کا لکھنا سکھانا، قرأت کے لہجے سکھانا اسے یاد نہ ہو گا لیکن اس کے آثار موجود ہیں کہ عالم فاضل ہے اور اسی ابتدائی تعلیم وتربیت کی بنا پر اچھا خاصا پڑھ لکھ سکتا ہے۔ بعینہ اسی طرح گو عہدِ الست کا وہ ماحول اور واقعہ یاد نہ ہو لیکن اس کے آثار موجود ہیں کہ انسان کا طبعی میلان رب تعالیٰ کی طرف ہوتا ہے۔ یہ اسی عہدِ الست کا اثر ہے۔

2: امت کے بعض افراد کو یہ وعدہ اب بھی یاد ہے۔ معروف مفسر علامہ اسماعیل حقی بن مصطفیٰ الحنفی (ت 1127ھ) لکھتے ہیں:

وَسُئِلَ ذُو النُّوْنِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنْ سِرِّ مِيْثَاقِ مَقَامِ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ هَلْ تَذْكُرُهُ؟ فَقَالَ: كَأَنَّهُ الْآنَ فِيْ أُذُنِيْ.

روح البیان: ج3 ص209 تحت قولہ تعالیٰ "وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ"، سورۃ الاعراف: 172

ترجمہ: حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ جب آپ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ کو وعدہ الست یاد ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا: (بَلٰی کی) آواز تو اب بھی میری کانوں میں گونج رہی ہے۔

فائدہ: ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کا تعارف

آپ کا نام ثوبان بن ابراہیم، کنیت ابو الفیض اور لقب ذوالنون ہے۔ سن 179ھ میں مصر میں پیدا ہوئے۔ صوفیاء کے حلقہ میں بلند مقام کے مالک تھے۔ علم و فضل میں اپنی مثال آپ تھے۔ کئی کتب تالیف کیں جن میں معرف کتاب "حل

الرموز" ہے۔

آپ کے بارے میں مشائخ طریقت رطب اللسان ہیں۔ شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ آپ کو "سلطانِ معرفت و توحید" اور "قطب وقت" کے الفاظ سے یاد کرتے تھے۔ عبد الرحمٰن بن احمد بن محمد المعروف نور الدین جامی نے آپ کو "امام تصوف" قرار دیا۔ ملا جامی فرمایا کرتے تھے کہ صوفیاء کرام کسی نہ کسی جہت سے حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کے فیض یافتہ نظر آتے ہیں۔

آپ کے حکمت بھرے اقوال علماء اور صوفیاء کے حلقوں میں معروف ہیں۔

سن 245ھ میں فوت ہوئے۔

سوال:

"وَأَمَرَهُمْ بِالْإِيمَانِ وَنَهَاهُمْ عَنِ الْكُفْرِ" اللہ تعالیٰ نے ایمان لانے کا حکم فرمایا اور کفر سے روکا۔ اس امر و نہی کی رو سے تمام لوگ ایمان لاتے اور کوئی بھی کافر نہ ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ

سورۃ یٰسین:82

ترجمہ: اس کا معاملہ تو یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرلے تو صرف اتنا ہی کہتا ہے: ہو جا! بس وہ ہو جاتی ہے۔

جبکہ کئی لوگ ایمان نہیں لائے بلکہ انہوں نے کفر اختیار کیا۔

جواب:

اس آیت "اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ" میں امر و نہی سے مراد امر و نہی تکوینی ہے، تشریعی نہیں۔ کیونکہ امر و نہی تشریعی میں دوسری

جہت کا اختیار ہی نہیں ہوتا جبکہ امر و نہی تشریعی میں اللہ تعالیٰ ایک چیز کا حکم فرماتے ہیں اور دوسری چیز کا اختیار بھی ہوتا ہے۔

فائدہ:

قَوْلُہٗ "وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَقَدْ بَدَّلَ وَغَيَّرَ"

اس عبارت میں دو الفاظ "تبدیل" اور "تغییر" کا معنی سمجھ لیں۔

تغییر اور تبدیل:

تغییر؛ ایک چیز کا رکھ لینا اور دوسری بھی لے آنا۔ تبدیل؛ ایک چیز کو واپس کر کے دوسری لے آنا۔

جیسے ایک شخص اپنے والد کے لیے کپڑے لایا۔ والد صاحب کو پسند نہ ہوں اور وہ شخص یہ کپڑے خود رکھ لے اور والد صاحب کے لیے دوسرے لائے تو اسے "تغییر ثوب" کہیں گے۔ اور اگر وہ کپڑے دکان پر واپس کر کے دوسرے لے آئے تو اسے "تبدیل ثوب" کہیں گے۔

قرآن کریم میں اس کی مثال موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ؕ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ

سورۃ یونس:15

ترجمہ: جو لوگ ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے جب ان کے سامنے ہماری واضح آیات پڑھی جاتی ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ کوئی اور قرآن لے کر آؤ یا اس میں تبدیلی کرو۔

اے پیغمبر! ان لوگوں سے کہہ دو کہ مجھے یہ حق نہیں پہنچتا کہ میں اپنی طرف سے اس میں کوئی تبدیلی کروں، میں تو صرف اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر نازل کی جاتی ہے۔

مندرجہ بالا آیت میں کفار کی طرف سے تغیر یا تبدیل کے مطالبے کے جواب میں "تبدیل قرآن" کی نفی ہے اور درج ذیل آیت میں "تغییرِ قرآن" کی نفی ہے:

وَ اِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِىْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِىَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖ وَ اِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا

سورۃ الاسراء:73

ترجمہ: اور (اے پیغمبر) جو وحی ہم نے تمہارے پاس بھیجی ہے، یہ (کافر) لوگ تمہیں فتنے میں ڈال کر اس سے ہٹانے لگے تھے، تاکہ تم اس کے بجائے کوئی اور بات ہمارے نام پر گھڑ کر پیش کرو، اور اس صورت میں یہ تمہیں اپنا گہرا دوست بنا لیتے۔

تبدیل اور تغییر کے مذکورہ بالا معنی کی روشنی میں امام اعظم رحمہ اللہ کی عبارت کو سمجھیں!

"فَقَدْ بَدَّلَ" کا معنی یہ ہے کہ انسان نے وعدہ الست میں ربوبیت کا اقرار کیا تھا لیکن اب اسے چھوڑ دیا یعنی دہریہ ہو گیا۔ "وَغَيَّرَ" کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار بھی کرتا ہے لیکن غیر اللہ کو بھی رب مانتا ہے یعنی مشرک ہو گیا۔

ایمان اور فطرتِ انسانی

وَلَمْ يُجْبِرْ أَحَدًا مِنْ خَلْقِهٖ عَلَى الْكُفْرِ وَلَا عَلَى الْإِيْمَانِ وَلَا خَلَقَهُمْ مُؤْمِنًا وَلَا كَافِرًا وَلٰكِنْ خَلَقَهُمْ أَشْخَاصًا وَالْإِيْمَانُ وَالْكُفْرُ فِعْلُ الْعِبَادِ وَيَعْلَمُ اللّٰهُ تَعَالٰى مَنْ يَكْفُرُ فِيْ حَالِ كُفْرِهٖ كَافِرًا فَإِذَا آمَنَ بَعْدَ ذٰلِكَ عَلِمَهٗ مُؤْمِنًا فِيْ حَالِ إِيْمَانِهٖ وَأَحَبَّهٗ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَتَغَيَّرَ عِلْمُهٗ وَصِفَتُهٗ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو بھی کفر یا ایمان پر مجبور نہیں کیا اور نہ ہی انہیں (جبراً) مؤمن یا کافر بنایا ہے بلکہ انہیں صرف اشخاص (وافراد) کی حیثیت سے پیدا فرمایا ہے۔ ایمان اور کفر بندوں کا اختیاری فعل ہے۔ جب کوئی بندہ کفر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو اس کی حالت کفر کا (پہلے سے ہی) علم ہوتا ہے اور جب وہ بندہ بعد میں ایمان لاتا ہے تو اس کی حالتِ ایمان کا بھی اللہ تعالیٰ کو (پہلے سے) علم ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس (کے ایمان لانے) کو پسند فرماتے ہیں (کفر اختیار کرنے کو پسند نہیں فرماتے) لیکن اس سے نہ تو اللہ تعالیٰ کے علم میں کوئی تبدیلی پیدا ہوتی ہے اور نہ ہی اس کی صفت میں کوئی تغیر واقع ہوتا ہے۔

قَوْلُهٗ: وَلَمْ يُجْبِرْ أَحَدًا مِنْ خَلْقِهٖ عَلَى الْكُفْرِ وَلَا عَلَى الْإِيْمَانِ الخ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو بھی کفر یا ایمان پر مجبور نہیں کیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا

سورۃ الشمس:7، 8

ترجمہ: قسم ہے نفس کی اور اس ذات کی جس نے اسے درست کیا (یعنی بنایا) اور اس میں گناہ کرنے کا اور گناہ سے بچنے کا مادہ ودیعت فرمایا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام دینِ فطرت ہے۔ کسی شخص کو زور زبردستی سے ایمان لانے پر مجبور نہیں کرتا بلکہ بندے کو اختیار دیتا ہے کہ وہ جس راہ کو اختیار کرنا چاہے اختیار کرے۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کے راہ حق پر چلنے کو پسند فرماتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: وَيَعْلَمُ اللّٰهُ تَعَالٰى مَنْ يَكْفُرُ فِيْ حَالِ كُفْرِهٖ كَافِرًا الخ

ترجمہ: جب کوئی بندہ کفر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو اس کی حالت کفر کا (پہلے سے ہی) علم ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے علمِ کامل کی بنا پر مخلوق کے احوال سے باخبر ہیں۔ مخلوق جس حال میں جو کام کرے اللہ تعالیٰ اسے جانتے ہیں۔ اگر کسی شخص نے کفر اختیار کرنا ہے تو اللہ تعالیٰ کو پہلے سے اس کا علم ہے۔ اگر کسی نے کفر کو چھوڑ کر ایمان قبول کرنا ہے تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتا ہے لیکن ان معلومات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے علم میں کوئی تغیر پیدا نہیں ہوتا۔

افعالِ عباد کا بیان

وَجَمِيعُ أَفْعَالِ الْعِبَادِ مِنَ الْحَرَكَةِ وَالسُّكُونِ كَسْبُهُمْ عَلَى الْحَقِيقَةِ وَاللهُ تَعَالٰى خَالِقُهَا وَهِيَ كُلُّهَا بِمَشِيئَتِهٖ وَعِلْمِهٖ وَقَضَائِهٖ وَقَدَرِهٖ

ترجمہ: انسانوں کے تمام افعال خواہ وہ حرکات ہوں یا سکنات حقیقۃً خود انہی کے کیے ہوئے ہوتے ہیں جبکہ ان تمام کاموں کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ نیز یہ تمام افعال اللہ تعالیٰ کی مشیت، علم، فیصلہ اور تقدیر کے مطابق ہی ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ جس طرح بندوں کے خالق ہیں اسی طرح بندوں کے افعال کے بھی خالق ہیں۔ انسان کا ایمان لانا، کفر اختیار کرنا، اطاعت کرنا، نافرمانی کرنا، سکون کرنا، حرکت کرنا، غرض تمام افعال کے خالق اللہ تعالیٰ ہیں البتہ کاسب خود بندہ ہے۔ چنانچہ بندہ افعال کا کسب کرتا ہے لیکن اس کے یہ تمام افعال اللہ تعالیٰ کی مشیت، علم، قضاء اور قدر کے مطابق ہی سرانجام پاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اعمال کا خالق ہے:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ

الصافات:96

ترجمہ: اللہ نے تمہیں اور تمہارے تمام اعمال کو پیدا فرمایا ہے۔

انسان اعمال کا کاسب ہے:

اللہ تعالیٰ نے انسان اور اس کے تمام اعمال و افعال کی تخلیق کو اپنی جانب

منسوب فرمایا ہے اور کسب کو انسان کی طرف۔

بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّ اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ

سورۃ البقرۃ:81

ترجمہ: واقعی جن لوگوں نے برائی اختیار کی اور اس کے گناہوں نے اس کو ہر جانب سے گھیر لیا تو یہی لوگ جہنمی ہیں، اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

اس آیت میں صراحتاً انسان کی طرف کسبِ اعمال کی نسبت کی گئی ہے۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ

سورۃ الروم:41

ترجمہ: بر و بحر میں انسانوں کے ان اعمال کی وجہ سے فساد برپا ہو گیا ہے جو انہوں نے اپنے ہاتھوں سے کمائے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ انہیں ان کے کچھ اعمال کا مزا (اسی دنیا میں ہی) چکھادے جو انہوں نے کیے ہیں۔

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ؕ

سورۃ الشوریٰ:30

ترجمہ: تمہیں جو مصیبت بھی پہنچتی ہے تو وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی کے سبب ہی پہنچتی ہے، اللہ تعالیٰ تو تمہاری کئی خطاؤں سے درگزر فرماتا ہے۔

فائدہ نمبر 1:

بندوں سے سرزد ہونے والے افعال (خواہ چھوٹے سے چھوٹا فعل ہو یا بڑے سے بڑا فعل ہو) دو قسم کے ہیں:

☼ افعالِ اختیاریہ .... جیسے کھانا، پینا، چلنا، رکنا، ایمان لانا، کفر کرنا، اطاعت

کرنا، نافرمانی کرنا

☼ افعالِ غیر اختیاریہ.... جیسے پیدا ہونا، وفات پانا

جو افعال غیر اختیاریہ ہیں ان میں انسان کی مرضی نہیں چلتی۔ ہاں افعالِ اختیاریہ انسان اپنی مرضی اور ارادہ سے کرتا ہے اور انہی افعال پر اس کی جزاء اور سزا کا مدار ہے۔

فائدہ نمبر 2:

افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے یا بندہ خود ہے؟ اس بارے میں تین موقف ہیں:

[۱]: فرقہ جبریہ

ان کا موقف یہ ہے کہ بندوں کے تمام افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ تمام افعال اسی کے حکم، ارادہ اور تقدیر کے مطابق ہی وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ بندے اپنے افعال کے کاسب نہیں، اس لیے افعال کے سرزد ہونے میں بندوں کا بالکل اختیار نہیں۔ بندے ان افعال کو کرنے پر مجبور ہیں۔ باقی بندوں کی طرف افعال کرنے کی جو نسبت کی جاتی ہے وہ نسبت مجازی ہے۔ جو افعال اللہ تعالیٰ ان سے کروانا چاہے بندے کرنے پر مجبور ہیں اور جن افعال سے روکنا چاہے بندے ان سے باز رہنے پر مجبور ہیں۔

[۲]: فرقہ قدریہ

ان کا موقف یہ ہے کہ بندے اپنے افعال کے خود خالق بھی ہیں اور کاسب بھی۔ ان کے افعال میں اللہ تعالیٰ کی مشیت، تقدیر اور ارادے کو دخل نہیں ہے۔ بالفاظ دیگر فرقہ قدریہ تقدیر کا منکر ہے۔ اھل السنۃ والجماعۃ کے ہاں تقدیر علمِ الٰہی اور امرِ الٰہی دونوں کے مجموعے کا نام ہے جبکہ قدریہ کے ہاں بندے اپنے افعال سرانجام

دینے میں تقدیرِ الٰہی کے پابند نہیں اور تقدیر کو ان کے اعمال میں دخل نہیں۔ بندے نے جو اعمال کرنے ہیں وہ پہلے سے اللہ تعالیٰ کے علم میں نہ تھے، جب بندے نے افعال کیے تب وہ علمِ الٰہی میں آئے۔

[۳]: اھل السنۃ والجماعۃ

اھل السنۃ والجماعۃ کا موقف ان دونوں فرقوں سے یکسر مختلف ہے۔ فرقہ قدریہ افراط اور فرقہ جبریہ تفریط کا شکار ہے۔ اھل السنۃ والجماعۃ کا موقف اعتدال پر مبنی ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے افعال کے خالق ہیں اور بندہ ان کا کاسب ہے۔ بندوں کے افعال میں دو چیزیں مؤثر ہوتی ہیں:

ایک... اللہ تعالیٰ کا ان افعال کو پیدا کرنا

دوسرا... بندوں کا ان افعال کو اختیار کرنا

افعال عباد میں اگر صرف اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے کو ہی ملحوظ رکھا جائے اور بندے کا اختیار بالکل نہ مانا جائے تو یہ "جبر" ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے کی جہت سے صَرفِ نظر کرتے ہوئے محض بندے کے کسب کو ہی مؤثر مانا جائے تو یہ "انکارِ تقدیر" ہے۔ اس لیے اعتدال یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا خلق بھی مانا جائے تاکہ تقدیر پر ایمان برقرار رہے اور بندے کا کسب بھی مانا جائے تاکہ بندہ مجبور محض نہ قرار پائے اور اس کا جزاء وسزا پانا درست سمجھا جائے۔

فائدہ نمبر 3:

افعالِ عباد میں بندوں کے کسب کو دخل تو حاصل ہے لیکن یہ قصد واختیار ایسا نہیں کہ افعال کو پیدا بھی کر سکے۔ اس کی بدیہی دلیل یہ ہے کہ بعض مرتبہ انسان کسی کام کے تمام آلات اور اسباب جمع کر لیتا ہے جن پر اس کام کے کرنے کا مدار ہوتا

ہے لیکن اس کے باوجود وہ کام وقوع پذیر نہیں ہو پاتا۔ امت کے کئی افراد حتیٰ کہ خود انبیاء علیہم السلام کی زندگی کے کئی واقعات اس پر شاہد ہیں۔ کسبِ عباد کے ہونے کے باوجود فعل کا نہ ہو پانا اس بات کی دلیل ہے کہ بندے کا کسب اور کاوش کافی نہیں بلکہ افعال کے موجود ہونے کے لیے کوئی دوسری چیز بھی ضروری ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا خلق ہے۔ یعنی تقدیرِ الٰہی اس میں مؤثر ہو گی تب یہ فعل وقوع پذیر ہو گا۔

اسی طرح بعض اوقات انسان کسی فعل کے تمام اسباب اختیار نہیں کرتا لیکن اس کے باوجود وہ فعل وقوع پذیر ہو جاتا ہے جیسا کہ عام طور پر خارق عادت چیزوں میں مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ افعال صادر ہونے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کو دخل ہے۔ اگر بندہ خود ہی اپنے افعال کا خالق ہوتا تو اسباب کی کمی کی وجہ سے یہ فعل ہرگز واقع نہ ہوتا۔

فائدہ نمبر 4:

برے فعل کو پیدا کرنا برا نہیں لیکن اسے کرنا برا ہے۔ جیسے ایک طبیب زہر بھی تیار کرتا ہے اور خمیرہ بھی لیکن زہر سے بچنے اور خمیرہ کھانے کی ہدایت کرتا ہے۔ کوئی شخص زہر کھا لے اور الزام طبیب کو دے کہ اس کا قصور ہے کہ اس سے زہر بنایا ہے، اگر یہ زہر نہ بناتا تو میں کیسے کھاتا؟! تو اس شخص کا یہ الزام دینا غلط ہو گا۔ اس لیے کہ طبیب کا زہر تیار کرنا کسی حکمت کے پیش نظر ہے نہ اس لیے کہ یہ شخص اسے کھائے۔ اللہ تعالیٰ بندوں کے افعال کے خالق ہیں۔ افعالِ سیئہ کی تخلیق بھی کسی حکمت (امتحان و آزمائش وغیرہ) کے پیش نظر ہے۔

طاعات پسندیدہ اور معاصی ناپسند

وَالطَّاعَاتُ كُلُّهَا مَا كَانَتْ وَاجِبَةٌ بِأَمْرِ اللهِ تَعَالٰى وَبِمَحَبَّتِهٖ وَبِرَضَائِهٖ وَعِلْمِهٖ وَبِمَشِيْئَتِهٖ وَقَضَائِهٖ وَتَقْدِيْرِهٖ وَالْمَعَاصِيْ كُلُّهَا بِعِلْمِهٖ وَقَضَائِهٖ وَتَقْدِيْرِهٖ وَمَشِيْئَتِهٖ لَا بِمَحَبَّتِهٖ وَلَا بِرَضَائِهٖ وَلَا بِأَمْرِهٖ

ترجمہ: ہر قسم کی طاعات (یعنی اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری والے کام) اللہ کے حکم، محبت، رضامندی، علم، مشیت، فیصلے اور تقدیر کے مطابق ہی وقوع پذیر ہوتی ہیں جبکہ ہر قسم کے معاصی (یعنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی والے کام) اللہ تعالیٰ کے علم، فیصلے، تقدیر اور مشیت کے مطابق تو ہوتے ہیں لیکن ان میں اللہ تعالیٰ کی محبت، رضامندی اور حکم شاملِ حال نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ ان کاموں پر راضی ہوتے ہیں اور انہیں پسند بھی فرماتے ہیں جو اس کی رضامندی کے لیے سرانجام دیے جائیں اور ان کاموں پر ناراض ہوتے ہیں اور ناپسندیدگی کا اظہار بھی فرماتے ہیں جو اس کی نافرمانی کرتے ہوئے کیے جائیں۔ لیکن رضامندی یا ناراضگی والے دونوں قسم کے کاموں میں اللہ تعالیٰ کا علم، فیصلہ، تقدیر اور مشیت ضرور شامل ہوتی ہے

یہ بات واضح رہے کہ طاعات اور معاصی میں بلاشبہ تقدیر اور مشیت شامل ہوتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی محبت اور رضامندی ان کاموں میں ہوتی ہے جو طاعت کی قبیل سے ہوں۔ جو کام معصیت پر مشتمل ہوں اللہ تعالیٰ کی محبت اور رضامندی ان میں شامل نہیں ہوتی بلکہ اللہ تعالیٰ ان کاموں پر ناراض ہوتے ہیں۔ ارشادِ باری ہے:

وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ

سورۃ الزمر: 7

ترجمہ: وہ اپنے بندوں کے لیے کفر پسند نہیں کرتا۔

سوال:

جب انسان کوئی معصیت کرتا ہے تو اس میں اللہ تعالیٰ کی مشیت شامل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۧ

سورۃ التکویر:29

ترجمہ: اور تمہارے چاہنے سے کچھ بھی نہیں ہوتا جب تک اللہ کی چاہت شامل نہ ہو جو سارے جہانوں کا پالنے والا ہے۔

تو بندہ وہی چاہتا ہے جو اللہ چاہتے ہیں تو معصیت کرنے پر بندے کا مؤاخذہ کیوں ہوتا ہے؟

جواب:

یہ سوال مشیت کا مطلب نہ سمجھنے کی وجہ سے ہے۔ مشیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ بندے کو اختیار دیں اور بندہ اپنے اختیار سے جو چاہے کرے۔ اللہ تعالیٰ نے بندے کو ایک اختیار دیا گناہ کرنے اور ایک اختیار دیا نیکی کرنے کا۔ اب بندہ گناہ کرتا ہے تو اپنے ارادے سے کرتا ہے اور یہ مشیت بھی اللہ ہی کی ہے لیکن مشیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ نے چاہا کہ میں اس بندے کو اختیار دوں۔

لہٰذا مشیت کا معنی یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ بندہ گناہ کرے بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ نے چاہا کہ اس جہت کا بھی بندے کو اختیار دوں۔

عصمتِ انبیاء علیہم السلام کا بیان

وَالْأَنْبِيَاءُ عَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كُلُّهُمْ مُنَزَّهُونَ عَنِ الصَّغَائِرِ وَالْكَبَائِرِ وَالْكُفْرِ وَالْقَبَائِحِ وَقَدْ كَانَتْ مِنْهُمْ زَلَّاتٌ وَخَطَايَا.

ترجمہ: تمام انبیاء علیہم السلام صغیرہ وکبیرہ گناہوں اور کفر و بے ہودہ کاموں سے پاک ہوتے ہیں۔ ہاں البتہ بعض اوقات ان سے زلات اور لغزشوں کا صدور ممکن ہے۔

فائدہ نمبر 1:

یہاں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے چھ الفاظ بیان فرمائے ہیں۔ ہر ایک کا معنی ملاحظہ فرمائیں:

1: کفر کا معنی:

ضروریات دین میں سے کسی ایک امرِ ضروری کا انکار کرنا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کا انکار کرنا، اللہ تعالیٰ کی صفات کا انکار کرنا، ختمِ نبوت کا انکار کرنا، خلافت و صحابیتِ صدیق رضی اللہ عنہ کا انکار کرنا، نزولِ عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کرنا وغیرہ

2: کبیرہ گناہ کا معنی:

علامہ سید محمود آلوسی بغدادی (ت 1270ھ) نے شیخ الاسلام ابو القاسم ہبۃ اللہ بن عبد الرحیم بن ابراہیم بن ہبۃ اللہ ابن البارزی الشافعی (ت 738ھ) کے حوالے سے یہ تعریف لکھی ہے:

وَقَالَ شَيْخُ الْإِسْلَامِ الْبَارِزِيُّ: التَّحْقِيقُ أَنَّ الْكَبِيْرَةَ كُلُّ ذَنْبٍ قُرِنَ بِهٖ وَعِيْدٌ أَوْ حَدٌّ أَوْ لَعْنٌ بِنَصِّ كِتَابٍ أَوْ سُنَّةٍ، أَوْ عُلِمَ أَنَّ مَفْسَدَتَهٗ كَمَفْسَدَةِ مَا قُرِنَ بِهٖ

وَعِيدٌ أَوْ حَدٌّ أَوْ لَعْنٌ أَوْ أَكْثَرُ مِنْ مَفْسَدَتِهِ. أَوْ أُشْعِرَ بِتَهَاوُنِ مُرْتَكِبِهِ فِيْ دِيْنِهِ.

روح المعانی: ج5 ص17 تحت قولہ تعالیٰ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ [سورۃ النساء:31]

ترجمہ: شیخ الاسلام بارزی فرماتے ہیں: تحقیقی بات یہ ہے کہ "کبیرہ" ہر اس گناہ کو کہتے ہیں (۱) جس کے کرنے والے پر قرآن و سنت میں وعید کی گئی ہو یا (۲) اس پر حد مقرر کی گئی ہو یا (۳) اس کے مرتکب پر لعنت کی گئی ہو یا (۴) اس گناہ میں مَفْسَدَہ کسی ایسے گناہ کے مَفْسَدَہ کے برابر یا زیادہ ہو جس پر وعید یا حد یا لعنت آئی ہو یا (۵) وہ کام بطور تہاون فی الدین کیا جائے (یعنی اس انداز سے کیا جائے کہ دیکھنے والا یہ سمجھے کہ اس شخص کے دل میں دین کی کوئی عظمت نہیں ہے)

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی (ت 1362ھ) نے اس تعریف کو پسند فرما کر بیان القرآن میں ذکر کیا اور اسے جامع تعریف قرار دیا۔ لکھتے ہیں:

"گناہ کبیرہ کی تعریف میں بہت اقوال ہیں۔ جامع قول وہ ہے جس کو روح المعانی میں شیخ الاسلام بارزی سے نقل کیا ہے الخ"

بیان القرآن: ج1 ص352 اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ [سورۃ النساء:31]

3: صغیرہ گناہ کا معنی:

جس گناہ پر ایسی وعید نہ ہو جو کبیرہ گناہ پر آئی ہے۔ مثلاً وہ جھوٹ بولنا جس میں کسی کو کوئی نقصان نہ پہنچے، کسی فاسق کے پاس اٹھنا بیٹھنا وغیرہ۔

4: قبائح کا معنی:

ایسا قول و عمل جو نافرمانی تو نہ ہو البتہ عام ماحول اور معاشرے میں اس کا ارتکاب کرنا یا اس کا ذکر کرنا ناپسندیدہ ہو۔

5: زلات کا معنیٰ:

یہ ”زَلَّۃٌ“ کی جمع ہے۔ ”زَلَّۃٌ“ اس غلطی کو کہا جاتا ہے جو بغیر قصد وارادہ کے ہو۔

امام ابو القاسم حسین بن محمد المعروف راغب اصفہانی (ت 502ھ) لکھتے ہیں:

اَلزَّلَّۃُ فِی الْأَصْلِ: اسْتِرْسَالُ الرَّجُلِ مِنْ غَیْرِ قَصْدٍ.

المفردات فی غریب القرآن: ص 214

ترجمہ: ”زلۃ“ کا لغت میں معنی ہے آدمی کا بغیر قصد وارادہ کے پھسل جانا۔

6: خطا کا معنیٰ:

عصمت نبوت کے باب میں جب یہ بات کہیں کہ نبی معصوم عن الخطا ہوتا ہے تو یہاں ”خطا“ سے مراد اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے۔ نبی کے معصوم عن الخطاء ہونے کا معنیٰ یہ ہو گا کہ نبی نبوت ملنے سے پہلے اور نبوت ملنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتا۔ ”نافرمانی“ کا معنیٰ ہے کہ بلاعذر جان بوجھ کر کسی کی بات کو نہ ماننا۔ اگر عذر، بھول چوک یا بات سمجھنے میں غلطی لگی ہو تو یہ ”نافرمانی“ نہیں ہو گی۔

فائدہ نمبر 2:

عصمت انبیاء علیہم السلام پر چند دلائل پیش ہیں:

دلیل نمبر 1:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

سورۃ الاحزاب: 21

ترجمہ: حقیقت یہ ہے کہ تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں

ایک بہترین نمونہ ہے۔

ف 1: اسوۂ حسنہ اس وقت بن سکتے ہیں جب خود گناہوں سے پاک ہوں

ف 2: ''لَکُمۡ'' میں خطاب حضرات و خواتین دونوں کو ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال جو حضرات کے لیے ہیں وہ ان کے لیے اسوہ حسنہ ہیں اور جو اقوال و افعال خواتین کے لیے ہیں وہ ان کے لیے اسوہ حسنہ ہیں۔

دلیل نمبر 2:

وَاِذَا تُتۡلٰی عَلَیۡهِمۡ اٰیَاتُنَا بَیِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِیۡنَ لَا یَرۡجُوۡنَ لِقَآءَنَا ائۡتِ بِقُرۡاٰنٍ غَیۡرِ هٰذَاۤ اَوۡ بَدِّلۡهُ ؕ قُلۡ مَا یَکُوۡنُ لِیۡۤ اَنۡ اُبَدِّلَهٗ مِنۡ تِلۡقَآیِٔ نَفۡسِیۡ ۚ اِنۡ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوۡحٰۤی اِلَیَّ

سورۃ یونس:15

ترجمہ: جو لوگ ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے جب ان کے سامنے ہماری واضح آیات پڑھی جاتی ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ کوئی اور قرآن لے کر آؤ یا اس میں تبدیلی کرو۔ اے پیغمبر! ان لوگوں سے کہہ دو کہ مجھے یہ حق نہیں پہنچتا کہ میں اپنی طرف سے اس میں کوئی تبدیلی کروں، میں تو صرف اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر نازل کی جاتی ہے۔

ف: اس دلیل کو سمجھنے سے پہلے ''تغیر'' اور ''تبدیل'' کا معنی سمجھ لیں۔

تغیر؛ ایک چیز کا رکھ لینا اور دوسری بھی لے آنا۔ تبدیل؛ ایک چیز کو واپس کر کے دوسری لے آنا۔

جیسے ایک شخص اپنے والد کے لیے کپڑے لایا۔ والد صاحب کو پسند نہ ہوں اور وہ شخص یہ کپڑے خود رکھ لے اور والد صاحب کے لیے دوسرے لائے تو اسے ''تغییر ثوب'' کہیں گے۔ اور اگر وہ کپڑے دکان پر واپس کر کے دوسرے لے آئے تو

اسے "تبدیل ثوب" کہیں گے۔

اس آیت میں "تبدیل قرآن" کی نفی ہے اور درج ذیل آیت میں "تغییرِ قرآن" کی نفی ہے:

وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا

سورۃ الاسراء:73

ترجمہ: اور (اے پیغمبر) جو وحی ہم نے تمہارے پاس بھیجی ہے، یہ (کافر) لوگ تمہیں فتنے میں ڈال کر اس سے ہٹانے لگے تھے، تاکہ تم اس کے بجائے کوئی اور بات ہمارے نام پر گھڑ کر پیش کرو، اور اس صورت میں یہ تمہیں اپنا گہرا دوست بنا لیتے۔

دلیل کا حاصل یہ ہے کہ جب پیغمبر حکم شرعی کو بدل نہیں سکتے تو اس کی خلاف ورزی کیسے کر سکتے ہیں؟

دلیل نمبر 3:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى

سورۃ النجم 3،4

ترجمہ: اور یہ اپنی خواہش سے کچھ نہیں بولتے، یہ تو خالص وحی ہے جو ان کے پاس بھیجی جاتی ہے۔

ف: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات جب وحی کے مطابق ہے تو اس میں غلطی اور گناہ کا احتمال نہیں ہو گا۔

اشکال:

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی کئی باتوں کو اللہ رب العزت نے ختم فرما دیا

جیسے تحریم عسل۔ آپ کی ہر بات وحی کے مطابق ہوتی تو پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس بات پر تنبیہ کیوں فرمائی؟

جواب:

یہ ایسے ہی ہے جیسے آیت منسوخ ہوجائے جس طرح آیت کے منسوخ ہونے سے اس کا غلط ہونا لازم نہیں آتا اسی طرح اجتہاد کے ختم کرنے سے اس کا معصیت ہونا لازم نہیں آتا۔

ف: نبی اور امتی کے اجتہاد میں فرق

نبی اجتہاد کرتا ہے اور بسا اوقات ان کے اجتہاد میں خطا پائی جاتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو خطا پر باقی رہنے نہیں دیتے بلکہ وحی نازل کر کے تنبیہ اور اصلاح کر دی جاتی ہے۔ امتی مجتہد بھی اجتہاد کرتا ہے لیکن چونکہ وحی کا دروازہ بند ہے اس لیے اگر امتی مجتہد کے اجتہاد میں خطا پائی جائے تو بسا اوقات وہ اپنی اجتہادی خطا پر آخر تک برقرار رہتا ہے، وحی کا دروازہ بند ہونے کی وجہ سے اسے تنبیہ اور اصلاح نہیں ہو پاتی۔

دلیل نمبر 4:

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا

سورۃ الحشر:7

ترجمہ: رسول تمہیں جو کچھ دے وہ لے لو اور جس سے منع کرے اس سے رک جاؤ۔

ف ۱: اس آیت میں امر و نہی میں امت کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا پابند کیا گیا ہے اور یہ تب ہو سکتا ہے جب آپ کا ہر امر و نہی معصیت سے پاک ہو۔

ف ۲: ''اٰتی'' بمعنی ''أَمَرَ'' ہے قرینہ مقابلہ میں ''نَھٰی'' ہے۔ یہاں ''اٰتی'' کا لفظ لائے تاکہ مال فیئ کا حکم اور عام اصول دونوں کو شامل ہو جائے۔

ف ۳: امر و نہی جس درجہ میں ہو اسی درجہ میں اطاعت کی جائے گی، کبھی وجوب کے درجہ میں اور کبھی استحباب کے درجہ میں۔

سوال: اطاعت صحابہ رضی اللہ عنہم و مجتہد کیوں کرتے ہو؟

جواب: اس لیے کہ اطاعتِ صحابہ رضی اللہ عنہم اور اطاعتِ مجتہد بھی اطاعتِ رسول ہی ہے کیونکہ ان کی اطاعت کرنے کا حکم رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے۔

دلیل نمبر 5:

اَتَاۡمُرُوۡنَ النَّاسَ بِالۡبِرِّ وَتَنۡسَوۡنَ اَنۡفُسَكُمۡ

سورۃ البقرۃ:44

ترجمہ: کیا تم (دوسرے) لوگوں کو تو نیکی کا حکم دیتے ہو اور خود اپنے آپ کو بھول جاتے ہو؟!

ف ۱: حضرات انبیاء علیہم السلام کا کام قوم کو نیکی کا درس دینا ہے۔ اگر خود نافرمان ہو جائیں- معاذ اللہ- تو پھر مقصدِ رسالت کو ختم کر کے آیت بالا کا مصداق بن جائیں گے۔

ف ۲: واعظ بے عمل نہ ہو، یہ نہیں کہ بے عمل وعظ ہی نہ کرے۔

ف۳: ایک گناہ کی وجہ سے دوسرا نیک کام نہیں چھوڑنا چاہیے۔

دلیل نمبر 6:

امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری (ت 256ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنِ الْمُغِيرَةِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ " إِنَّ كَذِبًا عَلَيَّ لَيْسَ كَكَذِبٍ عَلَى أَحَدٍ، مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ."

صحیح البخاری: رقم الحدیث 1291

ترجمہ: حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: جو شخص مجھ پر جھوٹ بولتا ہے تو اس کا گناہ ایسے نہیں جس طرح کسی عام شخص پر جھوٹ بولا جائے تو اس کا گناہ ہوتا ہے بلکہ جس شخص نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولا تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے۔

ف: جھوٹ بولنا گناہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی طرف جھوٹ کی نسبت کو گناہ قرار دے رہے ہیں تو خود اس گناہ کے مرتکب کیسے ہوسکتے ہیں؟

دلیل نمبر 7:

امام ابوالحسن مسلم بن حجاج القشیری النیشاپوری (ت 261ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ أَطَاعَنِي فَقَدْ أَطَاعَ اللهَ، وَمَنْ يَعْصِنِي فَقَدْ عَصَى اللهَ.

صحیح مسلم: رقم الحدیث 1835

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔

ف: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی تب ہی ہوسکتی ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود معصیت یعنی نافرمانی سے پاک ہوں۔

دلیل نمبر 8:

امام ابو داؤد سلیمان بن الاشعث السجستانی (ت 275ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ كُنْتُ أَكْتُبُ كُلَّ شَيْءٍ أَسْمَعُهُ مِنْ رَسُولِ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُرِيدُ حِفْظَهُ فَنَهَتْنِي قُرَيْشٌ وَقَالُوا: أَتَكْتُبُ كُلَّ شَيْءٍ تَسْمَعُهُ وَرَسُولُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَشَرٌ يَتَكَلَّمُ فِي الْغَضَبِ وَالرِّضَا؟ فَأَمْسَكْتُ عَنِ الْكِتَابِ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِرَسُولِ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَوْمَأَ بِإِصْبَعِهٖ إِلٰى فِيهِ فَقَالَ: "اُكْتُبْ فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهٖ مَا يَخْرُجُ مِنْهُ إِلَّا حَقٌّ."

سنن ابی داؤد: رقم الحدیث 3646

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو بات سنتا تھا اس کو لکھ لیا کرتا تھا تاکہ اسے محفوظ کروں۔ قریش نے مجھے اس بات سے روکا اور کہنے لگے کہ تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہر بات لکھ لیتے ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تو انسان ہیں، خوشی اور غمی میں کلام کرتے ہیں۔ تو میں نے لکھنا چھوڑ دیا۔ میں نے یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتائی تو آپ علیہ السلام نے اپنی انگلی کا اشارہ اپنے منہ کی طرف کرتے ہوئے فرمایا: تم لکھا کرو! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اس منہ سے سوائے حق کے کچھ نہیں نکلتا۔

ف: سب سے زیادہ گناہ عام طور پر زبان سے صادر ہوتے ہیں، اس لیے حدیث پاک میں بطورِ خاص زبان کا ذکر فرمایا ہے وگرنہ پیغمبر کے کسی عضو سے بھی پیغمبر کی نافرمانی نہیں ہوتی۔

دلیل نمبر 9:

امام ابو بکر عبد الرزاق بن ہمام بن نافع الحمیری الصنعانی (ت 211ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنِ الزُّهْرِيِّ، أَوْ قَتَادَةَ، أَوْ كِلَيْهِمَا: أَنَّ يَهُودِيًّا جَاءَ يَتَقَاضَى رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "قَدْ قَضَيْتُكَ"، فَقَالَ الْيَهُودِيُّ: "بَيِّنَتُكَ؟"، قَالَ: فَجَاءَ خُزَيْمَةُ بْنُ ثَابِتٍ الْأَنْصَارِيُّ فَقَالَ: أَنَا أَشْهَدُ أَنَّهُ قَدْ قَضَاكَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "وَمَا يُدْرِيكَ؟"، قَالَ: إِنِّي أُصَدِّقُكَ بِأَعْظَمَ مِنْ ذٰلِكَ، أُصَدِّقُكَ بِخَبَرِ السَّمَاءِ، فَأَجَازَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهَادَتَهُ بِشَهَادَةِ رَجُلَيْنِ.

مصنف عبد الرزاق: ج10 ص228 کتاب الجامع باب اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ترجمہ: امام زہری یا امام قتادہ یا دونوں حضرات سے روایت ہے کہ ایک یہودی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر رقم کا تقاضا کرنے لگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا: میں نے تو رقم ادا کر دی ہے۔ یہودی کہنے لگا: اس پر کوئی گواہ بھی ہیں؟ راوی کہتے ہیں کہ حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ آ گئے اور فرمانے لگے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رقم ادا کر دی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خزیمہ کو فرمایا: آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ میں نے رقم ادا کر دی ہے؟ تو انہوں نے عرض کی کہ میں تو اس سے بھی بڑی باتوں میں آپ کی تصدیق کرتا ہوں، آپ جو آسمان سے آئی ہوئی باتیں بتاتے ہیں میں ان کی بھی تصدیق کرتا ہوں۔ اس پر حضور علیہ السلام نے حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی گواہی کو دو گواہوں کے برابر قرار دیا۔

ف: اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم معصوم نہ ہوتے تو حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ

اتنے بڑے دعویٰ کی کبھی بھی تصدیق نہ کرتے۔

دلیل نمبر10:

انسان جسم اور روح سے بنا ہے، جسم مٹی سے بنا ہے تو اس کی غذا اور دوا بھی مٹی سے ہی ہے اور روح آسمان سے آتی ہے تو اس کی غذا بھی آسمان سے آتی ہے۔ جسم بیمار ہو تو اس کو طبیب چاہیے اور جسم کے طبیب کو ڈاکٹر کہتے ہیں، روح بیمار ہو تو اس کو بھی طبیب چاہیے اور اس کے طبیب کو نبی اور رسول کہتے ہیں اور یہ ضابطہ عقلی ہے کہ طبیب جس مرض کا معالج ہو خود اس کا اس مرض میں مبتلا ہونا یہ اس طبیب کا عیب ہے۔ روح کی بیماری گناہ ہے تو خود روح کے طبیب کا گناہ میں مبتلا ہونا اس کا عیب ہے۔ اس لیے طبیب روحانی کا اس عیب سے پاک ہونا ضروری ہے۔

دلیل نمبر11:

حضرات انبیاء علیہم السلام اطاعت خدا کروانے میں انسانوں کے لیے مقتدا ہیں تو اگر خود خدا کے نافرمان ہوں تو لوگوں کو اطاعت کا کیا درس دیں گے؟

دلیل نمبر12:

امام فخر الدین محمد بن عمر الرازی رحمۃ اللہ علیہ (ت604ھ) فرماتے ہیں:

أَنَّ الرَّسُوْلَ أَفْضَلُ مِنَ الْمَلَكِ فَوَجَبَ أَنْ لَا يَصْدُرَ الذَّنْبُ مِنَ الرَّسُولِ، وَإِنَّمَا قُلْنَا إِنَّهُ أَفْضَلُ لِقَوْلِهِ تَعَالَى: اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ [سورۃ آل عمران:33]، وَوَجْهُ الِاسْتِدْلَالِ بِهِ قَدْ تَقَدَّمَ فِيْ مَسْأَلَةِ فَضْلِ الْمَلَكِ عَلَى الْبَشَرِ وَإِنَّمَا قُلْنَا إِنَّهُ لَمَّا كَانَ كَذٰلِكَ وَجَبَ أَنْ لَا يَصْدُرَ الذَّنْبُ عَنِ الرَّسُولِ لِأَنَّهُ تَعَالَى وَصَفَ الْمَلَائِكَةَ بِتَرْكِ الذَّنْبِ فَقَالَ: لَا

يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ [سورۃ الانبیاء: 27]. وَقَالَ: لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ [سورۃ التحریم: 6]، فَلَوْ صَدَرَتِ الْمَعْصِيَةُ عَنِ الرَّسُولِ لَامْتَنَعَ كَوْنُهٗ أَفْضَلَ مِنَ الْمَلَكِ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى: اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۫ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ [سورۃ ص: 28].

التفسیر الکبیر للرازی: ج3 ص9 تحت قولہ تعالیٰ "فَأَزَلَّهُمَا الشَّيْطَانُ عَنْهَا" سورۃ البقرۃ: 36

ترجمہ: رسول؛ فرشتے سے افضل ہے تو ضروری ہے کہ رسول سے گناہ صادر نہ ہو۔

یہ جو ہم نے کہا کہ رسول فرشتے سے افضل ہے اس کی دلیل اللہ کا یہ فرمان ہے: "اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ" [سورۃ آل عمران: 33] کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے آدم، نوح، آل ابراہیم اور آل عمران کو تمام جہانوں سے پسند کیا۔ وجہ استدلال ماقبل میں انسان کی فرشتے پر افضلیت کے بیان میں گزر چکی ہے۔ اور یہ جو ہم نے بات کی کہ جب رسول فرشتے سے افضل ہے تو ضروری ہے کہ رسول سے گناہ سرزد نہ ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ گناہ نہیں کرتے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: "لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ" [سورۃ الانبیاء: 27] کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے حضور بڑھ کر کوئی بات نہیں کرتے۔ نیز ارشاد باری ہے: "لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ" [سورۃ التحریم: 6] کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی نہیں کرتے بلکہ جو انہیں حکم ہو وہی کرتے ہیں۔ تو اگر رسول سے گناہ سرزد ہوتا تو رسول فرشتہ سے افضل شمار نہ ہوتا کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۫ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ" [سورۃ ص: 28] کہ کیا ہم ایمان لانے والے اور نیک عمل کرنے والے لوگوں کو ان لوگوں کے برابر کر دیں گے جو زمین میں

فساد مچاتے ہیں یا یہ کہ ہم پرہیز گاروں کو بدکاروں کے برابر کر دیں گے؟

اجماعِ اُمّت اور اقوالِ ائمہ:

1: امام اعظم امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت الکوفی (ت150ھ) فرماتے ہیں:

وَالْأَنْبِيَاءُ عَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كُلُّهُمْ مُنَزَّهُوْنَ عَنِ الصَّغَائِرِ وَالْكَبَائِرِ وَالْكُفْرِ وَالْقَبَائِحِ.

الفقہ الاکبر: ص3

ترجمہ: سارے انبیاء علیہم السلام صغیرہ، کبیرہ گناہوں اور کفر اور بے ہودہ کاموں سے پاک ہوتے ہیں۔

2: قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ (ت544ھ)

علامہ عبد العزیز پرہاڑوی الحنفی (ت1239ھ) قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں:

اَلْاِجْمَاعُ عَلَى الْعِصْمَةِ عَنِ الْكَبَائِرِ بِلَا قَيْدٍ عَمْدًا وَسَهْوًا.

النبراس شرح شرح العقائد: ص283

ترجمہ: انبیاء علیہم السلام کبیرہ گناہوں سے پاک ہوتے ہیں، نہ عمداً کرتے ہیں نہ سہواً، اسی پر اجماع ہے۔

3: امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی (ت671ھ) لکھتے ہیں:

ذَهَبَ الْجُمْهُوْرُ فِيْ أَنَّ جَمِيْعَ الْأَنْبِيَاءِ صَلَوَاتُ اللهِ عَلَيْهِمْ مَعْصُوْمُوْنَ عَنِ الْخَطَأِ وَالْغَلَطِ فِي اجْتِهَادِهِمْ.

الجامع لاحکام القرآن: ج2 ص2058 تحت قولہ تعالیٰ "فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ"، سورۃ الانبیاء: 79

ترجمہ: جمہور حضرات کا موقف یہ ہے کہ تمام انبیاء صلوات اللہ علیہم اپنے اجتہاد میں خطاء اور غلطی سے معصوم ہوتے ہیں۔

4:　ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ (ت1014ھ) بعض محققین سے نقل فرماتے ہیں:

اِجْمَاعُ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ عَلَى التَّاَسِّيْ بِهٖ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ اَقْوَالِهٖ وَاَفْعَالِهٖ وَسَائِرِ اَحْوَالِهٖ حَتّٰى فِيْ كُلِّ حَالَاتِهٖ مِنْ غَيْرِ بَحْثٍ وَلَا تَفَكُّرٍ بَلْ بِمُجَرَّدِ عِلْمِهِمْ اَوْظَنِّهِمْ بِصُدُوْرِ ذٰلِكَ عَنْهُ دَلِيْلٌ قَاطِعٌ عَلٰى اِجْمَاعِهِمْ عَلٰى عِصْمَتِهٖ وَتَنَزُّهِهٖ عَنْ اَنْ يَّجْرِيَ عَلٰى ظَاهِرِهٖ اَوْبَاطِنِهٖ شَيْئٌ لَايُتَاَسّٰى بِهٖ فِيْهِ مِمَّا لَمْ يَقُمْ دَلِيْلٌ عَلَى اخْتِصَاصِهٖ.

مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح: ج1 ص220 باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ

ترجمہ:　صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقول، افعال اور تمام احوال میں بغیر کسی بحث و تفکر کے محض یہ جانتے ہوئے کہ یہ عمل آپ صلی اللہ علیہ و سلم نے کیاہے آپ کی اتباع پر متفق ہو جاناواضح دلیل ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا آپ کی عصمت پر اجماع ہے اوراس پر بھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ظاہراً و باطناً ایسی کوئی چیز صادر نہیں ہو سکتی جس کی اتباع نہ کی جاسکتی ہو جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت پر کوئی دلیل قائم نہ ہو جائے۔

5:　علامہ عبد العزیز پرہاڑوی رحمہ اللہ (ت1239ھ) قاضی عیاض مالکی کے حوالے سے محققین فقہاء و متکلمین کا موقف نقل کرتے ہیں:

قَالَ الْقَاضِيْ عِيَاضٌ: ذَهَبَ طَائِفَةٌ مِنْ مُحَقِّقِي الْفُقَهَاءِ وَالْمُتَكَلِّمِيْنَ اِلَى الْعِصْمَةِ عَنِ الصَّغَائِرِ كَالْعِصْمَةِ فِي الْكَبَائِرِ.

النبراس شرح شرح العقائد: ص283

ترجمہ:　قاضی عیاض مالکی فرماتے ہیں کہ محقق فقہاء و متکلمین کا موقف یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام جس طرح کبیرہ گناہوں سے معصوم ہیں اسی طرح صغیرہ گناہوں سے بھی معصوم ہیں۔

6: مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ (ت1396ھ) اپنی تفسیر "معارف القرآن" میں فرماتے ہیں:

"تحقیق یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی عصمت تمام گناہوں سے عقلاً اور نقلاً ثابت ہے۔ ائمہ اربعہ اور جمہور امت کا اس پر اتفاق ہے کہ انبیاء علیہم السلام تمام چھوٹے بڑے گناہوں سے محفوظ ہوتے ہیں اور بعض لوگوں نے جو یہ کہا ہے کہ صغیرہ گناہ ان سے بھی سرزد ہوسکتے ہیں، جمہور امت کے نزدیک صحیح نہیں۔"

معارف القرآن: ج1 ص195 وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ سورۃ البقرۃ:35

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

"انبیاء علیہم السلام کا گناہوں سے معصوم ہونا تو ایک مسلمہ عقیدہ ہے جس پر تمام امت کا اجماع ہے۔"

معارف القرآن: ج4 ص750 فَلَوْ لَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ سورۃ یونس:98

فائدہ: نبی معصوم، صحابی محفوظ اور مجتہد ماجور ہوتا ہے۔

نبی معصوم... یعنی اللہ تعالیٰ نبی سے گناہ ہونے نہیں دیتے۔

صحابی محفوظ... یعنی صحابی سے گناہ ہو جاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نامہ اعمال میں رہنے نہیں دیتے۔

مجتہد ماجور... یعنی مجتہد سے خطا ہو جاتی ہے لیکن پھر بھی اجر ملتا ہے۔

نوٹ: اس مسئلہ کی مزید تفصیل بندہ کی فائل "عصمت انبیاء علیہم السلام" میں ملاحظہ فرمائیں۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم

وَمُحَمَّدٌ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ حَبِيْبُهٗ وَعَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَنَبِيُّهٗ وَصَفِيُّهٗ وَمُنْتَقَاهُ وَلَمْ يَعْبُدِ الصَّنَمَ وَلَمْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ تَعَالٰى طَرْفَةَ عَيْنٍ قَطُّ وَلَمْ يَرْتَكِبْ صَغِيْرَةً وَلَا كَبِيْرَةً قَطُّ

ترجمہ: حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کے محبوب ترین بندے اور منتخب کردہ پیغمبر و رسول ہیں۔ آپ علیہ السلام نے پلک جھپکنے کے برابر بھی کسی بت کی پرستش کی، نہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا اور نہ ہی کسی صغیرہ یا کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا۔

انبیاء علیہم السلام کی عصمت اور گناہوں سے پاک ہونے کا تذکرہ کرنے کے بعد امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے خصوصیت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے اور رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام مخلوق میں سے چنا اور مقام و مرتبہ سے نوازا۔ آپ کو تمام امت کے لیے نمونہ عمل بنایا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام زندگی پاکیزہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بت کے سامنے سجدہ نہیں کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ کبیرہ گناہ کا صدور ہوا اور نہ صغیرہ گناہ کا حتی کہ لمحہ بھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں ہوئی۔ اتنی پاکیزہ زندگی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا خاصہ ہے۔

فائدہ نمبر 1:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان عبدیت بہت نمایاں ہے اور آپ صلی

اللہ علیہ وسلم کے اوصاف میں سے ایک اعلیٰ وصف ہے۔ سفر اسراء آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعزاز ہے اور اعزاز کے موقع پر اعلیٰ اوصاف ذکر کیے جاتے ہیں۔ اس موقع کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ کلمات ارشاد فرمائے:

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا

الاسراء:1

ترجمہ: پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصی تک لے گئی۔

لفظ "عبد" کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصف عبدیت تمام کمالات میں اعلیٰ وارفع شان کا حامل ہے۔

فائدہ نمبر 2:

تمام القابات میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لفظ "عبد" بہت پسند تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لَا تُطْرُونِي كَمَا أُطْرِيَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَقُولُوا عَبْدُ اللهِ وَرَسُولُهُ.

صحیح البخاری: رقم الحدیث 6830

ترجمہ: تم لوگ مجھے ایسے بڑھا چڑھا کر بیان نہ کیا کرو جس طرح حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو نصاریٰ نے بڑھایا تھا بلکہ تم میرے بارے میں یوں کہا کرو: (کہ میں) اللہ کا بندہ اور اس کا رسول (ہوں)۔

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خدائی صفات اور خدائی اختیارات ثابت کرنا جائز نہیں۔

فائدہ نمبر 3:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی بت کو سجدہ نہیں کیا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلیم الفطرت ہونے کا یہ عالم تھا کہ نبوت ملنے سے قبل بھی آپ کو بتوں سے سخت نفرت رہی۔ سیرت ابن ہشام میں نبوت ملنے سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شام کے سفر کا ذکر ہے۔

مؤرخ امام ابو محمد جمال الدین عبد الملک بن ہشام بن ایوب حمیری (ت 213ھ) لکھتے ہیں:

حَتّٰی إِذَا فَرَغَ الْقَوْمُ مِنْ طَعَامِهِمْ وَتَفَرَّقُوا قَامَ إِلَيْهِ بَحِيرٰى، فَقَالَ لَهٗ: يَا غُلَامُ! أَسْأَلُكَ بِحَقِّ اللَّاتِ وَالْعُزّٰى إِلَّا مَا أَخْبَرْتَنِي عَمَّا أَسْأَلُكَ عَنْهُ، وَإِنَّمَا قَالَ لَهٗ بَحِيرٰى ذٰلِكَ لِأَنَّهٗ سَمِعَ قَوْمَهٗ يَحْلِفُونَ بِهِمَا فَزَعَمُوا أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهٗ: لَا تَسْأَلْنِي بِاللَّاتِ وَالْعُزّٰى، فَوَ اللّٰهِ مَا أَبْغَضْتُ شَيْئًا قَطُّ بُغْضَهُمَا،

سیرت ابن ہشام: ج 1 ص 321

ترجمہ: جب قافلے کے لوگ کھانے سے فارغ ہوئے اور ادھر ادھر بکھر گئے تو بحیرہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے لڑکے! میں تجھ سے لات وعزیٰ کا واسطہ دے کر کچھ سوال کروں گا تو مجھے ان کے صحیح صحیح جواب دینا! بحیرا نے لات اور عزیٰ کا واسطہ اس لیے دیا تھا کہ اس نے قافلے کے لوگوں کو لات اور عزیٰ کی قسمیں کھاتے ہوئے سنا تھا۔ (تو اس نے یہ سوچا کہ شاید آپ بھی ان کی قسمیں کھاتے ہوں گے) مورخین کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا: مجھ سے لات وعزیٰ کا واسطہ دے کر سوال نہ کرنا۔ اللہ کی قسم! میرے نزدیک ان دونوں سے زیادہ کوئی چیز قابل نفرت نہیں۔

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی افضلیت کا بیان

وَأَفۡضَلُ النَّاسِ بَعۡدَ النَّبِيِّيۡنَ عَلَيۡهِمُ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَبُوۡ بَكۡرٍ الصِّدِّيۡقُ ثُمَّ عُمَرُ بۡنُ الۡخَطَّابِ الۡفَارُوۡقُ ثُمَّ عُثۡمَانُ بۡنُ عَفَّانَ ذُو النُّوۡرَيۡنِ ثُمَّ عَلِيُّ بۡنُ أَبِيۡ طَالِبٍ الۡمُرۡتَضٰى رِضۡوَانُ اللهِ عَلَيۡهِمۡ أَجۡمَعِيۡنَ عَابِدِيۡنَ ثَابِتِيۡنَ عَلَى الۡحَقِّ وَمَعَ الۡحَقِّ نَتَوَلَّاهُمۡ جَمِيۡعًا وَلَا نَذۡكُرُ أَحَدًا مِنۡ أَصۡحَابِ رَسُوۡلِ اللهِ إِلَّا بِخَيۡرٍ

ترجمہ: انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد تمام لوگوں میں افضل ہستی حضرت ابو بکر صدیق ہیں، پھر حضرت عمر بن خطاب فاروق، پھر حضرت عثمان بن عفان ذوالنورین اور پھر حضرت علی المرتضیٰ بن ابی طالب رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں۔ یہ تمام ہستیاں خدا تعالیٰ کی عبادت گزار، حق پرست اور حق کا ساتھ دینے والی تھیں۔ ہم تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے محبت کرتے ہیں اور ہر صحابی کا تذکرہ اچھے الفاظ ہی سے کرتے ہیں۔

فائدہ نمبر 1:

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے القابات ”صدیق، فاروق، ذوالنورین، مرتضیٰ“ ذکر کیے ہیں۔ ان کی مختصر وضاحت پیش کی جاتی ہے۔

1: حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا لقب ”صدیق“ ہے۔ اس لیے کہ آپ رضی اللہ عنہ صداقت میں تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے ممتاز ہیں۔

2: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا لقب ”فاروق“ ہے۔ اس لیے کہ آپ رضی اللہ عنہ حق و باطل میں فرق کرنے میں تمام صحابہ رضی اللہ عنہم میں امتیازی شان

کے حامل ہیں۔

3: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا لقب "ذوالنورین" ہے۔ "النورین" یہ "نور" کا تثنیہ ہے۔ نور سے مراد یہاں بیٹی اور لختِ جگر ہے کیونکہ اولاد کو بھی قرۃ العین یعنی آنکھوں کا نور کہہ دیتے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کا لقب "ذوالنورین" اس لیے ہے کہ تاریخ انسانی میں آپ ہی وہ واحد شخصیت ہیں جن کے نکاح میں پیغمبر کی دو نورِ نظر یعنی بیٹیاں یکے بعد دیگرے آئی ہیں۔

4: حضرت علی رضی اللہ عنہ کا لقب "المرتضیٰ" ہے۔ مرتضیٰ کا معنی ہے "پسندیدہ اور چُنی ہوئی شخصیت"۔ اس لقب کی وجہ بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ چند اہم مواقع پر آپ رضی اللہ عنہ کا خصوصیت سے انتخاب ہوا ہے مثلاً غزوۂ خیبر کے موقع پر قلعۂ قموص کو فتح کرنے کے لیے، ہجرت مدینہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اظہارِ مواخات کے لیے، آپ رضی اللہ عنہ ہی کے بارے میں ارشاد نبوی "أَمَا تَرْضٰى أَنْ تَكُونَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسٰى عَلَيْهِمَا السَّلَامُ" حد درجہ محبت اور پیار بھرے جذبات کے اظہار کے لیے وغیرہ۔ ان جیسی وجوہات کی بنا پر تاریخ اسلام میں آپ کو "مرتضیٰ" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

فائدہ نمبر 2:

انبیاء علیہم السلام کے بعد افضل طبقہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ہے۔ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے افضل چار حضرات ہیں: حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر بن خطاب، حضرت عثمان بن عفان اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم۔ ان چاروں کو "خلفائے راشدین" کہتے ہیں۔ اکابرین امت ان چاروں کو اسی ترتیب سے باقی امت سے افضل مانتے ہیں اور اسی پر اجماع ہے۔

1: امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت الکوفی (ت 150ھ) فرماتے ہیں:

وَأَفْضَلُ النَّاسِ بَعْدَ النَّبِيِّيْنَ عَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَبُوْ بَكْرٍ الصِّدِّيْقُ ثُمَّ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ الْفَارُوْقُ ثُمَّ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ ذُو النُّوْرَيْنِ ثُمَّ عَلِيُّ بْنُ أَبِيْ طَالِبٍ الْمُرْتَضٰى رِضْوَانُ اللهِ عَلَيْهِمْ أَجْمَعِيْنَ.

الفقہ الاکبر

ترجمہ: انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد تمام لوگوں میں افضل ہستی حضرت ابو بکر صدیق ہیں، پھر حضرت عمر بن خطاب فاروق، پھر حضرت عثمان بن عفان ذوالنورین اور پھر حضرت علی المرتضیٰ بن ابی طالب رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں۔

2: امام محمد بن ادریس الشافعی (ت 204ھ)

امام ابو بکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ البیہقی (ت 458ھ) لکھتے ہیں:

عَنِ الرَّبِيْعِ عَنِ الشَّافِعِيِّ أَنَّهُ قَالَ: أَفْضَلُ النَّاسِ بَعْدَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبُوْ بَكْرٍ، ثُمَّ عُمَرُ، ثُمَّ عُثْمَانُ، ثُمَّ عَلِيٌّ، رِضْوَانُ اللهِ عَلَيْهِمْ.

کتاب مناقب الشافعی للبیہقی: ج1 ص433

ترجمہ: امام ربیع؛ امام شافعی رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں میں سب سے افضل ابو بکر ہیں، پھر عمر ہیں، پھر عثمان اور پھر علی رضوان اللہ علیہم۔

3: امام ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامہ الطحاوی (ت 321ھ) فرماتے ہیں:

وَنُثْبِتُ الْخِلَافَةَ بَعْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوَّلًا لِأَبِيْ بَكْرٍ الصِّدِّيْقِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ تَفْضِيْلًا لَهُ وَتَقْدِيْمًا عَلٰى جَمِيْعِ الْأُمَّةِ ثُمَّ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ ثُمَّ لِعُثْمَانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ ثُمَّ لِعَلِيِّ بْنِ أَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ.

العقیدۃ الطحاویۃ

ترجمہ: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے پہلے حضرت ابو بکر رضی

اللہ عنہ کے لیے خلافت مانتے ہیں کیونکہ آپ ہی پوری امت میں سب سے افضل اور مقدم ہیں۔ پھر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے لیے، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے، پھر حضرت علی ابن طالب رضی اللہ عنہ کے لیے مانتے ہیں۔

4: امام ابو محمد حسن بن علی بن خلف البَرْبَہَاری الحنبلی(ت329ھ)

امام ابو الفلاح عبد الحی بن احمد بن محمد العکری الحنبلی (ت 1089ھ) نے اپنی کتاب "شذرات الذھب" میں امام البَرْبَہَاری الحنبلی رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ کیا اور ان کی ایک تصنیف "شرح کتاب السنۃ" سے چند اقتباسات نقل کیے۔ ان میں یہ عقیدہ بھی نقل کیا:

وَأَفْضَلُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ وَالْأُمَمِ كُلِّهَا بَعْدَ الْأَنْبِيَاءِ صَلَوَاتُ اللهِ عَلَيْهِمْ أَبُوْ بَكْرٍ، ثُمَّ عُمَرُ، ثُمَّ عُثْمَانُ، ثُمَّ عَلِيٌّ.

شذرات الذھب:ج4ص161

ترجمہ: انبیاء علیہم السلام کے بعد اس امت میں اور دیگر تمام امتوں میں سب سے افضل ابو بکر ہیں، پھر عمر، پھر عثمان اور پھر علی رضی اللہ عنہم۔

5: امام استاذ ابو منصور عبد القاہر بن طاہر التمیمی البغدادی(ت429ھ)

علامہ جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر السیوطی الشافعی (ت 911ھ) امام ابو منصور البغدادی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

أَجْمَعَ أَهْلُ السُّنَّةِ أَنَّ أَفْضَلَ النَّاسِ بَعْدَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبُوْ بَكْرٍ، ثُمَّ عُمَرُ، ثُمَّ عُثْمَانُ، ثُمَّ عَلِيٌّ.

تاریخ الخلفاء:ص44

ترجمہ: اھل السنۃ کا اس بات پر اجماع ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں میں سب سے افضل ابو بکر ہیں، پھر عمر، پھر عثمان، پھر علی رضی اللہ عنہم اجمعین

فائدہ نمبر 3:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا خلیفہ ہونا آپ رضی اللہ عنہ کے پوری امت میں سب سے افضل اور مقدم ہونے کی وجہ سے ہے۔ افضل ہونے کی کئی ایک وجوہ ہیں۔ چند ایک ملاحظہ ہوں:

1: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی باقی تمام امت پر فضیلت کی وجہ "صحابیت" یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا میسر ہونا ہے۔ جس صحابی کو یہ صحبت جتنی زیادہ ملی ہو گی وہ اتنا افضل ہو گا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ وہ واحد صحابی ہیں جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سب سے زیادہ نصیب ہوئی ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ سب سے پہلے ایمان لائے اور پیغمبر پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک ساتھ رہے۔ اس لیے باقی صحابہ رضی اللہ عنہم سے افضل ہوئے۔

2: آپ رضی اللہ عنہ ہی وہ واحد صحابی ہیں جنہیں قرآن مجید نے "صاحب" (یعنی صحابی) کہا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اِلَّا تَنۡصُرُوۡهُ فَقَدۡ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذۡ اَخۡرَجَهُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ثَانِىَ اثۡنَيۡنِ اِذۡ هُمَا فِى الۡغَارِ اِذۡ يَقُوۡلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحۡزَنۡ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا‌ ۚ فَاَنۡزَلَ اللّٰهُ سَكِيۡنَتَهٗ عَلَيۡهِ

سورۃ التوبۃ:40

ترجمہ: اگر تم ان کی (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی) مدد نہیں کرو گے تو (ان کا کچھ نقصان نہیں، اس لیے کہ) اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد اس وقت بھی کی ہے جب ان کو کافروں نے ایسے وقت (مکہ مکرمہ سے) نکالا تھا جب وہ دو آدمیوں میں سے دوسرے تھے، جب وہ دونوں غار میں تھے، جب وہ اپنے ساتھی کو یہ کہہ رہے تھے کہ غم نہ کرو، اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی طرف سے سکون قلب نازل فرمایا۔

تو آپ رضی اللہ عنہ کا صحابی ہونا قرآن سے ثابت ہوا۔

3: آپ رضی اللہ عنہ واحد صحابی ہیں جن کی چار پشتیں صحابی ہیں:

۱.... حضرت ابو قحافہ عثمان بن عمر رضی اللہ عنہ (والد)

۲.... حضرت ابو بکر عبد اللہ بن عثمان رضی اللہ عنہما (خود)

۳.... حضرت عبد الرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما (بیٹا)

۴.... حضرت محمد بن عبد الرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہم (پوتا)

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد بن ایوب الشامی الطبرانی (ت360ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ، قَالَ: لَا نَعْلَمُ أَرْبَعَةً أَدْرَكُوا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبْنَاؤُهُمْ، إِلَّا هٰؤُلَاءِ الْأَرْبَعَةَ: أَبُو قُحَافَةَ، وَأَبُو بَكْرٍ، وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ، وَأَبُو عَتِيقِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، وَاسْمُ أَبِي عَتِيقٍ مُحَمَّدٌ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ.

المعجم الکبیر للطبرانی: ج1 ص21 رقم الحدیث 11

ترجمہ: حضرت موسیٰ بن عقبہ تابعی رحمۃ اللہ علیہ (ت141ھ) فرماتے ہیں کہ ہمارے علم کے مطابق باپ بیٹوں کی ایسی چار نسلیں جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا ہو صرف یہ ہیں: ابو قحافہ، ابو بکر، عبد الرحمٰن بن ابی بکر اور ابو عتیق محمد بن عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہم۔

فائدہ نمبر 4:

حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم میں مذکورہ ترتیب عقل کے بھی مطابق ہے۔ اس لیے کہ

1: حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سسر ہیں اور حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما داماد ہیں۔

سسر باپ کی طرح اور داماد بیٹے کی طرح ہوتا ہے۔ باپ کا مقام پہلے اور بیٹے کا مقام بعد میں ہوتا ہے۔ اس لیے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہم کا مقام پہلے ہے یعنی آپ پہلے خلیفہ ہیں اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا مقام بعد میں ہے یعنی آپ دوسرے خلیفہ ہیں۔

2: پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ دوہرے داماد ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اکہرے داماد ہیں۔ اس لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مقام پہلے ہے یعنی وہ تیسرے خلیفہ ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقام بعد میں ہے اور وہ چوتھے خلیفہ ہیں۔

فائدہ نمبر 5:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں چند نظریات ذہن نشین فرمالیں:

صحابی کی تعریف:

حافظ ابو الفضل شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی الشافعی (ت852ھ) لکھتے ہیں:

مَنْ لَقِيَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُؤْمِنًا بِهٖ وَمَاتَ عَلَى الْإِسْلَامِ.

نزھۃ النظر شرح نخبۃ الفکر لابن حجر العسقلانی: ص133

ترجمہ: جس نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان کی حالت میں ملاقات کی ہو اور ایمان کی حالت میں ہی اس کی وفات ہوئی ہو۔

اگر کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایمان لانے کے ارادے سے آئے تو بھی صحابی ہے اور اگر ایمان لانے کا قصد لے کر نہ آئے لیکن محفل میں آکر ایمان قبول کرلے تو وہ بھی صحابی ہے۔ اسی طرح لقاء کے لیے زیادہ

وقت درکار نہیں بلکہ ایمان کے ساتھ ایک لمحہ کے لیے بھی صحبت میسر ہو جائے تب بھی صحابی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خدائی انتخاب ہیں:

مقام صحابیت محض اللہ کی طرف سے عطا کردہ ایک عظیم الشان منصب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جیسے نبوت ورسالت کے لیے انبیاء ورسل علیہم السلام کا انتخاب فرمایا اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو بھی خود منتخب فرمایا۔ رضی اللہ عنہم

علامہ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی (ت 807ھ) لکھتے ہیں:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللہُ عَنْہُمَا قَالَ: سَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی قَالَ: ھُمْ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اصْطَفَاھُمُ اللہُ لِنَبِیِّہٖ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ.

مجمع الزوائد للہیثمی: ج7 ص199 رقم الحدیث 11249

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ان لوگوں پر سلامتی ہو جنہیں اللہ نے منتخب فرمایا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس آیت کا مصداق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے منتخب فرمایا ہے۔

امام ابو داؤد سلیمان بن داؤد بن الجارود الطیالسی (ت 204ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنْ عَبْدِ اللہِ، قَالَ: إِنَّ اللہَ عَزَّ وَجَلَّ نَظَرَ فِي قُلُوبِ الْعِبَادِ فَاخْتَارَ مُحَمَّدًا صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَبَعَثَہٗ بِرِسَالَاتِہٖ وَانْتَخَبَہٗ بِعِلْمِہٖ ثُمَّ نَظَرَ فِي قُلُوبِ النَّاسِ بَعْدَہٗ فَاخْتَارَ لَہٗ أَصْحَابَہٗ فَجَعَلَھُمْ أَنْصَارَ دِینِہٖ وَوُزَرَاءَ نَبِیِّہٖ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ.

مسند ابی داؤد الطیالسی: ج1 ص130 رقم الحدیث 243

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ

بے شک اللہ تعالیٰ نے بندوں کے دلوں کو دیکھا تو ان میں سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو منتخب کیا، آپ کو اپنی رسالت کے ساتھ مبعوث کیا اور آپ کو اپنے علم کے ساتھ منتخب کیا۔ پھر اس کے بعد لوگوں کے دلوں کو دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اصحاب کو منتخب فرمایا، ان کو دین کے معاملے میں آپ کا مددگار اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کو وزیر بنایا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مومن ہیں:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین پکے سچے مومن ہیں۔ قرآن کریم میں جہاں جہاں بھی اللہ پاک نے اہل ایمان کی صفات بیان فرمائی ہیں ان کا سب سے پہلا مصداق حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں۔

أُولَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْمُؤْمِنُونَ حَقًّاۚ لَّهُمْ دَرَجَٰتٌ عِندَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ

سورۃ الانفال:4

ترجمہ: یہی حقیقی مؤمن ہیں۔ ان کے لیے اپنے رب کے ہاں بڑے درجات، مغفرت اور بہترین رزق موجود ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عادل ہیں:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عادل ہونے کا معنی یہ ہے کہ ان میں شریعت کے متعلق گواہی دینے کی اہلیت موجود ہے اور ان کی بات کو سچی گواہی کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے۔ دین اسلام کا مدار انہی کی روایات، مرویات اور شہادات پر ہے اور ان کی روایات وشہادات کا انحصار ان کی ذات کے عادل ہونے پر ہے۔

امام حافظ ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر الاندلسی المالکی (ت 463ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ الصَّحَابَةَ كُلُّهُمْ عُدُولٌ مَرْضِيُّونَ وَهٰذَا أَمْرٌ مُجْتَمَعٌ عَلَيْهِ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ بِالْحَدِيثِ.

الاستذکار لابن عبد البر: ج3 ص301 باب ماجاء فی الصیام فی السفر

ترجمہ: صحابہ سب کے سب عادل ہیں، اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے اور یہ ایسی حقیقت ہے جس پر محدثین کا اجماع ہے۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی المالکی (ت 671ھ) لکھتے ہیں:

فَالصَّحَابَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ كُلُّهُمْ عُدُولٌ، أَوْلِيَاءُ اللهِ تَعَالَى وَأَصْفِيَاؤُهُ، وَخِيَرَتُهُ مِنْ خَلْقِهِ بَعْدَ أَنْبِيَائِهِ وَرُسُلِهِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ. هٰذَا مَذْهَبُ أَهْلِ السُّنَّةِ، وَالَّذِي عَلَيْهِ الْجَمَاعَةُ مِنْ أَئِمَّةِ هٰذِهِ الْأُمَّةِ.

الجامع لاحکام القرآن: ج2 ص2863 تحت قولہ تعالیٰ "مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ"، سورۃ الفتح:29

ترجمہ: تمام صحابہ رضی اللہ عنہ عادل ہیں، اللہ تعالیٰ کے محبوب اور منتخب ہستیاں ہیں، انبیاء ورسل علیہم السلام کے بعد امت کی بہترین شخصیات ہیں۔ یہی اہل السنۃ کا مذہب ہے اور اسی پر امت کے اہل علم کی جماعت متفق ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم محفوظ ہیں:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے محفوظ ہونے کا معنی یہ ہے کہ اگر ان میں سے کسی سے بشری تقاضوں کے مطابق کبھی کوئی گناہ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ ان کے ذمے میں وہ گناہ باقی نہیں رہنے دیتے یعنی دنیا میں اس گناہ سے معافی عطا فرما دیتے ہیں اور اس گناہ کی وجہ سے ملنے والے اُخروی عذاب سے ان کو محفوظ فرما لیتے ہیں۔

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللهُ وَعْدَهٗٓ إِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِإِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى إِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا

وَ مِنۡكُمۡ مَّنۡ يُّرِيۡدُ الۡاٰخِرَةَ‌ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمۡ عَنۡهُمۡ لِيَبۡتَلِيَكُمۡ‌ ۚ وَ لَقَدۡ عَفَا عَنۡكُمۡ‌ ؕ وَاللّٰهُ ذُوۡ فَضۡلٍ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ

سورۃ آل عمران:152

ترجمہ: اللہ نے تم سے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا جب تم اللہ کے حکم سے ان (کافروں) کو قتل کرنے لگے یہاں تک کہ جب تم بے ہمت ہو گئے اور ایک معاملے میں (مورچے پر ٹھہرنے اور نہ ٹھہرنے کے بارے) آپس میں جھگڑا بھی کیا اور تم اس بارے پیغمبر کے حکم کی خلاف ورزی کر بیٹھے۔ اس کے بعد اللہ نے تمہیں وہ چیز (میدانِ جنگ میں فتح، دشمن پر غلبہ اور اس سے حاصل ہونے والا مالِ غنیمت) دکھادی جو تم پسند کرتے تھے۔ تم میں سے کچھ ایسے ہیں جو دنیا (کے اسباب یعنی مال غنیمت) کا ارادہ کرتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو آخرت (کے ثواب) کا ارادہ کرتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں آزمائش میں ڈالنے کے لیے ان سے پھیر دیا (یعنی کچھ وقت کے لیے اپنی مدد موقوف کر دی) پکی بات ہے کہ اللہ نے تمہیں معاف فرمادیا ہے اور وہ اہل ایمان پر فضل فرمانے والا ہے۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن محمد الحاکم النیشابوری الشافعی (ت 405ھ) نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے اللہ تعالیٰ کے فرمان " وَ ابۡتَغُوۡۤا اِلَيۡهِ الۡوَسِيۡلَةَ " (سورۃ المائدۃ:35) کے بارے میں یہ بات بیان کی ہے:

لَقَدْ عَلِمَ الْمَحْفُوظُونَ مِنْ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ ابْنَ أُمِّ عَبْدٍ مِنْ أَقْرَبِهِمْ إِلَى اللهِ وَسِيلَةً "

المستدرک علی الصحیحین: ج3 ص37 کتاب التفسیر تحت سورۃ المائدۃ

ترجمہ: بے شک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے محفوظ صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ بات جان لی ہے کہ ابن ام عبد اللہ (یعنی حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچنے کا قریب ترین ذریعہ ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم معیارِ حق ہیں:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے معیارِ حق ہونے کا معنٰی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس شخص کا ایمان اور عمل قبول ہوتا ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے ایمان اور عمل کے عین مطابق ہو۔ اور اگر کسی کا ایمان اور عمل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے ایمان و عمل کے مطابق نہیں ہو گا تو وہ اللہ کے ہاں قبول بھی نہیں ہو گا۔ نہ تو وہ شخص اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں "مومن" کہلائے جانے کا مستحق ہے اور نہ "نیک" کہلائے جانے کا حق دار۔

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَاۤ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا

سورۃ البقرۃ:137

ترجمہ: اگر یہ لوگ بھی اسی طرح ایمان لائیں جس طرح آپ ایمان لائے ہیں تو یہ لوگ ہدایت یاب ہو جائیں گے۔

وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِیْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ

سورۃ التوبۃ:100

ترجمہ: اور مہاجرین اور انصار میں سے جو لوگ پہلے ایمان لائے، اور جنہوں نے نیکی کے ساتھ ان کی پیروی کی، اللہ ان سب سے راضی ہو گیا ہے اور وہ اس سے راضی ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تنقید سے بالاتر ہیں:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تنقید سے بالاتر ہونے کا معنی یہ ہے کہ ان کے کسی قول و فعل پر ایسا تبصرہ کرنا جس سے ان کی شخصیت مجروح ہوتی ہو یا ان کی شان میں کمی ہوتی ہو؛ حرام ہے۔ تنقید کی دو ممکنہ صورتیں بن سکتی ہیں:

1: ایمان پر تنقید

2: اعمال پر تنقید

یہ دونوں ممنوع ہیں۔ اگر تنقید ایمان وعقیدہ کی وجہ سے ہو یعنی عقیدہ خراب ہو تو صحابی صحابی نہیں رہتا اور اگر تنقید عمل کی وجہ سے ہو تو صحابی عمل کی وجہ سے صحابی بنتا ہی نہیں ہے۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی المالکی (ت 671ھ) لکھتے ہیں:

وَقَدْ ذَهَبَتْ شِرْذِمَةٌ لَا مُبَالَاةَ بِهِمْ إِلَى أَنَّ حَالَ الصَّحَابَةِ كَحَالِ غَيْرِهِمْ، فَيَلْزَمُ الْبَحْثُ عَنْ عَدَالَتِهِمْ. وَمِنْهُمْ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ حَالِهِمْ فِي بُدَاءَةِ الْأَمْرِ فَقَالَ: إِنَّهُمْ كَانُوا عَلَى الْعَدَالَةِ إِذْ ذَاكَ. ثُمَّ تَغَيَّرَتْ بِهِمُ الْأَحْوَالُ فَظَهَرَتْ فِيهِمُ الْحُرُوبُ وَسَفْكُ الدِّمَاءِ فَلَا بُدَّ مِنَ الْبَحْثِ. وَهٰذَا مَرْدُودٌ.

الجامع لاحکام القرآن: ج2 ص2863 "مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ"، سورۃ الفتح: 29

ترجمہ: بعض لوگ جو کسی شمار وقطار میں نہیں، کہتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معاملہ باقی لوگوں کی طرح ہے اس لیے صحابہ کی عدالت کے متعلق بحث کی جائے گی۔ چنانچہ ان لوگوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ابتدائی احوال کے پیش نظر یہ کہا ہے کہ اس وقت صحابہ عادل تھے لیکن بعد میں جب ان کے احوال میں تبدیلی آئی اور آپس میں جنگیں ہوئیں اور (دونوں اطراف میں) شہادتیں واقع ہوئیں تو (اس وقت) ان کے احوال سے بحث کرنا ضروری ہے۔ (امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں) ان لوگوں کی یہ بات مردود ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنتی ہیں:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب کے سب جنتی ہیں۔ ایک لمحے کے لیے بھی جہنم میں نہیں جائیں گے۔ ان تک تو جہنم کا دھواں بھی نہیں پہنچ سکتا، قیامت والے

دن سیدھے جنت میں جائیں گے۔

وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ

سورۃ التوبۃ:100

ترجمہ: اور مہاجرین اور انصار میں سے جو لوگ پہلے ایمان لائے، اور جنہوں نے نیکی کے ساتھ ان کی پیروی کی، اللہ ان سب سے راضی ہو گیا ہے اور وہ اس سے راضی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ یہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہیں گے اور یہی بڑی کامیابی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم امت کا افضل ترین طبقہ ہیں:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا طبقہ امت کا سب سے بہترین اور افضل ترین طبقہ ہے۔ ان جیسے باکمال اور بے مثال لوگ نہ ان سے پہلے کسی امت میں پیدا ہوئے نہ ہی ان کے بعد قیامت تک پیدا ہوں گے۔

حافظ عماد الدین ابو الفداء اسماعیل بن خطیب ابی حفص عمر بن کثیر دمشقی شافعی (ت774ھ) لکھتے ہیں:

وَلَهُمُ الْفَضْلُ وَالسَّبْقُ وَالْكَمَالُ الَّذِي لَا يَلْحَقُهُمْ فِيهِ أَحَدٌ مِنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَأَرْضَاهُمْ.

تفسیر القرآن الکریم لابن کثیر: ج5 ص642 "مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ وَالَّذِينَ مَعَهٗ"، سورۃ الفتح:29

ترجمہ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو وہ فضیلت، بلندی مقام اور کمال حاصل ہے جو امت میں کسی کو بھی حاصل نہیں۔ اللہ تعالیٰ صحابہ کرام سے راضی ہو اور ان کو راضی فرمائے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع معصوم ہے:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اگرچہ فرداً فرداً مومن، عادل، حجت، معیار حق، تنقید سے بالاتر اور گناہوں سے محفوظ ہیں لیکن جب کسی بات پر متفق ہو جائیں یعنی ان کا اجماع ہو جائے تو وہ اجماع؛ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کی طرح معصوم ہوتا ہے۔
محقق علی الاطلاق علامہ کمال الدین محمد بن عبد الواحد بن عبد الحمید الحنفی المعروف ابن الہمام (ت 861ھ) لکھتے ہیں:

وَقَدْ تَقَرَّرَ فِي عِلْمِ الْأُصُولِ أَنَّ إِجْمَاعَ الْأُمَّةِ سِيَّمَا إِجْمَاعُ الصَّحَابَةِ دَلِيلٌ قَطْعِيٌّ يَكْفُرُ جَاحِدُهُ.

فتح القدیر لابن الہمام: ج10 ص116 کتاب الاشربۃ

ترجمہ: علم اصول میں یہ بات طے شدہ ہے کہ امت کا اجماع خاص طور پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع دلیل قطعی ہے، ان کا منکر کافر ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر سب وشتم حرام ہے:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نامناسب الفاظ سے یاد کرنا، برا بھلا کہنا، سَبّ و شتم کرنا، گالم گلوچ کرنا اور لعن طعن کرنا حرام ہے اور خدا تعالیٰ کی ناراضی کا باعث ہے بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت ہے۔
امام ابو بکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ البیہقی (ت 458ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُغَفَّلٍ الْمُزَنِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "اللهَ اللهَ فِي أَصْحَابِي، لَا تَتَّخِذُوهُمْ غَرَضًا مِنْ بَعْدِي، مَنْ أَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّي أَحَبَّهُمْ، وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِي أَبْغَضَهُمْ.

شعب الایمان للبیہقی: ج2 ص191 رقم الحدیث 1511

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مغفل مزنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالی سے میرے صحابہ کے بارے میں ڈرو۔ ان کو میرے بعد طعن و تشنیع کا نشانہ نہ بنانا۔ جو شخص صحابہ کرام سے محبت کرتا ہے وہ میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کرتا ہے اور جو شخص ان سے بغض رکھتا ہے وہ مجھ سے بغض رکھنے کی وجہ سے ان سے بغض رکھتا ہے۔

امام ابو بکر احمد بن علی بن ثابت بن احمد الخطیب البغدادی (ت 463ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِذَا ظَهَرَتِ الْفِتَنُ أَوْ قَالَ: الْبِدَعُ وَسُبَّ أَصْحَابِي فَلْيُظْهِرِ الْعَالِمُ عِلْمَهُ فَمَنْ لَمْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ لَا يَقْبَلُ اللهُ لَهُ صَرْفًا وَلَا عَدْلًا"

الجامع لاخلاق الراوی و آداب السامع: ج2 ص118 املاء مناقب الصحابۃ ومناقبہم

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب فتنے یا بدعات ظاہر ہوں اور میرے اصحاب کو گالی دی جائے تو پھر عالم کو اپنا علم ظاہر کرنا چاہیے۔ جو شخص اس طرح نہ کرے تو اس پر اللہ تعالیٰ اور ملائکہ اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔ اللہ تعالی اس شخص کے نہ فرض کو قبول کریں گے اور نہ نفل کو۔

حب صحابہ و اہل بیت رضی اللہ عنہم:

صحابہ کرام اور اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ محبت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کی علامت ہے اور صحابہ کرام اور اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین دونوں سے بغض یا ان دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ محبت اور دوسرے کے ساتھ بغض، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض کی علامت

اور گمراہی ہے۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری (ت 256ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "آيَةُ الْإِيمَانِ حُبُّ الْأَنْصَارِ وَآيَةُ النِّفَاقِ بُغْضُ الْأَنْصَارِ."

صحیح البخاری: رقم الحدیث 3784

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انصار صحابہ سے محبت کرنا ایمان کی نشانی ہے اور انصار صحابہ سے بغض رکھنا منافقت کی نشانی ہے۔

مقام صحابہ رضی اللہ عنہم:

انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد انسانوں میں سب سے اعلیٰ ترین درجہ اور مقام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا ہے اور ان میں بھی باہمی مقام ومرتبہ کی ترتیب درج ذیل ہے:

1: خلفائے راشدین علی ترتیب الخلافۃ۔

2: عشرہ مبشرہ۔

3: اصحاب بدر۔

4: اصحاب بیعت رضوان۔

5: شرکائے فتح مکہ

6: وہ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین جو فتح مکہ کے بعد اسلام لائے۔

عشرہ مبشرہ:

حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان ذوالنورین، حضرت

علی المرتضیٰ، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عبد الرحمٰن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت سعید بن زید، حضرت ابو عبیدۃ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہم

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی (ت 279ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَبُو بَكْرٍ فِي الْجَنَّةِ وَعُمَرُ فِي الْجَنَّةِ وَعُثْمَانُ فِي الْجَنَّةِ وَعَلِيٌّ فِي الْجَنَّةِ وَطَلْحَةُ فِي الْجَنَّةِ وَالزُّبَيْرُ فِي الْجَنَّةِ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ فِي الْجَنَّةِ وَسَعْدٌ فِي الْجَنَّةِ وَسَعِيدٌ فِي الْجَنَّةِ وَأَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ فِي الْجَنَّةِ.

سنن الترمذی: رقم الحدیث 3747

ترجمہ: حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابو بکر جنتی ہیں، عمر جنتی ہیں، عثمان جنتی ہیں، علی جنتی ہیں، طلحہ جنتی ہیں، زبیر جنتی ہیں، عبد الرحمٰن بن عوف جنتی ہیں، سعد جنتی ہیں، سعید جنتی ہیں، ابو عبیدہ بن جراح جنتی ہیں۔ رضی اللہ عنہم اجمعین

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اُخروی عذاب سے محفوظ ہیں:

کسی ایک صحابی کو بھی اُخروی عذاب نہیں ہو گا، جس شخص کو ایمان کی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نصیب ہو گئی اس پر جہنم کی آگ حرام ہے۔

حافظ ابو الفضل شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی الشافعی (ت 852ھ) نے علامہ ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم الاندلسی القرطبی الظاہری (ت 456ھ) کے حوالے سے لکھا ہے:

وَقَالَ أَبُوْ مُحَمَّدِ بْنِ حَزْمٍ: اَلصَّحَابَةُ كُلُّهُمْ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ قَطْعاً. قَالَ اللهُ تَعَالٰى: " لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَ قٰتَلُوْا ؕ وَ كُلًّا وَّعَدَ اللهُ الْحُسْنٰى " قَالَ تَعَالٰى: " اِنَّ

الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ "فَثَبَتَ أَنَّ الْجَمِيْعَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ، وَأَنَّهُ لَا يَدْخُلُ أَحَدٌ مِنْهُمُ النَّارَ، لِأَنَّهُمُ الْمُخَاطَبُوْنَ بِالْآيَةِ السَّابِقَةِ.

الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ: ج1 ص10

ترجمہ: امام ابو محمد ابن حزم فرماتے ہیں: تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یقینی طور پر جنتی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "تم لوگوں میں سے جنہوں نے فتح (مکہ) سے پہلے خرچ کیا اور جہاد کیا وہ ان لوگوں سے درجے میں زیادہ ہیں جنہوں نے (فتح مکہ کے) بعد خرچ کیا اور جہاد کیا (لیکن) اللہ تعالیٰ نے بھلائی کا وعدہ ہر ایک سے کر رکھا ہے" اللہ تعالیٰ کا مزید ارشاد ہے: "جن لوگوں کے لیے ہماری جانب سے بھلائی کا وعدہ کیا جا چکا ہے وہ اس (جہنم) سے دور رکھے جائیں گے" اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنتی ہیں اور کوئی صحابی بھی جہنم میں داخل نہیں ہو گا کیونکہ ما قبل والی آیت " وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى " کے مخاطب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی ہیں۔

اعدائے صحابہ سے براءت:

جو شخص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے ایمان، عدالت، حجیت اور حفاظت کا منکر ہو یا صحابہ پہ طعن و تشنیع کرتا ہو ہم اس سے اعلان براءت کرتے ہیں۔ ہمارا اس بندے سے کوئی تعلق نہیں۔ اللہ پاک دنیا اور آخرت میں ہمیں ایسے لوگوں سے الگ رکھیں۔

☼ امام ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامہ الطحاوی (ت 321ھ) لکھتے ہیں:

وَنُحِبُّ أَصْحَابَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا نُفْرِطُ فِيْ حُبِّ أَحَدٍ مِنْهُمْ وَلَا نَتَبَرَّأُ مِنْ أَحَدٍ مِنْهُمْ وَنُبْغِضُ مَنْ يُبْغِضُهُمْ وَبِغَيْرِ الْخَيْرِ يَذْكُرُهُمْ وَلَا نَذْكُرُهُمْ إِلَّا بِخَيْرٍ وَنَرَى حُبَّهُمْ دِيْنًا وَإِيْمَانًا وَإِحْسَانًا وَبُغْضَهُمْ كُفْرًا وَنِفَاقًا

وَطُغْيَانًا.

العقیدۃ الطحاویۃ مع الشرح لمتکلم الاسلام: ص146

ترجمہ: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے محبت کرتے ہیں البتہ کسی کی محبت میں غلو کرتے ہیں نہ کسی سے براءت کرتے ہیں۔ ہم ایسے شخص سے بغض رکھتے ہیں جو ان سے بغض رکھے اور برائی سے ان کا تذکرہ کرے۔ ہم جب بھی صحابہ کا تذکرہ کریں گے تو خیر ہی سے کریں گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کو دین، ایمان اور احسان سمجھتے ہیں اور ان سے نفرت کرنے کو کفر، منافقت اور سرکشی سمجھتے ہیں۔

خلافت راشدہ وخلفائے راشدین رضی اللہ عنہم:

”خلافت راشدہ“ شریعت کی اصطلاح ہے جس سے مراد خلافت راشدہ موعودہ فی القرآن ہے۔ یعنی قرآن کریم کی آیت استخلاف (سورۃ النور: 55) میں جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو خلافت دینے کا وعدہ کیا گیا ہے وہ چار ہی ہیں: حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم۔ ان چاروں کو ”خلفائے راشدین“ اور ان کے دورِ خلافت کو ”دورِ خلافت راشدہ“ کہتے ہیں۔

امام ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامہ الطحاوی (ت 321ھ) لکھتے ہیں:

وَنُثْبِتُ الْخِلَافَةَ بَعْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوَّلًا لِأَبِيْ بَكْرٍ الصِّدِّيْقِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ تَفْضِيْلًا لَهٗ وَتَقْدِيْمًا عَلٰى جَمِيْعِ الْأُمَّةِ ثُمَّ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ ثُمَّ لِعُثْمَانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ ثُمَّ لِعَلِيِّ بْنِ أَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وَهُمُ الْخُلَفَاءُ الرَّاشِدُوْنَ وَالْأَئِمَّةُ الْمُهْتَدُوْنَ الَّذِيْنَ قَضَوْا بِالْحَقِّ وَكَانُوْا بِهٖ يَعْدِلُوْنَ.

العقیدۃ الطحاویۃ مع الشرح لمتکلم الاسلام: ص148

ترجمہ: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے پہلے حضرت ابو بکر رضی

اللہ عنہ کے لیے خلافت مانتے ہیں کیونکہ آپ ہی پوری امت میں سب سے افضل اور مقدم ہیں۔ پھر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے لیے، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے، پھر حضرت علی ابن طالب رضی اللہ عنہ کے لیے مانتے ہیں۔ یہی چار خلفائے راشدین اور ہدایت یافتہ امام ہیں جنہوں نے حق وراستی سے اپنی ذمہ داریاں نبھائیں اور برحق فیصلے کیے۔

خلافت حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما:

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ کا اختلاف اجتہادی تھا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے تقریباً چھ ماہ خلافت کا نظم ونسق سنبھالا۔ پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دستبردار ہوئے اور ان کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔

حافظ عماد الدین اسماعیل بن خطیب ابی حفص عمر بن کثیر شافعی (ت774ھ) لکھتے ہیں:

قَدْ ذَكَرْنَا أَنَّ عَلِيًّا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ لَمَّا ضَرَبَهُ ابْنُ مُلْجِمٍ قَالُوا لَهُ: اسْتَخْلِفْ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! فَقَالَ: لَا وَلٰكِنْ أَدَعُكُمْ كَمَا تَرَكَكُمْ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - يَعْنِي بِغَيْرِ اسْتِخْلَافٍ - فَإِنْ يُرِدِ اللهُ بِكُمْ خَيْرًا يَجْمَعْكُمْ عَلٰى خَيْرِكُمْ كَمَا جَمَعَكُمْ عَلٰى خَيْرِكُمْ بَعْدَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. فَلَمَّا تُوُفِّيَ وَصَلّٰى عَلَيْهِ ابْنُهُ الْحَسَنُ - لِأَنَّهُ أَكْبَرُ بَنِيهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ - وَدُفِنَ - كَمَا ذَكَرْنَا - بِدَارِ الْإِمَارَةِ عَلَى الصَّحِيحِ مِنْ أَقْوَالِ النَّاسِ. فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ شَأْنِهِ كَانَ أَوَّلُ مَنْ تَقَدَّمَ إِلَى الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَيْسُ بْنُ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ فَقَالَ لَهُ: ابْسُطْ يَدَكَ أُبَايِعْكَ عَلٰى كِتَابِ اللهِ وَسُنَّةِ نَبِيِّهِ. فَسَكَتَ الْحَسَنُ فَبَايَعَهُ ثُمَّ بَايَعَهُ النَّاسُ بَعْدَهُ، وَكَانَ ذٰلِكَ يَوْمَ مَاتَ عَلِيٌّ.

البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر: ج4 ص402 خلافۃ الحسن بن علی رضی اللہ عنہما

ترجمہ: ہم نے یہ بات پہلے بیان کی ہے کہ جب ابن ملجم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تلوار مار کر زخمی کیا تو لوگوں نے آپ رضی اللہ عنہ سے کہا: اے امیر المومنین! آپ اپنا خلیفہ نامزد کر دیجئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں! بلکہ میں تم کو اسی طرح چھوڑ کر جارہا ہوں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم امت کو چھوڑ کر گئے تھے یعنی خلیفہ مقرر کیے بغیر۔ اگر اللہ تعالیٰ کو تمہاری بہتری منظور ہوئی تو تم کو ایک بہترین آدمی پر جمع کرے گا جس طرح اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کی امت کو ایک بہترین آدمی پر جمع کیا تھا۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو آپ کے بیٹے حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی کیوں کہ وہ آپ کے سب سے بڑے بیٹے تھے، اور جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ صحیح قول کے مطابق آپ کو دارالامارۃ میں دفن کر دیا گیا۔ جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ تدفین کے مراحل سے فارغ ہوئے تو سب پہلے حضرت قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما نے آگے بڑھ کر آپ سے کہا: اپنا ہاتھ لائیے! میں اللہ کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر آپ سے بیعت کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت حسن خاموش رہے۔ حضرت قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما نے سب سے پہلے بیعت کی، پھر باقی لوگوں نے بھی بیعت کی۔ یہ وہ دن تھا جس دن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تھی۔

خلافت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ:

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اب بلا شرکتِ غیر؛ متفقہ طور پر امیر المومنین اور مسلمانوں کے خلیفہ بن گئے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے نظامِ خلافت کو انتہائی احسن انداز

میں سنبھالا۔ آپ رضی اللہ عنہ کی خلافت "خلافت راشدہ" تو نہیں ہاں البتہ "خلافت عادلہ" ضرور تھی۔

حافظ عماد الدین اسماعیل بن خطیب ابی حفص عمر بن کثیر شافعی (ت 774ھ) لکھتے ہیں:

وَلَمَّا رَأَى الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا تَفَرُّقَ جَيْشِهٖ عَلَيْهِ مَقَتَهُمْ وَكَتَبَ عِنْدَ ذٰلِكَ إِلٰى مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِيْ سُفْيَانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وَكَانَ قَدْ رَكِبَ فِي أَهْلِ الشَّامِ فَنَزَلَ مَسْكِنَ يُرَاوِضُهٗ عَلَى الصُّلْحِ بَيْنَهُمَا. فَبَعَثَ إِلَيْهِ مُعَاوِيَةُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَامِرٍ وَعَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ سَمُرَةَ فَقَدِمَا عَلَيْهِ الْكُوفَةَ فَبَذَلَا لَهٗ مَا أَرَادَ مِنَ الْأَمْوَالِ فَاشْتَرَطَ أَنْ يَأْخُذَ مِنْ بَيْتِ مَالِ الْكُوفَةِ خَمْسَةَ آلَافِ أَلْفِ دِرْهَمٍ، وَأَنْ يَكُوْنَ خِرَاجَ دَارِ أَبْجِرْدَ لَهٗ، وَأَنْ لَا يُسَبَّ عَلِيٌّ وَهُوَ يَسْمَعُ، فَإِذَا فُعِلَ ذٰلِكَ نَزَلَ عَنِ الْإِمْرَةِ لِمُعَاوِيَةَ وَيَحْقِنُ الدِّمَاءَ بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ. فَاصْطَلَحُوا عَلٰى ذٰلِكَ وَاجْتَمَعَتِ الْكَلِمَةُ عَلٰى مُعَاوِيَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ.

البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر: ج4 ص403 خلافۃ الحسن بن علی رضی اللہ عنہما

ترجمہ: جب حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے اپنے لشکر میں افتراق وانتشار دیکھا تو آپ ان پر سخت ناراض ہوئے اور آپ نے حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو ایک خط لکھا۔ آپ رضی اللہ عنہ اہلِ شام کے ساتھ سوار ہو کر مقام "مسکن" پر ٹھہرے ہوئے تھے اور جانبین کے درمیان صلح کی کوشش فرما رہے تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبد اللہ بن عامر اور عبد الرحمٰن بن سمرہ کو آپ رضی اللہ عنہ کے پاس کوفہ میں بھیجا، جس قدر مال حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے چاہا ان دونوں نے وہ انہیں دیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے یہ شرط بھی مقرر کی کہ کوفہ کے بیت المال سے آپ کو پچاس لاکھ درہم حاصل ہوں گے اور دار أَبجِرْد کا خراج بھی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے لیے ہو گا اور ان کی موجودگی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف

کوئی ہتک آمیز کلام نہیں کیا جائے گا۔ جب وہ ایسا کر لیں گے (یعنی ان شرائط کو قبول کر لیں گے) تو آپ رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں امارت سے دستبردار ہو جائیں گے اور یوں مسلمان آپس کی خونریزی سے بھی محفوظ ہو جائیں گے۔ چنانچہ یوں ان دونوں حضرات کے درمیان مصالحت ہوئی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ متفقہ طور پر خلافت کے لیے نامزد ہو گئے۔

سوال:

"خلفائے راشدین" صرف چار نہیں بلکہ سات ہیں۔ 1. حضرت ابو بکر صدیق، 2. حضرت عمر فاروق، 3. حضرت عثمان ذوالنورین، 4. حضرت علی المرتضیٰ، 5. حضرت حسن بن علی، 6. حضرت امیر معاویہ، 7. حضرت عبد اللہ بن زبیر [رضی اللہ عنہم] ان میں سے ہر ایک "خلیفہ" بھی ہے کہ بارِ خلافت ان کے کندھوں پر آیا ہے اور ہر ایک "راشد" بھی ہے کیونکہ قرآن کریم نے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو "راشد" فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ

سورۃ الحجرات:7

جواب:

جب ہم "خلافتِ راشدہ" اور "خلفائے راشدین" کہتے ہیں تو اس کا لغوی معنی مراد نہیں ہوتا بلکہ "خلافتِ راشدہ" اور "خلفائے راشدین" شریعت کی خاص اصطلاحات ہیں۔ "خلافتِ راشدہ" کی اصطلاح سے مراد "خلافتِ راشدہ موعودہ فی القرآن" ہے یعنی ایسی خلافت جس کا وعدہ قرآن میں کیا گیا ہے۔ اس خلافت کا وعدہ صرف چار خلفاء کے ساتھ کیا گیا ہے، سب کے ساتھ نہیں کیا گیا۔ اسی طرح "خلفائے راشدین" سے مراد وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں جن کے بارے میں آیتِ استخلاف میں اللہ نے خلافت کا وعدہ کیا اور وہ سات نہیں بلکہ وہ چار ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَ لَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَ لَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا ؕ وَ مَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ

سورۃ النور:55

ترجمہ: تم میں سے جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک اعمال کیے ہیں ان سے اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں ضرور زمین میں اپنا خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو بنایا تھا اور ان کے لیے اس دین کو ضرور اقتدار بخشے گا جسے ان کے لیے پسند کیا ہے اور ان کو جو خوف لاحق رہا ہے اس کے بدلے انہیں ضرور امن عطا کرے گا۔ وہ میری عبادت کریں، میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور جو لوگ اس کے بعد بھی ناشکری کریں گے تو ایسے لوگ نافرمان شمار ہوں گے۔

اس آیت میں دو باتیں ملحوظ ہیں۔ ”اٰمَنُوْا“ (صیغہ ماضی) اور ”مِنْكُمْ“ (ضمیر حاضر) یعنی جو ایمان لا چکے ہوں اور خطاب کے وقت موجود ہوں۔ معلوم ہوا کہ خلافت کا وعدہ ان لوگوں سے ہے جو نزولِ آیت کے وقت موجود تھے اور نزول سے پہلے ایمان بھی لا چکے تھے۔ خلفائے اربعہ؛ حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر بن خطاب، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم ہی وہ حضرات ہیں جن میں یہ دونوں باتیں پائی جاتی ہیں کہ یہ چاروں نزول آیت کے وقت موجود تھے اور ایمان لا چکے تھے۔ حضرت امیر معاویہ اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے، حضرت حسن اور حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اس وقت نابالغ تھے۔ اس لیے یہ حضرات خلفائے راشدین میں شامل نہیں ہوں گے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی (ت 1362ھ) کے افادات پر مشتمل تفسیر "احکام القرآن" میں اس آیت کے تحت ذکر کیے گئے فوائد میں فائدہ نمبر 2 کے تحت لکھا ہے:

فِيهِ دَلَالَةٌ عَلَى صِحَّةِ إِمَامَةِ الْخُلَفَاءِ الْأَرْبَعَةِ أَيْضًا لِأَنَّ اللهَ اسْتَخْلَفَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَمَكَّنَ لَهُمْ كَمَا جَاءَ الْوَعْدُ وَلَا يَدْخُلُ فِيهِمْ مُعَاوِيَةُ لِأَنَّهُ لَمْ يَكُنْ مُؤْمِنًا فِي ذٰلِكَ الْوَقْتِ.

احکام القرآن: ج16 ص260

ترجمہ: یہ آیت خلفائے اربعہ کی امامت (وخلافت) کے صحیح ہونے کی دلیل ہے کیونکہ اس وعدہ کے مطابق انہی چار کو اللہ تعالیٰ نے خلافت وحکومت عطا فرمائی ہے۔ اس خلافت موعودہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ شامل نہیں کیونکہ نزول آیت کے وقت وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے۔

خلاصہ یہ کہ "خلافت راشدہ" اور "خلفائے راشدین" اصطلاحات ہیں اور مراد ان سے وہ خلفاء اور ان کی خلافت ہے جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے اور وہ صرف چار حضرات اور ان کی خلافت ہی ہے۔ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی مدت خلافت کا اجمالی نقشہ یہ ہے:

نمبر شمار	نام خلیفہ راشد	مدتِ خلافت
1	حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ	2سال، 3ماہ، 10دن
2	حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ	10سال، 5ماہ، 21
3	حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ	12سال، 11دن
4	حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ	4سال، 9ماہ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشاجرات:

"مشاجرات" کا لغوی معنی ہوتا ہے ایک ہی درخت کی ٹہنیوں کا آپس میں ہوا کی وجہ سے ٹکرانا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشاجرات کا معنی یہ ہے کہ یہ سب کے سب ایک ہی (ایمان والے) درخت کی شاخیں ہیں۔ (آزمائشوں اور خارجی سازشوں جیسی ناموافق) ہواؤں کی وجہ سے آپس میں ٹہنیوں کی طرح ٹکرا بھی گئے بلکہ بعض جنگی حالات بھی پیش آئے، جیسے جنگِ جمل اور جنگِ صفین۔

ان جنگوں اور مشاجرات کی وجہ سے دونوں فریقوں کا احترام، مقام و منصب اور جلالتِ شان کو ذہن میں رکھتے ہوئے صواب اور اس کے مقابلے میں خطا کا معتدل نظریہ اپنانے میں کوئی حرج اور ان کے مقام پر حرف نہیں آتا۔ اھل السنۃ والجماعۃ کا موقف یہ ہے کہ ان معاملات میں خلیفہ راشد حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ حق (درست اجتہاد) پر تھے اور ان کے مقابلے میں جو لوگ آئے وہ خطا پر تھے۔ ان کی خطا "اجتہادی خطا" تھی جسے کسی صورت "باطل" نہیں کہا جاسکتا۔ لیکن ان واقعات کی وجہ سے دونوں فریقوں میں سے کسی ایک کی بھی فضیلت میں کچھ کمی نہیں ہوئی، کسی ایک کا بھی مقام کم نہیں ہوا اور کوئی ایک بھی ایمان سے خالی نہیں ہوا۔ ان میں کسی ایک کو حق اور اس کے مقابلے میں دوسرے کو باطل قرار نہیں دیا جائے گا بلکہ حدیث مبارک کی رو سے دونوں کو اللہ کی طرف سے اجر کا مستحق سمجھا جائے گا۔

☼ امام ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل البغدادی (ت 241ھ)

امام ابو عمر یوسف بن عبد اللہ ابن عبد البر القرطبی المالکی (ت 463ھ) امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

لَا نَنْظُرُ بَيْنَ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ وَنَكِلُ أَمْرَهُمْ

إِلَى اللهِ، وَالْحُجَّةُ فِيْ ذٰلِكَ حَدِيْثُ حَاطِبٍ.

جامع بیان العلم وفضلہ: ج2ص215

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے درمیان جو واقعات رونما ہوئے ہم ان میں بحث و مباحثہ نہیں کرتے بلکہ ہم یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں۔ اس معاملے میں ہماری دلیل حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے۔

☼ شیخ ابو محمد محی الدین عبد القادر بن ابی صالح عبد اللہ جیلانی (ت 561ھ) لکھتے ہیں:

وَاتَّفَقَ أَهْلُ السُّنَّةِ عَلٰى وُجُوْبِ الْكَفِّ عَمَّا شَجَرَ بَيْنَهُمْ، وَالْإِمْسَاكِ عَنْ مَسَاوِئِهِمْ، وَإِظْهَارِ فَضَائِلِهِمْ وَمَحَاسِنِهِمْ، وَتَسْلِيْمِ أَمْرِهِمْ إِلَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ عَلٰى مَا كَانَ وَجَرٰى مِنَ اخْتِلَافِ عَلِيٍّ وَطَلْحَةَ وَالزُّبَيْرِ وَعَائِشَةَ وَمُعَاوِيَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ.

غنیۃ الطالبین للجیلانی: ص113

ترجمہ: اہل السنۃ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان جو نزاعات ہوئے ان میں خاموشی اختیار کرنا اور ان کی خامیاں بیان کرنے سے باز رہنا واجب ہے۔ اسی طرح ان کے فضائل ومناقب اور خوبیاں بیان کرنا بھی واجب ہے اور جو اختلاف حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عائشہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم کے درمیان پیش آئے انہیں اللہ کے سپرد کرنا بھی واجب ہے۔

☼ علامہ محی الدین ابو زکریا یحییٰ بن شرف النووی (ت 676ھ) لکھتے ہیں:

وَمَذْهَبُ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْحَقِّ إِحْسَانُ الظَّنِّ بِهِمْ وَالْإِمْسَاكُ عَمَّا شَجَرَ بَيْنَهُمْ وَتَأْوِيلُ قِتَالِهِمْ وَأَنَّهُمْ مُجْتَهِدُونَ مُتَأَوِّلُونَ لَمْ يَقْصِدُوا مَعْصِيَةً وَلَا مَحْضَ الدُّنْيَا بَلِ اعْتَقَدَ كُلُّ فَرِيقٍ أَنَّهُ الْمُحِقُّ وَمُخَالِفُهُ بَاغٍ فَوَجَبَ عَلَيْهِ قِتَالُهُ لِيَرْجِعَ إِلَى أَمْرِ اللَّهِ وَكَانَ بَعْضُهُمْ مُصِيبًا وَبَعْضُهُمْ مُخْطِئًا مَعْذُورًا فِي الْخَطَأِ لِأَنَّهُ

لِاجْتِهَادٍ وَالْمُجْتَهِدُ إِذَا أَخْطَأَ لَا إِثْمَ عَلَيْهِ وَكَانَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ هُوَ الْمُحِقُّ الْمُصِيبُ فِي تِلْكَ الْحُرُوبِ. هٰذَا مَذْهَبُ أَهْلِ السُّنَّةِ.

شرح مسلم للنووی: ج2 ص390 کتاب الفتن وشراط الساعۃ

ترجمہ: اھل السنۃ اور اھل حق کا مذہب اور نظریہ یہ ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں حسنِ ظن رکھا جائے اور ان کے درمیان رونما ہونے والے اختلافات میں خاموشی اختیار کی جائے اور ان کی باہمی لڑائیوں کی تاویل کی جائے۔ بلا شبہ یہ حضرات مجتہد اور صاحب رائے تھے، ان کا مقصد نہ معصیت تھا اور نہ ہی دنیا طلبی تھی، بلکہ ان میں سے ہر فریق یہ سمجھتا تھا کہ وہی حق پر ہے اور دوسرا خطا پر ہے اور خطا پر ہونے والے فریق سے لڑائی کرنا ضروری ہے تاکہ وہ امر اللہ کی طرف واپس لوٹ آئے۔ اس لیے ان لڑائیوں میں بعض صحابہ مصیب تھے اور بعض خطا پر تھے لیکن یہ حضرات بھی خطا پر ہونے کے باوجود معذور تھے کیونکہ اس کی بنیاد اجتہاد پر تھی اور مجتہد سے جب خطا اجتہادی ہو جائے تو وہ گنہگار نہیں ہوتا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان جنگوں میں حق پر تھے اور مصیب تھے۔ یہی اھل السنۃ کا موقف ہے۔

حق حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ:

حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور یزید کے باہمی اختلاف میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ حق پر تھے اور یزید کی حکومت نہ خلافت راشدہ تھی اور نہ خلافت عادلہ۔ نیز یزید کے اپنے عملی فسق سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بری ہیں۔

☼ قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی (ت 1297ھ) لکھتے ہیں:

”جس وقت کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید پلید کو اپنا ولی عہد بنایا تھا تو وہ علانیہ فاسق نہ تھا۔ اگر اس نے کچھ کیا ہو گا تو در پردہ کیا ہو گا کہ حضرت معاویہ رضی

اللہ عنہ کو اس کی خبر نہ تھی۔ علاوہ ازیں جہاد میں یزید کا حسن تدبر جیسا کہ اس سے دیکھا گیا مشہور ہے... حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا نظریہ خلافت کے متعلق یہ تھا کہ جس کسی کو مملکت کے انتظام کا سلیقہ دوسروں سے زیادہ ہو اگر اس سے افضل موجود ہوں تو دوسروں سے اس کا خلیفہ بنانا افضل ہے۔ اس بات پر نظر رکھتے ہوئے یزید کو انہوں نے دوسروں سے افضل جانا اور اگر بالفرض افضل نہ بھی جانا تو اس سے زیادہ بات آگے نہیں بڑھتی کہ انہوں نے افضل کو چھوڑ دیا جیسا کہ گزشتہ مقدمات میں واضح ہو گیا کہ افضل کا خلیفہ بنانا افضل ہے نہ کہ واجب لیکن اتنی بات کہ باعث ترک افضل کا ان پر گناہ نہیں تھوپا جا سکتا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ گالم گلوچ سے ہم پیش آئیں اور پھر ہم امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم میں شمار کرتے ہیں کہ افضل اور اولیٰ کو ترک کرنے کے باعث ان جیسے معاملات میں ہم ان کی طرف سے معذرت پیش کریں!"

مکتوبات قاسم العلوم: ص173 تا175

☼ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی (ت1362ھ) لکھتے ہیں:

"(حضرت حسین رضی اللہ عنہ) مظلوم تھے اور مقتول مظلوم شہید ہوتا ہے۔ شہادت غزوہ کے ساتھ مخصوص نہیں۔ بس ہم اسی بنائے مظلومیت پر ان کو شہید مانیں گے۔ باقی یزید کو اس قتال میں اس لیے معذور نہیں کہہ سکتے کہ وہ مجتہد سے اپنی تقلید کیوں کراتا تھا! خصوص جبکہ حضرت امام رضی اللہ عنہ آخر میں فرمانے بھی لگے تھے کہ میں کچھ نہیں کہتا۔ اس کو تو عداوت ہی تھی۔"

امداد الفتاویٰ: ج4 ص765

فسق یزید:

یزید فاسق و فاجر تھا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا بیٹا اور ولی عہد ہونے

کی وجہ سے یزید کو صالح نہیں کہہ سکتے۔ اور یزید کے فسق وفجور کی وجہ سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراض بھی نہیں کرسکتے۔

☼ قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی (ت 1297ھ) لکھتے ہیں:

"ان (حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ) کے انتقال کے بعد یزید نے پر پرزے نکالنے شروع کیے اور دل کو خواہشِ نفس اور ہاتھ کو جامِ شراب پر لے گیا۔ فسق کھلم کھلا کرنے لگا اور نماز چھوڑ دی۔"

مکتوبات قاسم العلوم: 175

☼ قطب الاقطاب فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی (ت 1323ھ) فرماتے ہیں:

"کسی مسلمان کو کافر کہنا مناسب نہیں۔ یزید مومن تھا بسبب قتل کے فاسق ہوا، کفر کا حال دریافت نہیں، کافر کہنا جائز نہیں کہ وہ عقیدہ قلب پر موقوف ہے۔"

فتاویٰ رشیدیہ: ص49

☼ حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی (ت 1362ھ) فرماتے ہیں:

"یزید فاسق تھا اور فاسق کی ولایت مختلف فیہ ہے۔"

امداد الفتاویٰ: ج4 ص465

نوٹ:

ان نظریات کے تفصیلی دلائل اور تشریح بندہ کی کتاب "شرح کتاب العقائد" میں ملاحظہ فرمائیں۔

مرتکب کبیرہ کو کافر نہ کہا جائے جب تک وہ گناہ کو حلال نہ سمجھے

وَلَا نُكَفِّرُ مُسْلِمًا بِذَنْبٍ مِنَ الذُّنُوبِ وَإِنْ كَانَتْ كَبِيرَةً إِذَا لَمْ يَسْتَحِلَّهَا وَلَا نُزِيلُ عَنْهُ اسْمَ الْإِيمَانِ وَنُسَمِّيهِ مُؤْمِنًا حَقِيقَةً وَيَجُوزُ أَنْ يَكُونَ مُؤْمِنًا فَاسِقًا غَيْرَ كَافِرٍ

ترجمہ: ہم کسی مسلمان کو گناہ کرنے کی وجہ سے کافر نہیں کہتے اگرچہ وہ گناہِ کبیرہ ہی کیوں نہ ہو جب تک کہ وہ اس گناہ کو حلال نہ سمجھے۔ ہم اس سے "ایمان" کا لفظ ختم نہیں کرسکتے بلکہ اسے حقیقی مؤمن ہی کہیں گے کیونکہ ایسا ممکن ہے کہ ایک شخص مؤمن ہو اور فاسق ہو لیکن کافر نہ ہو۔

مرتکب کبیرہ کے بارے میں اھل السنۃ والجماعۃ کا موقف:

اہلِ ایمان جنت میں ضرور بالضرور داخل ہوں گے۔ اگر کسی مومن نے حالتِ ایمان میں گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرلیا اور بغیر توبہ کے فوت ہو گیا تو اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہیں گے تو فضل و احسان کا معاملہ کرتے ہوئے اسے معاف فرما کر ابتداءً جنت میں داخل فرمادیں گے اور اگر چاہیں گے تو قانونِ عدل کے ساتھ اسے گناہ کی سزا دے کر بالآخر جنت میں داخل فرمادیں گے۔ سزا پانے کی صورت میں جب یہ بندہ مومن جہنم جائے گا تو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں نہیں جائے گا بلکہ اپنی سزا پانے کے بعد جنت میں داخل ہو گا۔ سزا دینے کے بعد جنت میں داخل فرمانا بھی اللہ تعالیٰ پر واجب نہیں بلکہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے۔

امام مسعود بن عمر بن عبد اللہ المعروف سعد الدین تفتازانی (م 793ھ) لکھتے ہیں:

وَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْإِسْلَامِ فِيْمَنِ ارْتَكَبَ الْكَبِيْرَةَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَمَاتَ قَبْلَ التَّوْبَةِ فَالْمَذْهَبُ عِنْدَنَا عَدَمُ الْقَطْعِ بِالْعَفْوِ وَلَا بِالْعِقَابِ بَلْ كِلَاهُمَا فِيْ مَشِيْئَةِ اللهِ تَعَالٰى لٰكِنْ عَلٰى تَقْدِيْرِ التَّعْذِيْبِ نَقْطَعُ بِأَنَّهٗ لَا يُخَلَّدُ فِي النَّارِ بَلْ يَخْرُجُ الْبَتَّةَ لَا بِطَرِيْقِ الْوُجُوْبِ عَلَى اللهِ تَعَالٰى بَلْ بِمُقْتَضٰى مَا سَبَقَ مِنَ الْوَعْدِ وَثَبَتَ بِالدَّلِيْلِ كَتَخْلِيْدِ أَهْلِ الْجَنَّةِ.

شرح المقاصد فی علم الکلام للتفتازانی: ج2 ص229

ترجمہ: اہل اسلام کا مرتکب کبیرہ مومن کے بارے میں اختلاف ہے جو توبہ کرنے سے پہلے فوت ہو جائے۔ ہمارا (اھل السنۃ والجماعۃ کا) موقف یہ ہے کہ ہم صاحبِ کبیرہ کے لیے قطعی طور پر معافی کے قائل ہیں نہ سزا پانے کے بلکہ معافی اور سزا کو اللہ کی مشیت کے سپرد کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم اس بات کے بھی قائل ہیں کہ اگر مرتکبِ کبیرہ کو سزا ہوئی تو یہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں نہیں جائے گا بلکہ سزا پانے کے بعد جہنم سے ضرور نکلے گا۔ ہاں جہنم سے نکالنا اللہ تعالیٰ پر واجب نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے وعدے کی وجہ سے ہے (کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ اہل ایمان کو جنت میں ضرور داخل کرے گا) اور اس دلیل کی بناء پر ہے (کہ اہل ایمان ہمیشہ جہنم میں نہیں جائیں گے) جس طرح اہل جنت کا جنت میں ہمیشہ رہنا دلیل کی بنا پر ہے۔

دلائل اھل السنۃ والجماعۃ:

1: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ

سورۃ الصف: 2،3

ترجمہ: اے ایمان والو! تم لوگ ایسی باتیں کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو؟ یہ بات اللہ تعالیٰ کے ہاں سخت قابلِ نفرت ہے کہ تم وہ باتیں کہو جو تم کرتے نہیں ہو۔

"مقت" قابلِ نفرت بات اور گناہ کو کہتے ہیں عام ہے کہ صغیرہ ہو یا کبیرہ ہو۔ "مقت" [گناہِ صغیرہ یا کبیرہ] کے ارتکاب کے باوجودی "ایھا الذین اٰمنو: اے ایمان والو" سے خطاب کرنا دلیل ہے کہ گناہ کبیرہ سے انسان ایمان سے خارج نہیں ہوتا۔

2: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں:

أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ ثَوْبٌ أَبْيَضُ وَهُوَ نَائِمٌ ثُمَّ أَتَيْتُهُ وَقَدْ اسْتَيْقَظَ فَقَالَ مَا مِنْ عَبْدٍ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ ثُمَّ مَاتَ عَلَى ذٰلِكَ إِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ قُلْتُ وَإِنْ زَنٰى وَإِنْ سَرَقَ قَالَ وَإِنْ زَنٰى وَإِنْ سَرَقَ قُلْتُ وَإِنْ زَنٰى وَإِنْ سَرَقَ قَالَ وَإِنْ زَنٰى وَإِنْ سَرَقَ قُلْتُ وَإِنْ زَنٰى وَإِنْ سَرَقَ قَالَ وَإِنْ زَنٰى وَإِنْ سَرَقَ عَلَى رَغْمِ أَنْفِ أَبِي ذَرٍّ.

صحیح البخاری: رقم الحدیث 5827

ترجمہ: میں ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت ایک سفید کپڑا اوڑھے ہوئے آرام فرمارہے تھے۔ (اس وقت میں واپس چلا آیا لیکن پھر) میں دوبارہ حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت بیدار ہو چکے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے لا الہ الا اللہ کہا (یعنی اللہ کی وحدانیت کا سچے دل سے اقرار کیا) اور پھر وہ اسی حالت میں وہ فوت ہوا تو وہ ضرور جنت میں داخل ہو گا۔ میں نے عرض کیا کہ اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری کرے تب بھی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! چاہے وہ زنا کرے اور چوری کرے! میں نے دوبارہ عرض کیا کہ اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری کرے تب بھی؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا: ہاں! چاہے وہ زنا کرے اور چوری کرے! میں نے

تیسری بار عرض کیا کہ اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری کرے تب بھی؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! چاہے وہ زنا کرے اور چوری کرے! اگرچہ ابوذر کو برا لگے۔

گناہ کے باوجود جنت میں جانے کی بشارت دی جا رہی ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ مرتکب کبیر مخلد فی النار نہیں ہو گا۔

مرتکب کبیرہ کے بارے میں فرقہ معتزلہ کا موقف:

فرقہ معتزلہ کا موقف یہ ہے کہ بندۂ مؤمن جب گناہِ کبیرہ کرے تو ایمان سے خارج ہو جاتا ہے لیکن کفر میں داخل نہیں ہوتا بلکہ ایمان اور کفر کے درمیان رہتا ہے۔ ان کی اصطلاح میں یہ مقام "منزلۃ بین المنزلتین" ہے۔ معتزلہ کے نزدیک آخرت میں ایسے شخص کی سزا یہ ہے کہ یہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں جائے گا۔ اسے کسی قسم کی معافی نہ ہو گی۔

امام مسعود بن عمر بن عبد اللہ المعروف سعد الدین تفتازانی (م 793ھ) لکھتے ہیں:

وَعِنْدَ الْمُعْتَزِلَةِ الْقَطْعُ بِالْعَذَابِ الدَّائِمِ مِنْ غَيْرِ عَفْوٍ وَلَا إِخْرَاجٍ مِنَ النَّارِ وَيُعَبَّرُ عَنْ هٰذَا بِمَسْئَلَةِ "وَعِيْدِ الْفُسَّاقِ وَعُقُوبَةِ الْعُصَاةِ".

شرح المقاصد فی علم الکلام للتفتازانی: ج2 ص229

ترجمہ: (مرتکب کبیرہ مومن کے بارے میں) معتزلہ کا موقف یہ ہے کہ مرتکبِ کبیرہ ہمیشہ ہمیشہ کے عذاب کا مستحق قرار پائے گا اور اس کو معافی بھی نہیں ملے گی اور نہ ہی اسے جہنم سے نکالا جائے گا۔ اس مسئلہ کو (ان لوگوں کے ہاں) وعیدِ فُسّاق اور عقوبتِ عصاۃ کا نام دیا جاتا ہے (یعنی فاسق و گنہگار لوگوں کی سزا اور پکڑ کرنا)

تنبیہ:

امام مسعود بن عمر بن عبد اللہ المعروف سعد الدین تفتازانی (م 793ھ) اور

ایک غلط فہمی کا ازالہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَمَا وَقَعَ فِي كَلَامِ الْبَعْضِ مِنْ أَنَّ صَاحِبَ الْكَبِيْرَةِ عِنْدَ الْمُعْتَزِلَةِ لَيْسَ فِي الْجَنَّةِ وَلَا فِي النَّارِ فَغَلَطٌ نَشَأَ مِنْ قَوْلِهِمْ أَنَّ لَهُ الْمَنْزِلَةَ بَيْنَ الْمَنْزِلَتَيْنِ أَيْ حَالَةً غَيْرَ الْإِيْمَانِ وَالْكُفْرِ.

شرح المقاصد فی علم الکلام للتفتازانی: ج2 ص229

ترجمہ: بعض احباب کے کلام میں جو یہ بات آئی ہے کہ معتزلہ کے ہاں مرتکب کبیرہ جنت جائے گا نہ جہنم تو یہ بات درست نہیں ہے۔ یہ غلطی اس وجہ سے پیدا ہوئی ہے کہ ان لوگوں نے معتزلہ کے اس موقف کو دیکھا کہ یہ مرتکبِ کبیرہ کے لیے حالت ایمان اور حالتِ کفر کے درمیان ایک مقام مانتے ہیں۔

ملا علی بن سلطان محمد القاری الھروی الحنفی (ت 1014ھ) لکھتے ہیں:

اَلْمُعْتَزِلَةُ ذَهَبُوْا إِلٰى أَنَّ مُرْتَكِبَ الْكَبِيْرَةِ يَخْرُجُ عَنِ الْإِيْمَانِ وَلَا يَدْخُلُ فِي الْكُفْرِ وَيُثْبِتُوْنَ الْمَنْزِلَةَ بَيْنَ الْكُفْرِ وَالْإِيْمَانِ مَعَ اتِّفَاقِهِمْ لِلْخَوَارِجِ عَلٰى أَنَّ صَاحِبَ الْكَبِيْرَةِ مُخَلَّدٌ فِي النَّارِ.

شرح الفقہ الاکبر: ص155

ترجمہ: معتزلہ کا موقف یہ ہے کہ مرتکبِ کبیرہ ایمان سے نکل جاتا ہے لیکن کفر میں داخل نہیں ہوتا۔ یہ لوگ کفر اور ایمان کے درمیان ایک مقام ثابت کرتے ہیں۔ اس کے باوجود معتزلہ اور خوارج دونوں فرقے صاحبِ کبیرہ کے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں جانے کے قائل ہیں۔

فرقہ معتزلہ کے دلائل اور ان کے جوابات:

دلیل نمبر 1:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزْنِي الزَّانِي

حِينَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَشْرَبُ الْخَمْرَ حِينَ يَشْرَبُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَسْرِقُ حِينَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَنْتَهِبُ نُهْبَةً يَرْفَعُ النَّاسُ إِلَيْهِ فِيهَا أَبْصَارَهُمْ حِينَ يَنْتَهِبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ

صحیح البخاری: رقم الحدیث 2475

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زنا کرنے والا جب زنا کرتا ہے تو اس وقت اس کا ایمان باقی نہیں رہتا۔ شراب پینے والا جب شراب پیتا ہے تو اس وقت بھی اس کا ایمان باقی نہیں رہتا۔ چوری کرنے والا جب چوری کرتا ہے تو اس وقت بھی اس کا ایمان باقی نہیں رہتا۔ چھینا جھپٹی کرنے والا جب چھینتا کرتا ہے اور لوگ اس کو (کھلم کھلا) چھینتے ہوئے دیکھتے ہیں (لیکن خوف ودہشت کے مارے بے بس ہو جاتے ہیں اور چیخ و پکار کے علاوہ اس کا کچھ نہیں بگاڑ پاتے) تو اس وقت بھی اس کا ایمان باقی نہیں رہتا۔

جوابات:

1: اس سے مراد کمالِ ایمان اور نورِ ایمان کی نفی ہے، نفسِ ایمان کی نفی نہیں۔ یعنی گناہ کرنے والا یہ شخص مؤمن تو ہوتا ہے لیکن کامل ایمان والا نہیں رہتا۔

امام بخاری رحمہ اللہ اس حدیث کا یہی مطلب حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: يُنْزَعُ مِنْهُ نُورُ الْإِيمَانِ فِي الزِّنَا.

صحیح البخاری: کتاب الحدود باب لا يُشْرب الخمرُ

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ زانی سے عین زنا کے وقت نور ایمان سلب کر لیا جاتا ہے۔

2: "حیاء" ایمان کا ایک بہت بڑا شعبہ ہے۔ عین زنا کے وقت ایمان کا یہ اہم

شعبہ ختم ہو جاتا ہے۔ تو حیاء کے ختم ہو جانے کو ایمان کے ختم ہو جانے سے تعبیر کر دیا گیا۔

ملا علی بن سلطان محمد القاری الھروی الحنفی (ت 1014ھ) لکھتے ہیں:

وَأَصْحَابُنَا أَوَّلُوهُ بِأَنَّ الْمُرَادَ... مُؤْمِنٍ مُسْتَحٍ مِنَ اللهِ تَعَالٰی، لِأَنَّ الْحَيَاءَ شُعْبَةٌ مِنَ الْإِيمَانِ، فَلَوِ اسْتَحٰی مِنْهُ وَاعْتَقَدَ أَنَّهُ نَاظِرٌ لَمْ يَرْتَكِبْ هٰذَا الْفِعْلَ الشَّنِيعَ.

مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح: ج1 ص294

ترجمہ: ہمارے حضرات (اھل السنۃ والجماعۃ) نے اس حدیث کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ (زنا کے وقت) یہ شخص اللہ سے حیاء کرنے والا مؤمن نہیں رہتا کیونکہ حیاء ایمان کا ایک شعبہ ہے۔ اگر یہ شخص اللہ سے حیاء کرتا اور اسے یہ یقین ہوتا کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے تو یہ کبھی بھی اس برے فعل کا ارتکاب نہ کرتا۔

فائدہ:

جن زنانِ مصر نے زلیخا کو طعنہ دیا تھا انہوں نے جب حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھا تو ایک جملہ کہا:

مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ

ترجمہ: یہ شخص انسان نہیں ہے، یہ تو معزز فرشتہ ہے۔

"بشریت" میں دو چیزیں ہوتی ہیں:

1: صفتِ ملکیت

2: صفتِ بہیمیت

زنانِ مصر کے جملہ میں "بشریت" کی نفی نہیں بلکہ بشریت کے ضمن میں بہیمیت کی نفی ہے۔ بالکل اسی طرح زنا کی وجہ سے نفسِ ایمان کی نفی نہیں بلکہ ایمان کے ضمن میں اس کے بہت بڑے شعبہ "حیاء" کی نفی ہے۔

دلیل نمبر2:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِذَا زَنَى الرَّجُلُ خَرَجَ مِنْهُ الْإِيمَانُ كَانَ عَلَيْهِ كَالظُّلَّةِ فَإِذَا انْقَطَعَ رَجَعَ إِلَيْهِ الإِيمَانُ

سنن ابی داوٗد: رقم الحدیث4690

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بندہ زنا کرتا ہے تو ایمان اس سے نکل کر اس کے سر پر سائبان کی طرح معلق ہو جاتا ہے۔ پھر جب وہ بندہ اس گناہ سے فارغ ہو جاتا ہے تو ایمان اس کی طرف لوٹ آتا ہے۔

جوابات:

1: یہ خروج عارضی ہے، نہ کہ دائمی۔ کیونکہ بندہ جب اس گناہ سے فارغ ہو جاتا ہے تو ایمان اس کی طرف دوبارہ لوٹ آتا ہے جبکہ معتزلہ خروجِ دائمی کے قائل ہیں۔ لہذا ان کا استدلال درست نہیں۔

2: زجر پر محمول ہے تاکہ بندہ اس کا ارتکاب نہ کرے۔

3: مراد یہ ہے کہ اس نے ان لوگوں جیسا کام کیا جس کے پاس ایمان کی دولت نہیں۔

دلیل نمبر3:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ تَرَكَ الصَّلَاةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ كَفَرَ جِهَاراً."

المعجم الاوسط للطبرانی: ج3ص343رقم الحدیث3348

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے جان بوجھ کر نماز چھوڑی تو اس نے کھلم کھلا کفر کا ارتکاب کیا۔

جوابات:

1: اس سے مراد یہ ہے کہ اس شخص نے کافروں والا کام کیا۔

2: یہ وعید اس شخص کے لیے ہے جو نماز کا انکار کرے۔

3: یہ باعتبار انجام کے بتایا گیا ہے کہ جب انسان نماز کو چھوڑ دے گا تو بالآخر یہ کام اسے کفر تک لے جائے گا۔

4: یہ خدشہ ظاہر کیا گیا ہے کہ اس کے بارے میں کفر پر مرنے کا خدشہ ہے۔

ملا علی بن سلطان محمد القاری الھروی الحنفی (ت1014ھ) لکھتے ہیں:

قُلْتُ: وَنِعْمَ الرَّأْيُ رَأْيُ أَبِي حَنِيفَةَ ; إِذِ الْأَقْوَالُ بَاقِيهَا ضَعِيفَةٌ، ثُمَّ مِنَ التَّأْوِيلَاتِ أَنْ يَكُونَ مُسْتَحِلًّا لِتَرْكِهَا، أَوْ تَرْكُهَا يُؤَدِّي إِلَى الْكُفْرِ، فَإِنَّ الْمَعْصِيَةَ بَرِيدُ الْكُفْرِ، أَوْ يُخْشَى عَلَى تَارِكِهَا أَنْ يَمُوتَ كَافِرًا، أَوْ فِعْلُهُ شَابَهَ فِعْلَ الْكَافِرِ.

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ (اس حدیث کا معنی بیان کرنے میں) سب سے اچھی رائے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی ہے کیونکہ اس کے علاوہ باقی سارے اقوال ضعیف ہیں۔ پھر اس حدیث کی تاویلات میں سے (۱) ایک تاویل یہ ہے کہ نماز چھوڑنے کو حلال سمجھنے والا کافر ہے۔ (۲) ایک تاویل یہ بھی ہے کہ نماز چھوڑنا کفر تک پہنچا دیتا ہے کیونکہ معصیت کفر تک پہنچا دیتی ہے۔ (۳) یا یہ خدشہ ہے کہ تارک صلوٰۃ کافر ہو کر مرے گا یا (۴) یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس نے نماز چھوڑ کر کافروں جیسا کام کیا ہے۔

مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح: ج3 ص17

5: معتزلہ کا موقف یہ ہے کہ مرتکبِ کبیرہ ایمان سے نکل جاتا ہے لیکن کفر میں

داخل نہیں ہوتا جبکہ زیرِ بحث روایت کا معنی اگر یہی ہو کہ تارکِ صلوٰۃ کافر ہے تو یہ روایت خود معتزلہ کے موقف کے خلاف ہوگی۔

چند گناہِ کبیرہ:

قرآن واحادیث میں گناہ کبیرہ کی مختلف تعداد منقول ہے۔ چند یہ ہیں:
زنا کرنا، چوری کرنا، ناحق کسی کا قتل کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا، جھوٹی شہادت دینا، رشوت لینا، سود کھانا، کسی کی اجازت کے بغیر اس کا مال لے لینا، یتیم کا مال ناجائز طریقے سے کھانا، پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانا، بیت اللہ کی بے حرمتی کرنا، رشتہ داروں سے بلاوجہ قطع تعلق کرنا، احسان جتلانا، اپنے اہل وعیال کو بے حیائی سے نہ روکنا۔

چند گناہ صغیرہ:

1: غیر محرم عورت کی طرف یوں دیکھنا کہ احتیاط نہ ہو۔

2: وہ جھوٹ بولنا جس میں کسی کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔

3: بالاخانہ وغیرہ پر بلاضرورت چڑھنا جس سے لوگوں کے مکانات سامنے نظر آتے ہوں۔

4: کسی فاسق کے پاس اٹھنا بیٹھنا۔

5: مکروہ اوقات میں نماز پڑھنا۔ (یہ تین اوقات ہیں: عین طلوعِ آفتاب سے لے کر سورج کے ایک نیزہ کی مقدار بلند ہونے تک، نصف النہار شرعی یعنی جب سورج دوپہر کے وقت بالکل سر پر آجائے، عصر کے بعد سورج کے زرد پڑ جانے کے بعد سے لے کر سورج کے غروب ہونے تک لیکن اگر کسی نے اس دن کی وقتی عصر سورج کے غروب ہونے سے پہلے پہلے پڑھ لی تو کراہت کے ساتھ ادا ہو جائے گی)

نوٹ:　ان تین اوقات میں اگر کسی نے نفل نماز ادا کی تو وہ کراہت کے ساتھ ادا ہو جائے گی۔ فرض یا واجب نماز پڑھی تو وہ شرعاً ادا نہیں ہوں گی، بعد میں ان کا اعادہ واجب ہو گا۔

6:　مسجد میں کسی مجنون یا اتنے چھوٹے بچے کو لے جانا جس سے مسجد کے خراب اور گندا ہونے کا خطرہ ہو۔

کبیرہ اور صغیرہ گناہوں کی مزید تفصیل علامہ شہاب الدین احمد بن حجر الہیثمی المکی الشافعی (متوفیٰ 973ھ) کی کتاب "الزواجر عن اقتراف الکبائر" اور علامہ زین الدین بن ابراہیم بن محمد المعروف ابن نجیم الحنفی (متوفیٰ 970ھ) کی کتاب "صغائر وکبائر" میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

توبہ کی شرائط:

امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی المالکی (ت 671ھ) لکھتے ہیں:

إِنَّهُ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ إِذَا كَانَتْ بِشُرُوطِهَا الْمُصَحِّحَةِ لَهَا، وَهِيَ أَرْبَعَةٌ: النَّدَمُ بِالْقَلْبِ، وَتَرْكُ الْمَعْصِيَةِ فِي الْحَالِ، وَالْعَزْمُ عَلَى أَلَّا يَعُودَ إِلَى مِثْلِهَا، وَأَنْ يَكُونَ ذٰلِكَ حَيَاءً مِنَ اللهِ تَعَالَى لَا مِنْ غَيْرِهِ.

الجامع لاحکام القرآن: ج1 ص831 تحت قولہ تعالیٰ "وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ" سورۃ النساء: 18

ترجمہ:　جب توبہ میں شرائطِ صحت پائی جائیں تو اللہ تعالیٰ قبول فرماتے ہیں، وہ شرائط چار ہیں: گناہوں پر دل سے ندامت ہو، فوری طور پر اس گناہ کو چھوڑ دیا جائے، مستقبل میں اس جیسا گناہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ کیا جائے اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ سے حیا کی وجہ سے ہو غیر اللہ سے حیا کی بنا پر نہ ہو۔

موزوں پر مسح کا بیان

وَالْمَسْحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ سُنَّةٌ

ترجمہ: موزوں پر مسح کرنا سنت ہے۔

وضو کے چار فرائض ہیں جو اس آیت مبارکہ میں بیان ہوئے ہیں:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ اَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَ امْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ

سورۃ المائدۃ:6

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم نماز کے لیے اٹھو تو اپنے چہرے اور کہنیوں تک اپنے ہاتھ دھولو اور اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پاؤں ٹخنوں تک دھولیا کرو۔

وضو کے ان فرائض میں چوتھا فرض "دونوں پاؤں ٹخنوں سمیت دھونا" ہے۔ یہ اس وقت ہے جب کہ انسان نے موزے نہ پہنے ہوں۔ موزے پہننے کی صورت میں موزوں پر ہی مسح کیا جائے گا کیونکہ موزوں پر مسح کا حکم احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔ چند احادیث پیش کی جاتی ہیں جن سے موزوں پر مسح کرنا ثابت ہے:

حدیث نمبر 1:

عَنْ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ خَرَجَ لِحَاجَتِهِ فَاتَّبَعَهُ الْمُغِيرَةُ بِإِدَاوَةٍ فِيهَا مَاءٌ فَصَبَّ عَلَيْهِ حِينَ فَرَغَ مِنْ حَاجَتِهِ فَتَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ

صحیح البخاری: رقم الحدیث 203

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں: رسول اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم قضائے حاجت کے لیے باہر تشریف لے گئے تو میں بھی پانی سے بھر ہوا برتن لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چلا گیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حاجت سے فارغ ہوئے تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پانی پیش کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور موزوں پر مسح کیا۔

حدیث نمبر 2:

عَنْ هَمَّامٍ، قَالَ: بَالَ جَرِيرٌ، ثُمَّ تَوَضَّأَ، وَمَسَحَ عَلٰى خُفَّيْهِ، فَقِيلَ: تَفْعَلُ هٰذَا؟ فَقَالَ: نَعَمْ، رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَالَ، ثُمَّ تَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلٰى خُفَّيْهِ.

صحیح مسلم: رقم الحدیث 272

ترجمہ: حضرت ہمام رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے پیشاب کیا، اس کے بعد وضو کیا پھر موزوں پر مسح کیا۔ تو حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں پوچھا گیا کہ آپ موزوں پر مسح کرتے ہیں؟ تو حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ہاں میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشاب کیا، پھر وضو کیا اور اپنے موزوں پر مسح کیا۔

اقوال ائمہ کرام رحمہم اللہ:

1: امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ (ت 150ھ)

علامہ زین الدین بن ابراہیم بن محمد المعروف ابن نجیم الحنفی (ت 970ھ) لکھتے ہیں:

قَالَ أَبُوْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللهُ: مَا قُلْتُ بِالْمَسْحِ حَتّٰى جَاءَنِيْ فِيْهِ مِثْلُ ضَوْءِ النَّهَارِ.

البحر الرائق لابن نجیم: ج1 ص288 باب المسح علی الخفین

ترجمہ: امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں موزوں پر مسح کا اس وقت تک قائل

نہیں ہوا جب تک اس کے دلائل میرے پاس روزِ روشن کی طرح نہیں پہنچ گئے۔

2: حافظ ابو الفضل شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی الشافعی (ت852ھ) لکھتے ہیں:

وَقَدْ صَرَّحَ جَمْعٌ مِنَ الْحُفَّاظِ بِأَنَّ الْمَسْحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ مُتَوَاتِرٌ وَجَمَعَ بَعْضُهُمْ رُوَاتَهُ فَجَاوَزُوا الثَّمَانِينَ وَمِنْهُمُ الْعَشَرَةُ.

فتح الباری: ج1 ص399 باب المسح علی الخفین

ترجمہ: حفاظ حدیث کی ایک بڑی جماعت نے تصریح کی ہے کہ مسح علی الخفین کا حکم متواتر ہے۔ بعض حضرات نے اس کے روایت کرنے والوں کی تعداد کو جمع کیا تو ان کی تعداد 80 سے بھی متجاوز ہو گئی جن میں عشرہ مبشرہ بھی شامل ہیں۔

فائدہ نمبر 1: امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے مذہب اھل السنۃ والجماعۃ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے جواب دیا:

أَنْ تُفَضِّلَ الشَّيْخَيْنِ وَتُحِبَّ الْخَتَنَيْنِ وَتَرَى الْمَسْحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ.

البحر الرائق: ج1 ص288 کتاب الطہارۃ باب المسح علی الخفین

ترجمہ: شیخین (حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما) کی فضیلت کا قائل ہونا، ختنین (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد حضرت عثمان ذوالنورین اور حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہما) سے محبت کرنا اور موزوں پر مسح کو جائز سمجھنا اھل السنۃ والجماعۃ کی علامت ہے۔

فائدہ نمبر 2: موزوں پر مسح کرنے کے لیے درج ذیل شرائط ہیں:

1: موزہ کو مکمل طہارت کی حالت میں پہنا ہو۔

2: موزہ اتنا اونچا ہو کہ ٹخنوں کو چھپا لے۔

3: موزہ پاؤں کی تین چھوٹی انگلیوں کے برابر یا اس سے زیادہ پھٹا ہوا نہ ہو۔

فائدہ نمبر 3: اگر جرابیں ایسی ہوں جو صفات میں موزے کی طرح ہوں تو وہ بھی موزے کے حکم میں ہوں گی اور ان پر مسح کرنا بھی درست ہو گا۔ وہ صفات یہ ہیں:

1: پنڈلی پر بغیر باندھے (مثلاً ربڑ وغیرہ سے) ہوئے قائم رہ سکیں اور یہ قائم رہنا کپڑے کی تنگی اور چستی کی وجہ سے نہ ہو بلکہ اس کی ضخامت اور موٹا ہونے کی وجہ سے ہو۔

2: ان میں پانی نہ چھنے یعنی ان پر پانی گرائیں تو پانی ان میں اتر کر پاؤں تک نہ پہنچ سکے۔

3: اس میں کم از کم تین میل (4.8 کلو میٹر) کی مسافت بغیر جوتے کے سفر کرنا ممکن ہو۔

مذکورہ شرائط اگر جرابوں میں پائی جائیں تو وہ کہنے میں تو جرابیں ہوں گی مگر دراصل موزے ہوں گے، اس لیے ان پر بھی مسح درست ہو گا۔

نوٹ: موجودہ مروجہ اونی سوتی جرابوں پر مسح کرنا جائز نہیں ہے۔ اگر ان پر مسح کر کے نماز پڑھی تو نماز نہیں ہو گی۔

دار العلوم دیوبند کے فتویٰ (Fatwa ID: 395-318/D=4/1435-U) میں لکھا ہے:

”اگر غیر مقلد امام سوتی موزے پر مسح کرتا ہے یا تقلید کو شرک کہتا ہے یا ائمہ مجتہدین کو برا بھلا کہتا ہے تو ایسے امام کے پیچھے نماز درست نہ ہو گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم، دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند“

مزید تفصیل کے لیے بندہ کی مرتب کردہ فائل ”موزوں پر مسح کرنے اور جرابوں پر مسح نہ کرنے کا مسئلہ“ کا مطالعہ مفید رہے گا۔

نماز تراویح کا بیان

وَالتَّرَاوِيحُ فِي لَيَالِي شَهْرِ رَمَضَانَ سُنَّةٌ

ترجمہ: رمضان المبارک کی راتوں میں تراویح ادا کرنا سنت ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ:

عام طور پر یہ بات معروف ہے کہ بیس رکعات تراویح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سنت ہے۔ واضح رہے کہ یہ بات درست نہیں۔ اس حوالے سے دو باتوں میں فرق کرنا ضروری ہے:

1: نماز تراویح کا بیس رکعات ہونا۔

2: بیس رکعات تراویح کی جماعت کا اہتمام کرنا۔

تراویح کی رکعات بیس ہیں اور یہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں۔ پورا مہینہ تراویح کی جماعت کا اہتمام کرنا یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سنت ہے۔ اس لیے کہ خلیفہ راشد کا ایسا اجتہاد جسے تمام صحابہ قبول فرمالیں وہ خلیفہ راشد کی ”سنت“ ہوتا ہے۔ اس پر عمل بھی اسی طرح دوام اور اہتمام سے کرنا ضروری ہے جس طرح نبی کی سنت پر عمل کرنا ضروری ہے۔ جیسا کہ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّينَ الرَّاشِدِينَ تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ".

سنن ابی داؤد: رقم الحدیث 4607

ترجمہ: تم میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑنا

اور اس پر مضبوطی سے قائم رہنا اور دین میں نئی نئی باتیں (یعنی نئے عقیدے اور نئے عمل) پیدا کرنے سے بچتے رہنا، اس لیے کہ ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

دلائلِ اھل السنۃ والجماعۃ:

اھل السنۃ والجماعۃ کے ہاں رمضان المبارک میں بیس رکعت تراویح پڑھنا سنت مؤکدہ ہے۔ نمازِ تراویح کی رکعات کی یہ تعداد ان احادیث مبارکہ سے ثابت ہے:

1: امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبۃ ابراھیم بن عثمان العبسی الکوفی (ت235ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي فِي رَمَضَانَ عِشْرِينَ رَكْعَةً وَالْوِتْرَ.

مصنف ابن ابی شیبۃ: ج5 ص225 رقم الحدیث 7774

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم رمضان میں بیس رکعت تراویح اور وتر پڑھتے تھے۔

2: علامہ حافظ ابو القاسم حمزہ بن یوسف بن ابراھیم السہمی القرشی الجرجانی (ت428ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ فِيْ رَمَضَانَ فَصَلَّى النَّاسَ اَرْبَعَةً وَّعِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَاَوْتَرَ بِثَلَاثَةٍ.

تاریخ جرجان: ص317

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں ایک رات تشریف لائے اور لوگوں کو چار (فرض) بیس رکعت (تراویح)

اور تین وتر پڑھائے۔

3: حافظ احمد بن ابی بکر بن اسماعیل البوصیری الشافعی (ت840ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَمَرَهُ أَنْ يُّصَلِّيَ بِاللَّيْلِ فِيْ رَمَضَانَ، فَقَالَ: إِنَّ النَّاسَ يَصُوْمُوْنَ النَّهَارَ وَلَا يُحْسِنُوْنَ أَنْ يَّقْرَءُوْا، فَلَوْ قَرَأْتَ الْقُرْآنَ عَلَيْهِمْ بِاللَّيْلِ! فَقَالَ: يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ! هٰذَا شَيْئٌ لَمْ يَكُنْ. فَقَالَ: قَدْ عَلِمْتُ وَلٰكِنَّهُ أَحْسَنُ فَصَلّٰى بِهِمْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً.

اتحاف الخیرۃ المھرۃ للبوصیری: ج2 ص424 باب فی قیام رمضان وماروی فی عدد رکعاتہ

ترجمہ: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو حکم دیا کہ وہ رمضان میں لوگوں کو رات کے وقت نماز (تراویح) پڑھایا کریں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگ دن کو روزہ رکھتے ہیں اس لیے قرآن مجید اچھی طرح نہیں پڑھ سکتے۔ اگر آپ رات کے وقت ان کو قرآن سنائیں (تو بہت اچھا ہے)۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے امیر المومنین! یہ ایک ایسی چیز ہے جو پہلے نہیں ہوئی۔ فرمایا: مجھے معلوم ہے لیکن یہ بہت اچھی چیز ہے۔ چنانچہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو بیس رکعتیں (تراویح) پڑھائیں۔

4: امام ابو الحسن علی بن الجعد بن عبید الجوھری البغدادی (ت230ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنْ يَّزِيْدَ بْنِ خُصَيْفَةَ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ كَانُوْا يَقُوْمُوْنَ عَلٰى عَهْدِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ بِعِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَإِنْ كَانُوْا لَيَقْرَؤُوْنَ بِالْمِئِيْنِ مِنَ الْقُرْآنِ.

مسند ابن الجعد: ص413 رقم الحدیث 2825

ترجمہ: حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگ (یعنی صحابہ کرام

رضی اللہ عنہم اور تابعین حضرات رحمہم اللہ) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں رمضان شریف کے مہینے میں بیس رکعات نماز (تراویح) پڑھتے تھے اور قرآن مجید کی سو سو آیات والی سورتیں پڑھتے تھے۔

5: امام ابو بکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ البیہقی (ت458ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ كَانُوْا يَقُوْمُوْنَ عَلٰى عَهْدِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ بِعِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَإِنْ كَانُوْا لَيَقْرَؤُوْنَ بِالْمِئِيْنِ وَكَانُوْا يَتَوَكَّئُوْنَ عَلٰى عَصِيِّهِمْ فِيْ عَهْدِ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مِنْ شِدَّةِ الْقِيَامِ.

السنن الکبریٰ للبیہقی: ج2ص496

ترجمہ: حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں رمضان شریف میں بیس رکعات نماز تراویح پڑھتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ وہ لوگ قرآن مجید کی سو سو آیات والی سورتیں تلاوت کیا کرتے تھے اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دور میں لوگ لمبے قیام کی وجہ سے اپنی لاٹھیوں پر ٹیک لگاتے تھے۔

6: امام زید بن علی بن الحسین بن علی رضی اللہ عنہم (ت122ھ، شہید) روایت کرتے ہیں:

عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ أَمَرَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ صَلَاةَ الْقِيَامِ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ أَنْ يُّصَلِّيَ بِهِمْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً يُّسَلِّمُ فِيْ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ وَيُرَاوِحَ مَا بَيْنَ كُلِّ أَرْبَعِ رَكْعَاتٍ فَيَرْجِعَ ذُو الْحَاجَةِ وَيَتَوَضَّأُ الرَّجُلُ وَأَنْ يُّوْتِرَ بِهِمْ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ حِيْنَ الْاِنْصِرَافِ.

مسند زید: ص158

ترجمہ: حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ

رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو حکم دیا جو لوگوں کو رمضان شریف کے مہینے میں نماز تراویح پڑھاتا تھا کہ وہ ان کو بیس رکعات نماز تراویح پڑھائے! ہر دو رکعتوں کے درمیان سلام پھیرے اور ہر چار رکعتوں کے درمیان آرام کے لیے کچھ دیر وقفہ کرے تاکہ قضائے حاجت کے لیے جانے والا واپس آسکے، وضو کرنے والا وضو کرسکے اور یہ بھی حکم فرماتے تھے کہ (تراویح کے اختتام کے وقت) واپسی پر ان کو وتر کی نماز بھی پڑھائے۔

7: امام ابو عبد اللہ محمد بن نصر المروزی (ت 294ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهْبٍ كَانَ عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يُصَلِّيْ بِنَا فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ فَيَنْصَرِفُ وَعَلَيْهِ لَيْلٌ، قَالَ الْأَعْمَشُ: كَانَ يُصَلِّيْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَيُوْتِرُ بِثَلَاثٍ.

قیام اللیل للمروزی: ص157

ترجمہ: حضرت زید بن وہب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ رمضان شریف میں ہمیں تراویح پڑھاتے اور جب گھر کو لوٹتے تو رات ابھی باقی ہوتی تھی۔ روایت کے راوی امام اعمش فرماتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ بیس رکعات تراویح اور تین رکعات وتر پڑھاتے تھے۔

تراویح کے بیس رکعت ہونے پر اجماع امت

1: ملا علی بن سلطان محمد القاری الھروی الحنفی (ت 1014ھ) فرماتے ہیں:

أَجْمَعَ الصَّحَابَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ عَلٰى أَنَّ التَّرَاوِيْحَ عِشْرُوْنَ رَكْعَةً.

مرقاۃ المفاتیح: ج3 ص346

ترجمہ: تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے بیس رکعت تراویح ہونے پر اجماع کیا ہے۔

2: علامہ سید محمد بن محمد الحسینی الزَّبِیدی المعروف مرتضٰی الزبیدی

(ت1205ھ) فرماتے ہیں:

وَبِالْإِجْمَاعِ الَّذِيْ وَقَعَ فِيْ زَمَنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَخَذَ أَبُوْ حَنِيْفَةَ وَالنَّوَوِيُّ وَالشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ وَالْجُمْهُوْرُ وَاخْتَارَهُ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ رَحِمَهُمُ اللهُ.

اتحاف السادۃ المتقین بشرح احیاء علوم الدین: ج3 ص422

ترجمہ: اس اجماع کی وجہ سے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ہوا تھا، امام ابو حنیفہ، امام نووی، امام شافعی، امام احمد رحمہم اللہ اور جمہور حضرات نے (بیس رکعت تراویح) کو اختیار کیا ہے اور یہی موقف علامہ ابن عبد البر نے بھی اختیار کیا ہے۔

نوٹ:

بعض لوگ بیس رکعت مسنون تراویح کے بجائے آٹھ رکعت پر اکتفاء کرتے ہیں۔ اس موضوع پر بندہ کی مرتب کردہ فائل "بیس رکعت تراویح" کا مطالعہ مفید رہے گا۔

مزید براں اس موضوع پر ہم نے تفصیلی بیانات بھی ریکارڈ کروائے ہیں جو انٹرنیٹ پر موجود ہیں، ان سے بھی استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

نماز کس کے پیچھے پڑھی جائے

وَالصَّلَاةُ خَلْفَ كُلِّ بَرٍّ وَفَاجِرٍ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ جَائِزَةٌ

ترجمہ: نماز ہر نیک اور برے مؤمن کے پیچھے جائز ہے۔

فائدہ نمبر1: فاجر کی تعریف:

علامہ زین الدین بن ابراہیم بن محمد المعروف ابن نجیم الحنفی (ت970ھ) فرماتے ہیں:

الْفَاجِرُ هُوَ الْفَاسِقُ مِنْ أَهْلِ الْإِسْلَامِ.

البحر الرائق: ج8 ص207

ترجمہ: ایسا شخص جو مسلمان ہو اور گناہ کرتا ہو اسے "فاجر" کہتے ہیں۔

مسئلہ:

ہر صحیح العقیدہ امام (خواہ وہ فاسق ہو یا فاجر ہو) کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔

دلیل:

امام ابو الحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی البغدادی الدارقطنی (ت385ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "صَلُّوا خَلْفَ كُلِّ بَرٍّ وَفَاجِرٍ، وَصَلُّوا عَلَى كُلِّ بَرٍّ وَفَاجِرٍ، وَجَاهِدُوا مَعَ كُلِّ بَرٍّ وَفَاجِرٍ".

سنن الدارقطنی: رقم الحدیث1768

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نیک و گنہگار شخص کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرو! ہر نیک و گنہگار میت کی

نماز جنازہ پڑھ لیا کرو اور ہر نیک و گنہگار شخص (یعنی امیر) کے ساتھ مل کر جہاد کیا کرو!

فائدہ نمبر 2:

"فاجر" سے مراد وہ شخص ہے جس کے عقائد تو درست ہوں لیکن اعمال میں فسق آ چکا ہو۔ اگر امام ایسا شخص ہو کہ اس کا فسق حد کفر تک جا پہنچا ہو تو ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز نہیں ہو گی۔ اسی طرح اگر امام کا عقیدہ خراب ہے اگر چہ اعمال میں بظاہر اچھا ہو تو بھی اس کے پیچھے نماز جائز نہ ہو گی۔

1: علامہ احمد بن محمد بن اسماعیل الطحطاوی الحنفی (ت 1231ھ) مراقی الفلاح کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

وَالْمُرَادُ: الْفَاسِقُ بِالْجَارِحَةِ لَا بِالْعَقِيْدَةِ.

حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ص204

ترجمہ: "فاسق" سے مراد اعمال کے اعتبار سے اللہ کی اطاعت سے نکلنے والا شخص ہے نہ کہ عقیدہ کے اعتبار سے۔

2: حضرت مولانا اشرف علی تھانوی (ت 1362ھ) ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

"سوال (293): غیر مقلد کے پیچھے حنفی کی نماز ہوتی ہے یا نہیں اور کیسی ہوتی ہے؟

جواب: غیر مقلد بہت طرح کے ہیں، بعض ایسے ہیں کہ ان کے پیچھے نماز پڑھنا خلاف احتیاط یا مکروہ یا باطل ہے۔ چونکہ پورا حال معلوم ہونا فی الفور مشکل ہے اس لیے احتیاط یہی ہے کہ ان کے پیچھے نماز نہ پڑھی جاوے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم"

امداد الفتاویٰ: ج1 ص304 باب الامامۃ والجماعۃ

3: حضرت مولانا مفتی عبد الرحیم لاجپوری رحمۃ اللہ علیہ ایک سوال کے جواب

میں فرماتے ہیں:(سوال وجواب دونوں نقل کیے جاتے ہیں)

”غیر مقلد امام کے پیچھے نماز پڑھنا:(سوال ۲۳۱)غیر مقلد امام کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ ہمارے یہاں بعض حنفی غیر مقلدوں کی مسجد میں جا کر نماز پڑھتے ہیں ان کی نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مقلدین وغیر مقلدین میں بہت سے اصولی وفروعی اختلاف ہیں مثلاً یہ لوگ صحابہ کو معیار حق نہیں مانتے۔ ائمہ اربعہ پر سب وشتم کرتے ہیں اور ان کی تقلید کو جس کے وجوب پر امت کا اجماع ہو چکا ہے اس کو بدعت بلکہ بعض تو شرک تک کہہ دیتے ہیں اور اسی طرح بہت سے اجماعی مسائل کے منکر ہیں، بیس رکعت تراویح کو بدعت عمری کہتے ہیں۔ وقوع طلاق ثلثہ کو قرآن وحدیث کے خلاف کہتے ہیں۔ جمعہ کی اذان اول کو بدعت عثمانی کہتے ہیں۔ اور بعض تو چار سے زائد عورتوں سے نکاح کو جائز کہتے ہیں، متعہ کے جواز کے قائل ہیں اس لیے ہمارے اکابرین فرماتے ہیں کہ حتیٰ الوسع ان کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے اور نماز جیسی اہم عبادت کو مشتبہ طور پر ادا کرنا کس طرح مناسب ہو سکتا ہے؟ اور اگر کسی مجبوری کی وجہ سے ان کے پیچھے نماز پڑھ لی تو احتیاطاً بعد میں اعادہ کر لے۔“

فتاویٰ رحیمیہ: ج4ص183 باب الامامۃ والجماعۃ

4: حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ (ت1422ھ) لکھتے ہیں:

”آج کل کے غیر مقلدین کی اکثریت صرف یہی نہیں کہ رعایت مذہب کا خیال نہیں رکھتی بلکہ اس کو غلط سمجھتی ہے، اور عمداً اس کے خلاف کا اہتمام کرتی ہے اور اس کو ثواب سمجھتی ہے اس لیے ان کی اقتداء سے حتی الامکان احتراز لازم ہے.... یہ تفصیل اس وقت ہے جب امام صحیح العقیدہ ہو، اگر اس کا عقیدہ فاسد ہے، مقلدین کو

مشرک جانتا ہے اور سبِّ سلف کرتا ہے [یعنی اکابرین امت کو گالیاں دیتا ہے] تو اس کی امامت بہر حال مکروہِ تحریمی ہے۔"

احسن الفتاویٰ: ج 3 ص 282 باب الامامۃ والجماعۃ

5: دار العلوم دیوبند کے فتویٰ (Fatwa ID: 395-318/D=4/1435-U) میں لکھا ہے:

"اگر غیر مقلد امام سوتی موزے پر مسح کرتا ہے یا تقلید کو شرک کہتا ہے یا ائمہ مجتہدین کو برا بھلا کہتا ہے تو ایسے امام کے پیچھے نماز درست نہ ہو گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم، دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند"

6: دار العلوم دیوبند فتویٰ (فتوی: 787-798/1433/N=10) میں لکھا ہے:

"جو غیر مقلد تقلید کو شرک، خلفائے راشدین کی جاری کردہ سنن کو بدعات اور ائمہ مجتہدین وغیرہم کے متعلق زبان درازیاں کرتا ہو وہ فاسق ہے اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے، اور آج کل کے اکثر غیر مقلدین ایسے ہی ہوتے ہیں اس لیے ان کے پیچھے نماز نہ پڑھنی چاہیے.... واللہ تعالیٰ اعلم، دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند"

7: دار العلوم دیوبند کے فتویٰ (فتوی: 725-725/1436-U/Sd=12) میں لکھا ہے:

"بدعتی کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے اور عید کی نماز کے بعد مصافحہ کرنا، گلے ملنا، مروجہ قرآن خوانی کرنا، تراویح پڑھانے پر اجرت لینا؛ یہ سب امور بھی شریعت کی رو سے صحیح نہیں ہیں۔ اگر کوئی امام ان چیزوں کا مرتکب ہے تو اس کے پیچھے بھی نماز مکروہ ہو گی لیکن بدعتی کا معاملہ زیادہ نازک ہے؛ اس لیے کہ بعض بدعتی کے عقائد سراسر اِسلام کے خلاف اور کفریہ ہوتے ہیں، اُن کے پیچھے نماز ہوتی ہی نہیں اور جن بدعتیوں

کے عقائد و اعمال فسقیہ ہوتے ہیں، اُن کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہوتی ہے اور عقائد کا تعلق اگرچہ اندرون اور دل سے ہے؛ لیکن ظاہری اعمال ہی سے باطن پر حکم لگایا جاتا ہے.... واللہ تعالیٰ اعلم، دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند"

8: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی کے فتویٰ (144202200404) میں لکھا ہے:

"بدعتی کی اقتدا میں نماز ادا کرنا مکروہِ تحریمی ہے۔ کسی صحیح العقیدہ، متقی، پرہیزگار امام کے پیچھے نماز پڑھنے کی کوشش کرنی چاہیے .... اگر کوئی شخص ایسی بدعات میں مبتلا ہو جو حدِ کفر و شرک تک پہنچی ہوئی ہوں اور اس میں تاویل معتبر نہ ہو، یا یقینی طور پر اس کے عقائد کا شرکیہ ہونا معلوم ہو تو ایسے بدعتی امام کی اقتدا میں نماز پڑھنا جائز نہیں ہے، اور اگر کسی نے پڑھ لی تو اعادہ ضروری ہوگا۔"

9: حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی زید مجدہ ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں۔ سوال و جواب دونوں نقل کیے جاتے ہیں:

"**سوال:** اگر کوئی مولوی صاحب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر ناظر سمجھتا ہو یا ان کو عالم الغیب سمجھتا ہو، نیز یہ بھی کہتا ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بھی علم ہے کہ ماں کے پیٹ میں کیا ہے؟ بارش کب ہو گی؟ کون کب مرے گا؟ یا ان کو نور مانتا ہو تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

جواب: جس امام کے بارے میں یہ تحقیق ہو کہ وہ مذکورہ عقائد کا قائل ہے اس کے پیچھے نماز نہیں پڑھنی چاہیے۔ واللہ اعلم بالصواب، احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ"

(فتاویٰ عثمانی: ج1 ص407)

اس فتویٰ پر مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع عثمانی رحمہ اللہ کے تصدیقی دستخط بھی موجود ہیں۔

اھل السنۃ والجماعۃ کے بعض عقائد کا بیان

وَلَا نَقُوْلُ إِنَّ الْمُؤْمِنَ لَا تَضُرُّهُ الذُّنُوْبُ وَلَا نَقُوْلُ إِنَّهُ لَا يَدْخُلُ النَّارَ وَلَا نَقُوْلُ إِنَّهُ يَخْلُدُ فِيْهَا وَإِنْ كَانَ فَاسِقًا بَعْدَ أَنْ يَخْرُجَ مِنَ الدُّنْيَا مُؤْمِنًا

ترجمہ: ہمارا نظریہ یہ نہیں کہ گناہ کرنے سے مؤمن کو نقصان نہیں پہنچتا اور ہمارا نظریہ یہ بھی نہیں کہ مؤمن جہنم میں نہیں جائے گا اور یہ بھی نظریہ نہیں کہ مؤمن ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا اگرچہ وہ فاسق ہو لیکن شرط یہ ہے کہ وہ دنیا سے حالتِ ایمان میں رخصت ہوا ہو۔

اھل السنۃ والجماعۃ کا موقف یہ ہے کہ مسلمان اگر گناہوں کا ارتکاب کرے تو سزا کا مستحق قرار پاتا ہے اور اپنے گناہوں کی بدولت جہنم میں جانا اس کا مقدر ٹھہرتا ہے۔ ہاں اللہ تعالیٰ اگر چاہیں تو اپنا فضل و کرم فرماتے ہوئے اسے معاف فرما دیں اور اگر چاہیں تو قانونِ عدل سے اسے جہنم کی سزا دیں۔ چونکہ یہ شخص صاحبِ ایمان ہے اس لیے ہمیشہ کے لیے تو جہنم میں نہیں رہے گا بلکہ اگر اپنی سزا پانے کے لیے جہنم میں چلا بھی گیا تو سزا مکمل ہونے کے بعد جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّي لَأَعْلَمُ آخِرَ أَهْلِ النَّارِ خُرُوجًا مِنْهَا وَآخِرَ أَهْلِ الْجَنَّةِ دُخُولًا، رَجُلٌ يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ كَبْوًا فَيَقُولُ اللهُ: اذْهَبْ فَادْخُلِ الْجَنَّةَ فَيَأْتِيهَا فَيُخَيَّلُ إِلَيْهِ أَنَّهَا مَلْأَى فَيَرْجِعُ فَيَقُولُ يَا رَبِّ وَجَدْتُهَا مَلْأَى فَيَقُولُ اذْهَبْ فَادْخُلِ الْجَنَّةَ فَيَأْتِيهَا فَيُخَيَّلُ إِلَيْهِ أَنَّهَا مَلْأَى فَيَرْجِعُ فَيَقُولُ يَا رَبِّ وَجَدْتُهَا مَلْأَى فَيَقُولُ اذْهَبْ فَادْخُلِ الْجَنَّةَ فَإِنَّ لَكَ مِثْلَ الدُّنْيَا وَعَشَرَةَ أَمْثَالِهَا أَوْ إِنَّ لَكَ مِثْلَ عَشَرَةِ أَمْثَالِ الدُّنْيَا فَيَقُولُ تَسْخَرُ مِنِّي أَوْ تَضْحَكُ مِنِّي وَأَنْتَ الْمَلِكُ فَلَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَحِكَ

حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ وَكَانَ يَقُولُ ذَاكَ أَدْنَى أَهْلِ الْجَنَّةِ مَنْزِلَةً.

صحیح البخاری: رقم الحدیث 6571، صحیح مسلم: رقم الحدیث 186

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اس آدمی کو خوب اچھی جانتا ہوں جو جہنم سے سب سے آخر میں نکلے گا اور جنت میں سب سے آخر میں داخل ہو گا۔ ایک شخص ہو گا جو جہنم سے گھٹنوں کے بل گھسٹتے ہوئے نکلے گا۔ اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے کہ جاؤ اور جنت میں داخل ہو جاؤ! وہ شخص جنت کے قریب آئے گا لیکن اسے یوں محسوس ہو گا کہ جنت تو بھری ہوئی ہے۔ تو وہ واپس آئے گا اور اللہ تعالیٰ سے عرض کرے گا کہ اے میرے رب! میں نے تو جنت کو دیکھا ہے، وہ تو بھری ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے پھر فرمائیں گے کہ جاؤ اور جنت میں داخل ہو جاؤ! وہ دوبارہ جنت کے قریب آئے گا اور اس بار بھی اسے یوں محسوس ہو گا کہ جنت بھری ہوئی ہے۔ وہ واپس جا کر عرض کرے گا کہ اے میرے رب! میں نے تو جنت کو دیکھا ہے، وہ تو بھری ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ جاؤ اور جنت میں داخل ہو جاؤ! تمہیں دنیا اور اس جیسی دس گنا جنت دی جاتی ہے یا اللہ تعالیٰ یوں فرمائیں گے کہ تمہیں دنیا کی طرح دس گنا دیا جاتا ہے۔ وہ شخص کہے گا: اے اللہ! آپ مجھ سے مذاق کرتے ہیں حالانکہ آپ تو مالک ہیں! حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ اس بات پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسی آگئی اور دندان مبارک ظاہر ہو گئے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ یہ جنت میں سب سے کم درجے والا شخص ہو گا۔

اس حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ گناہگار مسلمان جہنم میں سزا پانے کے بعد اس سے ضرور نکلے گا اور جنت میں داخل ہو گا۔ اسے جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ کی سزا نہیں ملے گی۔

فرقہ مرجئہ سے براءت کا اعلان

وَلَا نَقُوْلُ إِنَّ حَسَنَاتِنَا مَقْبُوْلَةٌ وَسَيِّئَاتِنَا مَغْفُوْرَةٌ كَقَوْلِ الْمُرْجِئَةِ وَلٰكِنْ نَقُوْلُ مَنْ عَمِلَ حَسَنَةً بِجَمِيْعِ شَرَائِطِهَا خَالِيَةً عَنِ الْعُيُوْبِ الْمُفْسِدَةِ وَلَمْ يُبْطِلْهَا بِالْكُفْرِ وَالرِّدَّةِ حَتّٰى خَرَجَ مِنَ الدُّنْيَا مُؤْمِنًا فَإِنَّ اللهَ تَعَالٰى لَا يُضِيْعُهَا بَلْ يَقْبَلُهَا مِنْهُ وَيُثِيْبُهٗ عَلَيْهَا وَمَا كَانَ مِنَ السَّيِّئَاتِ دُوْنَ الشِّرْكِ وَالْكُفْرِ وَلَمْ يَتُبْ عَنْهَا صَاحِبُهَا حَتّٰى مَاتَ مُؤْمِنًا فِيْ مَشِيْئَةِ اللهِ تَعَالٰى إِنْ شَاءَ عَذَّبَهٗ وَإِنْ شَاءَ عَفَا عَنْهُ وَلَمْ يُعَذِّبْ بِالنَّارِ أَصْلًا.

ترجمہ: ہمارا نظریہ یہ نہیں کہ ہماری نیکیاں قبول ہیں اور ہماری برائیاں معاف ہیں جیسا کہ فرقہ مرجئہ کا نظریہ ہے بلکہ ہمارا نظریہ یہ ہے کہ جو شخص بھی تمام شرائطِ قبولیت ملحوظ رکھتے ہوئے اور نیکیوں کو برباد کرنے والے عیوب سے بچتے ہوئے کوئی نیکی کرتا ہے اور کفر واور تداد سے اس نیکی کو ضائع نہیں کرتا تا آنکہ حالتِ ایمان میں دنیا سے چلا جاتا ہے تو اللہ اس کی نیکی کو ضائع نہیں فرماتے بلکہ اس کی نیکی کو قبول فرما کر اسے ثواب عطا فرماتے ہیں۔ شرک اور کفر کے علاوہ جتنے بھی گناہ ہیں اگر ان کا مرتکب توبہ کیے بغیر حالتِ ایمان میں فوت ہو جائے تو ایسے شخص کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو اسے عذاب دے اور چاہے تو اسے معاف فرمادے اور جہنم کا عذاب بالکل نہ دے۔

اھل السنۃ والجماعۃ کا موقف:

بندہ مومن حالتِ ایمان میں اگر طاعات بجالائے تو اسے نفع حاصل ہوتا ہے اور اگر معاصی کا ارتکاب کرے تو اسے نقصان ہوتا ہے۔ اھل السنۃ والجماعۃ کا موقف ہرگز یہ نہیں کہ ایمان کی حالت میں نیک کام ضرور قبول ہوتے ہیں اور گناہ ضرور بخشے

جاتے ہیں۔

اھل السنۃ والجماعۃ کے دلائل:

[1]: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغۡفِرُ اَنۡ يُّشۡرَكَ بِهٖ وَيَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِكَ لِمَنۡ يَّشَآءُ

سورۃ النساء:48

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اس بات کو کبھی معاف نہیں کرتے کہ اس کی ذات کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے لیکن شرک کے علاوہ اور گناہ معاف کر دیتے ہیں۔

"مَا دُونَ ذٰلِكَ" سے مراد شرک کے علاوہ گناہ ہیں۔ "مَا" کلمہ عام ہے جو کبائر اور صغائر دونوں کو شامل ہے۔ معلوم ہوا کہ شرک کے بارے میں تو حتمی فیصلہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ معاف نہیں فرمائیں گے اور شرک کے علاوہ کے بارے میں فیصلہ یہ ہے کہ معاف کرنا چاہیں تو معاف کریں گے اور اگر سزا دینا چاہیں تو سزا دیں گے۔ شرک کے علاوہ دیگر گناہوں کے لیے معافی کا تذکرہ اللہ تعالیٰ کی چاہت پر موقوف رکھنا (لِمَنۡ يَّشَاءُ) اس بات کی دلیل ہے کہ گناہ نقصان دہ ضرور ہوتے ہیں تبھی تو انہیں معاف کرنے یا ان پر عذاب دینے کا اعلان ہے۔ اگر یہ بالکل نقصان نہ دیتے تو معاف کرنے یا عذاب دینے کا کوئی معنیٰ نہ ہوتا۔

[2]: فَوَيۡلٌ لِّلۡمُصَلِّيۡنَ ﴿٤﴾ الَّذِيۡنَ هُمۡ عَنۡ صَلَاتِهِمۡ سَاهُوۡنَ ﴿٥﴾ الَّذِيۡنَ هُمۡ يُرَآءُوۡنَ ﴿٦﴾ وَيَمۡنَعُوۡنَ الۡمَاعُوۡنَ ﴿٧﴾

سورۃ الماعون:4 تا 7

ترجمہ: ان نمازیوں کے لیے ہلاکت ہے جو اپنی نمازوں سے غافل ہیں، جو دکھلاوے کے لیے نماز پڑھتے ہیں اور استعمال کی چیز (عند الجمہور زکوۃ مراد ہے) مانگنے پر نہیں دیتے۔

نمازوں سے غفلت برتنے اور زکوۃ نہ دینے پر ہلاکت کی وعید سنانا اس بات کی دلیل ہے کہ گناہ نقصان دہ ہوتے ہیں۔

[3]: عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ... قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "خَمْسُ صَلَوَاتٍ كَتَبَهُنَّ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ عَلَى الْعِبَادِ فَمَنْ جَاءَ بِهِنَّ لَمْ يُضَيِّعْ مِنْهُنَّ شَيْئًا اسْتِخْفَافًا بِحَقِّهِنَّ كَانَ لَهُ عِنْدَ اللهِ عَهْدٌ أَنْ يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ وَمَنْ لَمْ يَأْتِ بِهِنَّ فَلَيْسَ لَهُ عِنْدَ اللهِ عَهْدٌ إِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ وَإِنْ شَاءَ أَدْخَلَهُ الْجَنَّةَ."

مؤطا مالک: رقم الحدیث 400

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ عزوجل نے اپنے بندوں پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ جو شخص یہ پانچ نمازیں پڑھے اور انہیں غیر اہم سمجھتے ہوئے ان کے حقوق کو ضائع نہ کرے تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اس کو جنت عطا فرمائے گا، اور جو شخص ان نمازوں کو ادا نہ کرے تو اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا کوئی وعدہ نہیں، اللہ تعالیٰ چاہے تو اسے عذاب دے دے اور اگر چاہے تو اس کو جنت میں داخل فرما دے۔

[4]: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ آتَاهُ اللهُ مَالًا فَلَمْ يُؤَدِّ زَكوتَهُ مُثِّلَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شُجَاعًا أَقْرَعَ لَهُ زَبِيبَتَانِ يُطَوَّقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثُمَّ يَأْخُذُ بِلِهْزِمَيْهِ -يَعْنِي شِدْقَيْهِ- ثُمَّ يَقُولُ أَنَا مَالُكَ أَنَا كَنْزُكَ" ثُمَّ تَلَا "وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ "الْآيَةَ.

صحیح البخاری: رقم الحدیث 4564

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کو اللہ نے مال دیا ہو پھر بھی وہ اس کی زکوٰۃ ادا نہ کرے تو قیامت کے دن اس کے مال کو گنجے سانپ کی شکل دی جائے گی جس کی آنکھوں کے اوپر دو سیاہ

نقطے ہوں گے۔ وہ سانپ اس شخص کے گلے کا طوق بن جائے گا پھر اس کی دونوں باچھوں کو پکڑے گا اور کہے گا: میں تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی: " وَ لَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ الخ " (ترجمہ آیت: جو لوگ اس مال میں بخل سے کام لیتے ہیں جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے وہ ہرگز یہ نہ سمجھیں کہ یہ ان کے لیے اچھی بات ہے بلکہ یہ ان کے لیے بری بات ہے۔ جس مال میں انہوں نے بخل سے کام لیا ہو گا قیامت کے دن وہی مال ان کے گلے کا طوق بنا دیا جائے گا۔)

[5]: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللہُ عَنْہُمَا: مَرَّ النَّبِیُّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی قَبْرَیْنِ فَقَالَ: "إِنَّہُمَا لَیُعَذَّبَانِ وَمَا یُعَذَّبَانِ مِنْ کَبِیْرٍ". ثُمَّ قَالَ: "بَلٰی أَمَّا أَحَدُہُمَا فَکَانَ یَسْعٰی بِالنَّمِیْمَۃِ وَأَمَّا أَحَدُہُمَا فَکَانَ لَا یَسْتَتِرُ مِنْ بَوْلِہٖ" قَالَ: ثُمَّ أَخَذَ عُوْدًا رَطْبًا فَکَسَرَہٗ بِاثْنَتَیْنِ ثُمَّ غَرَزَ کُلَّ وَاحِدٍ مِنْہُمَا عَلٰی قَبْرٍ ثُمَّ قَالَ: "لَعَلَّہٗ یُخَفَّفُ عَنْہُمَا مَا لَمْ یَیْبَسَا".

صحیح البخاری: رقم الحدیث 1378

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں کے قریب سے گذرے۔ آپ نے فرمایا: ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے اور ان کو کسی بڑے گناہ کی وجہ سے عذاب نہیں ہو رہا، بلکہ ایک کو تو اس لیے عذاب ہو رہا ہے کہ وہ چغلی کیا کرتا تھا اور دوسرا پیشاب کی چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا۔ پھر آپ نے کھجور کی ایک تر ٹہنی لی اور اس کے دو ٹکڑے کیے، ان دو ٹکڑوں میں سے ہر ایک کی قبر پر ایک ایک ٹکڑا گاڑ دیا، پھر ارشاد فرمایا: جب تک یہ خشک نہیں ہوں گی ان کے عذاب میں تخفیف ہوتی رہے گی۔

پیشاب سے نہ بچنے اور چغلی کھانے کی وجہ سے عذاب قبر ہونا دلیل ہے کہ

گناہ نقصان دہ ہیں۔

[6]: عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "شَفَاعَتِي لِأَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْ أُمَّتِي."

سنن الترمذی: رقم الحدیث 2435

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری شفاعت میری امت کے ان لوگوں کے لیے ہے جنہوں نے کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کیا ہو گا۔

کبیرہ گناہوں کے مرتکب کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا شفاعت کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ گناہ نقصان دہ ہوتے ہیں۔ اگر گناہ بالکل نقصان نہ دیتے ہوں تو شفاعت غیر مؤثر ہو جائے گی کیونکہ پھر اس کی ضرورت ہی نہ رہے گی۔

فرقہ مرجئہ کا موقف:

بندے میں ایمان موجود ہو تو گناہ کرنا بالکل نقصان دہ نہیں ہوتا اگرچہ بندہ گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہی کیوں نہ ہو۔ اس لیے مسلمان کبائر کا ارتکاب بھی کرے تب بھی سزا نہیں پا سکتا۔ حالتِ ایمان میں گناہ بالکل نقصان نہیں دیتے جیسے حالتِ کفر میں طاعت بالکل فائدہ نہیں دیتی۔

ان کے موقف کے بارے میں علماء کی تصریحات ملاحظہ ہوں:

1: حافظ ابو الفضل شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی الشافعی (ت852ھ) لکھتے ہیں:

وَمِنْهُمْ مَنْ أَرَادَ تَأْخِيرَ الْقَوْلِ فِي الْحُكْمِ عَلٰى مَنْ أَتَى الْكَبَائِرَ وَتَرَكَ الْفَرَائِضَ بِالنَّارِ لِأَنَّ الْإِيْمَانَ عِنْدَهُمُ الْإِقْرَارُ وَالِاعْتِقَادُ وَلَا يَضُرُّ الْعَمَلُ مَعَ ذٰلِكَ.

مقدمہ فتح الباری: ص646

ترجمہ: بعض کے ہاں ارجاء سے مراد گناہ کبیرہ کے مرتکب اور فرائض کے تارک پر دخول فی النار کے حکم کو موخر کرنا ہے کیونکہ ان (مرجئہ) کے ہاں ایمان محض اقرار اور اعتقاد کا نام ہے۔ ارتکابِ کبیرہ اور ترک فرائض ایمان کے ہوتے ہوئے نقصان دہ نہیں۔

2: ملا علی بن سلطان محمد القاری الھروی الحنفی (ت 1014ھ) لکھتے ہیں:

ثُمَّ الْمُرْجِئَةُ... هُمْ طَائِفَةٌ قَالُوْا لَايَضُرُّ مَعَ الْاِيْمَانِ ذَنْبٌ كَمَالَا يَنْفَعُ مَعَ الْكُفْرِ طَاعَةٌ فَزَعَمُوْا أَنَّ أَحَدًا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ لَايُعَاقَبُ عَلٰى شَيْئٍ مِنَ الْكَبَائِرِ.

شرح فقہ اکبر: ص75

ترجمہ: مرجئہ ایسا فرقہ ہے جس کا اعتقاد یہ ہے کہ ایمان کے ہوتے ہوئے گناہ کچھ نقصان دہ نہیں جیسے کفر کی موجودگی میں طاعت کچھ فائدہ مند نہیں۔ ان کا اعتقاد یہ ہے کہ کوئی مسلمان کبیرہ گناہ کی وجہ سے سزا پا ہی نہیں سکتا۔

3: شیخ الاسلام علامہ زاہد بن الحسن الکوثری (ت 1371ھ) لکھتے ہیں:

وَأَمَّا الْاِرْجَاءُ الَّذِيْ يُعَدُّ بِدْعَةً فَهُوَ قَوْلُ مَنْ يَقُوْلُ لَاتَضُرُّ مَعَ الْاِيْمَانِ مَعْصِيَةٌ.

تانیب الخطیب: ص45

ترجمہ: وہ ارجاء جو بدعت شمار ہوتا ہے وہ اس بات کا اعتقاد رکھنا ہے کہ ایمان کے ہوتے ہوئے گناہ کچھ نقصان دہ نہیں۔

فرقہ مرجئہ کے دلائل:

فرقہ مرجئہ کا استدلال ان نصوص سے ہے جن میں محض کلمۂ شہادت یعنی تصدیق قلبی پر جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ مثلاً

1: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں:

أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ ثَوْبٌ أَبْيَضُ وَهُوَ نَائِمٌ ثُمَّ أَتَيْتُهٗ وَقَدْ

اسْتَيْقَظَ فَقَالَ مَا مِنْ عَبْدٍ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ ثُمَّ مَاتَ عَلٰى ذٰلِكَ إِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ قُلْتُ وَإِنْ زَنٰى وَإِنْ سَرَقَ قَالَ وَإِنْ زَنٰى وَإِنْ سَرَقَ قُلْتُ وَإِنْ زَنٰى وَإِنْ سَرَقَ قَالَ وَإِنْ زَنٰى وَإِنْ سَرَقَ قُلْتُ وَإِنْ زَنٰى وَإِنْ سَرَقَ قَالَ وَإِنْ زَنٰى وَإِنْ سَرَقَ عَلٰى رَغْمِ أَنْفِ أَبِي ذَرٍّ.

صحیح البخاری: رقم الحدیث 5827

ترجمہ: میں ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت ایک سفید کپڑا اوڑھے ہوئے آرام فرما رہے تھے۔ (اس وقت میں واپس چلا آیا لیکن پھر) میں دوبارہ حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت بیدار ہو چکے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے لا الہ الا اللہ کہا اور پھر وہ اسی حالت میں وہ فوت ہوا تو وہ ضرور جنت میں داخل ہو گا۔ میں نے عرض کیا کہ اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری کرے تب بھی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! چاہے وہ زنا کرے اور چوری کرے! میں نے دوبارہ عرض کیا کہ اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری کرے تب بھی؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا: ہاں! چاہے وہ زنا کرے اور چوری کرے! میں نے تیسری بار عرض کیا کہ اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری کرے تب بھی؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! چاہے وہ زنا کرے اور چوری کرے! اگرچہ ابوذر کو ناگوار گزرے۔

2: عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يَا مُعَاذُ"، قُلْتُ: لَبَّيْكَ، قَالَ: "بَشِّرِ النَّاسَ أَنَّهُ مَنْ قَالَ: لَا إِلَهَ إِلا اللهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ".

المعجم الکبیر للطبرانی: ج14 ص444 رقم الحدیث 16509

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا: اے معاذ! میں نے عرض کیا: میں حاضر ہوں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں کو اس بات کی خوشخبری دے دو کہ جس شخص نے لا الہ الا اللہ کہا تو وہ جنت میں داخل ہو گا۔

3: عَنْ أَبِي حَرْبِ بْنِ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ قَالَ: أَشْهَدُ عَلَى أَبِي، زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ لَسَمِعْتُهُ يَقُولُ: أَرْسَلَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ لِي: بَشِّرِ النَّاسَ أَنَّهُ مَنْ قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ فَلَهُ الْجَنَّةَ.

عمل الیوم واللیلۃ للنسائی، ت303ھ: رقم الحدیث 1110

ترجمہ: ابو حرب بن زید بن خالد الجہنی فرماتے ہیں کہ میں اپنے والد حضرت زید بن خالد الجہنی رضی اللہ عنہ کے بارے میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے ان سے سنا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پیغام دے کر بھیجا کہ لوگوں کو اس بات کی خوشخبری دے دو کہ جس شخص نے "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ" کہا تو اس کے لیے جنت واجب ہو گئی۔

ان دلائل کے جوابات:

(1): جنت میں داخلے کی دو صورتیں ہیں:

دخولِ اَوّلی دخولِ مطلق

اس حدیث کا تعلق دخول مطلق کے ساتھ ہے، دخولِ اَوّلی کے ساتھ نہیں ہے۔ یعنی کلمہ گو مسلمان جنت میں ضرور جائے گا۔ اگر ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ بھی بجالاتا رہا تو اولی طور پر ہی جنت جائے گا اور اگر گناہ کا مرتکب ہوا اور توبہ کیے بغیر فوت ہوا تو اللہ تعالیٰ چاہیں تو جنت میں دخولِ اولی کے ساتھ ہی داخل ہو اور اگر چاہیں تو یہ سزا بھگتنے کے بعد داخل ہو۔

(2): ان جیسی روایات کا تعلق اس دور کے ساتھ ہے جب فرائض واحکام نازل نہیں ہوئے تھے۔ اس دور میں صرف تصدیق کافی سمجھی جاتی تھی۔

امام ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک بن بطال القرطبی (ت449ھ) لکھتے ہیں:

عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، وَسُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ، وَعُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ أَنَّ ذٰلِكَ كَانَ قَبْلَ نُزُوْلِ الْفَرَائِضِ.

شرح صحیح البخاری لابن بطّال: ج1 ص208

ترجمہ: حضرت سعید بن مسیب، حضرت سلیمان بن یسار اور حضرت عروہ بن زبیر فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا تعلق فرائض کے نازل ہونے سے پہلے والے دور کے ساتھ ہے۔

(3): ان جیسی احادیث کا معنی یہ ہے کہ بندہ کلمہ پڑھے اور اس کے حقوق اور فرائض کا خیال بھی رکھے تو جنت ضرور داخل ہو گا۔

علامہ محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی (ت676ھ) لکھتے ہیں:

وَمَعْنَاهُ: مَنْ قَالَ الْكَلِمَةَ وَأَدّٰى حَقَّهَا وَفَرِيْضَتَهَا . وَهٰذَا قَوْلُ الْحَسَنِ الْبَصْرِيِّ.

شرح مسلم للنووی: ج1 ص219

ترجمہ: اس روایت کی مراد وہ شخص ہے جو کلمہ شہادت کہے پھر اس کے حقوق و فرائض بھی ادا کرے۔ یہ توجیہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کی ہے۔

(4): ان جیسی روایات کا مطلب یہ ہے کہ یہ بشارت اس شخص کے لیے ہے جو موت سے پہلے گناہوں سے توبہ کرے اور نادم ہو جائے۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری (ت256ھ) ان احادیث کا معنی یہ بیان کرتے ہیں:

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: هٰذَا عِنْدَ الْمَوْتِ أَوْ قَبْلَهُ إِذَا تَابَ وَنَدِمَ وَقَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ

غُفِرَ لَهُ.

صحیح البخاری: تحت رقم الحدیث 5827

ترجمہ: **امام ابو عبد اللہ (بخاری) فرماتے ہیں: ان احادیث کا معنی یہ ہے کہ بندہ موت** کے وقت یا اس سے پہلے جب توبہ کرے، نادم ہو اور لا الہ الا اللہ کہے تب اس کی بخشش ہو گی۔

قبولیتِ اعمال کی شرائط:

قبولیتِ اعمال کی تین شرائط ہیں:

1: عقیدہ کا درست ہونا

2: عمل سے اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہونا (یعنی عمل کا ریاکاری اور عجب سے پاک ہونا)

3: عمل کا سنت نبوی کے موافق ہونا۔

ریاکاری اور خود پسندی کا نقصان

وَالرِّيَاءُ إِذَا وَقَعَ فِيْ عَمَلٍ مِنَ الْأَعْمَالِ فَإِنَّهٗ يُبْطِلُ أَجْرَهٗ وَكَذٰلِكَ الْعُجْبُ

ترجمہ: ریاکاری جب کسی عمل میں شامل ہو جائے تو اس کا اجر و ثواب ضائع کر دیتی ہے۔ یہی حال خود پسندی کا ہے۔

یہاں اعمال کے اجر و ثواب کو ضائع کرنے والی دو چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے ریا اور عجب

[۱]: ریا

بندہ اگر اعمالِ صالحہ کرے اور مقصود اللہ تعالیٰ کی رضامندی نہ ہو بلکہ مقصود دکھلاوا اور ریاکاری ہو تو اس سے اعمال برباد ہو جاتے ہیں۔ اعمال کی قبولیت میں اخلاص شرط ہے کہ عمل میں خالصۃً اللہ تعالیٰ کی رضامندی مقصود ہو۔ جب اعمال میں ریاکاری کی آمیزش ہو گئی تو رضائے الٰہی مقصود ہی نہ رہی بلکہ مقصود کچھ اور بن گیا۔ تو جب اعمال کی قبولیت کی شرط ہی نہ رہی تو عمل مقبول ہی نہ ہو گا۔ اس لیے انسان کو اعمال کرنے کے ساتھ ساتھ انہیں ریاکاری سے بچانے کی فکر کرنی چاہیے۔

(1): اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَ الْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ

سورۃ البقرۃ:264

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنے صدقات کو احسان جتلا کر اور ایذا دے کر ضائع مت کرو! (یہ باطل کرنا اس طرح ہے) جس طرح وہ شخص ہے جو اپنا مال دکھلاوے کے لیے

خرچ کرتا ہے اور اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں لاتا۔ اس کی مثال تو ایسی ہے جیسے ایک چٹان ہو جس پر مٹی پڑی ہو، اب اس پر اس قدر زور کا پانی پڑا (جس سے چٹان کی وہ مٹی ختم ہو گئی) تو بالکل پتھر ظاہر ہو کر رہ گیا (بالکل اسی طرح) یہ (ریاکار لوگ) اپنے اعمال کا کچھ حصہ بھی نہ پا سکیں گے۔ اللہ کافروں کو راہِ ہدایت نہیں دکھاتا۔

اس آیت میں بتایا گیا کہ ایسے صدقات کا کچھ فائدہ نہیں جن کا مقصد لوگوں پر احسان جتلانا ہو اور انہیں تکلیف دینا ہو۔ یہ ایسے ہی ضائع ہو جاتے ہیں جس طرح منافق شخص کا مال ضائع ہو جاتا ہے جس کا مقصد رضائے الٰہی نہیں بلکہ دکھلاوا ہوتا ہے۔

(2): حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں:

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ سَمَّعَ سَمَّعَ اللهُ بِهِ وَمَنْ يُرَائِي يُرَائِي اللهُ بِهِ."

صحیح البخاری: رقم الحدیث 6499

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص شہرت حاصل کرنے کے لیے کوئی عمل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے عیوب کو ظاہر فرما دیں گے اور جو شخص دکھلاوے کے لیے عمل کرے گا اللہ تعالیٰ اس شخص کو رسوا کر دیں گے۔

[۲]: عُجب

اعمال میں عجب یعنی خود پسندی پیدا ہو جائے تب بھی عمل ناقابل قبول ہو جاتا ہے۔ خود پسندی کبھی اپنی عقل و دانش دیکھ کر پیدا ہوتی ہے اور کبھی اپنے اعمال اور مقام و مرتبہ دیکھ کر ہوتی ہے۔ خود پسندی سے بھی عمل ختم ہو جاتا ہے۔

وَقَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: اَلْهَلَاكُ فِي اثْنَتَيْنِ، الْقُنُوْطِ وَالْعُجْبِ.

الزواجر عن اقتراف الکبائر لابن حجر المکی، ت974ھ: ج1 ص186

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: دو چیزیں ایسی ہیں جو ہلاکت کا باعث بنتی ہیں: اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہونا اور خود پسندی میں مبتلا ہونا!

معجزات، کرامات، استدراجات

وَالْآيَاتُ لِلْأَنْبِيَاءِ وَالْكَرَامَاتُ لِلْأَوْلِيَاءِ حَقٌّ وَأَمَّا الَّتِي تَكُونُ لِأَعْدَائِهِ مِثْلُ إِبْلِيْسَ وَفِرْعَوْنَ وَالدَّجَّالِ مِمَّا رُوِيَ فِي الْأَخْبَارِ أَنَّهُ كَانَ وَيَكُوْنُ لَهُمْ لَا نُسَمِّيْهَا آيَاتٍ وَلَا كَرَامَاتٍ وَلٰكِنْ نُسَمِّيْهَا قَضَاءَ حَاجَاتِهِمْ وَذٰلِكَ لِأَنَّ اللهَ تَعَالٰى يَقْضِيْ حَاجَاتِ أَعْدَائِهِ اسْتِدْرَاجًا لَهُمْ وَعُقُوْبَةً لَهُمْ فَيَغْتَرُّوْنَ بِهٖ وَيَزْدَادُوْنَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا وَكُلُّهُ جَائِزٌ مُمْكِنٌ لَا يَسْتَحِيْلُ.

ترجمہ: انبیاء علیہم السلام کے لیے معجزات اور اولیاء کے لیے کرامات کا ظہور برحق ہے۔ جہاں تک ان (خرقِ عادت) امور کا تعلق ہے جو احادیث کے مطابق اللہ کے دشمنوں مثلاً ابلیس، فرعون اور دجال کے ہاتھوں پر ظاہر ہوئے یا ہوں گے تو ہم انہیں معجزات یا کرامات نہیں کہہ سکتے بلکہ ہم اس کو ان لوگوں کی حاجات اور ضروریات پورا کرنے کا نام دے سکتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے دشمنوں کو ڈھیل اور سزا دینے کے لیے ان کی حاجات پوری کرتا ہے لیکن یہ لوگ دھوکے میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور سرکشی و کفر میں آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ یہ ساری باتیں (یعنی معجزات، کرامات اور استدراجات) بالکل ممکن الوقوع ہیں، محال نہیں۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اس عبارت میں تین امور کا ذکر فرمایا ہے؛ معجزہ، کرامت، استدراج۔ ان کی تعریفات اور مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

فائدہ نمبر 1: معجزہ

"معجزہ" کا لغوی معنیٰ ہے "عاجز کر دینا، مجبور کر دینا۔"

معجزہ کا اصطلاحی معنی بیان کرتے ہوئے علامہ سید الشریف علی بن محمد الجرجانی

(ت816ھ) لکھتے ہیں:

اَمْرٌ خَارِقٌ لِّلْعَادَةِ مِنْ قِبَلِ شَخْصٍ مُقَارِنٍ لِّدَعْوَى النُّبُوَّةِ.

کتاب التعریفات للجرجانی: ص129، النبراس 295، شرح العقائد ص146

ترجمہ: وہ خلاف عادت کام جو ایسے شخص سے ظاہر ہو جو دعوائے نبوت کرتا ہو اسے "معجزہ" کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے نبی علیہ السلام کو پیغامِ حق دے کر لوگوں کے پاس بھیجتا ہے۔ کچھ لوگ پیغمبر علیہ السلام کی صداقت پر اعتماد کرتے ہوئے ان پر ایمان لاتے ہیں اور بعض لوگ اس پیغمبر کی دعوت کا انکار کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان منکرین اور معاندین کے سامنے اپنے پیغمبر کی حقانیت کو ثابت کرنے کے لیے اس پیغمبر کے ہاتھ پر کچھ ایسی چیزیں ظاہر فرما دیتے ہیں جو عام عادت سے ہٹ کر ہوتی ہیں۔ ان کے پیچھے اللہ تعالیٰ کی قدرت کار فرما ہوتی ہے۔ چنانچہ معجزہ کے ظہور کے بعد حق کے خواہاں لوگ پیغمبر کی بات قبول کر لیتے ہیں اور معاند اور ضدی لوگ پھر بھی انکار کر دیتے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ یہ لوگ گمراہی کی دلدل میں دھنستے چلے جاتے ہیں۔

فائدہ نمبر 2: انبیاء علیہم السلام کے چند معجزات

اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم السلام کو مختلف معجزات سے نوازا ہے جن کا تذکرہ قرآن میں ملتا ہے۔ چند ایک ملاحظہ ہوں:

معجزۂ حضرت صالح علیہ السلام: ناقہ

وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ

سورۃ ھود: 64

ترجمہ: (حضرت صالح علیہ السلام نے کہا) اے میری قوم! یہ اونٹنی تمہارے لیے

اللہ کی طرف سے ایک نشانی (معجزہ) ہے۔

معجزۂ حضرت موسیٰ علیہ السلام: عصا

وَ اِذِ اسۡتَسۡقٰی مُوۡسٰی لِقَوۡمِهٖ فَقُلۡنَا اضۡرِبۡ بِّعَصَاكَ الۡحَجَرَ ؕ فَانۡفَجَرَتۡ مِنۡهُ اثۡنَتَا عَشۡرَةَ عَيۡنًا

سورة البقرة:60

ترجمہ: اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے پانی مانگا تھا تو ہم نے ان سے کہا تھا کہ اپنا عصا پتھر پر ماریں (انہوں نے مارا) تو اس پتھر سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے۔

فَاَلۡقٰهَا فَاِذَا هِیَ حَیَّةٌ تَسۡعٰی

سورة طٰہٰ:20

ترجمہ: (اللہ تعالیٰ کے کہنے پر موسیٰ علیہ السلام نے) عصا کو ڈال دیا تو دیکھتے ہی دیکھتے وہ اسی وقت سانپ بن کر دوڑنے لگا۔

معجزات حضرت عیسیٰ علیہ السلام

مٹی کے پرندے بنانا، اندھے کو بینا کرنا، کوڑھی کو تندرست کرنا، مردے کو زندہ کرنا۔

اَنِّیۡۤ اَخۡلُقُ لَکُمۡ مِّنَ الطِّیۡنِ کَهَیۡـَٔةِ الطَّیۡرِ فَاَنۡفُخُ فِیۡهِ فَیَکُوۡنُ طَیۡرًۢا بِاِذۡنِ اللّٰهِ ۚ وَ اُبۡرِئُ الۡاَکۡمَهَ وَ الۡاَبۡرَصَ وَ اُحۡیِ الۡمَوۡتٰی بِاِذۡنِ اللّٰهِ

سورة آل عمران:49

ترجمہ: میں تمہارے لیے گارے سے پرندے کی ایک شکل بنا دیتا ہوں، پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے ایک پرندہ بن جاتا ہے، اسی طرح میں مادر زاد اندھے کو اور کوڑھ کے مریض کو درست کر دیتا ہوں اور مردوں کو اللہ کے حکم سے زندہ کر دیتا ہوں۔

معجزۂ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم؛ قرآن کریم

وَ اِنۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ رَيۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰى عَبۡدِنَا فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ مِّنۡ مِّثۡلِهٖ ۖ وَ ادۡعُوۡا شُهَدَآءَكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ

سورۃ البقرۃ:23

ترجمہ: اگر تمہیں اس قرآن میں جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے، کوئی شک ہے تو اس جیسی ایک چھوٹی سی سورت بنا کر لاؤ! اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ تمہارے جتنے مدد گار ہیں ان سب کو بلا لو اگر تم سچے ہو تو!!

فائدہ نمبر 3: کرامت

علامہ سید الشریف علی بن محمد الجرجانی (ت 816ھ) لکھتے ہیں:

ظُهُوْرُ أَمْرٍ خَارِقٍ لِّلْعَادَةِ مِنْ قِبَلِ شَخْصٍ غَيْرِ مُقَارِنٍ لِّدَعْوَى النُّبُوَّةِ بِشَرْطِ أَنْ يَكُوْنَ مَقْرُوْناً بِالْإِيْمَانِ وَالْعَمَلِ الصَّالِحِ.

کتاب التعریفات للجرجانی: ص129

ترجمہ: خلافِ عادت کام کا ایسے شخص سے صادر ہونا جو دعویٰ نبوت نہ کرتا ہو ”کرامت“ کہلاتا ہے بشرطیکہ یہ شخص صاحبِ ایمان ہو اور عملِ صالح بھی کرتا ہو۔

جس طرح معجزات کا ظہور نبی کے ہاتھ پر ہوتا ہے اسی طرح کرامت کا ظہور ”ولی“ کے ہاتھ پر ہوتا ہے۔ کرامت سے مقصود اس ولی کی تائید کرنا، اسے حق پر ثابت قدم رکھنا اور اس کے مخالفین کے سامنے اس کی قدر ومنزلت کا اظہار کرنا ہوتا ہے۔

فائدہ نمبر 4: اولیاء اللہ کی چند کرامات

اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کو مختلف کرامات سے نوازا ہے جن کا تذکرہ قرآن میں بھی ملتا ہے۔ چند ملاحظہ ہوں:

بے موسم پھل ملنا (کرامتِ حضرت مریم)

كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ۖ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ

سورۃ آل عمران:37

ترجمہ: جس وقت بھی زکریا اس (مریم) کے پاس آتے تو اس کے پاس (بے موسم کے) پھل دیکھتے۔ انہوں (زکریا) نے فرمایا: اے مریم! یہ تمہارے پاس کہاں سے آیا؟ وہ بولیں: یہ اللہ کی طرف سے ہے۔

تین سو نو سال تک سوتے رہنا (کرامتِ اصحابِ کہف)

وَلَبِثُوْا فِيْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا

سورۃ الکہف:25

ترجمہ: وہ اپنی غار میں تین سو سال اور نو سال اوپر کا عرصہ رہے۔

پلک جھپکنے کی مقدار میں تخت لے آنا (کرامتِ آصف بن برخیاء)

ملکہ بلقیس کے واقعہ کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ۖ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ

سورۃ النمل:40

ترجمہ: وہ شخص جس کے پاس کتاب کا علم تھا، وہ (حضرت سلیمان سے) کہنے لگا: میں آپ کے پاس وہ تخت آپ کی آنکھ جھپکنے سے پہلے لاتا ہوں۔ جب (حضرت سلیمان علیہ السلام نے) دیکھا تو اسے اپنے پاس پڑا ہوا پایا۔

فائدہ نمبر 5: ولی سے نہ مانگنا

اہلِ اسلام جب ولی کی کرامت کو دیکھتے ہیں تو ولی کے خدا سے مانگتے ہیں جیسے حضرت زکریا علیہ السلام نے جب حضرت مریم کی کرامت کو دیکھا تو اللہ تعالیٰ سے مانگا اور اہلِ کفر جب ولی کی کرامت کو دیکھتے ہیں تو خود ولی سے مانگتے ہیں جیسے نصاریٰ؛ کہ وہ حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مانگتے ہیں۔

فائدہ نمبر 6: استدراج

علامہ سید الشریف علی بن محمد الجرجانی (ت 816ھ) لکھتے ہیں:

مَا(اَیْ ظُهُوْرُ اَمْرٍ خَارِقٍ لِّلْعَادَةِ) لَا یَکُوْنُ مَقْرُوْنًا بِالْاِیْمَانِ وَالْعَمَلِ الصَّالِحِ یَکُوْنُ اسْتِدْرَاجًا.

کتاب التعریفات ص129، شرح العقائد ص146

ترجمہ: خلافِ عادت کام کا ایسے شخص سے صادر ہونا جو ایمان سے متصف نہ ہو (یعنی کافر ہو) یا عملِ صالح نہ کرتا ہو (یعنی فاسق ہو) "استدراج" کہلاتا ہے۔

جیسے ایک شخص اہلِ حق کے عقائد کے بالکل خلاف عقائد کا حامل ہو، اس کی زندگی سنت کے مطابق نہ ہو، اخلاق حسنہ سے عاری اور اخلاق سیئہ کا مجموعہ ہو، اگر اس کے ہاتھ پر کوئی خلافِ عادت چیز رونما ہو جائے تو یہ "استدراج" ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے ڈھیل ہے۔

"استدراج" کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ یہ شخص ان خلافِ عادت امور کو دیکھ کر حق قبول کرے اور اپنے اعمال درست کر لے۔ اگر یہ شخص ایسا نہ کرے تو یہ استدراج اس کے حق میں مزید گمراہی کا سبب بنتا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو مزید ڈھیل دیتے ہیں تا کہ اس پر اتمام حجت ہو جائے۔

فائدہ نمبر 7: چند استدراجات

چند استدراجات نقل کیے جاتے ہیں:

(1): ابلیس کو استدراج

قَالَ اَنۡظِرۡنِیۡۤ اِلٰی یَوۡمِ یُبۡعَثُوۡنَ قَالَ اِنَّکَ مِنَ الۡمُنۡظَرِیۡنَ قَالَ فَبِمَاۤ اَغۡوَیۡتَنِیۡ لَاَقۡعُدَنَّ لَهُمۡ صِرَاطَکَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ

سورۃ الاعراف:14 تا 16

ترجمہ: ابلیس بولا کہ مجھے اس دن تک مہلت دے دیجیے جس دن لوگوں کو اٹھایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جا! تجھے مہلت دی جاتی ہے۔ ابلیس کہنے لگا کہ آپ نے مجھے گمراہ کر دیا ہے اب میں بھی آپ کے سیدھے راستے پر بیٹھ کر آپ کے بندوں کو گمراہ کروں گا۔

عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَتْهُ صَفِيَّةُ بِنْتُ حُيَيٍّ فَلَمَّا رَجَعَتْ انْطَلَقَ مَعَهَا فَمَرَّ بِهِ رَجُلَانِ مِنَ الْأَنْصَارِ فَدَعَاهُمَا فَقَالَ إِنَّمَا هِيَ صَفِيَّةُ قَالَا سُبْحَانَ اللهِ قَالَ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِي مِنَ ابْنِ آدَمَ مَجْرَى الدَّمِ.

صحیح البخاری: رقم الحدیث 7171

ترجمہ: حضرت علی بن حسین سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ام المومنین حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا تشریف لائیں۔ جب وہ جانے لگیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ ہو لیے۔ اسی اثناء میں دو انصاری صحابی وہاں سے گزرے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلایا اور ان سے فرمایا: یہ (میری بیوی) صفیہ ہیں۔ ان دونوں صحابہ رضی اللہ عنہما نے عرض کیا: سبحان اللہ! (یعنی ہمارے وہم وگمان میں ایسی بات نہیں آئی جس کا آپ ازالہ فرمانا چاہتے ہیں) تو آپ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شیطان؛ انسان میں اس طرح دوڑتا ہے جس طرح خون ہے۔

(2): فرعون کو استدراج

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ نَادٰی فِرۡعَوۡنُ فِیۡ قَوۡمِہٖ قَالَ یٰقَوۡمِ اَلَیۡسَ لِیۡ مُلۡکُ مِصۡرَ وَ ہٰذِہِ الۡاَنۡہٰرُ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِیۡ ۚ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ ؕ

سورۃ الزخرف:51

ترجمہ: فرعون نے اپنی قوم کو پکار کر کہا کہ اے میری قوم! کیا مصر کی حکومت میرے ہاتھ میں نہیں؟ اور یہ جو نہریں میرے (حکم کے) تحت چلتی ہیں! کیا تمہیں یہ چیزیں نظر نہیں آتیں؟!

اس جملہ "تَجۡرِی مِنۡ تَحۡتِی" کی تفسیر حضرت حسن بصری رحمہ اللہ (ت110ھ) سے منقول ہے جسے امام حسین بن مسعود بن محمد بن الفراء البغوی الشافعی (ت510ھ) نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے:

وَقَالَ الْحَسَنُ: بِأَمْرِيْ.

تفسیر البغوی: ج7 ص217 تحت قولہ تعالیٰ "وَ نَادٰی فِرۡعَوۡنُ فِیۡ قَوۡمِہٖ" سورۃ الزخرف:51

ترجمہ: فرعون کہتا تھا کہ دریا (یعنی دریائے نیل) میرے حکم سے چلتا ہے۔

ملا علی بن سلطان محمد القاری الھروی الحنفی (ت1014ھ) لکھتے ہیں:

كَانَ يَأْمُرُ النِّيْلَ فَيَجْرِيْ عَلٰى وَفْقِ حُكْمِهٖ كَمَا اَشَارَ إِلَيْهِ سُبْحَانَهٗ حِكَايَةً عَنْهُ بِقَوْلِهٖ "اَلَیۡسَ لِیۡ مُلۡکُ مِصۡرَ وَ ہٰذِہِ الۡاَنۡہٰرُ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِیۡ ۚ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ"

شرح الفقہ الاکبر:171

ترجمہ: فرعون دریائے نیل کو حکم کرتا تو وہ اس کے حکم کے مطابق چلنے لگتا تھا جیسا کہ اس بات کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں اشارہ فرمایا ہے کہ (فرعون نے اپنی قوم سے کہا): کیا مصر کی حکومت میرے ہاتھ میں نہیں؟ اور یہ جو نہریں میرے (حکم کے) تحت چلتی ہیں!

(3): دجال کو استدراج

1: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مجمع میں کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا:

"أَنْذَرْتُكُمُ الْمَسِيحَ وَهُوَ مَمْسُوحُ الْعَيْنِ" -قَالَ أَحْسِبُهُ قَالَ الْيُسْرَى- يَسِيرُ مَعَهُ جِبَالُ الْخُبْزِ وَأَنْهَارُ الْمَاءِ عَلَامَتُهُ يَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ أَرْبَعِينَ صَبَاحًا يَبْلُغُ سُلْطَانُهُ كُلَّ مَنْهَلٍ لَا يَأْتِي أَرْبَعَةَ مَسَاجِدَ؛ الْكَعْبَةَ وَمَسْجِدَ الرَّسُولِ وَالْمَسْجِدَ الْأَقْصَى وَالطُّورَ.

مسند احمد: ج16 ص520 رقم الحدیث 22984

ترجمہ: میں نے تمہیں مسیح دجال سے ڈرایا تھا۔ اس کی ایک آنکھ خراب ہے، جو برابر کر دی گئی ہے یعنی مسخ کی ہوئی آنکھ والا ہے- راوی کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات بائیں آنکھ کے متعلق ارشاد فرمائی تھی- اور اس کے ساتھ روٹیوں کے پہاڑ اور پانی کی نہریں چل رہی ہوں گی۔ دجال کی علامت یہ ہو گی کہ وہ زمین میں چالیس دن رہے گا اور ہر جگہ جائے گا سوائے چار مسجدوں کے۔ وہ چار مسجدیں یہ ہیں؛ کعبہ، مسجد رسول، مسجد اقصیٰ اور مسجد طور۔

فائدہ: "کعبہ" سے مراد مسجد حرام ہے جو مکہ مکرمہ میں ہے۔ "مسجد رسول" سے مراد مسجد نبوی ہے جو مدینہ منورہ میں ہے۔ "مسجد اقصیٰ" سے مراد مسلمانوں کا قبلہ اول ہے جو فلسطین کے دارالحکومت بیت المقدس میں واقع ہے۔ اس پر آج کل

اسرائیل کا قبضہ ہے۔ "مسجد طور" وہ مسجد ہے جو مصر میں موجود کوہِ طور کے قریب واقع ہے۔ کوہِ طور وہ پہاڑ ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا تھا۔ مسجد طور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں معروف تھی اور بعد کے ادوار میں بھی سلف صالحین کے ہاں متعارف تھی جیسا کہ مسند احمد کی اس روایت میں ملتا ہے:

عَنْ أَبِي بَصْرَةَ الْغِفَارِيِّ قَالَ لَقِيتُ أَبَا هُرَيْرَةَ وَهُوَ يَسِيرُ إِلَى مَسْجِدِ الطُّورِ لِيُصَلِّيَ فِيهِ، قَالَ: فَقُلْتُ لَهُ: لَوْ أَدْرَكْتُكَ قَبْلَ أَنْ تَرْتَحِلَ مَا ارْتَحَلْتَ! قَالَ: فَقَالَ: وَلِمَ؟ قَالَ: فَقُلْتُ: إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ: الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْمَسْجِدِ الْأَقْصَى وَمَسْجِدِي".

مسند احمد: ج18 ص478 رقم الحدیث 27107

ترجمہ: حضرت ابو بصرہ غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میری ملاقات حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہو گئی۔ آپ مسجد طور جا رہے تھے تاکہ وہاں نماز ادا کریں۔ میں نے ان سے کہا کہ اگر میں آپ کے سفر پر جانے سے پہلے آپ سے مل لیتا تو آپ وہاں نہ جاتے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کیوں؟ تو میں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تین مساجد کے علاوہ کسی اور مسجد کی طرف سفر نہ کیا جائے، وہ تین مساجد مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور یہ میری مسجد (مسجد نبوی) ہیں۔

عین ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ بعینہ مسجد طور کو یا اس کے آثار کو قرب قیامت تک باقی رکھیں اور دجال کا داخلہ اس میں ممنوع ہو۔ کوہِ طور موجودہ جغرافیہ کے مطابق مصر کے صحرائے سیناء کے علاقے میں واقع ہے۔

2: عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ حَدَّثَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيثًا طَوِيلًا عَنِ الدَّجَّالِ فَكَانَ فِيمَا حَدَّثَنَا بِهِ أَنْ قَالَ يَأْتِي

الدَّجَّالُ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْهِ أَنْ يَدْخُلَ نِقَابَ الْمَدِينَةِ بَعْضَ السِّبَاخِ الَّتِي بِالْمَدِينَةِ فَيَخْرُجُ إِلَيْهِ يَوْمَئِذٍ رَجُلٌ هُوَ خَيْرُ النَّاسِ أَوْ مِنْ خَيْرِ النَّاسِ فَيَقُولُ: أَشْهَدُ أَنَّكَ الدَّجَّالُ الَّذِي حَدَّثَنَا عَنْكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيثَهُ فَيَقُولُ الدَّجَّالُ: أَرَأَيْتَ إِنْ قَتَلْتُ هٰذَا ثُمَّ أَحْيَيْتُهُ هَلْ تَشُكُّونَ فِي الْأَمْرِ؟ فَيَقُولُونَ: لَا! فَيَقْتُلُهُ ثُمَّ يُحْيِيهِ فَيَقُولُ حِينَ يُحْيِيهِ: وَاللهِ مَا كُنْتُ قَطُّ أَشَدَّ بَصِيرَةً مِنِّي الْيَوْمَ. فَيَقُولُ الدَّجَّالُ: أَقْتُلُهُ فَلَا أُسَلَّطُ عَلَيْهِ.

صحیح البخاری: رقم الحدیث 1882

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کے متعلق ایک طویل حدیث بیان فرمائی۔ اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ دجال مدینہ منورہ کی ایک کھاری زمین تک پہنچے گا لیکن اس پر مدینہ میں داخل ہونا حرام ہو گا۔ اس دن ایک شخص اس دجال کی طرف نکل کر اس کے سامنے آئے گا۔ یہ شخص لوگوں میں سب سے بہترین شخص ہو گا یا (یہ فرمایا کہ) یہ شخص بزرگ ترین لوگوں میں سے ہو گا۔ یہ شخص دجال کو کہے گا کہ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ تو وہی دجال ہے جس کے متعلق ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی۔ دجال لوگوں سے کہے گا: کیا میں اسے قتل کر کے پھر زندہ کر دوں تو تم لوگوں کو میرے بارے میں کوئی شک وشبہ باقی رہ جائے گا؟ لوگ (جو اس کے حواری ہوں گے) کہیں گے: ہمیں کوئی شک وشبہ باقی نہیں رہے گا۔ اس وقت دجال اس شخص کو قتل کر کے پھر زندہ کر دے گا۔ جب دجال اسے زندہ کرے گا تو وہ شخص کہے گا: قسم بخدا! اب تو مجھے پورا یقین ہو گیا ہے کہ تو ہی دجال ہے۔ دجال کہے گا: لاؤ! میں اسے پھر قتل کرتا ہوں لیکن اس مرتبہ وہ اس پر قادر نہ ہو سکے گا۔

خالقیت ورازقیت باری تعالیٰ

وَکَانَ اللہُ تَعَالٰی خَالِقًا قَبْلَ أَنْ یَخْلُقَ وَرَازِقًا قَبْلَ أَنْ یَرْزُقَ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے بھی خالق تھے اور مخلوق کو رزق دینے سے پہلے بھی رازق تھے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے قبل بھی اللہ تعالیٰ کے خالق اور رازق ہونے کا تذکرہ فرمایا ہے، اب یہاں تاکید کے لیے دوبارہ ذکر فرمایا ہے۔

دیدارِ باری تعالیٰ کا برحق ہونا

وَاللہُ تَعَالٰی یُرٰی فِی الْآخِرَۃِ وَیَرَاہُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَھُمْ فِی الْجَنَّۃِ بِأَعْیُنِ رُؤُوْسِھِمْ بِلَا تَشْبِیْہٍ وَلَا کَیْفِیَّۃٍ وَلَا یَکُوْنُ بَیْنَہٗ وَبَیْنَ خَلْقِہٖ مَسَافَۃٌ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا آخرت میں دیدار ہو گا۔ اہلِ ایمان جنت میں رہ کر اپنے سر کی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو بلا تشبیہ و بلا کیفیت دیکھیں گے۔ اس دوران اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے درمیان کوئی مسافت نہ ہو گی۔

اھل السنۃ والجماعۃ کا موقف ہے کہ آخرت میں مؤمنین اللہ رب العزت کے دیدار سے سرفراز ہوں گے۔ یہ نظریہ قرآن مجید اور احادیث مبارکہ سے ثابت ہے۔

دلائل اھل السنۃ والجماعۃ:

چند دلائل پیش خدمت ہیں:

(1): اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ

سورۃ القیامۃ:22،23

ترجمہ: اس دن کئی چہرے تر و تازہ ہوں گے، اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔

علامہ فخر الدین ابو عبد اللہ محمد بن عمر بن الحسین الرازی (ت606ھ) اس آیت کو اھل السنۃ والجماعۃ کے موقف کی دلیل بناتے ہوئے لکھتے ہیں:

اِعْلَمْ أَنَّ جُمْهُوْرَ أَهْلِ السُّنَّةِ يَتَمَسَّكُوْنَ بِهٰذِهِ الْآيَةِ فِيْ إِثْبَاتِ أَنَّ الْمُؤْمِنِيْنَ يَرَوْنَ اللهَ تَعَالٰى يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

التفسیر الکبیر للرازی: ج30 ص200

ترجمہ: جان لیجیے کہ جمہور اھل السنۃ اس آیت کو دلیل بناتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ مؤمنین کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا دیدار ہو گا۔

(2): اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَ زِيَادَةٌ

سورۃ یونس:26

ترجمہ: جن لوگوں نے اچھے کام کیے تو بہترین حالت انہی کی ہو گی اور اس سے بڑھ کر کچھ اور بھی!

اس آیت میں موجود الفاظ "حُسنیٰ" اور "زیادۃ" کی تفسیر خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے "جنت" اور "زیارت باری تعالیٰ" سے فرمائی ہے۔

علامہ جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر السیوطی الشافعی (ت 911ھ) ایک روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَبِيْ مُوْسَى الْأَشْعَرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ

اللہَ يَبْعَثُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مُنَادِيًا يُنَادِيْ: يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ -بِصَوْتٍ يَسْمَعُهُ أَوَّلُهُمْ وَآخِرُهُمْ -إِنَّ اللہَ وَعَدَكُمُ الْحُسْنٰى وَزِيَادَةً فَالْحُسْنٰى الْجَنَّةُ وَالزِّيَادَةُ النَّظَرُ إِلٰى وَجْهِ الرَّحْمٰنِ.

تفسیر الدر المنثور للسیوطی: ج3ص574

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایک منادی سے بلند آواز میں یہ اعلان کروائے گا کہ اے جنت والو! اللہ تعالیٰ نے تم سے جو "حُسنیٰ" اور "زیادۃ" کا وعدہ فرمایا تھا تو وہ حسنیٰ جنت ہے اور زیادہ؛ رحمٰن کا دیدار ہے۔

(3): اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ

المطففین: 23

ترجمہ: (جنتی) آرام دہ نشستوں پر بیٹھے نظارہ کر رہے ہوں گے۔

حافظ ابو الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر دمشقی شافعی (ت774ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ" أَيْ إِلَى اللہِ عَزَّ وَجَلَّ.

تفسیر ابن کثیر: ج6ص417

ترجمہ: جنتی لوگ آرام دہ نشستوں پر بیٹھ کر اللہ رب العزت کا دیدار کریں گے۔

(4): امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری (ت256ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللہِ رَضِيَ اللہُ عَنْهُ قَالَ كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ نَظَرَ إِلَى الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ فَقَالَ: "أَمَا إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرَوْنَ هٰذَا لَا تُضَامُّوْنَ فِيْ رُؤْيَتِهٖ".

صحیح البخاری: رقم الحدیث 573

ترجمہ: حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے، آپ علیہ السلام نے چودھویں رات کے چاند کو دیکھ کر فرمایا: تم اپنے رب کو ایسے دیکھو گے جیسے اس چاند کو دیکھ رہے ہو، اس کے نور وجمال کو دیکھنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئے گی۔

(5): امام ابو الحسن مسلم بن حجاج القشیری النیشاپوری (ت 261ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنْ صُهَيْبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا دَخَلَ أَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ قَالَ يَقُوْلُ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى تُرِيْدُوْنَ شَيْئًا أَزِيْدُكُمْ ؟ فَيَقُوْلُوْنَ: أَلَمْ تُبَيِّضْ وُجُوْهَنَا أَلَمْ تُدْخِلْنَا الْجَنَّةَ وَتُنَجِّنَا مِنَ النَّارِ قَالَ: فَيَكْشِفُ الْحِجَابَ، فَمَا أُعْطُوْا شَيْئًا أَحَبَّ إِلَيْهِمْ مِنَ النَّظَرِ إِلٰى رَبِّهِمْ .

صحیح مسلم: رقم الحدیث 181

ترجمہ: حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب جنتی جنت میں داخل ہو چکیں گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ ان سے ارشاد فرمائیں گے: اگر تم لوگ کوئی اور نعمت چاہتے ہو تو میں تمہیں عطا کر دوں؟ جنتی لوگ عرض کریں گے: یا اللہ! کیا آپ نے ہمارے چہرے بارونق نہیں فرمائے؟ کیا آپ نے ہمیں جنت میں داخل نہیں کیا اور کیا دوزخ سے ہمیں نجات نہیں بخشی؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ پھر اللہ تعالیٰ پردہ ہٹائیں گے تو جنت والوں کو کوئی ایسی نعمت نہیں دی گئی جو ان کو اللہ تعالیٰ کے دیدار سے زیادہ محبوب ہو گی۔

اشکال:

اھل السنۃ والجماعۃ تو اللہ تعالیٰ کی رؤیت کو بغیر تشبیہ کے مانتے ہیں جبکہ اس

حدیث میں تو رؤیت کو چاند کے دیکھنے سے تشبیہ دی گئی ہے۔

جواب:

یہاں رؤیت باری تعالیٰ کو "نظر الی القمر" سے تشبیہ نہیں دی گئی بلکہ تشبیہ اس بات میں ہے کہ جس طرح تم لوگ چاند کو دیکھتے ہو تو تمہیں یقین ہو جاتا ہے کہ یہ چاند ہی ہے، تمہیں کسی قسم کا اشتباہ نہیں ہوتا بالکل اسی طرح جب تم لوگ اللہ تعالیٰ کو دیکھو گے تو تمہیں یقین ہو جائے گا کہ یہ اللہ تعالیٰ ہی ہیں، تمہیں کسی قسم کا اشتباہ نہیں ہو گا۔

علمائے امت کا موقف:

(1): امام ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامۃ الطحاوی (ت 321ھ)

وَالرُّؤْيَةُ حَقٌّ لِأَهْلِ الْجَنَّةِ بِغَيْرِ إِحَاطَةٍ وَلَا كَيْفِيَّةٍ.

عقیدۃ الطحاویۃ مع الشرح لمتکلم الاسلام: ص63

ترجمہ: اہلِ جنت کا اللہ تعالیٰ کو بغیر احاطہ اور بغیر کیفیت کے دیکھنا برحق ہے۔

(2): امام ابو بکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ البیہقی (ت 458ھ) نے چند آیات و احادیث سے استدلال کرتے ہوئے رؤیت باری تعالیٰ کو ثابت کیا اور یہ باب قائم فرمایا:

"بَابُ الْقَوْلِ فِيْ إِثْبَاتِ رُؤْيَةِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ فِي الْآخِرَةِ"

کتاب الاعتقاد: ص58

(3): حافظ عماد الدین ابو الفداء اسماعیل بن خطیب ابی حفص عمر بن کثیر دمشقی شافعی (ت 774ھ) رؤیت باریٰ تعالیٰ کی احادیث کے بارے میں فرماتے ہیں:

قَدْ تَوَاتَرَتِ الْأَخْبَارُ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَأَنَسٍ، وَجَرِيرٍ، وَصُهَيْبٍ، وَبِلَالٍ

وَغَيْرِ وَاحِدٍ مِنَ الصَّحَابَةِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّ الْمُؤْمِنِينَ يَرَوْنَ اللّٰهَ فِي الدَّارِ الْآخِرَةِ.

تفسیر القرآن الکریم لابن کثیر: ج3 ص309 لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ

ترجمہ: حضرت ابو سعید الخدری، حضرت ابو ہریرہ، حضرت انس بن مالک، حضرت جریر، حضرت صہیب، حضرت بلال اور دیگر کئی صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ حدیث تواتر سے مروی ہے کہ ایمان والوں کو آخرت میں دیدارِ الٰہی نصیب ہو گا۔

(4): حافظ بدر الدین محمود بن احمد بن موسیٰ العینی الحنفی (ت 855ھ) نے رؤیت باری تعالیٰ پر چار اقوال کا تذکرہ فرما کر اہلِ حق کا قول ان الفاظ میں ذکر کیا ہے:

قَالَ أَهْلُ الْحَقِّ: يَرَاهُ الْمُؤْمِنُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ دُوْنَ الْكُفَّارِ.

عمدۃ القاری: ج16 ص631 بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالٰى وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ إِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ

ترجمہ: اہلِ حق کا کہنا ہے کہ مؤمنین کو قیامت کے دن دیدارِ الٰہی نصیب ہو گا جبکہ یہ شرف کفار کو نہ ملے گا۔

(5): شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی (ت 1369ھ) فرماتے ہیں:

”قرآن کریم اور احادیث متواترہ سے یقینی طور پر معلوم ہو چکا ہے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہو گا۔ گمراہ لوگ اس کے منکر ہیں کیونکہ یہ دولت ان کے نصیب میں نہیں۔“

تفسیر عثمانی: ج2 ص834 تحت الآیۃ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ إِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ سورۃ القیامۃ: 22، 23

(6): شیخ التفسیر حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی (ت 1394ھ) فرماتے ہیں:

جنت میں اہل ایمان کے لیے دیدارِ خداوندی برحق ہے... آخرت کی اس رؤیت اور دیدار پر ہمارا ایمان ہے۔

عقیدۃ الاسلام: ص389

سوال: رؤیت باری تعالیٰ کا عقیدہ قرآن مجید کے خلاف ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۫ وَ هُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ

سورۃ الانعام:103

ترجمہ: آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور وہ آنکھوں کا احاطہ کرتا ہے۔

جواب: احادیث میں جو رؤیت ثابت ہے وہ "رؤیت بدون الاحاطہ" ہے یعنی دیدار باری تعالیٰ تو ہو گا لیکن حق تعالیٰ شانہ کی ذات اور صفات کے کلی احاطہ کے بغیر ہو گا اور آیت میں جس رؤیت کی نفی ہے وہ "رؤیت بالاحاطہ" ہے یعنی باری تعالیٰ کو ذات و صفات کے احاطہ کے ساتھ دیکھنا ممکن نہیں ہے۔ امام فخر الدین ابو عبد اللہ محمد بن عمر بن الحسین الرازی الشافعی (ت606ھ) لکھتے ہیں:

اَلْمَرْئِيُّ إِذَا كَانَ لَهُ حَدٌّ وَنِهَايَةٌ وَأَدْرَكَهُ الْبَصَرُ بِجَمِيْعِ حُدُوْدِهٖ وَجَوَانِبِهٖ وَنِهَايَاتِهٖ صَارَ كَأَنَّ ذٰلِكَ الْإِبْصَارَ أَحَاطَ بِهٖ فَتُسَمّٰى هٰذِهِ الرُّؤْيَةُ إِدْرَاكًا أَمَّا إِذَا لَمْ يُحِطِ الْبَصَرُ بِجَوَانِبِ الْمَرْئِيِّ لَمْ تُسَمَّ تِلْكَ الرُّؤْيَةُ إِدْرَاكًا فَالْحَاصِلُ أَنَّ الرُّؤْيَةَ جِنْسٌ تَحْتَهَا نَوْعَانِ: رُؤْيَةٌ مَعَ الْإِحَاطَةِ وَرُؤْيَةٌ لَا مَعَ الْإِحَاطَةِ وَالرُّؤْيَةُ مَعَ الْإِحَاطَةِ هِيَ الْمُسَمَّاةُ بِالْإِدْرَاكِ فَنَفْيُ الْإِدْرَاكِ يُفِيْدُ نَفْيَ نَوْعٍ وَاحِدٍ مِنْ نَوْعَيِ الرُّؤْيَةِ وَنَفْيُ النَّوْعِ لَا يُوجِبُ نَفْيَ الْجِنْسِ فَلَمْ يَلْزَمْ مِنْ نَفْيِ الْإِدْرَاكِ عَنِ اللّٰهِ تَعَالٰى نَفْيُ الرُّؤْيَةِ عَنِ اللّٰهِ تَعَالٰى.

التفسیر الکبیر: ج13 ص104 لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَ هُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ سورۃ الانعام:103

ترجمہ: دیکھی جانے والی چیز کی جب حد اور انتہاء ہو اور دیکھنے والی نظر تمام حدود، اطراف اور انتہاؤں کو گھیر لے تو گویا اس نظر نے اس چیز کو گھیر لیا۔ اس دیکھنے کو "ادراک" کہا جاتا ہے، لیکن جب نظر؛ دیکھی جانے والی چیز کے اطراف کا احاطہ نہ کرے تو اس دیکھنے کا نام "ادراک" نہیں ہوتا۔ خلاصہ یہ ہے کہ "دیکھنا" ایک جنس ہے

جس کے نیچے دو انواع ہیں، ایک دیکھنا احاطے کے ساتھ اور دوسرا دیکھنا بلا احاطہ کیے، صرف احاطے والے دیکھنے کو "ادراک" کہا جاتا ہے۔ اس لیے ادراک کی نفی سے دیکھنے کی ایک قسم کی نفی ثابت ہوئی اور ایک نوع کی نفی سے جنس کی نفی نہیں ہوتی۔ لہذا اللہ کے ادراک کی نفی سے اللہ کے دیکھنے کی نفی لازم نہیں آتی۔

تو اس آیت میں "ادراک" کی نفی ہے، "رؤیت" کی نفی نہیں ہے۔

فائدہ:

اھلِ ایمان کو رؤیت باری تعالیٰ کی نعمت تو جنت میں ملے گی لیکن امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت اسی زندگی میں عطا فرمائی ہے۔ چند دلائل پیش ہیں:

1: علامہ جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر السیوطی الشافعی (ت 911ھ) روایت نقل فرماتے ہیں:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "رَأَيْتُ رَبِّيْ عَزَّ وَجَلَّ."

الخصائص الکبریٰ للسیوطی: ج1 ص267

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اپنے رب کو دیکھا ہے۔

2: امام ابو بکر احمد بن عمرو بن عبد الخالق البصری المعروف البزار (ت 292ھ) روایت فرماتے ہیں:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ....وَفُتِحَ لِيْ بَابٌ مِنْ أَبْوَابِ السَّمَاءِ وَرَأَيْتُ النُّوْرَ الْأَعْظَمَ.

مسند البزار: ج14 ص10 رقم الحدیث 7389

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ (طویل حدیث معراج نقل کرتے ہوئے) فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے لیے آسمان کے دروازے کھولے گئے اور میں نے (آگے جا کر) نورِ اعظم (اللہ تعالیٰ کے نور) کو دیکھا ہے۔

3: عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَىٰ رَبَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى.

مسند البزار: ج13 ص426 رقم الحدیث 7165

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب تبارک وتعالیٰ کو دیکھا ہے۔

4: امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی المالکی (ت 671ھ) لکھتے ہیں:

وَحَكَى ابْنُ إِسْحَاقَ أَنَّ مَرْوَانَ سَأَلَ أَبَا هُرَيْرَةَ: هَلْ رَأَىٰ مُحَمَّدٌ رَبَّهُ؟ فَقَالَ: نَعَمْ!

الجامع لاحکام القرآن للقرطبی: ج1 ص1219 لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ الانعام: 103

ترجمہ: ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ مروان نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا؟ انہوں نے فرمایا: ”ہاں“

5: امام ابو بکر عبد الرزاق بن ہمام بن نافع الحمیری الصنعانی (ت 211ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنِ الْمُبَارَكِ بْنِ فُضَالَةَ قَالَ: كَانَ الْحَسَنُ يَحْلِفُ بِاللهِ ثَلَاثَةً لَقَدْ رَأَىٰ مُحَمَّدٌ رَبَّهُ.

التفسیر لعبد الرزاق: ج3 ص252

ترجمہ: مبارک بن فضالہ کہتے ہیں کہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تین مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہتے تھے کہ بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے۔

6: امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی المالکی (ت 671ھ) لکھتے ہیں:

وَإِلىٰ هٰذَا ذَهَبَ الشَّيْخُ أَبُو الْحَسَنِ الْأَشْعَرِيُّ وَجَمَاعَةٌ مِنْ أَصْحَابِهٖ أَنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى اللهَ بِبَصَرِهٖ وَعَيْنَيْ رَأْسِهٖ. وَقَالَهٗ أَنَسٌ وَابْنُ عَبَّاسٍ وَعِكْرِمَةُ وَالرَّبِيْعُ وَالْحَسَنُ.

الجامع لاحکام القرآن للقرطبی: ج1 ص1219 لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ الانعام: 103

ترجمہ: امام ابو الحسن اشعری اور ان کے شاگردوں کی ایک بڑی جماعت کا یہی موقف ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ یہی موقف حضرت انس، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عکرمہ، ربیع اور حسن بصری رحمہم اللہ کا بھی ہے۔

7: علامہ محی الدین ابو زکریا یحییٰ بن شرف النووی (ت 676ھ) لکھتے ہیں:

فَالْحَاصِلُ أَنَّ الرَّاجِحَ عِنْدَ أَكْثَرِ الْعُلَمَاءِ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى رَبَّهٗ بِعَيْنَيْ رَأْسِهٖ لَيْلَةَ الْإِسْرَاءِ لِحَدِيْثِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَغَيْرِهٖ.

شرح مسلم للنووی: ج1 ص312

ترجمہ: خلاصہ یہ ہے کہ اکثر علماء کے ہاں راجح بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات اپنے رب کو سر کی آنکھوں سے دیکھا ہے جیسا کہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہا اور دیگر روایات سے ثابت ہے۔

اشکال نمبر 1:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا موقف تو یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا۔

امام ابو الحسن مسلم بن حجاج القشیری النیشاپوری (ت 261ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ كُنْتُ مُتَّكِئًا عِنْدَ عَائِشَةَ فَقَالَتْ يَا أَبَا عَائِشَةَ! ثَلَاثٌ مَنْ

تَكَلَّمَ بِوَاحِدَةٍ مِنْهُنَّ فَقَدْ أَعْظَمَ عَلَى اللهِ الْفِرْيَةَ قُلْتُ: مَا هُنَّ؟ قَالَتْ: مَنْ زَعَمَ أَنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَىٰ رَبَّهُ فَقَدْ أَعْظَمَ عَلَى اللهِ الْفِرْيَةَ. قَالَ: وَكُنْتُ مُتَّكِئًا فَجَلَسْتُ فَقُلْتُ: يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ! أَنْظِرِينِي وَلَا تَعْجَلِينِي أَلَمْ يَقُلِ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ "وَ لَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ" "وَ لَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى" فَقَالَتْ: أَنَا أَوَّلُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ سَأَلَ عَنْ ذٰلِكَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: إِنَّمَا هُوَ جِبْرِيلُ لَمْ أَرَهُ عَلٰى صُورَتِهِ الَّتِي خُلِقَ عَلَيْهَا غَيْرَ هَاتَيْنِ الْمَرَّتَيْنِ رَأَيْتُهُ مُنْهَبِطًا مِنَ السَّمَاءِ سَادًّا عِظَمُ خَلْقِهِ مَا بَيْنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ فَقَالَتْ: أَوَلَمْ تَسْمَعْ أَنَّ اللهَ يَقُولُ "لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ٘ وَ هُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَ هُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ" أَوَلَمْ تَسْمَعْ أَنَّ اللهَ يَقُولُ "وَ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ" قَالَتْ: وَمَنْ زَعَمَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَمَ شَيْئًا مِنْ كِتَابِ اللهِ فَقَدْ أَعْظَمَ عَلَى اللهِ الْفِرْيَةَ وَاللهُ يَقُولُ "يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ" قَالَتْ: وَمَنْ زَعَمَ أَنَّهُ يُخْبِرُ بِمَا يَكُونُ فِي غَدٍ فَقَدْ أَعْظَمَ عَلَى اللهِ الْفِرْيَةَ وَاللهُ يَقُولُ "قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ"

صحیح مسلم: رقم الحدیث 177

ترجمہ: حضرت مسروق (بن اجدع تابعی) رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر تھا۔ آپ رضی اللہ عنہا نے مجھے فرمایا: اے ابو عائشہ! (یہ مسروق تابعی کی کنیت ہے) تین باتیں ایسی ہیں کہ جس نے ان میں سے کوئی ایک بھی کہی تو اس نے اللہ پر بہت بڑا بہتان باندھا۔ میں نے دریافت کیا: امی جان! وہ تین باتیں کون سی ہیں؟ آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: جو یہ کہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

نے اپنے رب کو دیکھا ہے تو اس نے اللہ پر بہت بڑا بہتان باندھا۔ مسروق کہتے ہیں کہ میں اس وقت ٹیک لگائے ہوئے تھا لیکن (آپ رضی اللہ عنہا کی یہ بات سنتے ہی) سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور میں نے ان سے عرض کیا: اے ام المومنین! مجھے بات کرنے دیجیے اور جلدی نہ فرمایئے! کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ بے شک انہوں نے اسے روشن کنارے پر دیکھا ہے، اور کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ آپ علیہ السلام نے اسے ایک بار اترتے ہوئے دیکھا ہے (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو تو دیکھا ہے) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمانے لگیں: میں اس امت میں سب سے پہلی ہوں جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں، میں نے انہیں ان کی اصلی شکل جس میں وہ پیدا کیے گئے صرف دو مرتبہ دیکھا ہے؛ میں نے انہیں دیکھا جب وہ آسمان سے اتر رہے تھے، اس وقت ان کی بڑی جسامت نے آسمان اور زمین کے درمیان خلاء کو بھر دیا تھا۔ پھر آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: (اے ابو عائشہ!) کیا تم نے قرآن کریم کی یہ آیت نہیں سنی جس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”آنکھیں اللہ تعالیٰ کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور وہ آنکھوں کا احاطہ کرتا ہے، اور وہ باریک بین اور ہر چیز سے باخبر ہے۔“ اور کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں سنا: ”اور کسی انسان میں یہ طاقت نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے (روبرو) کلام فرمائے، اللہ تعالیٰ کا کلام یا تو وحی کے ذریعے ہوتا ہے یا پردے کے پیچھے ہوتا ہے یا وہ کسی پیغام لانے والا (یعنی فرشتے) کو بھیج دیتا ہے اور وہ آنے والا (فرشتہ) اس کے حکم سے جو چاہے وحی کرتا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ بلند وبالا مقام کا مالک اور حکیم ذات ہے۔“ آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی کتاب میں سے کچھ چھپا لیا ہے تو اس نے اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اے پیغمبر! جو کچھ آپ کے رب کی

طرف سے آپ پر نازل کیا گیا ہے اسے (لوگوں تک) پہنچا دیجیے اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو (اس کا مطلب یہ ہوا کہ) آپ نے فریضہ رسالت ادا نہیں کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مزید فرمایا: جو شخص یہ کہے کہ آپ صلی اللہ علیہ سلم کل کی خبر دیتے تھے تو اس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: آپ فرما دیجیے کہ اللہ کے سوا کوئی بھی آسمانوں اور زمین میں پائے جانے والے غیب کو نہیں جانتا۔

جوابات:

1: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے موقف پر حدیث مرفوع پیش نہیں کی بلکہ آیت " لَا تُدۡرِکُهُ الۡاَبۡصَارُ ۫ وَ هُوَ یُدۡرِكُ الۡاَبۡصَارَ " سے استدلال فرمایا ہے اور یہاں اس آیت میں "ادراک" کی نفی ہے جو کہ رؤیت بالاحاطہ ہے۔ رؤیت بالاحاطہ سے رؤیت بدون الاحاطہ کی نفی نہیں ہوتی۔ چنانچہ علامہ محی الدین ابو زکریا یحییٰ بن شرف النووی (ت 676ھ) فرماتے ہیں:

فَأَمَّا احۡتِجَاجُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنۡهَا بِقَوۡلِ اللهِ تَعَالٰى: " لَا تُدۡرِكُهُ الۡاَبۡصَارُ " فَجَوَابُهُ ظَاهِرٌ، فَإِنَّ الۡإِدۡرَاكَ هُوَ الۡإِحَاطَةُ وَاللهُ تَعَالٰى لَا يُحَاطُ بِهِ، وَإِذَا وَرَدَ النَّصُّ بِنَفۡيِ الۡإِحَاطَةِ لَا يَلۡزَمُ مِنۡهُ نَفۡيُ الرُّؤۡيَةِ بِغَيۡرِ إِحَاطَةٍ.

شرح مسلم للنووی: ج1 ص312

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو آیت " لَا تُدۡرِكُهُ الۡاَبۡصَارُ " کو دلیل بنایا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ آیت میں "ادراک" کا معنی "احاطہ کرنا" ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسی ذات ہے جس کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ تو آیت میں "احاطہ کرنے" کی نفی منقول ہے، اس سے بغیر احاطہ کے دیکھنے کی نفی ہر گز نہیں ہوتی۔

حافظ بدر الدین محمود بن احمد بن موسیٰ العینی الحنفی (ت 855ھ) حضرت

عائشہ رضی اللہ عنہا کے مستدل "لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ "کو نقل کر کے لکھتے ہیں:

اَلْمُرَادُ بِالْإِدْرَاكِ الْإِحَاطَةُ وَنَفْيُ الْإِحَاطَةِ لَا يَسْتَلْزِمُ نَفْيَ نَفْسِ الرُّؤْيَةِ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا لَا يُحِيطُ بِهٖ.

عمدۃ القاری: ج10 ص589

ترجمہ: ”ادراک“ سے مراد ایسا دیکھنا ہے جس میں کسی کو احاطہ کے ساتھ (یعنی تمام اطراف سے) دیکھنا پایا جائے، اس لیے احاطہ کے ساتھ دیکھنے کی نفی کرنے سے مطلق دیکھنے کی نفی لازم نہیں آتی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے جو رؤیت منقول ہے وہ ایسی نہیں جس میں احاطہ کے ساتھ دیکھنا ہو۔

اس لیے دونوں میں منافات نہیں!

2: جب دو صحابہ میں اختلاف ہو اور ایک صحابی قرآن مجید سے استدلال کریں اور دوسرا اصحابی اس سے اختلاف کرے تو اس آیت سے مستنبط قول بالاتفاق حجت نہیں ہوتا بلکہ اس مستنبط قول کے علاوہ دیگر قرائن سے آیت کا معنی متعین کیا جائے گا۔

علامہ محی الدین ابو زکریا یحییٰ بن شرف النووی (ت676ھ) فرماتے ہیں:

لِأَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰه عَنْهَا لَمْ تُخْبِرْ أَنَّهَا سَمِعَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: لَمْ أَرَ رَبِّي! وَإِنَّمَا ذَكَرَتْ مُتَأَوِّلَةً ... لِقَوْلِ اللّٰه تَعَالٰى: " لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ" وَالصَّحَابِيُّ إِذَا قَالَ قَوْلًا وَخَالَفَهٗ غَيْرُهٗ مِنْهُمْ لَمْ يَكُنْ قَوْلُهٗ حُجَّةً.

شرح مسلم للنووی: ج1 ص312

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ نہیں فرمایا کہ ”میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب کو نہیں دیکھا!“ بلکہ آپ رضی اللہ عنہا نے فرمان باری تعالیٰ " لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ " سے استدلال کیا اور صحابی جب (آیت سے استدلال کرتے ہوئے) کوئی بات پیش کرے اور کسی دوسرے صحابی کا

قول اس کے خلاف ہو تو اس صحابی کا (جس نے آیت سے استدلال کیا ہو) قول حجت نہیں بنتا۔

ما قبل میں آیت کا معنی متعین کیا گیا کہ یہاں ادراک کی نفی ہے، رؤیت کی نہیں اور رؤیت خود احادیث مرفوعہ سے ثابت ہے اس لیے رؤیت کے موقف کو ترجیح ہو گی۔

اشکال نمبر 2:

ایک روایت میں خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے رؤیت کی نفی معلوم ہوتی ہے۔ صحیح مسلم میں روایت ہے:

عَنۡ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللهُ عَنۡهُ قَالَ سَأَلۡتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ: هَلۡ رَأَيۡتَ رَبَّكَ؟ قَالَ: "نُورٌ أَنّٰى أَرَاهُ."

صحیح مسلم: رقم الحدیث 261

ترجمہ: حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ تو نور تھا اور میں نور کو کیسے دیکھ سکتا ہوں؟

جواب:

سائل کا مقصد یہ معلوم کرنا تھا کہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حقیقتِ رب کو دیکھا ہے؟ یعنی کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا دیدار ادراک کے ساتھ کیا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نُورٌ أَنّٰى أَرَاهُ" کہ اللہ تعالیٰ تو ایک نور ہے۔ میں نورِ محض کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی ذات کا ادراک کیسے کر سکتا ہوں؟ تو سوال ذاتِ باری تعالیٰ کی حقیقت اور رؤیت بالادراک کے متعلق تھا اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حقیقت کو کوئی معلوم نہیں کر سکتا اور نہ ہی اس کی ذات کا کوئی احاطہ کر سکتا ہے۔

ایمان کی تعریف

وَالْإِيْمَانُ هُوَ الْإِقْرَارُ وَالتَّصْدِيْقُ وَإِيْمَانُ أَهْلِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَا يَزِيْدُ وَلَا يَنْقُصُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ مُسْتَوُوْنَ فِي الْإِيْمَانِ وَالتَّوْحِيْدِ مُتَفَاضِلُوْنَ فِي الْأَعْمَالِ.

ترجمہ: ایمان؛ اقرار اور تصدیق کا نام ہے۔ آسمان والوں اور زمین والوں کے ایمان میں زیادتی ہوتی ہے نہ کمی۔ تمام مومنین ایمان اور توحید میں تو برابر ہیں البتہ اعمال میں ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں۔

قَوْلُهٗ: وَالْإِيْمَانُ هُوَ الْإِقْرَارُ وَالتَّصْدِيْقُ

ترجمہ: ایمان؛ اقرار اور تصدیق کا نام ہے۔

"ایمان" دراصل "تصدیق قلبی" یعنی دل سے ماننے کا نام ہے۔ زبان سے اقرار کرنا ایمان کا رکنِ اصلی نہیں بلکہ ایمان کی علامت اور اجرائے احکام کے لیے شرط ہے۔ بالفاظ دیگر ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے اور اقرار باللسان اجراءِ احکام کے لیے شرط ہے۔ تصدیق چونکہ ایک باطنی اور پوشیدہ امر ہے اس لیے اس کا علم زبان سے اظہار کے ذریعے ہی ہوتا ہے۔ اسی بات کا تذکرہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے الفقہ الاکبر کی ابتداء میں ان الفاظ سے فرمایا:

أَصْلُ التَّوْحِيْدِ وَمَا يَصِحُّ الِاعْتِقَادُ عَلَيْهِ يَجِبُ أَنْ يَقُوْلَ: اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَالْحِسَابِ وَالْمِيْزَانِ وَالْجَنَّةِ وَالنَّارِ حَقٌّ كُلُّهٗ.

ترجمہ: توحید کی بنیاد اور ان چیزوں کا بیان جن کا اعتقاد رکھنا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ ہر بندے پر لازم ہے کہ وہ یہ کہے کہ میں اللہ پر ایمان لایا الخ

''وَمَا يَصِحُّ الِاعْتِقَادُ عَلَيْهِ'' سے مراد تصدیقِ قلبی ہے کہ ان امور پر دل سے یقین رکھنا ضروری ہے اور ''يَجِبُ أَنْ يَقُوْلَ'' سے مراد اقرارِ لسانی ہے کہ زبان سے بھی ان کا اظہار کرنالازم ہے۔

زندگی میں ایک بار اور بوقتِ ضرورت زبان سے اقرار کرنا فرض ہے۔ اگر کوئی شخص دل سے تو اعتقاد رکھتا ہے اور معذور بھی نہیں کہ اپنی زبان سے بول بھی سکے، اس کے باوجود بوقتِ تقاضا زبان سے اقرار نہیں کرتا تو اسے مؤمن نہیں کہا جا سکتا۔

اھل السنۃ والجماعۃ کا موقف:

فقط ''تصدیق قلبی'' ہی ایمان کا رکنِ اصلی ہے، زبان سے اقرار کرنا ایمان کی شرط ہے۔ اعمالِ ظاہرہ سرانجام دینا یہ نفسِ ایمان کے رکنِ اصلی نہیں ہیں البتہ مُکَمِّل ایمان ضرور ہیں۔ اقرار اور اعمال صالحہ؛ ایمان کے اجزاء نہیں ہیں۔

دلائل:

1: وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ

سورۃ البقرۃ:82

ترجمہ: بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے تو وہ جنتی ہیں، جنت میں ہمیشہ رہیں گے۔

اس آیت کی تفسیر میں امام فخر الدین ابو عبد اللہ محمد بن عمر بن الحسین الرازی الشافعی (ت606ھ) لکھتے ہیں:

وَهَاهُنَا مَسَائِلُ: الْمَسْأَلَةُ الْأُولٰى: الْعَمَلُ الصَّالِحُ خَارِجٌ عَنْ مُسَمَّى الْإِيمَانِ

لِأَنَّهٗ تَعَالٰی قَالَ "وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ" فَلَوْ دَلَّ الْإِیْمَانُ عَلَی الْعَمَلِ الصَّالِحِ لَکَانَ ذِکْرُ الْعَمَلِ الصَّالِحِ بَعْدَ الْإِیْمَانِ تَکْرَارًا.

التفسیر الکبیر للرازی:ج3ص584

ترجمہ: اس مقام پر کئی مسئلے قابلِ بیان ہیں۔ پہلا مسئلہ یہ ہے کہ عمل صالح؛ ایمان کے مسمٰی سے خارج ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہاں فرمایا: " وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ " اگر ایمان سے عمل صالح مراد ہو سکتا تو ایمان کے بعد عمل صالح کا ذکر کرنا تکرار ہو گا۔ (معلوم ہوا کہ ایمان سے مراد عمل صالح نہیں)

2: مَنْ کَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِیْمَانِهٖۤ اِلَّا مَنْ اُکْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ وَ لٰکِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْکُفْرِ صَدْرًا فَعَلَیْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ

سورۃ النحل:106

ترجمہ: جو شخص اللہ پر ایمان لانے کے بعد اس کے ساتھ کفر کا ارتکاب کرے–وہ نہیں جسے زبردستی (کلمہ کفر کہنے پر) مجبور کر دیا گیا ہو جبکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو، بلکہ وہ شخص جس نے اپنا سینہ کفر کے لیے کھول دیا ہو–تو ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے غضب نازل ہو گا اور ان کے لیے زبردست عذاب تیار ہے۔

اس آیت میں ایمان کے ساتھ فقط دل کے اطمینان کا ذکر ہے، لسان اور اعضاء وجوارح کا ذکر نہیں کیا گیا۔

3: اُولٰٓئِکَ کَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ

سورۃ المجادلۃ:22

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان کو نقش فرما دیا ہے۔

4: عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَیْدٍ قَالَ: بَعَثَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَرِيَّةٍ، فَصَبَّحْنَا الْحُرَقَاتِ مِنْ جُهَيْنَةَ، فَأَدْرَكْتُ رَجُلاً فَقَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ،

فَطَعَنْتُهُ فَوَقَعَ فِي نَفْسِي مِنْ ذٰلِكَ، فَذَكَرْتُهُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَقَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَقَتَلْتَهُ؟ قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّمَا قَالَهَا خَوْفًا مِنَ السِّلَاحِ، قَالَ: أَفَلَا شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِهٖ حَتّٰى تَعْلَمَ أَقَالَهَا أَمْ لَا؟ فَمَا زَالَ يُكَرِّرُهَا عَلَيَّ حَتّٰى تَمَنَّيْتُ أَنِّي أَسْلَمْتُ يَوْمَئِذٍ.

صحیح مسلم: رقم الحدیث 190

ترجمہ: حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک سریہ میں بھیجا۔ ہم قبیلہ جُہینہ کی شاخ "حُرَقات" کے پاس صبح صبح جا پہنچے۔ میں نے ایک آدمی کو وہاں پھرتے ہوئے پایا تو اس نے (مجھے دیکھتے ہی) لا الٰہ الا اللہ کہا۔ میں نے اسے ایک برچھی سے قتل کر دیا۔ یہ بات میرے دل میں بیٹھ گئی (کہ اس نے لا الہ الا اللہ کہا تھا اس لیے اسے نہیں مارنا چاہیے تھا) میں نے اس بات کا تذکرہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس نے لا الٰہ الا اللہ کہا اور تم نے اس کو مار ڈالا؟ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس نے میرے ہتھیار سے ڈر یہ کہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا تاکہ تجھے معلوم ہوتا کہ اس کے دل نے یہ کلمہ کہا تھا یا نہیں؟ (یعنی دل کا حال تجھے کہاں سے معلوم ہوا؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار یہی فرماتے رہے یہاں تک کہ میں نے یہ تمنا کی کہ کاش میں اسی دن مسلمان ہوا ہوتا۔

اس حدیث میں بھی لا الہ الا اللہ کا تعلق دل سے جوڑا گیا ہے۔ ان دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ ایمان؛ تصدیق قلبی کا نام ہے۔

قَوْلُهُ: وَإِيْمَانُ أَهْلِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَا يَزِيْدُ وَلَا يَنْقُصُ.

ترجمہ: آسمان والوں اور زمین والوں کے ایمان میں زیادتی ہوتی ہے نہ کمی۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا موقف یہ ہے کہ ایمان؛ تصدیق قلبی کا نام ہے۔

اعمالِ ظاہرہ نفسِ ایمان کے اجزائے اصلیہ میں داخل نہیں بلکہ مکمّلِ ایمان ہیں یعنی ان کی کمی اور زیادتی کی وجہ سے نفسِ ایمان کم زیادہ نہیں ہوتا ہاں البتہ کمالِ ایمان کم یا زیادہ ہوتا رہتا ہے یعنی اعمال کے کم یا زیادہ ہونے کی وجہ سے اس کی کیفیت میں کمی یا زیادتی ہوتی رہتی ہے۔ چنانچہ نیک کام کرنے والا مؤمن اور گناہ کرنے والا مؤمن نفسِ ایمان میں تو برابر سمجھے جائیں گے البتہ نیک اعمال کرنے والا "کامل وصالح مومن" اور گناہ کرنے والا "فاسق مومن" کہلائے گا۔

ملا علی بن سلطان محمد القاری الھروی الحنفی (ت 1014ھ) امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نقطہ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فَمَعْنَاهُ اَنَّهٗ يَزِيْدُ بِاعْتِبَارِ اَعْمَالِهِ الْحَسَنَةِ حَتّٰى يَدْخُلَ صَاحِبُهُ الْجَنَّةَ دُخُوْلًا اَوَّلِيًّا، وَيَنْقُصُ بِارْتِكَابِ اَعْمَالِهِ السَّيِّئَةِ حَتّٰى يَدْخُلَ صَاحِبُهُ النَّارَ اَوَّلًا ثُمَّ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ بِاِيْمَانِهٖ آخِرًا كَمَا هُوَ مُقْتَضٰى اَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ.

شرح الفقہ الاکبر لعلی القاری: ص88

ترجمہ: اس عبارت (وَاِيْمَانُ اَهْلِ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ لَا يَزِيْدُ وَلَا يَنْقُصُ) کا معنیٰ یہ ہے کہ ایمان؛ اعمال حسنہ کے اعتبار سے بڑھتا ہے یہاں تک کہ اعمال صالحہ کرنے والا شخص دخول اولی کے اعتبار سے جنت میں داخل ہو گا اور ایمان؛ اعمال سئیہ کرنے سے کم ہوتا ہے یہاں تک کہ گناہ کرنے والا شخص پہلے تو آگ میں داخل ہو گا پھر آخر کار اپنے ایمان کی وجہ سے جنت میں جائے گا جیسا کہ اھل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے۔

فائدہ نمبر 1:

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نفسِ ایمان میں کمی زیادتی کے قائل نہیں البتہ کمالِ ایمان میں کمی زیادتی کے قائل ہیں۔ اس کی تصریح خود آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک رسالہ میں کی ہے جو عثمان البتی کی طرف لکھا تھا۔

آپ اس رسالہ میں لکھتے ہیں:

اَلْمُضَيِّعُ لِلْعَمَلِ لَمْ يَكُنْ مُضَيِّعاً لِلْاِيْمَانِ ... اَوَ لَسْتَ تَقُوْلُ: مُؤْمِنٌ ظَالِمٌ وَمُؤْمِنٌ مُذْنِبٌ وَمُؤْمِنٌ مُخْطِئٌ وَمُؤْمِنٌ عَاصٍ وَمُؤْمِنٌ جَائِرٌ... وَمَنْ اَصَابَ الْاِيْمَانَ وَضَيَّعَ شَيْئاً مِنَ الْفَرَائِضِ كَانَ مُؤْمِناً مُذْنِباً

الرسالۃ الی عثمان البتی للامام ابی حنیفہ ص38 بحوالہ التعلیق علی الرفع والتکمیل ص365

ترجمہ: اعمال کو ضائع کرنے والا ایمان کو ضائع کرنے والا نہیں ہوتا۔ کیا آپ یہ نہیں کہتے کہ مومن ظالم، مومن گنہگار، مومن خطا کار، مومن عاصی، مومن ستم کرنے والا۔ اس لیے جو شخص ایمان لائے اور فرائض میں سے کچھ ضائع کر دے تو یہ مومن گنہگار ہو گا۔

فائدہ نمبر 2:

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے، اعمال ظاہرہ نفسِ ایمان کے اجزاء نہیں البتہ مُکَمِّلِ ایمان ضرور ہیں۔ محدثین حضرات کا ایمان کے بارے میں موقف یہ ہے کہ اعمال؛ ایمان کا جزء ہیں لیکن اگر کوئی شخص ترکِ اعمال کا مرتکب ہوتا ہے تو محدثین کے نزدیک یہ شخص ایمان سے خارج نہیں ہوتا مگر یہ نزاع حقیقی نہیں بلکہ لفظی ہے اور محض تعبیر کا اختلاف ہے۔ امام العصر علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری (ت 1352ھ) فرماتے ہیں:

فَأَكْثَرُ الْمُحَدِّثِيْنَ إِلٰى أَنَّ الْإِيْمَانَ مُرَكَّبٌ مِنَ الْأَعْمَالِ وَإِمَامُنَا الْأَعْظَمِ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَأَكْثَرُ الْفُقَهَاءِ وَالْمُتَكَلِّمِيْنَ إِلٰى أَنَّ الْأَعْمَالَ غَيْرُ دَاخِلٍ فِي الْإِيْمَانِ، مَعَ اتِّفَاقِهِمْ عَلٰى أَنَّ فَاقِدَ التَّصْدِيْقِ كَافِرٌ، وَفَاقِدَ الْعَمَلِ فَاسِقٌ، فَلَمْ يَبْقَ الْخِلَافُ إِلَّا فِي التَّعْبِيْرِ.

فیض الباری شرح صحیح البخاری: ج1 ص54

ترجمہ: اکثر محدثین کا موقف یہ ہے کہ ایمان؛ اعمال سے مرکب ہے۔ ہمارے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور اکثر فقہاء و متکلمین کا موقف یہ ہے کہ اعمال؛ ایمان میں داخل نہیں۔ فریقین کے اس موقف کے باوجود دونوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جو شخص تصدیق کا حامل نہ ہو وہ کافر ہے اور جو عمل کا حامل نہ ہو وہ فاسق ہے۔ لہٰذا فریقین کے درمیان یہ اختلاف محض تعبیر کا اختلاف ہے۔

شیخ عبد الفتاح ابو غدہ (ت 1417ھ) علامہ ظفر احمد عثمانی (ت 1394ھ) کی عبارت "وَيُشْهِدُهٗ لِمَا ذَكَرْنَاهُ" پر تعلیق لکھتے ہیں:

أَيْ مِنْ أَنَّ إِطْلَاقَ الْإِرْجَاءِ مِنَ الْمُحَدِّثِيْنَ عَلٰى مَنْ لَا يَقُوْلُ بِزِيَادَةِ الْإِيْمَانِ وَنُقْصَانِهٖ وَلَا يَقُوْلُ بِدُخُوْلِ الْعَمَلِ فِيْ حَقِيْقَةِ الْإِيْمَانِ وَأَنَّ ذٰلِكَ الْقَوْلَ مِنْهُمْ لَيْسَ بِطَعْنٍ فِي الْحَقِيْقَةِ إِذْ أَنَّ الْخِلَافَ لَفْظِيٌّ.

التعلیق علی قواعد فی علوم الحدیث: ص239

ترجمہ: علامہ عثمانی اس بات کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ محدثین کی جانب سے ارجاء کا اطلاق اس شخص پر ہوتا ہے جو ایمان میں کمی زیادتی کا قائل نہ ہو اور نہ ہی اعمال کو ایمان کی حقیقت میں داخل مانتا ہو۔ محدثین کی جانب سے یہ اطلاق طعن نہیں ہے کیونکہ (محدثین کے موقف اور اس ارجاء کا) یہ اختلاف؛ اختلاف لفظی ہے۔

قَوْلُهٗ: وَالْمُؤْمِنُوْنَ مُسْتَوُوْنَ فِي الْإِيْمَانِ وَالتَّوْحِيْدِ مُتَفَاضِلُوْنَ فِي الْأَعْمَالِ.

ترجمہ: تمام مومنین ایمان اور توحید میں تو برابر ہیں البتہ اعمال میں ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں۔

ایمان اور توحید میں برابر ہونے سے مراد "ایمانیات" میں مساوی ہونا ہے یعنی جن چیزوں پر ایمان لانا ہے اس میں تمام مومنین برابر ہیں۔ ایسا نہیں کہ بعض چیزوں پر کچھ مومنین کا ایمان لانا ضروری ہو اور بعض کا ضروری نہ ہو۔ جب ایمان لانے کا مکلف

ٹھہرایا جائے تو اس میں انبیاء علیہم السلام اور امت سب شریک ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ ۟

سورۃ البقرۃ:285

ترجمہ: رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ان چیزوں پر ایمان لائے ہیں جو ان پر ان کے رب کی جانب سے نازل کی گئی ہیں اور مؤمنین بھی ایمان لائے ہیں۔ سب کے سب اللہ پر، اللہ کے فرشتوں پر، اللہ کی کتابوں پر اور اللہ کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں۔

اس آیت سے واضح ہے کہ مُنَزَّل من اللہ امور پر رسول بھی ایمان لاتے ہیں اور مومنین بھی ایمان لاتے ہیں۔ ہاں البتہ کیفیت میں اختلاف ضرور ہے۔

مومنین کا اعمال کے اعتبار سے باہم متفاوت ہونا بھی مسلَّم ہے۔ اعمال کی بنیاد معرفت اور اخلاص پر ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور عبادت میں اخلاص سب سے زیادہ انبیاء و رسل علیہم السلام کو حاصل ہوتا ہے، اس لیے انبیاء علیہم السلام کی عبادت کا مقام تمام امت کی عبادت سے زیادہ ہوتا ہے اس کے بعد درجہ بدرجہ امت کے افراد کی اعمال کے اعتبار سے ایک دوسرے پر فضیلت ہوتی ہے۔

اشکال:

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا موقف ہے کہ ایمان نہ بڑھتا ہے، نہ کم ہوتا ہے حالانکہ قرآن کریم کی آیات اور روایات سے ایمان میں کمی زیادتی ثابت ہوتی ہے۔ مثلاً

1: فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّ هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ

سورۃ التوبۃ:124

ترجمہ: جو لوگ ایمان والے ہیں یہ (آیات) ان کا ایمان بڑھاتی ہیں اور اہلِ ایمان (ان کے نزول پر) خوش ہوتے ہیں۔

2: وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً ۙ وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۙ لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا

سورۃ المدثر:31

ترجمہ: ہم نے جہنم کے داروغے فرشتوں کو مقرر کیا ہے اور ہم نے ان کی تعداد کافروں کی آزمائش ہی کے لیے بنائی ہے تاکہ اہلِ کتاب اچھی طرح یقین کر لیں اور جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کے ایمان میں اضافہ ہو جائے۔

3: امام ابو بکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ البیہقی (ت 458ھ) نقل کرتے ہیں:

عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ: "اجْلِسُوا بِنَا نَزْدَدْ إِيمَانًا"

شعب الایمان للبیہقی: ج1 ص73 رقم الحدیث 45

ترجمہ: حضرت علقمہ کہتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ہمیں فرمایا: آؤ! ہمارے ساتھ بیٹھو تاکہ ہم ایمان میں اضافہ کریں۔

جواب:

امام صاحب کے موقف کا مطلب یہ ہے کہ ایمان کی کمیت یعنی ایمانیات میں کمی زیادتی نہیں ہوتی اور قرآن کریم اور بعض روایات سے جو زیادتی ثابت ہو رہی ہے اس سے ایمان کی کیفیت میں زیادتی ہونا مراد ہے۔

اشکال:

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا

سورۃ البقرۃ:137

ترجمہ: اگر یہ لوگ بھی اسی طرح ایمان لائیں جس طرح آپ (یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم) ایمان لائے ہیں تو یہ لوگ ہدایت یاب ہو جائیں گے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسا ایمان لانا بعد کے لوگوں کے بس میں نہیں۔ اس لیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو صحبتِ نبوت حاصل تھی۔ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی پردہ فرما گئے اور قیامت تک کوئی نیا نبی بھی نہیں آئے گا۔ اس لیے اب صحبتِ نبوت ممکن نہیں۔ لہذا اب صحابہ جیسا ایمان تو ممکن نہیں۔ جب صحابہ رضی اللہ عنہم کے ایمان جیسا ایمان ہمارے اختیار میں ہی نہیں تو اس کا معنی یہ ہوا کہ اب ہمیں ہدایت بھی نہیں مل سکتی۔ یہ تو تکلیف مالا یطاق ہے یعنی انسان کو ایسی چیز کا مکلف بنایا جا رہا ہے جو اس کے اختیار میں نہیں ہے۔

جواب:

مثل کی دو قسمیں ہیں: مثل بالکیف اور مثل بالکم۔

مثل بالکیف:

ایک چیز کیفیت میں دوسری چیز کے برابر ہو۔ مثلاً خون کا سرخ ہونا کیفیت میں پھول کی سرخی کی مثل ہے۔ دھوپ کی گرمائش کیفیت میں آگ کی گرمائش کی مثل ہے۔

مثل بالکم:

ایک چیز مقدار میں دوسری چیز کے برابر ہو۔ مثلاً ایک لٹر دودھ مقدار میں

ایک لٹر پٹرول کی مثل ہوتا ہے۔ ایک کلو گھی مقدار میں ایک کلو گندم کی مثل ہوتا ہے۔ ایک درجن گائے مقدار میں ایک درجن بکریوں کی مثل ہیں۔

معترض کے ذہن میں مثل سے مراد مثل بالکیف ہے اسی لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان جیسا ایمان لانے کو محال سمجھ رہا ہے جبکہ قرآن کریم میں مثل سے مراد مثل بالکیف نہیں بلکہ مثل بالکم ہے اور مراد ایمانیات ہیں۔ اب آیت کا معنی یہ ہوگا کہ اگر تمہاری ایمانی کمیت صحابہ کی ایمانی کمیت جیسی ہو یعنی جن جن چیزوں پر صحابہ کرام ایمان لائے ہیں ان ان چیزوں پر تم ایمان لاؤ گے تو ہدایت یافتہ ہو جاؤ گے اور اگر ان میں سے ایک چیز بھی چھوڑ دو گے تو تمہارا ایمان قبول نہیں ہو گا۔ اب اس معنی پر کوئی اشکال نہیں۔

فائدہ:

قرآن کریم میں مثل بالکم کی یہ مثال موجود ہے:

اَللّٰهُ الَّذِیۡ خَلَقَ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ وَّ مِنَ الۡاَرۡضِ مِثۡلَهُنَّ ؕ یَتَنَزَّلُ الۡاَمۡرُ بَیۡنَهُنَّ لِتَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ۬ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ قَدۡ اَحَاطَ بِکُلِّ شَیۡءٍ عِلۡمًا ٪

سورۃ الطلاق:12

ترجمہ: اللہ وہی ہے جس نے سات آسمان بنائے اور انہی کی مانند سات زمین بھی بنائیں، ان کے درمیان اللہ کا حکم نازل ہوتا ہے (یہ بیان اس لیے کیا جا رہا ہے) تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور اللہ تعالیٰ کا علم تمام چیزوں کو محیط ہے۔

اسلام اور ایمان میں مناسبت

وَالْإِسْلَامُ هُوَ التَّسْلِيمُ وَالانْقِيَادُ لِأَوَامِرِ اللهِ تَعَالٰى فَمِنْ طَرِيْقِ اللُّغَةِ فَرْقٌ بَيْنَ الْإِسْلَامِ وَالْإِيْمَانِ وَلٰكِنْ لَا يَكُوْنُ إِيْمَانٌ بِلَا إِسْلَامٍ وَلَا يُوْجَدُ إِسْلَامٌ بِلَا إِيْمَانٍ وَهُمَا كَالظَّهْرِ مَعَ الْبَطْنِ

ترجمہ: اسلام؛ اللہ تعالیٰ کے اوامر کو تسلیم کرنے اور ان کی اطاعت کرنے کا نام ہے۔ لغوی اعتبار سے تو اسلام اور ایمان میں فرق ہے لیکن ایمان؛ اسلام کے بغیر اور اسلام؛ ایمان کے بغیر نہیں پایا جا سکتا۔ ان کا آپس میں تعلق ایسے ہے جیسے پیٹھ اور پیٹ کا تعلق ہے (کہ ایک کا وجود دوسرے کے بغیر ممکن نہیں ہے)۔

"اسلام" کا لغوی معنی "تسلیم اور اطاعت کرنا" ہے جبکہ "ایمان" کا لغوی معنٰی "تصدیق" ہے۔ لغوی اعتبار سے دونوں میں فرق ہے۔ تصدیق کا محل "دل ہے" جس کی ترجمان زبان ہے جبکہ تسلیم اور اطاعت کا مفہوم عام ہے، یہ دل، زبان اور اعضاء وجوارح تینوں سے ممکن ہے۔

اسلام اور ایمان میں لغوی فرق:

اسلام اور ایمان میں لغت کے اعتبار سے فرق ہے۔ اس فرق پر کئی دلائل موجود ہیں۔

قرآن کریم میں ہے:

[1]: قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَ لٰكِنْ قُوْلُوْۤا اَسْلَمْنَا وَ لَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ

سورۃ الحجرات:14

ترجمہ: دیہاتی لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں۔ آپ فرما دیجیے کہ (تم ایمان ہرگز نہیں لائے ہو، ہاں) تم یہ کہہ سکتے ہو کہ ہم نے تسلیم کر لیا ہے، ایمان تو ابھی تمہارے دلوں میں داخل ہی نہیں ہوا۔

یہاں دیہاتی لوگوں کا اقرار باللسان یعنی اسلام تو موجود ہے لیکن ایمان یعنی تصدیق قلبی موجود نہیں۔

حدیث شریف میں ہے:

[2]: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلّٰى عَلَى الْجَنَازَةِ قَالَ: "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِيْرِنَا وَكَبِيْرِنَا وَذَكَرِنَا وَأُنْثَانَا. اَللّٰهُمَّ مَنْ أَحْيَيْتَهُ مِنَّا فَأَحْيِهِ عَلَى الْإِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّيْتَهُ مِنَّا فَتَوَفَّهُ عَلَى الْإِيْمَانِ."

سنن الترمذی: رقم الحدیث 1024

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز جنازہ پڑھتے تو یہ دعا کیا کرتے تھے: اے اللہ! ہمارے زندوں اور مردوں کو بخش دے، ہمارے حاضر اور غائب کو بخش دے، ہمارے چھوٹوں اور بڑوں کو بخش دے، ہمارے مردوں اور عورتوں کو بخش دے۔ اے اللہ! ہم میں سے جس کو زندہ رکھے تو اسلام پر زندہ رکھ اور جسے موت دے تو ایمان کی حالت میں موت دے۔

تو ایمان اور اسلام میں لغوی اعتبار سے تو فرق ہے لیکن حقیقت میں ایک ہیں۔ کیونکہ "ایمان" کا معنی ہے دل سے ماننا اور "اسلام" کا معنی ہے دل وجان سے سرِ تسلیم خم کرنا۔ مطلب دونوں کا ایک ہی ہے۔

اشکال:

ایمان تو بغیر اسلام کے ہو سکتا ہے جیسے فاسق شخص ہے۔ کیونکہ ایمان

تصدیق قلبی کا نام ہے اور اسلام ظاہری اعمال کا نام ہے۔ اس شخص کو تصدیق قلبی تو حاصل ہے لیکن اعمال صالحہ حاصل نہیں۔ جبکہ امام صاحب فرمارہے ہیں "لَا يَكُوْنُ إِيْمَانٌ بِلَا إِسْلَامٍ"

جواب:

اس سے مراد یہ ہے کہ کامل ایمان بغیر اسلام کے نہیں ہو سکتا۔ جس طرح ان احادیث مبارکہ میں ہے:

1: عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ."

صحیح البخاری: رقم الحدیث 15

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اسے اس کے والد، اولاد اور تمام لوگوں سے محبوب نہ ہو جاؤں۔

2: عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ.

صحیح البخاری: رقم الحدیث 13

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک اپنے بھائی کے لیے وہ چیز پسند نہ کرلے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

لفظ "دین" کا اطلاق

وَالدِّیْنُ اسْمٌ وَاقِعٌ عَلَی الْاِیْمَانِ وَالْاِسْلَامِ وَالشَّرَائِعِ کُلِّهَا

ترجمہ: "دین" ایسا لفظ ہے جو ایمان، اسلام اور تمام احکامِ شرعیہ پر صادق آتا ہے۔

لفظِ دین کی جامعیت:

"دین" ایک جامع لفظ ہے۔ جب لفظ "دین" بولا جاتا ہے تو اس سے یہ تینوں چیزیں مراد ہوتی ہیں:

1: ایمان... یعنی تصدیق

2: اسلام... یعنی تسلیم ورضا

3: شرائع... یعنی شریعت کاملہ

دلائل:

یہ بات اللہ تعالیٰ کے ان ارشادات سے ثابت ہوتی ہے:

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ

سورۃ آل عمران:19

ترجمہ: بے شک اللہ کے نزدیک پسندیدہ دین اسلام ہی ہے۔

وَ مَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَ هُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ

سورۃ آل عمران:85

ترجمہ: جو شخص اسلام کے علاوہ کوئی اور دین اختیار کرے گا تو وہ دین قبول نہیں کیا جائے گا اور یہ شخص آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں شمار ہو گا۔

فائدہ نمبر 1:

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت "وَالدِّيْنُ اسْمٌ وَاقِعٌ عَلَى الْإِيْمَانِ وَالْإِسْلَامِ وَالشَّرَائِعِ كُلِّهَا" میں "كُلِّهَا" کا تعلق صرف "الشَّرَائِعِ" کے ساتھ نہیں بلکہ ما قبل میں مذکور تمام چیزوں کے ساتھ ہے۔ یعنی دل سے قبول کرنے کا نام "ایمان" ہے، دل وجان سے تسلیم کرنے کا نام "اسلام" ہے اور عقائد واعمال کے مجموعے کا نام "شریعت" ہے اور ان تینوں پر لفظ "دین" کا اطلاق کیا جاتا ہے۔

فائدہ نمبر 2:

دین اسلام ہی برحق دین ہے، اس کے علاوہ کوئی دین قبول نہیں کیا جائے گا۔ آج یہودی اور عیسائی اپنے اپنے دین کی دعوت دیتے ہیں اور اسے برحق سمجھتے ہیں جبکہ ہم مسلمان دین اسلام کی دعوت دیتے ہیں جو یقیناً برحق ہے۔ کسی بھی دین کی دوسرے ادیان پر ترجیح اور فوقیت ثابت کرنے کے لیے چار باتوں کو دیکھا جائے گا۔ جو دین ان چار باتوں پر پورا اترے تو وہی قابل قبول اور سب کے لیے لائق عمل ہوگا اور اسی کی دعوت دینا بھی درست ہوگا۔ وہ چار باتیں یہ ہیں:

دین کی فوقیت اور ترجیح کی چار شرائط:

(1): اس دین کے نبی کا اعلان ہو کہ میں سب کا نبی ہوں، اس لیے میرا کلمہ پڑھو!

اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی کا کلمہ نجات کے لیے پڑھا جاتا ہے۔ اگر بروز قیامت اعمال میں کوتاہی کی وجہ سے عذاب جہنم کا خدشہ ہو تو شفاعت وہی نبی کرے گا جس کے کہنے پر انسان نے کلمہ پڑھا ہو۔ ایسا نہ ہو کہ انسان شفاعت کی امید رکھے اور وہ نبی کہے کہ میں نے تو تمہارے لیے نبوت کا اعلان ہی نہیں کیا تھا بلکہ میری نبوت کا دائرہ تو محدود تھا۔

یہود و نصاریٰ کے نبی کا دائرہ محدود تھا جو خاص قوم اور مخصوص علاقوں پر مشتمل تھا لیکن ہمارے پیغمبر کا دائرہ نبوت محدود نہیں بلکہ ہمارے نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت تمام لوگوں کے لیے عام ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلان ہے کہ میں سب کا نبی ہوں۔

قُلْ يَاأَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا

سورۃ الاعراف:158

ترجمہ: (اے پیغمبر) کہہ دیجیے! اے لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: فُضِّلْتُ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ ؛ أُعْطِيتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ طَهُوْرًا وَمَسْجِدًا وَأُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً وَخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّونَ."

صحیح مسلم: رقم الحدیث 1195

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے چھ اعزازات دے کر دیگر انبیاء علیہم السلام پر فضیلت دی گئی: (۱) مجھے جوامع الکلم دیے گئے (۲) رعب عطا فرما کے میری مدد کی گئی (۳) مال غنیمت کو میرے لیے حلال کیا گیا (۴) پوری زمین کو میرے لیے "طَهُوْر" یعنی پاک کرنے کا ذریعہ بنا دیا گیا (۵) پوری زمین کو میرے لیے سجدہ گاہ بنا دیا گیا اور (۶) مجھے پوری مخلوق کا نبی بنا دیا گیا۔ ان تمام اعزازات کی وجہ یہ ہے کہ مجھے آخری نبی بنایا گیا ہے۔

اس حدیث مبارک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ایک اعزاز "پوری مخلوق کا نبی" ہونا ارشاد فرمایا ہے۔

(2): اس نبی کا اعلان ہو کہ میں آخری نبی ہوں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگ ایک نبی کا کلمہ پڑھ لیں اور دوسرا نبی آجائے تو اب لامحالہ دوسرے نبی کا کلمہ پڑھنا پڑے گا۔ تو جب تک وہ نبی آخری نہ ہو یہ خدشہ بہر حال رہے گا کہ اس نبی کی تعلیمات منسوخ ہوتی ہیں یا باقی رہتی ہیں! اس لیے آج کے دور میں اس نبی کو دیکھیں جو آخری ہو تا کہ یہ خدشہ ہی ختم ہو جائے اور ایسا نبی صرف ہمارے نبی پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا

الاحزاب:40

ترجمہ: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والے ہیں۔

عَنْ ثَوْبَانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَلْحَقَ قَبَائِلُ مِنْ أُمَّتِي بِالْمُشْرِكِينَ، وَحَتّٰى يَعْبُدُوا الْأَوْثَانَ، وَإِنَّهُ سَيَكُونُ فِي أُمَّتِي ثَلَاثُونَ كَذَّابُونَ كُلُّهُمْ يَزْعُمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ لَا نَبِيَّ بَعْدِي."

سنن الترمذی: رقم الحدیث 2219

ترجمہ: حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہو گی جب تک کہ میری امت کے کچھ لوگ مشرکین سے نہ جا ملیں اور بتوں کی پرستش نہ شروع کریں۔ میرے بعد تیس جھوٹے لوگ آئیں گے جن میں سے ہر ایک کا یہی دعویٰ ہو گا کہ وہ اللہ کا نبی ہے حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں، میرے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہو گا۔

(3): اس نبی کی نبوت پر دلیل آج بھی موجود ہو۔

اس کی وجہ یہ ہے کسی نبی کو ماننے کے لیے دلیل چاہیے تاکہ ثابت ہو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا گیا ہے۔ جس نبی کی نبوت پر دلیل آج بھی موجود ہے وہ ہمارے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور دلیل نبوت قرآن مجید ہے۔

وَ اِنۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ رَيۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰى عَبۡدِنَا فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ مِّنۡ مِّثۡلِهٖ ۖ وَ ادۡعُوۡا شُهَدَآءَكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ

سورۃ البقرۃ:23

ترجمہ: اگر تم اس قرآن کے بارے میں ذرا بھی شک میں ہو جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے تو اس جیسی کوئی ایک سورت بنا لاؤ اور اگر سچے ہو تو اللہ کے سوا اپنے سارے مددگار بلا لو۔

جب امت قرآن مجید کی مثل لانے سے عاجز ہے تو یہ دلیل ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے اور نبی کی سچائی پر دلیل ہے۔ کیونکہ ضابطہ ہے کہ جس چیز کی مثل انسان نہ بنا سکیں تو وہ چیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔

(4): اس نبی کی تعلیمات آج بھی موجود ہوں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی پر ایمان لایا جاتا ہے تاکہ نبی کی لائی ہوئی شریعت پر نبی کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق عمل کر سکیں۔ جب نبی کی لائی ہوئی تعلیمات اور ان کے مطابق اس نبی کا طریقہ ہی موجود نہ ہو تو اس نبی کا کلمہ پڑھنے والا شخص عمل کیسے کرے گا؟ اور آج اگر کسی نبی کی تعلیمات ہیں تو وہ صرف ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

ان چار باتوں سے معلوم ہوا کہ آج دین اسلام ہی برحق دین ہے۔

معرفت وعبادتِ باری تعالیٰ

نَعْرِفُ اللّٰہَ تَعَالیٰ حَقَّ مَعْرِفَتِہٖ کَمَا وَصَفَ نَفْسَہٗ فِیْ کِتَابِہٖ بِجَمِیْعِ صِفَاتِہٖ وَلَیْسَ یَقْدِرُ أَحَدٌ أَنْ یَعْبُدَ اللّٰہَ حَقَّ عِبَادَتِہٖ کَمَا ھُوَ أَھْلٌ لَہٗ وَلٰکِنَّہٗ یَعْبُدُہٗ بِأَمْرِہٖ کَمَا أَمَرَہٗ بِکِتَابِہٖ وَسُنَّۃِ نَبِیِّہٖ.

ترجمہ: ہم اللہ تعالیٰ کو پہچانتے ہیں جیسا کہ اسے پہچاننا چاہیے (اور پہچانتے بھی بالکل اسی طرح ہیں) جس طرح اس نے اپنی کتاب (قرآن کریم) میں اپنی ذات کو تمام تر صفات کے ساتھ بیان فرمایا ہے لیکن کوئی بھی شخص ٹھیک اسی طرح سے اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کر سکتا جس طرح کی عبادت اس کی شان کے لائق ہے البتہ انسان اللہ تعالیٰ کی عبادت اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس طرح کرتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب (قرآن مجید) اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے ذریعے بیان فرمایا ہے۔

قَوْلُہٗ: نَعْرِفُ اللّٰہَ تَعَالیٰ حَقَّ مَعْرِفَتِہٖ کَمَا وَصَفَ نَفْسَہٗ فِیْ کِتَابِہٖ بِجَمِیْعِ صِفَاتِہٖ.

ترجمہ: ہم اللہ تعالیٰ کو پہچانتے ہیں جیسا کہ اسے پہچاننا چاہیے (اور پہچانتے بھی بالکل اسی طرح ہیں) جس طرح اس نے اپنی کتاب (قرآن کریم) میں اپنی ذات کو تمام تر صفات کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی معرفت کا صحیح طریقہ یہی ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کو ٹھیک اسی طرح جانے اور مانے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو صفات کے ساتھ قرآن مجید میں بیان فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات دو قسم کی ہیں۔ بعض صفات ثبوتیہ ہیں اور بعض سلبیہ۔

صفاتِ ثبوتیہ:

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ

سورۃ البقرۃ:20

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

وَ اللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ

سورۃ البقرۃ:224

ترجمہ: اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

هُوَۚ اَلۡحَىُّ الۡقَيُّوۡمُ

سورۃ البقرۃ:255

ترجمہ: وہ (اللہ) زندہ اور تھامنے والا ہے۔

بعض صفاتِ سلبیہ:

لَا تَاۡخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوۡمٌ

سورۃ البقرۃ:255

ترجمہ: اسے نہ اونگھ آتی ہے نہ نیند۔

وَ اَنَّ اللّٰهَ لَيۡسَ بِظَلَّامٍ لِّلۡعَبِيۡدِ

سورۃ آل عمران:182

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم نہیں کرتے۔

وَ مَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا

سورۃ مریم:64

ترجمہ: اور آپ کا رب بھولنے والا نہیں۔

تو صحیح معرفت یہی ہے کہ جو صفات ثبوتیہ ہیں اللہ تعالیٰ کو ان کے ساتھ

متصف مانا جائے اور جو صفات سلبیہ ہیں ان کی اللہ تعالیٰ کی ذات سے نفی کی جائے۔ بالفاظ دیگر کمالات کو ثابت مانا جائے اور جو نقائص ہیں ان کی نفی کی جائے۔

سوال: علامہ محمد عبد الرؤف بن تاج العارفین ابن علی مناوی القاہری (ت 1031ھ) لکھتے ہیں:

وَفِي الْخَبَرِ سُبْحَانَكَ مَا عَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ.

فیض القدیر شرح الجامع الصغیر للمناوی: ج2 ص520 تحت رقم الحدیث 2170

ترجمہ: "بعض آثار میں یہ مقولہ منقول ہے کہ اے اللہ! ہم آپ کو اس طرح نہیں پہچان سکتے جس طرح آپ کے پہچاننے کا حق ہے۔" جبکہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرما رہے ہیں کہ "نَعْرِفُ اللهَ تَعَالٰى حَقَّ مَعْرِفَتِهٖ" کہ ہم اللہ تعالیٰ کو اسی طرح پہچانتے ہیں جیسا کہ اسے پہچاننا چاہیے۔ دونوں میں بظاہر تضاد ہے۔

جواب: دونوں میں کوئی تضاد نہیں۔ اس لیے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح اپنی ذات کو صفات سے متصف فرما کر بیان فرمایا ہے ہم بھی اسے ان صفات کے ساتھ متصف مانتے ہیں، نہ ان صفات کا حتمی معنی بیان کرتے ہیں کیونکہ ہمارا علم ناقص ہے، نہ ان میں تشبیہ کے قائل ہیں، نہ ہی تعطیل کے۔ بعض عارفین کے قول کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کی حقیقت کا ادراک مخلوق کے بس میں نہیں ہے اور یہ بات اپنی جگہ درست ہے۔ اس لیے دونوں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔

ملا علی بن سلطان محمد القاری الھروی الحنفی (ت 1014ھ) لکھتے ہیں:

أَمَّا قَوْلُ مَنْ قَالَ: "مَا عَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ"، فَمَبْنِيٌّ عَلٰى أَنَّ إِدْرَاكَ الذَّاتِ وَالْإِحَاطَةَ بِكُنْهِ الصِّفَاتِ لَيْسَ فِيْ قُدْرَةِ الْمَخْلُوْقَاتِ.

شرح الفقہ الاکبر للقاری: 267

ترجمہ: بعض لوگوں کا جو قول ہے "اے اللہ! ہم آپ کو اس طرح نہیں پہچان سکتے جس طرح آپ کے پہچاننے کا حق ہے" تو اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اللہ تعالیٰ کی صفات کی حقیقت کا احاطہ کرنا مخلوق کے اختیار میں نہیں ہے۔

قَوْلُهٗ: وَلَيْسَ يَقْدِرُ أَحَدٌ أَنْ يَعْبُدَ اللهَ حَقَّ عِبَادَتِهٖ كَمَا هُوَ أَهْلٌ لَهٗ وَلٰكِنَّهٗ يَعْبُدُهٗ بِأَمْرِهٖ كَمَا أَمَرَهٗ بِكِتَابِهٖ وَسُنَّةِ نَبِيِّهٖ.

ترجمہ: کوئی بھی شخص ٹھیک اسی طرح سے اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کر سکتا جس طرح کی عبادت اس کی شان کے لائق ہے البتہ انسان اللہ تعالیٰ کی عبادت اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس طرح کرتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب (قرآن مجید) اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے ذریعے بیان فرمایا ہے۔

"عبادت" دراصل اللہ تعالیٰ کی ایسی تعظیم و تکریم کرنے کا نام ہے جو اس کی شان و شوکت، عظمت اور کبریائی کے لائق ہو۔ اللہ تعالیٰ کی شان، عظمت اور کبریائی کی کوئی انتہا نہیں اس لیے بندے کے بس میں ہی نہیں کہ وہ ایسی عبادت سرانجام دے سکے جو اللہ تعالیٰ کی تعظیم و تکریم کا حق ادا کرے۔

امام ابو الحسن مسلم بن حجاج القشیری النیشاپوری (ت 261ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: فَقَدْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً مِنَ الْفِرَاشِ فَالْتَمَسْتُهٗ فَوَقَعَتْ يَدِي عَلٰى بَطْنِ قَدَمَيْهِ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ وَهُمَا مَنْصُوبَتَانِ وَهُوَ يَقُولُ: "اَللّٰهُمَّ أَعُوذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوبَتِكَ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْكَ لَا أُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ."

صحیح مسلم: رقم الحدیث 486

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، فرماتی ہیں کہ ایک رات میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بستر پر نہ پایا تو میں آپ کو ڈھونڈنے لگی۔ تو (ڈھونڈتے

ہوئے) میرا ہاتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں مبارک پر لگا، آپ اس وقت مسجد میں موجود تھے۔ آپ نے اپنے پاؤں مبارک [حالتِ سجدہ میں] کھڑے کیے ہوئے تھے اور یہ دعا فرما رہے تھے: اے اللہ! میں تیرے غصہ سے تیری خوشی کی پناہ میں آتا ہوں، تیری سزا سے تیری معافی کی پناہ میں آتا ہوں اور میں تجھ سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور میں تیری حمد وثنا ایسی نہیں کر سکتا جیسی تو نے خود اپنی حمد وثنا بیان کی ہے۔

اسی طرح امام محمد بن اسماعیل البخاری (ت256ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "لَنْ يُدْخِلَ أَحَدًا عَمَلُهُ الْجَنَّةَ." قَالُوا: وَلَا أَنْتَ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: "لَا وَلَا أَنَا إِلَّا أَنْ يَتَغَمَّدَنِي اللهُ بِفَضْلٍ وَرَحْمَةٍ."

صحیح البخاری: رقم الحدیث 5673

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: کسی شخص کو محض اس کے اعمال جنت میں نہیں لے جا سکتے! صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا آپ بھی؟ (یعنی آپ بھی محض اپنے اعمال کی بدولت جنت میں نہ جائیں گے؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: نہیں! میں بھی نہیں، ہاں اگر اللہ اپنا فضل وکرم فرما دے تو الگ بات ہے۔

فائدہ: محض اعمال کے پیشِ نظر نجات نہ ملنا اس بات کی دلیل ہے کہ اعمال انسانی بساط کے مطابق سر انجام دیے جاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حق ادا کرنے سے قاصر ہیں۔ اسی وجہ سے تو نجات کے لیے اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت کی ضرورت پڑتی ہے۔ باقی انسان عبادت اس لیے کرتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے جو اس نے قرآن مجید میں اور اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے امت کو دیا ہے، اس حکم کی تعمیل میں انسان خدا کی عبادت کرتا ہے۔

مؤمنین کے ایمان میں یکسانیت کا بیان

وَيَسْتَوِي الْمُؤْمِنُوْنَ كُلُّهُمْ فِي الْمَعْرِفَةِ وَالْيَقِيْنِ وَالتَّوَكُّلِ وَالْمَحَبَّةِ وَالرِّضَاءِ وَالْخَوْفِ وَالرَّجَاءِ وَالْإِيْمَانِ فِيْ ذٰلِكَ وَيَتَفَاوَتُوْنَ فِيْمَا دُوْنَ الْإِيْمَانِ فِيْ ذٰلِكَ كُلِّهٖ.

ترجمہ: تمام مؤمنین اللہ تعالیٰ کی معرفت، اس پر یقین و توکل، اس کی محبت و رضا مندی، اس سے ڈرنے اور پُر امید ہونے اور ان تمام امور پر ایمان لانے میں برابر ہیں البتہ ایمان کے علاوہ باقی امور میں (مختلف اعتبارات سے) ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے مومنین کا تعلق مختلف جہات سے ہے۔ ان میں معرفت و یقین، توکل، محبت، رضامندی، خوف، امید اور ان امور پر ایمان لانا شامل ہیں۔ ان امور میں کمیت کے اعتبار سے تو مومنین برابر ہیں البتہ کیفیات میں باہمی تفاوت موجود ہے۔ بعض مومنین کاملین کو اللہ تعالیٰ کی معرفت ویقین اعلیٰ درجہ کی حاصل ہو گی اور بعض افراد کو یہ معرفت ادنی درجہ کی حاصل ہو گی۔ بعض افراد کا اللہ تعالیٰ پر توکل اعلیٰ درجہ کا ہو گا اور بعض کا کم درجہ کا، یہی حال دیگر امور کا ہے۔ خلاصہ یہ کہ ان امور میں کمیت کے اعتبار سے تو برابری ہے لیکن کیفیات کے اعتبار سے کمی بیشی ہے۔ اس پر کچھ گفتگو ما قبل میں ہو چکی ہے۔

فائدہ: متن میں مذکورہ امور (معرفت و یقین، توکل، محبت، رضامندی، خوف، امید) کی دو قسمیں ہیں: عقلی اور طبعی۔ شریعت میں یہ امور عقلی درجہ میں مطلوب ہیں نہ کہ طبعی درجہ میں کیونکہ بسا اوقات انسان پر یہ امور طبعی درجے میں غالب آ جاتے ہیں لیکن جب طبیعت اور عقل کا تقابل ہو تا ہے تو انسان عقل کو ترجیح دیتا ہے۔ اس لیے مطلوبِ شریعت طبعی امور ہوئے۔

فضل وعدلِ باری تعالیٰ

وَاللّٰهُ تَعَالٰى مُتَفَضِّلٌ عَلٰى عِبَادِهٖ عَادِلٌ قَدْ يُعْطِيْ مِنَ الثَّوَابِ أَضْعَافَ مَا يَسْتَوْجِبُهُ الْعَبْدُ تَفَضُّلًا مِنْهُ وَقَدْ يُعَاقِبُ عَلَى الذَّنْبِ عَدْلًا مِنْهُ وَقَدْ يَعْفُوْ فَضْلًا مِنْهُ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر فضل واحسان کرنے والے اور ان کے ساتھ عدل و انصاف کا معاملہ کرنے والے ہیں۔ کبھی اپنا فضل و کرم فرماتے ہوئے بندے کو اس کے استحقاق سے کئی گنا زیادہ ثواب عطا فرماتے ہیں اور کبھی عدل کے پیشِ نظر اسے اس کے گناہ کی سزا دیتے ہیں اور کبھی تو اس کے گناہ کو فضل فرماتے ہوئے معاف بھی کر دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے ساتھ کبھی فضل کا معاملہ فرماتے ہیں اور کبھی عدل کا۔ بندہ اپنے اعمال کے سبب ایک مخصوص اجر کا مستحق ہوتا ہے لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس کے مقررہ اجر سے بھی زیادہ سے نوازتے ہیں۔ بندہ کبھی نافرمانی کرتے کرتے مخصوص سزا کا مستحق قرار پاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اس جرم کے بقدر سزا دیتے ہیں جو بتقاضائے عدل ہے۔ اس کے جرم سے بڑھ کر اسے سزا نہیں دیتے۔ کبھی گناہ گار بندے پر بھی اپنے فضل و احسان کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے معاف بھی فرما دیتے ہیں۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ

سورۃ البقرۃ:261

ترجمہ: ان لوگوں کی مثال جو اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان (کے

مال) کی مثال ایک دانے کی سی ہے جس سے سات بالیاں نکلیں، ہر بالی میں سو دانے ہوں، اسی طرح اللہ جس کے عمل کو چاہتا ہے بڑھاتا ہے۔ اللہ وسعت والے جاننے والے ہیں۔

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ

سورۃ الشوری:30

ترجمہ: تمہیں جو مصیبت بھی پہنچتی ہے تو وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی کے سبب ہی پہنچتی ہے، اللہ تو تمہاری کئی خطاؤں سے درگزر فرماتا ہے۔

شفاعتِ انبیاء علیہم السلام کا بیان

وَشَفَاعَةُ الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ حَقٌّ وَشَفَاعَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ الْمُذْنِبِيْنَ وَلِأَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْهُمُ الْمُسْتَوْجَبِيْنَ الْعِقَابَ حَقٌّ ثَابِتٌ.

ترجمہ: انبیاء علیہم السلام کا شفاعت کرنا برحق ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گناہگار مؤمنین اور کبائر کا ارتکاب کر کے سزا کا مستحق قرار پانے والوں کی شفاعت کرنا بھی برحق ہے اور ثابت شدہ ہے۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا اپنی اپنی امتوں کی شفاعت کرنا برحق ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی امت کے گناہگاروں اور مرتکبین کبیرہ کی شفاعت کرنا بھی برحق ہے۔ شفاعت کا عقیدہ قرآن اور احادیث سے ثابت ہے۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری (ت 256ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:

"مَنۡ قَالَ حِينَ يَسۡمَعُ النِّدَاءَ اللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعۡوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلَاةِ الۡقَائِمَةِ آتِ مُحَمَّدًا الۡوَسِيلَةَ وَالۡفَضِيلَةَ وَابۡعَثۡهُ مَقَامًا مَحۡمُودًا الَّذِي وَعَدۡتَهٗ حَلَّتۡ لَهٗ شَفَاعَتِي يَوۡمَ الۡقِيَامَةِ."

صحیح البخاری: رقم الحدیث 614

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اذان سننے کے بعد یہ دعا پڑھی تو قیامت کے دن اس کے لیے میری شفاعت واجب ہو گئی۔ (دعا کا ترجمہ یہ ہے) اے اللہ! اے اس دعوتِ کاملہ اور اس کھڑی ہونے والی نماز کے رب! تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو وسیلہ اور فضیلت عطا فرما اور انہیں اس مقام محمود پر پہنچا دے جس کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے۔"

فائدہ نمبر 1: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو شفاعت فرمائیں گے وہ آٹھ قسم کی ہے:

1: شفاعت کبریٰ: یہ تمام لوگوں کے لیے ہو گی۔ یہ شفاعت اس وقت ہو گی جب حساب کتاب کے انتظار کا ہیبت ناک منظر ہو گا اور لوگ بہت پریشان ہوں گے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سفارش فرمائیں گے تو حساب کتاب شروع ہو جائے گا۔

2: حساب کتاب میں سہولت کیے جانے کی شفاعت۔

3: بلا حساب کتاب جنت میں داخلے کی شفاعت۔

4: بعض جنتیوں کے درجات کی بلندی کی شفاعت۔

5: جن کی نیکیاں اور گناہ برابر ہوں گے (یعنی اصحابِ اعراف) ان کے جنت میں داخلے کی شفاعت۔

6: جہنم میں داخل ہو جانے والے گناہگاروں کے لیے جہنم سے نکلنے اور جنت

میں داخلے کی شفاعت۔

7: جن کے متعلق جہنم کا فیصلہ ہو چکا ہو گا (لیکن ابھی تک جہنم میں داخل نہ ہوئے ہوں گے) ان کے لیے جنت میں داخلہ کی شفاعت۔

8: جو عذاب کے مستحق ہو چکے ان کے عذاب میں تخفیف کی شفاعت۔

فائدہ نمبر 2: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے علاوہ علماء، شہداء، حفاظ قرآن، نابالغ بچے، قرآن، روزہ وغیرہ بھی قیامت کے دن شفاعت کریں گے۔

☼ امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجۃ (ت 273ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَشْفَعُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثَلَاثَةٌ: أَلْأَنْبِيَاءُ ثُمَّ الْعُلَمَاءُ ثُمَّ الشُّهَدَاءُ.

سنن ابن ماجۃ: رقم الحدیث 4313

ترجمہ: حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن تین گروہ شفاعت کریں گے؛ انبیاء، علماء اور پھر شہداء۔

☼ امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی (ت 279ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ وَاسْتَظْهَرَهُ فَأَحَلَّ حَلَالَهُ وَحَرَّمَ حَرَامَهُ أَدْخَلَهُ اللهُ بِهِ الْجَنَّةَ وَشَفَّعَهُ فِيْ عَشَرَةٍ مِنْ أَهْلِ بَيْتِهِ كُلُّهُمْ قَدْ وَجَبَتْ لَهُ النَّارُ".

سنن الترمذی: رقم الحدیث 2905

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے قرآن مجید کو پڑھا اور اس کو حفظ کیا، اس کے حلال کو حلال جانا

اور اس کے حرام کو حرام جانا تو اللہ تعالیٰ اس شخص کو جنت میں داخل فرما دیں گے اور اس کے گھرانے میں سے ایسے دس آدمیوں کے بارے میں اس (حافظ قرآن) کی سفارش کو قبول فرمائیں گے جن کے لیے جہنم واجب ہو چکی ہو گی۔

☼ امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی (ت 279ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: "مَنْ كَانَ لَهُ فَرَطَانِ مِنْ أُمَّتِيْ أَدْخَلَهُ اللهُ بِهِمَا الْجَنَّةَ". فَقَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: فَمَنْ كَانَ لَهُ فَرَطٌ مِنْ أُمَّتِكَ؟ قَالَ: "وَمَنْ كَانَ لَهُ فَرَطٌ يَا مُوَفَّقَةُ!" قَالَتْ: فَمَنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ فَرَطٌ مِنْ أُمَّتِكَ؟ قَالَ: "فَأَنَا فَرَطُ أُمَّتِيْ لَنْ يُصَابُوْا بِمِثْلِيْ.

سنن الترمذی: رقم الحدیث 1062

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: میری امت میں سے جس شخص کے دو پیش رَو ہو گئے (یعنی دو بچے بچپن میں ہی فوت ہو گئے) تو اللہ تعالیٰ ان کی بدولت اس شخص کو جنت میں داخل فرمائیں گے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: آپ کی امت میں سے جس کا ایک پیش رَو ہو تو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے نیک بخت عورت! اس کو وہ ایک پیش رو ہی جنت میں لے جائے گا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے پھر عرض کیا: جس شخص کا کوئی پیش رَو نہ ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کا کوئی پیش رَو نہیں ہو گا تو اس کا پیش رو میں ہوں گا کیونکہ میری امت کو میری جدائی سے بڑھ کر کوئی رنج اور صدمہ نہیں پہنچا۔

☼ امام ابو عبد اللہ احمد بن حنبل البغدادی (ت 241ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَلصِّيَامُ

وَالْقُرْآنُ يَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَقُولُ الصِّيَامُ أَيْ رَبِّ مَنَعْتُهُ الطَّعَامَ وَالشَّهَوَاتِ بِالنَّهَارِ فَشَفِّعْنِي فِيهِ وَيَقُولُ الْقُرْآنُ مَنَعْتُهُ النَّوْمَ بِاللَّيْلِ فَشَفِّعْنِي فِيهِ قَالَ: فَيُشَفَّعَانِ.

مسند احمد: ج6 ص188 رقم الحدیث 6626

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: روزہ اور قرآن قیامت کے دن بندے کی سفارش کریں گے۔ روزہ کہے گا کہ اے رب! میں نے اس بندے کو دن کے وقت کھانے پینے اور خواہشات سے روکا ہے، اس لیے اس کے حق میں میری شفاعت کو قبول فرما، اور قرآن کہے گا کہ میں نے اسے رات کے وقت نیند سے روکے رکھا، اس لیے اس کے حق میں میری شفاعت قبول فرما۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان دونوں کی سفارش قبول کی جائے گی۔

ترازو کے ذریعے اعمال کا وزن ہونا

وَوَزْنُ الْأَعْمَالِ بِالْمِيزَانِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَقٌّ

ترجمہ: قیامت کے دن اعمال کا ترازو کے وزن کیا جانا برحق ہے۔

فائدہ نمبر 1: ترازو کو "میزان" کہتے ہیں۔ قیامت کے دن وزن کا اعمال کیا جانا یقینی ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ

سورۃ الاعراف: 8

ترجمہ: قیامت کے دن اعمال کا وزن ہونا برحق ہے۔ جن کے ترازو کے پلڑے

بھاری ہوں گے تو وہی لوگ کامیاب ہوں گے۔

وَ نَضَعُ الْمَوَازِیْنَ الْقِسْطَ لِیَوْمِ الْقِیٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَیْئًا ؕ وَ اِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَیْنَا بِهَا ؕ وَ كَفٰى بِنَا حٰسِبِیْنَ

سورۃ الانبیاء:47

ترجمہ: اور ہم قیامت کے دن ایسے ترازو قائم کریں گے جو سراپا انصاف ہوں گے۔ کسی پر کوئی ظلم نہیں ہو گا اور اگر کوئی عمل رائی کے دانے کے برابر بھی ہو گا تو ہم اسے بھی سامنے لے آئیں گے اور حساب لینے کے لیے ہم کافی ہیں۔

فائدہ نمبر2: میزان کی جمع "موازین" ہے۔ راجح قول کے مطابق اعمال کو تولنے کے لیے ایک ہی ترازو ہو گا لیکن وہ اتنا بڑا ہو گا کہ اس کے بڑے پن کو بیان کرنے کے لیے اسے جمع لا کر "موازین" بھی کہہ دیا جائے تو بھی درست ہے۔ گویا ایک ہی ترازو کو "موازین" کہنا عظمت اور بڑے پن کی وجہ سے ہے نہ کے تعدد کی وجہ سے۔ حافظ ابو الفضل شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی الشافعی (ت852ھ) لکھتے ہیں:

وَالَّذِی یَتَرَجَّحُ أَنَّهٗ مِیزَانٌ وَاحِدٌ.

فتح الباری شرح صحیح البخاری: ج13 ص659 تحت رقم الحدیث 7563

ترجمہ: راجح یہی ہے کہ قیامت کے دن اعمال کو تولنے والا ترازو ایک ہی ہو گا۔

فائدہ نمبر3: قیامت کے دن اعمال کو صرف گنا نہیں جائے گا بلکہ تولا بھی جائے گا۔ اس لیے اعمال کے وزن کی بنیاد حسنِ نیت ہو گی۔ جس شخص کے اعمال حسن نیت سے معمور ہوں گے اس کا میزان بھی بھاری ہو گا اور جس شخص کے اعمال ریا اور عجب کا شکار ہوں گے تو اس کا میزان ہلکا اور بے وزن ہو گا۔ اسی لیے قرآن کریم میں ہے:

اِلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَ الْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا

سورۃ الملک:2

ترجمہ: وہی ذات ہے جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہیں جانچے کہ کس کے اعمال اچھے ہیں۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے ”اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا“ نہیں فرمایا کہ کس کے اعمال زیادہ ہیں بلکہ " اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا " فرمایا کہ کس کے اعمال اچھے ہیں۔ حسنِ عمل؛ حسنِ نیت سے ہی معرضِ وجود میں آتا ہے۔ اس لیے اعمال سرانجام دیتے وقت حسنِ نیت کو بطورِ خاص ملحوظ رکھنا چاہیے۔

فائدہ نمبر 4: نبی کا عمل مقدار کے اعتبار سے بظاہر کم بھی ہو تب بھی وزن کے اعتبار سے امت کے تمام اعمال سے بڑھ جاتا ہے۔ اس لیے کہ قیامت کے دن اعمال کو گنا نہیں جائے گا بلکہ ان کا وزن کیا جائے گا۔ وزن کی بنیاد تواضع، خشوع و خضوع، حسنِ نیت اور اخلاص پر ہو گی۔ تنہا پیغمبر کا عمل جس تواضع، خشوع و خضوع، حسنِ نیت اور اخلاص کے ساتھ ہوتا ہے پوری امت کے اعمال جمع ہو کر بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

حوض کوثر

وَحَوْضُ النَّبِیِّ عَلَیْہِ الصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ حَقٌّ

ترجمہ: نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حوض (کوثر) برحق ہے۔

اس حوض سے مراد حوض کوثر ہے۔ ”کوثر“ جنت میں ایک نہر کا نام ہے۔ اس نہر سے دو پرنالے اس تالاب میں گرتے ہیں۔ اس حوض کی لمبائی ایک مہینے کی

مسافت کے برابر ہے۔ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے۔ اس حوض پر پانی پینے کے برتنوں کی تعداد ستاروں کی تعداد سے بھی زیادہ ہو گی۔ بدعتی آدمی وہاں سے پانی نہیں پی سکے گا۔

☼ عَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! مَا آنِيَةُ الْحَوْضِ؟ قَالَ: وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَآنِيَتُهٗ أَكْثَرُ مِنْ عَدَدِ نُجُوْمِ السَّمَآءِ وَكَوَاكِبِهَا أَلَا فِي اللَّيْلَةِ الْمُظْلِمَةِ الْمُصْحِيَةِ آنِيَةُ الْجَنَّةِ مَنْ شَرِبَ مِنْهَا لَمْ يَظْمَأْ آخِرَ مَا عَلَيْهِ يَشْخَبُ فِيْهِ مِيْزَابَانِ مِنَ الْجَنَّةِ مَنْ شَرِبَ مِنْهُ لَمْ يَظْمَأْ عَرْضُهٗ مِثْلُ طُوْلِهٖ مَا بَيْنَ عَمَّانَ إِلٰى أَيْلَةَ مَاؤُهٗ أَشَدُّ بَيَاضًا مِنَ اللَّبَنِ وَأَحْلٰى مِنَ الْعَسَلِ.

صحیح مسلم: رقم الحدیث 2300

ترجمہ: حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: اے اللہ کے رسول! حوض کوثر کے برتنوں کی تعداد کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں مجھ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے، اس حوضِ کوثر کے برتنوں کی تعداد آسمان کے ستاروں اور سیاروں کی تعداد سے بھی زیادہ ہے اور ستارے بھی وہ ہوں جو ایسی کالی سیاہ رات میں ہوں جس میں بادل وغیرہ نہ ہو (یعنی گھٹاٹوپ رات میں چونکہ ستارے زیادہ واضح نظر آتے ہیں تو برتنوں کی تعداد ان سے بھی زیادہ ہو گی) جو شخص اس حوض سے ایک بار پانی پی لے گا تو اسے کبھی پیاس نہیں ستائے گی۔ اس حوض میں جنت کے دو پرنالے گرتے ہیں۔ جو شخص اس حوض سے پانی پی لے گا تو وہ کبھی پیاسا نہیں ہو گا۔ اس حوض کی لمبائی اس کی چوڑائی کے برابر ہے یعنی جتنا عمّان سے لے کر ایلہ تک کا درمیانی فاصلہ ہے۔ نیز اس حوض کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے۔

عَمان: اس شہر کے بارے میں علامہ یحییٰ بن شرف النووی (ت676ھ) لکھتے ہیں:

وَأَمَّا "عَمَّانُ" فَبِفَتْحِ الْعَيْنِ وَتَشْدِيْدِ الْمِيْمِ، وَهِيَ بَلْدَةٌ بِالْبَلْقَاءِ مِنَ الشَّامِ.

شرح مسلم للنووی: ج2 ص251 تحت رقم الحدیث 2300

ترجمہ: عَمان؛ شام کے علاقہ "بلقاء" کا ایک شہر ہے۔

"اَیلہ": اس شہر کے بارے میں امام ابو القاسم عبد الکریم بن محمد الرافعی القزوینی (ت623ھ) لکھتے ہیں:

وَاَيْلَةُ مَدِيْنَةٌ مِنْ بِلَادِ الشَّامِ عَلٰى سَاحِلِ الْبَحْرِ.

التدوین فی اخبار القزوین: ص142

ترجمہ: "اَیلہ" شام کے ساحلی علاقوں میں ایک شہر کا نام ہے۔

احادیث مبارکہ میں حوض کوثر کی لمبائی کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف شہروں اور علاقوں کا نام لے کر فاصلہ بتایا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ فاصلہ اندازاً مراد ہے۔ عمومی طور پر فاصلہ آدھا ماہ، اس سے کچھ کم یا زیادہ مسافت پر مشتمل ہے۔

حافظ ابو الفضل شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی الشافعی (ت852ھ) لکھتے ہیں:

وَهٰذِهِ الْمَسَافَاتُ مُتَقَارِبَةٌ وَكُلُّهَا تَرْجِعُ إِلٰى نَحْوِ نِصْفِ شَهْرٍ أَوْ تَزِيدُ عَلٰى ذٰلِكَ قَلِيْلًا أَوْ تَنْقُصُ.

فتح الباری شرح صحیح البخاری: ج11 ص471 تحت رقم الحدیث 6208

ترجمہ: احادیث میں بیان کیے گئے یہ فاصلے ایک دوسرے سے قریب قریب ہیں اور یہ آدھا ماہ، اس سے کم یا کچھ زیادہ مسافت پر مشتمل ہیں۔

☼ امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری (ت256ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "أَنَا فَرَطُكُمْ

عَلَى الْحَوْضِ وَلَيُرْفَعَنَّ مَعِيَ رِجَالٌ مِنْكُمْ ثُمَّ لَيُخْتَلَجُنَّ دُونِيْ فَأَقُولُ يَا رَبِّ! أَصْحَابِي فَيُقَالُ إِنَّكَ لَا تَدْرِيْ مَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ".

صحیح البخاری: رقم الحدیث 6576

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں حوض کوثر پر تمہارا منتظر رہوں گا۔ کچھ لوگ میرے سامنے لائے جائیں گے پھر انہیں مجھ سے دور کر دیا جائے گا تو میں کہوں گا: اے میرے رب! یہ تو میری امت کے لوگ ہیں۔ تو مجھ سے کہا جائے گا کہ آپ کو پتہ نہیں کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا بدعات گھڑی تھیں۔

اس لیے انسان کو چاہیے کہ سنت پر عمل پیرا رہے اور بدعات سے اجتناب کرتا رہے تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حوض کوثر سے سیراب ہونے کا شرف حاصل ہو سکے۔

قصاص برحق ہے

وَالْقِصَاصُ فِيمَا بَيْنَ الْخُصُوْمِ بِالْحَسَنَاتِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَقٌّ وَإِنْ لَمْ تَكُنْ لَهُمُ الْحَسَنَاتُ فَطَرْحُ السَّيِّئَاتِ عَلَيْهِمْ حَقٌّ جَائِزٌ.

ترجمہ: دنیا میں جھگڑا کرنے والوں کا قیامت کے دن فیصلہ کرتے وقت نیکیوں کے ذریعے (ظالم کے ظلم کا) بدلہ چکایا جانا برحق ہے۔ اگر ان (ظالموں) کی نیکیاں نہ ہوں تو دوسروں (مظلوموں) کے گناہ کا ان پر ڈالا جانا بھی برحق اور ثابت شدہ ہے۔

قیامت کے دن ظالموں سے ان کے ظلم کا بدلہ لیا جائے گا۔ اگر دنیا میں کسی نے دوسرے پر ظلم کیا ہو گا تو قیامت کے دن ان کے درمیان فیصلہ یوں ہو گا کہ ظالم

کی نیکیاں مظلوم کے پلڑے میں ڈال دی جائیں گی اور اگر ظالم ایسا گنہگار ہوا کہ اس کی نیکیاں ہی نہ ہوں تو مظلوم کے گناہوں کو اس ظالم کے پلڑے میں ڈال دیا جائے گا۔

امام ابو الحسن مسلم بن حجاج القشیری النیشاپوری (ت 261ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَتَدْرُونَ مَا الْمُفْلِسُ؟ قَالُوا: الْمُفْلِسُ فِينَا مَنْ لَا دِرْهَمَ لَهُ وَلَا مَتَاعَ، فَقَالَ: إِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ أُمَّتِي يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِصَلَاةٍ، وَصِيَامٍ، وَزَكَاةٍ، وَيَأْتِي قَدْ شَتَمَ هٰذَا، وَقَذَفَ هٰذَا، وَأَكَلَ مَالَ هٰذَا، وَسَفَكَ دَمَ هٰذَا، وَضَرَبَ هٰذَا، فَيُعْطٰى هٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ، وَهٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ، فَإِنْ فَنِيَتْ حَسَنَاتُهُ قَبْلَ أَنْ يُقْضٰى مَا عَلَيْهِ أُخِذَ مِنْ خَطَايَاهُمْ فَطُرِحَتْ عَلَيْهِ، ثُمَّ طُرِحَ فِي النَّارِ.

صحیح مسلم: رقم الحدیث 2581

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار پوچھا: کیا تم لوگ جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ہمارے ہاں تو مفلس وہ شخص شمار ہوتا ہے جس کے پاس نہ تو پیسہ ہو اور نہ کوئی سامان ہو! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری امت کا مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن بہت سی نمازیں، روزے، زکوٰۃ لے کر آئے گا لیکن اس کا حال یہ ہوگا کہ اس نے کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر تہمت لگائی ہوگی، کسی کا ناحق مال کھایا ہوگا، کسی کا ناحق خون بہایا ہوگا اور کسی کو مارا پیٹا ہوگا۔ تو اس کی نیکیوں میں سے ایک حق والے کو نیکیاں دی جائیں گی۔ اس کے بعد دوسروں کے حقوق چکائے جانے سے پہلے پہلے اگر اس کی ساری نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو اگر حقداروں اور مظلوموں کے کوئی گناہ ہوں گے تو وہ ان سے لے کر اس شخص پر ڈال دیے جائیں گے اور پھر اس کو جہنم کی آگ میں پھینک دیا جائے گا۔

جنت اور جہنم کا فنا نہ ہونا

وَالْجَنَّةُ وَالنَّارُ مَخْلُوْقَتَانِ الْيَوْمَ لَا تَفْنِيَانِ أَبَدًا.

ترجمہ: جنت اور جہنم پیدا کی جا چکی ہیں جو آج بھی موجود ہیں، یہ کبھی فنا نہیں ہوں گی۔

جنت و جہنم کے پیدا ہو جانے اور کبھی فنا نہ ہونے پر ماقبل میں دلائل مع اشکالات وجوابات بیان ہو چکے ہیں۔ وہیں ملاحظہ کر لیے جائیں۔

فائدہ:

جنت آسمانوں میں ہے اور جہنم زمین کے نیچے ہے۔

☼ امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری (ت 256ھ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ فِي الْجَنَّةِ مِائَةَ دَرَجَةٍ أَعَدَّهَا اللهُ لِلْمُجَاهِدِينَ فِي سَبِيلِهِ كُلُّ دَرَجَتَيْنِ مَا بَيْنَهُمَا كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ فَإِذَا سَأَلْتُمُ اللهَ فَسَلُوهُ الْفِرْدَوْسَ فَإِنَّهُ أَوْسَطُ الْجَنَّةِ وَأَعْلَى الْجَنَّةِ وَفَوْقَهُ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ وَمِنْهُ تَفَجَّرُ أَنْهَارُ الْجَنَّةِ.

صحیح البخاری: رقم الحدیث 7423

ترجمہ: جنت کے ایک سو درجات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے مجاہدین فی سبیل اللہ کے لیے تیار کیے ہیں۔ ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان اور زمین کے برابر ہے۔ اس لیے جب تم اللہ سے جنت مانگو تو جنت الفردوس مانگا کرو! کیونکہ یہ جنت کا بہترین اور بلند ترین حصہ ہے۔ اس کے اوپر اللہ تعالیٰ کا عرش ہے اور اسی سے جنت کی نہریں نکلتی ہیں۔

☼ قاضی ثناء اللہ پانی پتی (ت 1225ھ) آیت "يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا (سورۃ النحل:111) کی تفسیر میں ایک روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ مُعَاذٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مِنْ اَيْنَ يُجَاءُ بِجَهَنَّمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ قَالَ: " يُجَاءُ بِهَا مِنَ الْأَرْضِ السَّابِعَةِ، لَهَا اَلْفُ زِمَامٍ، لِكُلِّ زِمَامٍ سَبْعُوْنَ أَلْفَ مَلَكٍ تُسَبِّحُ فَإِذَا كَانَتْ مِنَ الْعِبَادِ مَسِيْرَةَ اَلْفِ سَنَةٍ زَفَرَتْ زَفْرَةً فَلَا يَبْقٰى مَلَكٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِيٌّ مُرْسَلٌ، إِلَّا جَثٰى عَلٰى رُكْبَتَيْهِ يَقُوْلُ: رَبِّ! نَفْسِيْ نَفْسِيْ.

التفسیر المظہری: ج5 ص383

ترجمہ: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ قیامت کے دن جہنم کو کہاں سے لایا جائے گا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جہنم کو ساتویں زمین سے لایا جائے گا، اس وقت جہنم کی ایک ہزار لگامیں ہوں گی اور ہر لگام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے جو تسبیح کر رہے ہوں گے۔ جب بندوں تک پہنچنے میں ایک ہزار سال کا فاصلہ رہ جائے گا تو جہنم بپھر پڑے گی۔ اس وقت کوئی بھی مقرب فرشتہ اور نبی مرسل نہ ہو گا جو گھٹنوں کے بل بیٹھ نفسی نفسی نہ کہہ رہا ہو۔

☼ حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں؛

وَإِنَّ الْجَنَّةَ فِي السَّمَاءِ، وَإِنَّ النَّارَ فِي الْأَرْضِ.

المستدرک علی الصحیحین: ج4 ص612 رقم الحدیث 8698

ترجمہ: جنت آسمان میں ہے اور جہنم زمین کے نیچے ہے۔

حورِ عین کا فنا نہ ہونا

لَا تَمُوْتُ الْحُوْرُ الْعِیْنُ.

ترجمہ: حورِ عین پر بھی موت نہیں آئے گی۔

”حورِ عین“ کا معنی ایسی عورت ہے جس کی آنکھوں میں سفیدی نہایت سفید اور سیاہی نہایت سیاہ ہو۔ نیک مومن کو اللہ تعالیٰ جنت کا داخلہ عطا فرمائیں گے تو اس کا نکاح حورِ عین سے کر دیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ زَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِیْنٍ

سورۃ الدخان:54

ترجمہ: اور ہم ان (جنتیوں) کا نکاح بڑی بڑی آنکھوں والی سفید عورتوں سے کروا دیں گے۔

وَ حُوْرٌ عِیْنٌ (۲۲) كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ (۲۳) جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ

سورۃ الواقعۃ:22 تا 24

ترجمہ: (اہل جنت کے لیے) بڑی بڑی آنکھوں والی سفید عورتیں ہوں گی جیسے چھپا کر رکھا ہوا موتی ہو۔ یہ ان کے اعمال کا بدلہ ہے۔

حورِ عین ہمیشہ ہمیشہ رہے گی۔ کیوں کہ جنت اور جنت کی چیزیں دائمی ہیں اس لیے حورِ عین کو بھی موت نہیں آئے گی۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی (ت 279ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ فِي الْجَنَّةِ لَمُجْتَمَعًا لِلْحُورِ الْعِينِ يُرَفِّعْنَ بِأَصْوَاتٍ لَمْ يَسْمَعِ الْخَلَائِقُ مِثْلَهَا"، قَالَ: "

یَقُلْنَ: نَحْنُ الخَالِدَاتُ فَلَا نَبِيدُ، وَنَحْنُ النَّاعِمَاتُ فَلَا نَبْأَسُ، وَنَحْنُ الرَّاضِيَاتُ فَلَا نَسْخَطُ، طُوبَى لِمَنْ كَانَ لَنَا وَكُنَّا لَهُ"

سنن الترمذی: رقم الحدیث 2564

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں حور عین کے لیے ایک محفل سجائی جائے گی۔ اس میں وہ ایسی آواز میں اپنا نغمہ سنائے گی کہ مخلوق نے ایسی آواز کبھی نہیں سنی ہو گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید ارشاد فرمایا: حور عین کہیں گی کہ ہم ہمیشہ رہنے والی ہیں، ہم کبھی فنا نہیں ہوں گی۔ ہم ناز ونعمت والی ہیں، ہم کبھی محتاج نہیں ہوں گی۔ ہم خوش رہنے والی ہیں، ہم کبھی ناراض نہیں ہوں گی۔ خوش خبری اور مبارک ہو اس شخص کے لیے جو ہمارے لیے بنا ہے اور ہم اس کے لیے بنی ہیں۔

اس حدیث میں "نَحْنُ الخَالِدَاتُ فَلَا نَبِيدُ" کے الفاظ سے حور عین کا ہمیشہ رہنا ثابت ہوتا ہے۔

فائدہ نمبر 1:

قرآن کریم میں حورانِ جنت کی درج ذیل صفات ذکر کی گئی ہیں:

(1،2): پاکیزہ بیویاں، ہمیشہ رہنے والی

وَلَهُمْ فِيهَآ أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙ وَّهُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ

سورۃ البقرۃ: 25

ترجمہ: ان (جنتیوں) کے لیے جنت میں پاکیزہ بیویاں ہوں گی اور وہ جنت میں ہمیشہ رہیں گے۔

(3،4،5): نگاہیں نیچی رکھنے والی، بڑی بڑی آنکھوں والی، چھپائے ہوئے انڈوں کی مانند

وَ عِنۡدَهُمۡ قٰصِرٰتُ الطَّرۡفِ عِیۡنٌ كَاَنَّهُنَّ بَیۡضٌ مَّكۡنُوۡنٌ

سورۃ الصافات:48،49

ترجمہ: ان جنتیوں کے پاس نگاہیں نیچی رکھنے والی، بڑی بڑی آنکھوں والی عورتیں ہوں گی گویا کہ وہ چھپا کر رکھے ہوئے انڈے ہیں۔

(6): جن وانس سے محفوظ

فِیۡهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرۡفِ ۙ لَمۡ یَطۡمِثۡهُنَّ اِنۡسٌ قَبۡلَهُمۡ وَ لَا جَآنٌّ

سورۃ الرحمٰن:56

ترجمہ: انہی عورتوں میں نگاہیں نیچی رکھنے والی ہوں گی جنہیں پہلے کسی جن نے چھوا ہو گا نہ انسان نے۔

(7،8): مثل یاقوت، مثل مرجان

كَاَنَّهُنَّ الۡیَاقُوۡتُ وَ الۡمَرۡجَانُ

سورۃ الرحمٰن:58

ترجمہ: گویا وہ (عورتیں) یاقوت اور مرجان ہیں۔

(9،10): بہترین، خوبصورت

فِیۡهِنَّ خَیۡرٰتٌ حِسَانٌ

سورۃ الرحمٰن:70

ترجمہ: انہی عورتوں میں بہترین اور خوبصورت بھی ہوں گی۔

(11،12): گوری رنگت والی، خیموں میں پردہ نشین

حُوۡرٌ مَّقۡصُوۡرٰتٌ فِی الۡخِیَامِ

سورۃ الرحمٰن:72

ترجمہ: گوری رنگت والی عورتیں خیموں میں پردہ نشین ہوں گی

(13) محفوظ موتیوں کی مانند

وَ حُوْرٌ عِيْنٌ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ

سورۃ الواقعۃ:23

ترجمہ: وہ عورتیں گوری رنگت والی، بڑی بڑی آنکھوں والی ہوں گی جیسے چھپے ہوئے موتی۔

(15،14) نوخیز، ہم عمر

وَّ كَوَاعِبَ اَتْرَابًا

سورۃ النباء:33

ترجمہ: (جنتی عورتیں) نوخیز اور ہم عمر ہوں گی۔

فائدہ نمبر 2:

مردوں کو جنت میں حوریں ملیں گی تو عورتوں کو کیا ملے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ایسی عورتیں جن کے خاوند ہوں گے تو وہ اپنے خاوندوں کے ساتھ ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ انہیں نئی جوانی عطا فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا عُرُبًا اَتْرَابًا

سورۃ الواقعۃ:35 تا 37

ترجمہ: ہم ان کی بیویوں کو ایک خاص شان سے بنائیں گے اور انہیں کنواریاں بنادیں گے جو خاوندوں سے محبت کرنے والی اور ہم عمر ہوں گی۔

اور اگر کسی خاتون کی دنیا میں شادی نہیں ہوئی ہو گی تو جنت میں اس کا نکاح دنیا کے کسی مرد سے فرمادیں گے۔

تنبیہ:

قرآن کریم میں ”حور“ کا لفظ مونث ہی کے لیے استعمال ہوا ہے، اس لیے یہ کہنا کہ ”عورتوں کو حور ملے گی جو مذکر ہو گا“ درست نہیں!

1: وَ عِنۡدَهُمۡ قٰصِرٰتُ الطَّرۡفِ عِيۡنٌ كَاَنَّهُنَّ بَيۡضٌ مَّكۡنُوۡنٌ

سورۃ الصافات:48،49

ترجمہ: ان جنتیوں کے پاس نگاہیں نیچی رکھنے والی، بڑی بڑی آنکھوں والی عورتیں ہوں گی گویا کہ وہ چھپا کر رکھے ہوئے انڈے ہیں۔

ان آیات میں "قَاصِرَاتُ" اور "كَاَنَّهُنَّ" مونث ہی کے لیے مستعمل ہیں۔

2: فِيۡهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرۡفِ ۙ لَمۡ يَطۡمِثۡهُنَّ اِنۡسٌ قَبۡلَهُمۡ وَلَا جَآنٌّ

سورۃ الرحمٰن:56

ترجمہ: انہی عورتوں میں نگاہیں نیچی رکھنے والی ہوں گی جنہیں پہلے کسی جن نے چھوا ہو گا نہ انسان نے۔

یہاں "قَاصِرَاتُ" اور "يَطۡمِثۡهُنَّ" کی ضمیر مونث۔

3: وَ حُوۡرٌ عِيۡنٌ كَاَمۡثَالِ اللُّؤۡلُؤِ الۡمَكۡنُوۡنِ

سورۃ الواقعۃ:23

ترجمہ: وہ عورتیں گوری رنگت والی، بڑی بڑی آنکھوں والی ہوں گی جیسے چھپے ہوئے موتی۔

اس آیت کی تفسیر میں امام محمد بن احمد بن محمد بن ابراہیم المحلی الشافعی (ت864ھ) لکھتے ہیں:

نِسَاءٌ شَدِيۡدَاتُ سَوَادِ الۡعُيُوۡنِ وَبَيَاضِهَا.

تفسیر الجلالین: ص714 طبع بیروت

ترجمہ: حوریں ایسی عورتیں ہیں جن کی آنکھیں سیاہ اور سفید ہیں (یعنی سیاہ حصہ انتہائی سیاہ اور سفید حصہ انتہائی سفید)

فائدہ نمبر 3:

دنیا کی عورتیں سردار ہوں گی اور جنت کی حوریں خادمہ ہوں گی۔ اس کی وجہ واضح ہے کہ دنیا کی عورت نے مشقت برداشت کی ہے، دین پر چلنا آسان نہیں لیکن اس نے اپنی خواہشات کو دبا کر اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی ہے۔ اس لیے جو مقام اس کا ہو گا وہ جنتی عورت کا نہیں ہو گا۔

☼ حافظ عماد الدین ابو الفداء اسماعیل بن خطیب ابی حفص عمر بن کثیر دمشقی شافعی (ت 774ھ) روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:

يَا رَسُولَ اللهِ! نِسَاءُ الدُّنْيَا أَفْضَلُ أَمِ الْحُورُ الْعِينِ؟ قَالَ: "بَلْ نِسَاءُ الدُّنْيَا أَفْضَلُ مِنَ الْحُورِ الْعِينِ كَفَضْلِ الظِّهَارَةِ عَلَى الْبِطَانَةِ". قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! وَبِمَ ذَاكَ؟ قَالَ: "بِصَلَاتِهِنَّ وَصِيَامِهِنَّ وَعِبَادَتِهِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ.

تفسیر القرآن الکریم لابن کثیر: ج7 ص532 تحت قولہ تعالیٰ "اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً" سورۃ الواقعۃ:35

ترجمہ: یارسول اللہ! دنیا کی عورت افضل ہو گی حور عین؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: دنیا کی عورت حور عین سے یوں افضل ہو گی جس طرح کسی چیز کا بیرونی حصہ اس کے اندرونی حصہ سے افضل ہوتا ہے۔ میں (حضرت ام سلمہ) نے عرض کیا: اس فضیلت کی وجہ کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: وجہ یہ ہے کہ یہ عورتیں نماز پڑھتی ہیں، روزہ رکھتی ہیں اور اللہ عزوجل کی عبادت کرتی ہیں۔

☼ امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی المالکی (ت 671ھ) لکھتے ہیں:

إِنَّ نِسَاءَ الدُّنْيَا مَنْ دَخَلَ مِنْهُنَّ الْجَنَّةَ فُضِّلْنَ عَلَى الْعِينِ بِمَا عَمِلْنَ فِي الدُّنْيَا.

التذکرۃ للقرطبی: ص555

ترجمہ: دنیا کی جو عورت جنت میں داخل ہو گی تو اسے حور عین پر فضیلت حاصل ہو گی کیونکہ اس نے دنیامیں نیک اعمال سرانجام دیے ہیں۔

سوال:

جنت کی تو تمام نعمتیں فنا نہیں ہوں گی پھر صرف "حور عین" ہی کے عدمِ فنا کا ذکر کیوں کیا ہے؟

جواب:

اس کی افضلیت و خصوصیت کے پیشِ نظر اس کا ذکر کیا ہے۔

سوال:

جنت میں ایک مرد کو کئی عورتیں ملیں گی لیکن ایک عورت کو کئی مرد نہیں ملیں گے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟

جواب:

جنت عزت کی جگہ ہے۔ مرد کے نکاح میں کئی عورتیں ہوں تو یہ اس کی عزت ہے لیکن ایک عورت کئی مردوں کے نکاح میں ہو تو یہ اس کی عزت نہیں بلکہ بے حرمتی ہے۔ عورت کی عزت اسی میں ہے کہ وہ ایک مرد کے پاس ہو۔

عذاب وثوابِ الٰہی کا ختم نہ ہونا

وَلَا یَفْنِیْ عِقَابُ اللّٰہِ تَعَالٰی وَلَا ثَوَابُہٗ سَرْمَدًا.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا عذاب (برائے کفار) اور ثواب (برائے مومنین) کبھی ختم نہیں ہو گا بلکہ ہمیشہ رہے گا۔

جہنم اور جہنم کا عذاب، اسی طرح جنت اور جنت کی نعمتیں کبھی ختم نہیں ہوں گی۔

1: اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ وَ الْمُشْرِکِیْنَ فِیْ نَارِ جَھَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا ؕ اُولٰٓئِکَ ھُمْ شَرُّ الْبَرِیَّۃِ ؕ

سورۃ البینۃ:6

ترجمہ: اہلِ کتاب اور مشرکین میں سے جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا تو وہ آگ میں ڈالے جائیں گے جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ مخلوق میں سے بدترین لوگ ہیں۔

2: وَ مَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ یُدْخِلْہُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا ؕ وَ ذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ

سورۃ النساء:13

ترجمہ: جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا تو اللہ اسے ایسے باغات میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، یہ لوگ ہمیشہ ان میں رہیں گے اور یہی بڑی کامیابی ہے۔

جہنم ہمیشہ رہے گی اور اس میں موجود لوگ بھی ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہیں گے۔ اسی طرح جنت بھی ہمیشہ رہے گی اور اس میں موجود جنتی بھی ہمیشہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے انعامات میں خوش وخرم رہیں گے۔

ہدایت وگمراہی کا فیصلہ

وَاللّٰہُ تَعَالٰی یَھْدِیْ مَنْ یَشَاءُ فَضْلًا مِنْہُ وَیُضِلُّ مَنْ یَشَاءُ عَدْلًا مِنْہُ وَإِضْلَالُہٗ خِذْلَانُہٗ وَتَفْسِیْرُ الْخِذْلَانِ أَنْ لَا یُوَفِّقَ الْعَبْدَ إِلٰی مَا یَرْضَاہُ عَنْہُ وَھُوَ عَدْلٌ مِنْہُ وَکَذَا عُقُوْبَۃُ الْمَخْذُوْلِ عَلَی الْمَعْصِیَۃِ.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنے فضل و کرم سے اسے ہدایت عطا فرمادے اور جسے چاہے اپنے قانونِ عدل کے مطابق اسے گمراہ کردے۔ اللہ تعالیٰ کے کسی بندے کو گمراہ کرنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ اس بندے کو اس کے حال پر چھوڑ دیتے ہیں۔ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اللہ اس بندے کو اپنی رضامندی والے کاموں کی توفیق نہیں دیتے اور ایسا کرنا اس کی طرف سے عین عدل ہے۔ اسی طرح ایسے شخص کو اس کے گناہ کی سزا دینا بھی عین عدل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بندوں کو پیدا کیا اور ان میں حق اور باطل پر چلنے کی طاقت بھی رکھ دی۔ بندوں کو یہ عقل و شعور دیا کہ وہ حق اور باطل کو سمجھیں اور اپنی صلاحیت کی وجہ سے بااختیار خود جس راہ پر چلنا چاہیں چل سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو مجبور محض نہیں بنایا۔ اگر بندہ مجبور محض ہوتا تو اس کے حق وباطل پر چلنے کا امتحان نہ ہوتا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت کا مل جانا اس کا انتہائی فضل و کرم ہے۔ ہدایت ملنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے میں ہدایت کی طرف میلان کے آثار دیکھتے ہیں تو اسے ایسے اسباب عطا فرماتے ہیں جن سے ہدایت کا ملنا آسان ہوجاتا ہے۔ اسے "توفیقِ الٰہی" کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتے ہیں اسے گمراہ کر دیتے ہیں۔ گمراہ کرنے کا معنی کہ بندہ جب حق کی طرف مائل ہی نہ ہو اور اس کا طبعی میلان گمراہی کی طرف ہی ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنی رضا والے کاموں کی توفیق نہیں دیتے۔ یہ عین عدل

ہے۔ کیونکہ بندے نے حق کی طرف آنے کا ارادہ ہی نہیں کیا تو اسے توفیق دینے کا کیا فائدہ؟ اللہ تعالیٰ کا ایسے بندے کو راہ ہدایت کی طرف آنے کی توفیق نہ دینا "خذلان" ہے۔

شیطان اور سلبِ ایمان

وَلَا يَجُوْزُ أَنْ نَقُوْلَ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَسْلُبُ الْإِيْمَانَ مِنَ الْعَبْدِ الْمُؤْمِنِ قَهْرًا وَجَبْرًا وَلٰكِنْ نَقُوْلُ الْعَبْدُ يَدَعُ الْإِيْمَانَ فَحِيْنَئِذٍ يَسْلُبُهُ مِنْهُ الشَّيْطَانُ

ترجمہ: ہمیں یہ کہنا درست نہیں کہ شیطان زور وزبردستی بندۂ مومن سے ایمان چھین لیتا ہے بلکہ ہم یوں کہیں گے کہ بندہ خود ایمان سے دستبردار ہو جاتا ہے تو اس وقت شیطان اس کا ایمان چھین لیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے شیطان کو یہ طاقت تو دی ہے کہ وہ بندہ مومن کے دلوں میں وسوسے ڈال سکے اور اسے راہِ راست سے ہٹانے کی کوشش کر سکے لیکن شیطان میں یہ طاقت نہیں کہ وہ جبراً اور قہراً بندے سے ایمان سلب کر سکے۔ وجہ یہ ہے کہ اگر شیطان میں یہ قوتِ قاہرہ مان لی جائے تو یہ خدائی اختیار ہے جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور میں نہیں۔ شیطان میں یہ اختیار ماننا عقیدہ توحید کے منافی ہے۔ ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ شیطان کے ورغلانے کی وجہ سے بندہ مومن اپنے اختیار سے ایمان کو چھوڑ بیٹھتا ہے، نتیجۃً شیطان اس کے ایمان کو اچک لیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ

سورۃ الاعراف:14 تا16

ترجمہ: ابلیس بولا کہ مجھے اس دن تک مہلت دے دیجیے جس دن لوگوں کو اٹھایا جائے گا۔ اللہ نے فرمایا: جا! تجھے مہلت دی جاتی ہے۔ ابلیس کہنے لگا کہ آپ نے مجھے گمراہ کر دیا ہے اب میں بھی آپ کے سیدھے راستے پر بیٹھ کر آپ کے بندوں کو گمراہ کروں گا۔

سوالاتِ منکر نکیر اور اعادۂ روح

وَسُؤَالُ مُنْكَرٍ وَنَكِيْرٍ حَقٌّ كَائِنٌ فِي الْقَبْرِ وَإِعَادَةُ الرُّوْحِ إِلَى الْجَسَدِ فِيْ قَبْرِهٖ حَقٌّ.

ترجمہ: منکر نکیر کا قبر میں سوال کرنا برحق ہے اور ایسا ہوتا ہے۔ قبر میں میت کے جسم میں روح کا لوٹایا جانا بھی برحق ہے۔

اس مقام پر آٹھ باتیں سمجھیں!

[1]: جب انسان پر موت آتی ہے تو اس کی روح نکل جاتی ہے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری صحابی کے جنازے میں گئے۔ جب قبرستان پہنچے تو قبر کی تیاری میں کچھ تاخیر تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں میت کے احوال بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

ثُمَّ يَجِيءُ مَلَكُ الْمَوْتِ عَلَيْهِ السَّلَام حَتّٰى يَجْلِسَ عِنْدَ رَأْسِهٖ فَيَقُوْلُ: أَيَّتُهَا النَّفْسُ الطَّيِّبَةُ! اخْرُجِي إِلٰى مَغْفِرَةٍ مِنَ اللهِ وَرِضْوَانٍ قَالَ فَتَخْرُجُ تَسِيلُ كَمَا تَسِيلُ الْقَطْرَةُ مِنْ فِي السِّقَاءِ فَيَأْخُذُهَا ... ثُمَّ يَجِيءُ مَلَكُ الْمَوْتِ حَتّٰى يَجْلِسَ عِنْدَ رَأْسِهٖ فَيَقُوْلُ: أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْخَبِيثَةُ! اخْرُجِي إِلٰى سَخَطٍ مِنَ اللهِ وَغَضَبٍ

قَالَ فَتُفَرَّقُ فِي جَسَدِهِ فَيَنْتَزِعُهَا كَمَا يُنْتَزَعُ السَّفُّودُ مِنَ الصُّوفِ الْمَبْلُولِ فَيَأْخُذُهَا.

مسند احمد: ج14 ص202 تا ص204 رقم الحدیث 18443

ترجمہ: (مسلمان کی وفات کے وقت) ملک الموت علیہ السلام اس کے سرہانے آکر بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے: اے پاکیزہ روح! اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور اس کی رضامندی کی طرف چلو! وہ روح اتنی آسانی سے نکل آتی ہے جیسے کسی مشک سے پانی کا قطرہ ٹپک آیا ہو... (اور کافر کی موت کے وقت) ملک الموت علیہ السلام اس کے سرہانے آکر بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے: اے خبیث روح! اللہ تعالیٰ کے غضب و قہر کی طرف چلو! اس کی روح جسم میں پھیل جاتی ہے (یعنی عذابِ الٰہی دیکھ کر پورے بدن میں چھپتی پھرتی ہے اور نکلنے سے ڈرتی ہے) تو ملک الموت اسے اس طرح کھینچ کر نکالتا ہے جس طرح لوہے کا کانٹا تر صوف میں ڈال کر کھینچا جاتا ہے (یعنی تر صوف سے لوہے کا کانٹا بڑی مشکل سے کھینچا جاتا ہے اور اس عمل کے دوران صوف کے کچھ اجزاء بھی اس لوہے کے کانٹے کے ساتھ لگ کر باہر آجاتے ہیں بالکل اسی طرح کافر کی روح سختی سے کھینچ کر باہر نکالی جاتی ہے۔)

[2]: اگر بندہ مومن ہو تو اس کی روح علیین میں اور اگر کافر ہو تو سجین میں چلی جاتی ہے جہاں اس کا نام لکھا جاتا ہے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حَتّٰى يُنْتَهٰى بِهِ إِلَى السَّمَاءِ السَّابِعَةِ فَيَقُولُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: اُكْتُبُوا كِتَابَ عَبْدِيْ فِيْ عِلِّيِّينَ... فَيَقُولُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: اُكْتُبُوا كِتَابَهٗ فِيْ سِجِّيْنٍ فِي الْأَرْضِ السُّفْلٰى.

مسند احمد: ج14 ص203 رقم الحدیث 18443

ترجمہ: (مؤمن کی) روح کو ساتویں آسمان تک پہنچا دیا جاتا ہے۔ اللہ عزوجل فرماتے ہیں کہ میرے بندے کا نام علیین میں درج کر دو.... (اور کافر کی روح جب آسمانوں کی طرف لائی جاتی ہے تو) اللہ عزوجل فرماتے ہیں کہ اس کا نام سجین میں درج کر دو جو ساتویں زمین میں ہے۔

[3]: علیین اور سجین میں نام لکھے جانے کے بعد روح کو جسم کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فَيَقُولُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: اكْتُبُوا كِتَابَ عَبْدِي فِي عِلِّيِّينَ وَأَعِيدُوهُ إِلَى الْأَرْضِ فَإِنِّي مِنْهَا خَلَقْتُهُمْ وَفِيهَا أُعِيدُهُمْ وَمِنْهَا أُخْرِجُهُمْ تَارَةً أُخْرَى، قَالَ: فَتُعَادُ رُوحُهُ فِي جَسَدِهِ .... فَيَقُولُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: اكْتُبُوا كِتَابَهُ فِي سِجِّينٍ فِي الْأَرْضِ السُّفْلَى فَتُطْرَحُ رُوحُهُ طَرْحًا.

مسند احمد: ج14 ص203 رقم الحدیث 18443

ترجمہ: اللہ عزوجل فرماتے ہیں کہ میرے بندے کا نام علیین میں درج کر دو اور اسے زمین کی طرف لوٹا دو کیونکہ میں نے اپنے بندوں کو اسی سے پیدا کیا ہے، اسی میں لوٹاؤں گا اور دوبارہ اسی سے نکالوں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اس بندۂ مؤمن کی روح اس کے جسم میں لوٹا دی جاتی ہے... (اور کافر کی روح جب آسمانوں کی طرف لائی جاتی ہے تو) اللہ عزوجل فرماتے ہیں کہ اس کا نام سجین میں درج کر دو جو ساتویں زمین کے نیچے ہے، پھر اس روح کو زمین کی طرف پھینک دیا جاتا ہے۔

اکابرین کے اقوال:

1: امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت الکوفی (ت 150ھ) فرماتے ہیں:

وَإِعَادَةُ الرُّوحِ إِلَى الْجَسَدِ فِي قَبْرِهِ حَقٌّ.

الفقہ الاکبر للامام الاعظم ابی حنیفۃ

ترجمہ: قبر میں میت کے جسم میں روح کا لوٹایا جانا بھی برحق ہے۔

2: امام احمد بن محمد بن حنبل البغدادی الشیبانی (ت 241ھ)

ابو الحسین محمد بن محمد ابن ابی یعلی الفراء البغدادی الحنبلی (ت 526ھ) نے امام مُسَدَّد بن مُسَرْهَد البصری رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں لکھا ہے کہ جب انہیں کچھ اشکالات ہوئے تو انہوں نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی طرف ایک خط لکھا کہ فتنہ قدر، رفض، اعتزال، خلق قرآن وغیرہ کے متعلق جو کچھ سنت سے ثابت ہے وہ لکھ بھیجیں تو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے ایک طویل خط لکھا۔ اس میں ایمانیات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَالْإِيْمَانُ بِمُنْكَرٍ وَنَكِيْرٍ وَعَذَابِ الْقَبْرِ وَالْإِيْمَانُ بِمَلَكِ الْمَوْتِ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنَّهُ يَقْبِضُ الْأَرْوَاحَ ثُمَّ تُرَدُّ فِي الْأَجْسَادِ فِي الْقُبُوْرِ فَيُسْأَلُوْنَ عَنِ الْإِيْمَانِ وَالتَّوْحِيْدِ.

طبقات الحنابلۃ لابی الحسین الفراء البغدادی الحنبلی: ج1ص344

ترجمہ: منکر نکیر کے سوالات کرنے پر ایمان لانا اور عذاب قبر پر ایمان لانا برحق ہے۔ اس بات پر بھی ایمان لانا ضروری ہے کہ ملک الموت علیہ السلام جانداروں کی ارواح قبض کرتا ہے، پھر ان ارواح کو قبر میں موجود جسموں میں لوٹایا جاتا ہے تاکہ ان سے ایمان اور توحید کے متعلق سوالات کیے جائیں۔

3: علامہ محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی (ت 676ھ) لکھتے ہیں:

ثُمَّ الْمُعَذَّبُ عِنْدَ أَهْلِ السُّنَّةِ الْجَسَدُ بِعَيْنِهِ أَوْ بَعْضِهِ بَعْدَ إِعَادَةِ الرُّوحِ إِلَيْهِ أَوْ إِلَى جُزْءٍ مِنْهُ.

شرح مسلم للنووی: ج2ص386

ترجمہ: اھل السنۃ کا موقف یہ ہے کہ پورے جسم میں یا جسم کے بعض حصے میں روح لوٹانے کے بعد عذاب یا تو پورے جسم کو ہوتا ہے یا جسم کے کچھ حصہ کو۔

4: علامہ تقی الدین احمد بن عبد الحلیم؛ ابن تیمیہ الحنبلی (ت 728ھ) لکھتے ہیں:

فَقَدْ صَرَّحَ الْحَدِيثُ بِإِعَادَةِ الرُّوحِ إِلَى الْجَسَدِ وَبِاخْتِلَافِ أَضْلَاعِهِ وَهٰذَا بَيِّنٌ فِي أَنَّ الْعَذَابَ عَلَى الرُّوحِ وَالْبَدَنِ مُجْتَمِعَيْنِ.

مجموع الفتاویٰ: ج4 ص151

ترجمہ: احادیث میں اس بات کی صراحت ہے کہ روح کو جسم کی طرف لوٹایا جاتا ہے اور (عذاب کے وقت) پسلیاں ایک دوسرے میں گھس جاتی ہیں۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ عذاب روح اور جسم کے مجموعے کو ہوتا ہے۔

5: حافظ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر المعروف ابن القیم الجوزیہ (ت 751ھ) لکھتے ہیں:

اَلْمَسْأَلَةُ السَّادِسَةُ وَهِيَ أَنَّ الرُّوحَ هَلْ تُعَادُ إِلَى الْمَيِّتِ فِي قَبْرِهِ وَقْتَ السُّؤَالِ أَمْ لَا؟ .... فَقَدْ كَفَانَا رَسُولُ اللهِ أَمْرَ هٰذِهِ الْمَسْئَلَةِ وَأَغْنَانَا عَنْ أَقْوَالِ النَّاسِ حَيْثُ صَرَّحَ بِإِعَادَةِ الرُّوحِ إِلَيْهِ.

کتاب الروح: ص48

ترجمہ: چھٹا مسئلہ یہ ہے کہ کیا قبر میں سوالات کے وقت روح کو میت کے جسم میں لوٹایا جاتا ہے یا نہیں؟ (جواب یہ ہے کہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسئلہ میں وضاحت فرما کر ہمیں لوگوں کے اقوال سے بے نیاز کر دیا ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحت کی ہے کہ جسم میں روح کو لوٹایا جاتا ہے۔

6: حافظ بدر الدین محمود بن احمد بن موسیٰ العینی الحنفی (ت 855ھ) لکھتے ہیں:

إِنَّ الْأَرْوَاحَ تُعَادُ إِلَى الْأَجْسَادِ عِنْدَ الْمَسْئَلَةِ وَهُوَ قَوْلُ الْأَكْثَرِ مِنْ أَهْلِ السُّنَّةِ.

عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری: ج12 ص30 باب قتل ابی جہل

ترجمہ: سوالات کے وقت روحوں کو جسموں میں لوٹایا جاتا ہے۔ یہی اکثر اھل السنۃ کا موقف ہے۔

7: علامہ سید محمود آلوسی بغدادی (ت1270ھ) فرماتے ہیں:

وَالْجُمْهُوْرُ عَلٰى عَوْدِ الرُّوْحِ إِلَى الْجَسَدِ أَوْ بَعْضِهٖ وَقْتَ السُّؤَالِ عَلٰى وَجْهٍ لَا يُحِسُّ بِهٖ أَهْلُ الدُّنْيَا إِلَّا مَنْ شَاءَ اللهُ تَعَالٰى.

تفسیر روح المعانی: ج21 ص57 تحت قولہ تعالیٰ "**فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى**" سورۃ الروم:52

ترجمہ: جمہور حضرات کا موقف یہ ہے کہ سوالات کے وقت پورے جسم میں یا جسم کے بعض حصے میں روح لوٹائی جاتی ہے لیکن دنیاوالوں کو اس کا احساس نہیں ہو پاتا الا یہ کہ اللہ تعالیٰ جسے دکھاناچاہے دکھا دیتا ہے۔

[4]: روح لوٹائے جانے کے بعد منکر نکیر اس سے سوالات کرتے ہیں۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فَتُعَادُ رُوحُهٗ فِي جَسَدِهٖ فَيَأْتِيهِ مَلَكَانِ فَيُجْلِسَانِهٖ فَيَقُولَانِ لَهٗ: مَنْ رَبُّكَ؟ فَيَقُولُ: رَبِّيَ اللهُ. فَيَقُولَانِ لَهٗ: مَا دِينُكَ؟ فَيَقُولُ: دِينِيَ الْإِسْلَامُ. فَيَقُولَانِ لَهٗ: مَا هٰذَا الرَّجُلُ الَّذِي بُعِثَ فِيكُمْ؟ فَيَقُولُ: هُوَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ... فَتُعَادُ رُوحُهٗ فِي جَسَدِهٖ وَيَأْتِيهِ مَلَكَانِ فَيُجْلِسَانِهٖ فَيَقُولَانِ لَهٗ: مَنْ رَبُّكَ؟ فَيَقُولُ: هَاهْ هَاهْ لَا أَدْرِي.

مسند احمد: ج14 ص202 رقم الحدیث 18443

ترجمہ: اس بندۂ مؤمن کی روح اس کے جسم میں لوٹا دی جاتی ہے۔ وہیں اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں، اسے بٹھاتے ہیں اور اس سے پوچھتے ہیں کہ تیرا دین کیا ہے؟ وہ جواب دیتا ہے: میرا دین اسلام ہے! پھر پوچھتے ہیں کہ جو شخص تم میں بھیجے گئے تھے

وہ کون تھے؟ بندہ جواب دیتا ہے: وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے... اس (کافر) کی روح اس کے جسم میں لوٹا دی جاتی ہے۔ پھر اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں، اسے بٹھاتے ہیں اور اس سے پوچھتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ تو وہ جواب دیتا ہے: ہائے ہائے! مجھے معلوم نہیں۔

[5]: سوالات وجوابات کے بعد مومن کی روح علیین میں اور کافر کی روح سجین میں پہنچادی جاتی ہے جیسا کہ حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی (ت 1362ھ) نے اس کی تصریح فرمائی ہے:

”یہ صریح ہے اس میں کہ اعادہ الی الارض منافی اس قرار فی الجنۃ کے نہیں یا تو اس طرح کہ اول یہ اعادہ ہوتا ہو پھر سوال نکیرین کے بعد عروج الی السماء ہوتا ہو اور یا اس طرح کہ یہ اعادہ اور قرار تو جنت میں ہو اور قبر میں اصل قرار نہ ہو۔ کچھ تعلق جسد سے ہو خواہ جسد اصلی حالت پر ہو یا مستحیل ہو گیا ہو اور یہ تعلق صرف اتنا ہو جس سے ادراک نِعم واَلم کا ہو سکے۔“

امداد الفتاویٰ: ج5 ص424

[6]: اس وقت کی حالت کو خواب اور نیند سے تعبیر کرتے ہیں۔

قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا

سورۃ یٰسین: 52

ترجمہ: وہ کہیں گے کہ ہمیں ہماری خواب گاہ سے کس نے بیدار کر دیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فَيَقُولَانِ نَمْ كَنَوْمَةِ الْعَرُوسِ الَّذِي لَا يُوقِظُهُ إِلَّا أَحَبُّ أَهْلِهِ إِلَيْهِ.

سنن الترمذی: رقم الحدیث 1071

ترجمہ: فرشتے کہتے ہیں: سو جا جیسے پہلی رات کی دلہن سوتی ہے، جسے گھر والوں میں

سے اس کا محبوب (یعنی خاوند) ہی بیدار کرتا ہے۔

[7]: مومن کی روح علیین میں اور کافر کی روح سجین میں پہنچانے کے بعد ان کا اتنا تعلق جسم کے ساتھ قائم کر دیا جاتا ہے جس سے میت کچھ راحت یا تکلیف محسوس کرتی ہے۔ اس پر علمائے امت کے حوالہ جات ملاحظہ ہوں:

ا: علامہ کمال الدین محمد بن عبد الواحد المعروف ابن الہمام (ت 681ھ) فرماتے ہیں:

أَنَّ الْمَيِّتَ الْمُعَذَّبَ فِيْ قَبْرِهٖ تُوْضَعُ فِيْهِ الْحَيَاةُ بِقَدْرِ مَا يَحِسُّ بِالْأَلَمِ.

فتح القدیر ج5 ص193 باب الیمین فی الضرب والقتل

ترجمہ: جس میت کو قبر میں عذاب دیا جاتا ہے تو اسے اتنی حیات دی جاتی ہے جس سے وہ دکھ کو محسوس کر سکے۔

۲: علامہ سعد الدین مسعود بن عمر بن عبد اللہ التفتازانی (ت 791ھ) فرماتے ہیں:

اِتَّفَقَ أَهْلُ الْحَقِّ عَلٰى اَنَّ اللهَ يُعِيْدُ اِلَى الْمَيِّتِ فِي الْقَبْرِ نَوْعَ حَيٰوةٍ قَدْرَ مَا يَتَأَلَّمُ وَيَتَلَذَّذُ وَيَشْهَدُ بِذٰلِكَ الْكِتَابُ وَالْأَخْبَارُ وَالْآثَارُ.

شرح المقاصد فی علم الکلام للتفتازانی: ج2 ص222

ترجمہ: اہل حق کا اس بات پہ اتفاق ہے کہ اللہ تعالی قبر میں میت کو اتنی حیات عطا فرماتا ہے جس سے وہ ثواب وعذاب کو محسوس کرتی ہے، اس عقیدہ پہ قرآنی آیات اور احادیث وآثار موجود ہیں۔

۳: سلطان المحدثین نور الدین علی بن سلطان المعروف ملا علی قاری (ت 1014ھ) فرماتے ہیں:

وَاعْلَمْ اَنَّ اَهْلَ الْحَقِّ اتَّفَقُوْا عَلٰى اَنَّ اللهَ يَخْلُقُ فِي الْمَيِّتِ نَوْعَ حَيَاةٍ فِي الْقَبْرِ قَدْرَ

مَا يَتَأَلَّمُ وَيَتَلَذَّذُ.

شرح الفقہ الاکبر: ص121

ترجمہ: اہل حق کا اس بات پہ اتفاق ہے کہ اللہ تعالی مرنے والے کو اتنی حیات عطا فرماتا ہے کہ اگر نیک ہو تو ثواب اور اگر گناہگار ہو تو عذاب کو محسوس کرتا ہے۔

۴: علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز بن احمد بن عبد الرحیم المعروف امام ابن عابدین شامی رحمہ اللہ (ت 1252ھ) فرماتے ہیں:

وَالْإِيلَامُ وَالْأَدَبُ لَا يَتَحَقَّقُ فِي الْمَيِّتِ وَلَا يَرِدُ تَعْذِيبُ الْمَيِّتِ فِي قَبْرِهِ لِأَنَّهُ تُوضَعُ فِيهِ الْحَيَاةُ عِنْدَ الْعَامَّةِ بِقَدْرِ مَا يَحِسُّ بِالْأَلَمِ.

رد المحتار: ج5 ص193 باب الیمین فی الضرب والقتل

ترجمہ: ایسا مارنا جس سے تکلیف ہو اور تادیب ہو یہ میت میں متحقق نہیں ہوتا۔ اس بناء پہ عذاب قبر کا انکار نہیں کرنا چاہیے اس لیے کہ اہل اسلام کے ہاں میت کو قبر میں اتنی حیات عطا کی جاتی ہے جس سے وہ دکھ کو محسوس کرتی ہے۔

نوٹ: اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں یہ تکلیف و تعذیب میت پر نظر نہیں آتی۔ اس کا معنی یہ نہیں کہ میت کو قبر میں عذاب ہی نہیں دیا جاتا۔ لہذا اس عبارت کی بنیاد پر عذاب قبر کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

[8]: قیامت کے دن روح کو جسم کے اندر لوٹا دیا جائے گا اور روح مع الجسد کو میدان میں کھڑا کر دیا جائے گا۔

وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ

سورۃ الحج: 7

ترجمہ: بے شک اللہ ان سب لوگوں کو (قیامت کے دن) اٹھا کھڑا کرے گا جو قبروں میں ہیں۔

فائدہ:

قبر میں سوالات امت سے ہوں گے، حضرات انبیاء علیہم السلام سے نہیں ہوں گے۔

دلائل: دلیل نمبر 1:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّكُمْ تُفْتَنُونَ فِي الْقُبُورِ.

صحیح البخاری: رقم الحدیث 184

ترجمہ: میری طرف یہ وحی بھیجی گئی ہے کہ بے شک تمہیں قبروں میں آزمایا جائے گا۔

اس روایت میں "أَنَّكُمْ تُفْتَنُونَ" کے الفاظ سے خطاب امت کو ہے۔ فتنہ قبر سے مراد قبر کے سوالات ہیں۔ علامہ احمد بن غنیم بن سالم النفراوی المالکی (ت 1126ھ) لکھتے ہیں:

"أَنَّ الْمُؤْمِنِينَ يُفْتَنُونَ" أَيْ يُمْتَحَنُونَ وَيُخْتَبَرُونَ فِي قُبُورِهِمْ وَمَعْنَى يُفْتَنُونَ فِي قُبُورِهِمْ "يُسْأَلُونَ" لِإِجْمَاعِ الْعُلَمَاءِ عَلَى أَنَّ الْمُرَادَ بِفِتْنَةِ الْقَبْرِ سُؤَالَ الْمَلَكَيْنِ، مُنْكَرٍ -بِفَتْحِ الْكَافِ- وَنَكِيرٍ -بِكَسْرِهَا.

الفواکہ الدوانی علی رسالۃ ابن ابی زید القیروانی: ج 1 ص 306

ترجمہ: حدیث کے الفاظ "مومنین کو قبروں میں آزمایا جائے گا" کا معنی ہے کہ قبر میں ان کا امتحان لیا جائے گا۔ امتحان لیے جانے سے مراد یہ ہے کہ ان سے قبر میں سوالات کیے جائیں گے کیونکہ اس بات پر علماء کا اجماع ہے کہ قبر کی آزمائش سے مراد

منکر نکیر کا قبر میں سوال کرنا ہے۔

اس روایت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ قبر میں سوالات امت سے کیے جائیں گے، خود نبی سے نہیں۔

دلیل نمبر 2:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فَأَمَّا فِتْنَةُ الْقَبْرِ فَبِي تُفْتَنُونَ وَعَنِّي تُسْأَلُونَ.

مسند احمد: ج17 ص507 رقم الحدیث 24970

ترجمہ: قبر کی آزمائش یہ ہے کہ میری وجہ سے تمہاری جانچ ہو گی اور میرے بارے میں تم سے سوال ہو گا۔

علامہ شمس الدین محمد بن ابی العباس احمد بن حمزۃ ابن شہاب الدین الرملی (ت1004) لکھتے ہیں:

وَالْأَصَحُّ أَنَّ الْأَنْبِيَاءَ عَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لَا يُسْأَلُونَ لِأَنَّ غَيْرَ النَّبِيِّ يُسْأَلُ عَنِ النَّبِيِّ فَكَيْفَ يُسْأَلُ هُوَ عَنْ نَفْسِهِ؟

نہایۃ المحتاج: ج3 ص42

ترجمہ: صحیح بات یہی ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے (قبروں میں) سوالات نہیں ہوتے کیونکہ غیر نبی سے نبی کے بارے میں سوالات ہوتے ہیں تو خود نبی سے اپنے بارے میں سوالات کیسے ہوں گے؟

دلیل نمبر 3: عقلی وجوہ:

1: سوال اس شخص سے کیا جاتا ہے جس میں ماننے، نہ ماننے اور کرنے، نہ کرنے

کے متعلق دونوں پہلو ہوں۔ اسی سے سوال ہوتا ہے کہ تم نے مانا یا نہیں؟ تم نے فلاں کام سر انجام دیا یا نہیں؟ یہ معاملہ امتی کا ہے اور اس سے سوال نہیں ہوتا جس میں ماننے، نہ ماننے اور کرنے، نہ کرنے کا سوال ہی نہ ہو اور یہ معاملہ انبیاء علیہم السلام کا ہے کہ نبی کا ماننا اور عمل کرنا یقینی ہوتا ہے، اس کے خلاف کا پہلو نبی میں پایا ہی نہیں جاتا۔ اس لیے نبی سے سوال نہیں ہو گا۔ بالفرض اگر نبی سے سوال کا احتمال مانا جائے تو لازم آئے گا کہ بعض انبیاء علیہم السلام نے مانا اور بعض نے نہیں، بعض نے اعمال صالحہ سر انجام دیے اور بعض نے نہیں تبھی تو سوال ہوا حالانکہ انبیاء علیہم السلام کا ماننا اور عمل کرنا یقینی ہے۔ اس لیے نبی سے سوال نہیں ہوتا۔

2: تین سوالات میں سے دوسرا سوال خود نبی کے متعلق ہے جو دلیل ہے کہ ان سوالات کا تعلق اس شخص سے ہو گا جو نبی نہ ہو ورنہ توقف الشئی علی نفسہ لازم آئے گا کہ نبی اپنی نجات کے لیے اپنے نبی ہونے کا اقرار کر رہا ہے جبکہ وہ یہ اقرار خود دوسروں تک سے کروا چکا ہے۔

دلیل نمبر 4:

علمائے امت کا نظریہ بھی یہی ہے کہ قبر میں سوالات امت سے کیے جائیں گے، نبی سے نہیں۔ چند حوالہ جات ملاحظہ ہوں:

1: علامہ شمس الدین محمد بن ابی العباس احمد بن حمزۃ ابن شہاب الدین الرملی (ت1004) لکھتے ہیں:

وَالْأَصَحُّ أَنَّ الْأَنْبِيَاءَ عَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لَا يُسْأَلُونَ لِأَنَّ غَيْرَ النَّبِيِّ يُسْأَلُ عَنِ النَّبِيِّ فَكَيْفَ يُسْأَلُ هُوَ عَنْ نَفْسِهِ؟

نہایۃ المحتاج: ج3 ص42

ترجمہ: صحیح بات یہی ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے (قبروں میں) سوالات نہیں

ہوتے کیونکہ غیر نبی سے نبی کے بارے میں سوالات ہوتے ہیں تو خود نبی سے اپنے بارے میں سوالات کیسے ہوں گے؟

2: علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد الحصکفی الحنفی (ت 1088ھ) لکھتے ہیں:

وَالْأَصَحُّ أَنَّ الْأَنْبِيَاءَ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ لَا يُسْأَلُوْنَ.

الدر المختار: ج2 ص192 باب صلاۃ الجنازۃ

ترجمہ: صحیح بات یہی ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے (قبروں میں) سوالات نہیں ہوتے۔

ثواب و عذابِ قبر

وَضَغْطَةُ الْقَبْرِ وَعَذَابُهُ حَقٌّ كَائِنٌ لِلْكُفَّارِ كُلِّهِمْ وَلِبَعْضِ عُصَاةِ الْمُؤْمِنِيْنَ.

ترجمہ: قبر کا تمام کفار کو اور بعض گناہگار مؤمنین کو دبانا اور ان کو قبر کا عذاب ہونا برحق ہے اور ایسا ہوتا بھی ہے۔

فائدہ نمبر 1:

موت سے لے کر حشر تک کی زندگی کو "قیامت صغریٰ"، عالمِ برزخ اور قبر کی زندگی بھی کہتے ہیں۔

فائدہ نمبر 2:

قبر کا معنی

قبر اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں میت یا اجزائے میت ہوں۔ عام طور پر چونکہ

میت کو دفن کیا جاتا ہے اس لیے قبر کا معنی ''زمینی گڑھا'' کر دیا جاتا ہے۔

چند نصوص ملاحظہ ہوں:

1:　　وَلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ

سورۃ التوبۃ:84

ترجمہ:　آپ اس کی قبر پر کھڑے نہ ہوں۔

2:　　وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ

سورۃ الحج:7

ترجمہ:　بے شک اللہ ان سب لوگوں کو اٹھا کھڑا کرے گا جو قبروں میں ہیں۔

3:　　امام مالک بن انس المدنی (ت 179ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ قَالَ رَأَيْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يَقِفُ عَلٰى قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيُصَلِّي عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلٰى أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا.

مؤطا امام مالک: ص150 باب ماجاء فی الصلوۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ترجمہ:　عبد اللہ بن دینار رحمہ اللہ کہتے ہیں میں نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر ٹھہرتے دیکھا۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیج رہے تھے اور ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے لیے دعا مانگ رہے تھے۔

فائدہ نمبر 3:

برزخ کا معنی:

''برزخ'' سے مراد دو چیزوں کا مجموعہ ہے؛ زمان اور مکان۔

۱: زمان.... موت سے لے کر حشر تک کا وقت

۲: مکان.... سجین سے لے کر علیین تک کی جگہ

”برزخ“ کا معنی سمجھ میں آجائے تو کئی اشکالات ختم ہو جاتے ہیں۔ مثلاً بعض لوگ اشکال کرتے ہیں کہ اگر موت کے بعد انسان برزخ میں چلا جاتا ہے تو فرعون اسی زمین پر موجود ہے اور ہم بھی اسی زمین پر موجود ہیں، اس اعتبار سے اسے تو برزخ نہ ملی کیوں کہ زمین پر موجود ہوتے ہوئے اسے برزخ میں مانا جائے تو لازم آئے گا کہ ہم بھی برزخ میں ہوں کیونکہ ہم بھی تو اسی زمین پر موجود ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ فرعون کو موت سے لے کر حشر تک کا زمان اور سجین سے لے کر علیین تک کا مکان ملا ہے لیکن ہمیں سجین سے لے کر علیین تک کا مکان تو ملا ہے لیکن موت سے لے کر حشر تک کا زمان نہیں ملا۔ اس لیے فرعون تو برزخ میں ہے لیکن ہم برزخ میں نہیں ہیں۔

فائدہ نمبر 4:

عنوان ”ثواب وعذاب قبر“ ہونا چاہیے نہ کہ صرف ”عذاب قبر“، عام طور پر صرف ”عذاب قبر“ کا ذکر کر دیا جاتا ہے۔

فائدہ نمبر 5:

ثواب وعذاب قبر پر دلائل:

(1): اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَ يُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ وَ يَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ

سورۃ ابراہیم:27

ترجمہ: جو لوگ ایمان لائے ہیں اللہ ان کو اس مضبوط بات (یعنی کلمہ ایمان) کے ذریعے دنیا کی زندگی میں بھی ثابت قدم رکھتا ہے اور آخرت کی زندگی میں بھی۔

اس آیت کی تفسیر میں امام ابو الحسن مسلم بن حجاج القشیری النیشاپوری (ت 261ھ)

نے یہ حدیث نقل کی ہے:

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: " يُثَبِّتُ اللهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ" قَالَ: نَزَلَتْ فِي عَذَابِ الْقَبْرِ، فَيُقَالُ لَهٗ: مَنْ رَبُّكَ؟ فَيَقُوْلُ: رَبِّيَ اللهُ، وَنَبِيِّي مُحَمَّدٌ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَذٰلِكَ قَوْلُهٗ عَزَّ وَجَلَّ " يُثَبِّتُ اللهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ "

صحیح مسلم: رقم الحدیث 2871

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت " يُثَبِّتُ اللهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ " کے متعلق فرمایا کہ یہ آیت عذاب قبر کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ (میت کو جب قبر میں رکھا جاتا ہے تو) اس سے پوچھا جاتا ہے کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ جواب دیتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور میرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) اللہ تعالیٰ کے فرمان " يُثَبِّتُ اللهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ " کا یہی مطلب ہے۔

(2): امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی (ت 279ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّمَا الْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ، أَوْ حُفْرَةٌ مِنْ حُفَرِ النَّارِ "

سنن الترمذی: رقم الحدیث 2460

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قبر جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔

(3): امام ابو القاسم سلیمان بن احمد بن ایوب الشامی الطبرانی (ت 360ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مُخَارِقِ بْنِ سُلَیْمٍ عَنْ أَبِیہِ قَالَ عَبْدُ اللّٰہِ: إِذَا حَدَّثْتُکُمْ بِحَدِیثٍ أَنْبَأْتُکُمْ بِتَصْدِیقِ ذٰلِکَ، إِنَّ الْعَبْدَ الْمُسْلِمَ إِذَا مَاتَ أُجْلِسَ فِي قَبْرِہٖ، فَیُقَالُ لَہٗ: مَنْ رَبُّکَ؟ مَا دِینُکَ؟ مَنْ نَبِیُّکَ؟ فَیُثَبِّتُہُ اللّٰہُ فَیَقُولُ: رَبِّيَ اللّٰہُ، وَدِینِيَ الْإِسْلَامُ، وَنَبِیِّي مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، فَیُوَسَّعُ لَہٗ فِي قَبْرِہٖ، وَیُفْرَجُ لَہٗ فِیہِ"، ثُمَّ قَرَأَ عَبْدُ اللّٰہِ: "یُثَبِّتُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَ فِی الْاٰخِرَۃِ ۚ وَ یُضِلُّ اللّٰہُ الظّٰلِمِیْنَ"

المعجم الکبیر للطبرانی: ج8 ص162 رقم الحدیث 9044

ترجمہ: مُخارق بن سُلَیم سے مروی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تمہیں حدیث بیان کروں گا تو اس کی دلیل بھی دوں گا۔ مسلمان آدمی کو جب موت آتی ہے (اور اسے قبر میں دفن کیا جاتا ہے تو سوالات کے وقت) اس کو قبر میں بٹھا دیا جاتا ہے۔ اس سے پوچھا جاتا ہے: تمہارا رب کون ہے؟ تمہارا دین کیا ہے؟ تمہارا نبی کون ہے؟ اللہ تعالیٰ اس بندے کو ثابت قدم رکھتے ہیں تو بندہ یہ جواب دیتا ہے میرا رب اللہ ہے، میرا دین اسلام ہے اور میرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس کے بعد اس کی قبر کو وسیع وعریض کر دیا جاتا ہے۔ پھر حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے (بطورِ دلیل) یہ آیت تلاوت فرمائی: "یُثَبِّتُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَ فِی الْاٰخِرَۃِ ۚ وَ یُضِلُّ اللّٰہُ الظّٰلِمِیْنَ" کہ جو لوگ ایمان لائے ہیں اللہ ان کو اس مضبوط بات (یعنی کلمہ ایمان) کے ذریعے دنیا کی زندگی میں بھی اس ثابت قدم رکھتا ہے اور آخرت کی زندگی میں بھی، اور اللہ ظالم لوگوں کو گمراہ کر دیتا ہے۔

(4): امام ابو داؤد سلیمان بن الاشعث السجستانی (ت 275ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي جَنَازَةِ رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ فَانْتَهَيْنَا إِلَى الْقَبْرِ وَلَمَّا يُلْحَدْ فَجَلَسَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَلَسْنَا حَوْلَهُ كَأَنَّمَا عَلَى رُءُوسِنَا الطَّيْرُ وَفِي يَدِهِ عُودٌ يَنْكُتُ بِهِ فِي الْأَرْضِ فَرَفَعَ رَأْسَهُ فَقَالَ: "اسْتَعِيذُوا بِاللهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ". مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا - زَادَ فِي حَدِيثِ جَرِيرٍ هَا هُنَا - وَقَالَ: «وَإِنَّهُ لَيَسْمَعُ خَفْقَ نِعَالِهِمْ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ حِينَ يُقَالُ لَهُ: يَا هٰذَا مَنْ رَبُّكَ وَمَا دِينُكَ وَمَنْ نَبِيُّكَ». قَالَ هَنَّادٌ قَالَ: وَيَأْتِيهِ مَلَكَانِ فَيُجْلِسَانِهِ فَيَقُولَانِ لَهُ: مَنْ رَبُّكَ فَيَقُولُ: رَبِّيَ اللهُ. فَيَقُولَانِ لَهُ: مَا دِينُكَ فَيَقُولُ: دِينِي الإِسْلَامُ. فَيَقُولَانِ لَهُ: مَا هٰذَا الرَّجُلُ الَّذِي بُعِثَ فِيكُمْ قَالَ فَيَقُولُ: هُوَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَقُولَانِ: وَمَا يُدْرِيكَ فَيَقُولُ: قَرَأْتُ كِتَابَ اللهِ فَآمَنْتُ بِهِ وَصَدَّقْتُ». زَادَ فِي حَدِيثِ جَرِيرٍ: «فَذٰلِكَ قَوْلُ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ "يُثَبِّتُ اللهُ الَّذِينَ اٰمَنُوا" الآيَةَ. ثُمَّ اتَّفَقَا قَالَ: " فَيُنَادِي مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ: أَنْ قَدْ صَدَقَ عَبْدِي فَأَفْرِشُوهُ مِنَ الْجَنَّةِ وَافْتَحُوا لَهُ بَابًا إِلَى الْجَنَّةِ وَأَلْبِسُوهُ مِنَ الْجَنَّةِ». قَالَ: «فَيَأْتِيهِ مِنْ رَوْحِهَا وَطِيبِهَا». قَالَ: «وَيُفْتَحُ لَهُ فِيهَا مَدَّ بَصَرِهِ». قَالَ: وَإِنَّ الْكَافِرَ. فَذَكَرَ مَوْتَهُ قَالَ: وَتُعَادُ رُوحُهُ فِي جَسَدِهِ وَيَأْتِيهِ مَلَكَانِ فَيُجْلِسَانِهِ فَيَقُولَانِ: مَنْ رَبُّكَ فَيَقُولُ: هَاهْ هَاهْ هَاهْ لَا أَدْرِي. فَيَقُولَانِ لَهُ: مَا دِينُكَ فَيَقُولُ: هَاهْ هَاهْ لَا أَدْرِي. فَيَقُولَانِ: مَا هٰذَا الرَّجُلُ الَّذِي بُعِثَ فِيكُمْ فَيَقُولُ: هَاهْ هَاهْ لَا أَدْرِي. فَيُنَادِي مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ: أَنْ كَذَبَ فَأَفْرِشُوهُ مِنَ النَّارِ وَأَلْبِسُوهُ مِنَ النَّارِ وَافْتَحُوا لَهُ بَابًا إِلَى النَّارِ». قَالَ: «فَيَأْتِيهِ مِنْ حَرِّهَا وَسَمُومِهَا». قَالَ: «وَيُضَيَّقُ عَلَيْهِ قَبْرُهُ حَتّٰى تَخْتَلِفَ فِيهِ أَضْلَاعُهُ». زَادَ فِي حَدِيثِ جَرِيرٍ قَالَ: «ثُمَّ يُقَيَّضُ لَهُ أَعْمٰى أَبْكَمُ مَعَهُ مِرْزَبَّةٌ مِنْ حَدِيدٍ لَوْ ضُرِبَ بِهَا جَبَلٌ لَصَارَ تُرَابًا». قَالَ: «فَيَضْرِبُهُ بِهَا ضَرْبَةً

يَسۡمَعُهَا مَا بَيۡنَ الۡمَشۡرِقِ وَالۡمَغۡرِبِ إِلَّا الثَّقَلَيۡنِ فَيَصِيرُ تُرَابًا ». قَالَ: « ثُمَّ تُعَادُ فِيهِ الرُّوحُ ».

سنن ابی داؤد: رقم الحدیث 4753

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک انصاری صحابی کے جنازے میں گئے۔ جب قبرستان پہنچے تو قبر ابھی تک تیار نہیں ہوئی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوئے تو ہم بھی آپ کے ارد گرد بیٹھ گئے۔ ہم اس طرح (خاموش اور با ادب) بیٹھے تھے کہ گویا ہمارے سروں پر پرند بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ایک تنکا تھا جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم زمین کرید رہے تھے۔ اسی اثناء میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر اٹھایا اور فرمایا: عذاب قبر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگا کرو! یہ جملہ دو یا تین بار فرمایا۔ راوی حدیث جریر کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: جب دفن کرنے والے واپس لوٹتے ہیں تو میت ان کے قدموں کی آہٹ بھی سنتی ہے جبکہ اس وقت اس سے سوال ہو رہے ہوتے ہیں کہ اے فلاں! تمہارا رب کون ہے؟ تمہارا دین کیا ہے؟ اور تمہارا نبی کون ہے؟ راوی حدیث ہناد کے طریق میں الفاظ ہیں: ”پھر میت کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اسے بٹھا کر پوچھتے ہیں: تمہارا رب کون ہے؟ تو میت جواب دیتی ہے: میرا رب اللہ ہے۔ پھر وہ پوچھتے ہیں: تمہارا دین کیا ہے؟ میت جواب دیتی ہے: میرا دین اسلام ہے۔ پھر وہ پوچھتے ہیں: یہ آدمی کون ہیں جو تم میں مبعوث کیے گئے ہیں؟ تو میت کہتی ہے کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ پھر وہ پوچھتے ہیں: تمہیں اس بات کا علم کیسے ہوا؟ میت جواب دیتی ہے: میں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب پڑھی، میں اس پر ایمان لایا اور میں نے اس کی تصدیق کی۔“ جریر کی روایت میں مزید یہ الفاظ ہیں: ”یہی (سوال جواب ہی) مصداق ہے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان "يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا بِالۡقَوۡلِ الثَّابِتِ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا

وَ فِی الْاٰخِرَۃِ" کا۔ پھر راویانِ حدیث؛ جریر اور ہناد اس سے آگے متفق ہیں: فرمایا" پھر آسمان سے منادی کرنے والا ندا دیتا ہے کہ بے شک میرے بندے نے سچ کہا ہے۔ اس کے لیے جنت کا بستر بچھا دو، اس کو جنت کا لباس پہنا دو اور اس کے لیے جنت کی طرف سے ایک دروازہ کھول دو۔ پھر فرمایا: جنت کی طرف سے وہاں کی ہوائیں اور خوشبوئیں آنے لگتی ہیں اور اس میت کی قبر کو انتہائے نظر تک وسیع کر دیا جاتا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کافر اور اس کی موت کا ذکر کیا تو فرمایا: کافر کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے تو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اسے بٹھا کر اس سے پوچھتے ہیں: تمہارا رب کون ہے؟ میت جواب دیتی ہے: ہاہ! ہاہ! مجھے تو کچھ خبر نہیں۔ پھر وہ اس سے پوچھتے ہیں: تمہارا دین کیا ہے؟ میت جواب دیتی ہے: ہاہ! ہاہ! مجھے تو کچھ خبر نہیں۔ پھر وہ اس سے پوچھتے ہیں: یہ آدمی کون ہیں جو تم میں مبعوث کیے گئے ہیں؟ میت جواب دیتی ہے: ہاہ! ہاہ! مجھے تو کچھ خبر نہیں۔ تو منادی آسمان سے ندا دیتا ہے کہ اس شخص نے جھوٹ کہا، لہذا اس کے لیے آگ کا بستر بچھا دو، اسے آگ کا لباس پہنا دو اور اس کے لیے جہنم کی جانب سے ایک دروازہ کھول دو۔ پھر جہنم کی جانب سے اس کی تپش اور گرم ہوا آنے لگتی ہے اور اس پر قبر کو تنگ کر دیا جاتا ہے یہاں تک کہ اس کی پسلیاں ایک دوسرے میں گھس جاتی ہیں۔ راوی حدیث جریر کی روایت میں مزید الفاظ یہ ہیں: پھر اس پر ایک اندھا گونگا فرشتہ مقرر کر دیا جاتا ہے جس کے پاس ایک بھاری گرز ہوتا ہے۔ (اس گرز کی حالت یہ ہوتی ہے) کہ اگر اسے پہاڑ پر مارا جائے تو وہ وہ بھی مٹی مٹی ہو جائے۔ پھر وہ فرشتہ اسے اس گرز کے ساتھ ایسی ضرب مارتا ہے کہ جس کی آواز جنات اور انسانوں کے علاوہ مشرق و مغرب کے درمیان پائی جانے والی ساری مخلوق سنتی ہے اور پھر وہ میت مٹی ہو جاتا ہے۔ فرمایا: پھر اس میں روح لوٹائی جاتی ہے۔

(5): امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی (ت 279ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا قُبِرَ الْمَيِّتُ أَوْ قَالَ أَحَدُكُمْ أَتَاهُ مَلَكَانِ أَسْوَدَانِ أَزْرَقَانِ يُقَالُ لِأَحَدِهِمَا الْمُنْكَرُ وَالْآخَرُ النَّكِيرُ فَيَقُولَانِ مَا كُنْتَ تَقُولُ فِي هٰذَا الرَّجُلِ فَيَقُولُ مَا كَانَ يَقُولُ هُوَ عَبْدُ اللهِ وَرَسُولُهُ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ فَيَقُولَانِ قَدْ كُنَّا نَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُولُ هٰذَا ثُمَّ يُفْسَحُ لَهُ فِي قَبْرِهِ سَبْعُونَ ذِرَاعًا فِي سَبْعِينَ ثُمَّ يُنَوَّرُ لَهُ فِيهِ ثُمَّ يُقَالُ لَهُ نَمْ فَيَقُولُ أَرْجِعُ إِلٰى أَهْلِي فَأُخْبِرُهُمْ فَيَقُولَانِ نَمْ كَنَوْمَةِ الْعَرُوسِ الَّذِي لَا يُوقِظُهُ إِلَّا أَحَبُّ أَهْلِهِ إِلَيْهِ.

سنن الترمذی: رقم الحدیث 1071

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کسی شخص کو قبر میں دفن کیا جاتا ہے تو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں جو کالے اور نیلے رنگ کے ہوتے ہیں۔ ایک کو منکر اور دوسرے کو نکیر کہتے ہیں۔ وہ اس شخص سے پوچھتے ہیں کہ تم اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ بندہ جواب دیتا ہے کہ یہ تو اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ فرشتے کہتے ہیں کہ ہمیں معلوم تھا کہ تم یہی بات کہو گے۔ پھر اس کی قبر ستر ہاتھ طول و عرض میں کشادہ کر دی جاتی ہے اور اس کو روشن کر دیا جاتا ہے۔ پھر فرشتے اسے کہتے ہیں: سو جا! وہ شخص پوچھتا ہے کہ کیا میں گھر جا کر اپنے ان حالات کی خبر اپنے گھر والوں کو نہ دوں؟ تو فرشتے کہتے ہیں: سو جا جیسے پہلی رات کی دلہن سوتی ہے، جسے گھر والوں میں سے اس کا محبوب (یعنی خاوند) ہی بیدار کرتا ہے۔

(6): امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری (ت 256ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي أَيُّوبَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ وَجَبَتِ

الشَّمْسُ فَسَمِعَ صَوْتًا فَقَالَ: "يَهُوْدُ تُعَذَّبُ فِي قُبُوْرِهَا".

صحیح البخاری: رقم الحدیث 1375

ترجمہ: حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورج غروب ہونے کے بعد نکلے۔ آپ نے ایک آواز سنی تو فرمایا: یہودیوں کو ان کی قبروں میں عذاب ہوتا ہے۔

سوال:

اگر کسی شخص کی میت کو جلا دیا گیا یا پانی میں بہا دیا گیا جس سے اس کے اجزاء بکھر گئے یا اس کی لاش کو پرندے کھا گئے یا جانوروں نے نوچ ڈلا اور وہ ان کے معدے میں چلا گیا تو اسے تو قبر نہیں ملی۔ پھر اسے کس طرح ثواب وعذاب ہو گا؟

جواب:

یہ تمام اشکالات قبر کا معنی نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہو رہے ہیں۔ جہاں میت یا اجزائے میت ہوں وہی اس کی قبر ہے۔ اب اگر جل کر راکھ ہوئی اور اس کے اجزاء پانی میں بکھر گئے یا جانوروں نے کھایا اور ان کے معدے میں اجزاء پہنچ گئے تو یہی اس کی قبر ہے کیونکہ یہاں اجزاء کا احالہ ہوا ہے مگر ازالہ نہیں ہوا یعنی اجزاء تحلیل ہو کر دوسری شکل اختیار کر لیتے ہیں، بالکل ختم نہیں ہوتے۔ اس لیے انہیں یہیں ثواب وعذاب ہو رہا ہے۔

سوال:

اگر میت کافر ہو اور اسے کوئی جانور کھا لے تو جب اسے عذاب ہوتا ہے تو جانور محسوس کیوں نہیں کرتا؟

جواب:

عام انسان کے معدے میں تکلیف ہو تو معدے کے اوپر والے حصے کو احساس نہیں ہوتا، آنکھ کی تکلیف کو پُتلی محسوس نہیں کرتی اور گوشت کی تکلیف کو ہڈی محسوس نہیں کرتی۔ یہ ہمارا روز مرہ کا عام مشاہدہ ہے۔ اس لیے معدے میں موجود میت کے اجزاء کو عذاب ہو اور جانور محسوس نہ کرے تو اس میں کون سا مانع ہے؟

سوال:

بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قبر عذاب میں تنگی محسوس ہوئی ہے جبکہ ہم اھل السنۃ والجماعۃ کا نظریہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عذاب سے محفوظ ہیں۔

1: عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: دَخَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيه وسَلَّم قَبْرَهُ يَعْنِي سَعْدَ بْنَ مُعَاذٍ فَاحْتَبَسَ فَلَمَّا خَرَجَ قِيلَ: يَا رَسُولَ الله مَا حَبْسُكَ؟ قَالَ: ضُمَّ سَعْدٌ فِي الْقَبْرِ ضَمَّةً، فَدَعَوْتُ اللهَ أَنْ يَكْشِفَ عَنْهُ.

صحیح ابن حبان: رقم الحدیث 7234

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی قبر میں داخل ہوئے اور کچھ دیر قبر میں رکے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبر سے باہر نکلے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: یا رسول اللہ! کس چیز نے آپ کو قبر میں روکے رکھا؟ (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس وجہ سے وہاں رکے رہے؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سعد کو قبر میں ہلکا سا دبایا گیا تھا، میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ قبر کو کشادہ کر دیا جائے۔

2: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَبْرَيْنِ فَقَالَ: "إِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيرٍ، أَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ لَا يَسْتَتِرُ مِنَ الْبَوْلِ وَأَمَّا الْآخَرُ فَكَانَ يَمْشِي بِالنَّمِيمَةِ." ثُمَّ أَخَذَ جَرِيدَةً رَطْبَةً فَشَقَّهَا نِصْفَيْنِ فَغَرَزَ فِي كُلِّ قَبْرٍ وَاحِدَةً، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ! لِمَ فَعَلْتَ هٰذَا؟ قَالَ: "لَعَلَّهُ يُخَفِّفُ عَنْهُمَا مَا لَمْ يَيْبَسَا."

صحیح البخاری: رقم الحدیث 218

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں کے قریب گزرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے اور ان کو کسی بڑے گناہ کی وجہ سے عذاب نہیں ہو رہا، بلکہ ایک کو تو اس لیے عذاب ہو رہا ہے کہ وہ چغلی کیا کرتا تھا اور دوسرا پیشاب کی چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا۔ پھر آپ نے کھجور کی ایک تر ٹہنی لی اور اس کے دو ٹکڑے کئے، ان دو ٹکڑوں میں سے ہر ایک کی قبر پر ایک ایک ٹکڑا گاڑ دیا، پھر ارشاد فرمایا: جب تک یہ خشک نہیں ہوں گی ان کے عذاب میں تخفیف ہوتی رہے گی۔

حافظ ابو الفضل شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی الشافعی (ت 852ھ) اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

وَأَمَّا حَدِيثُ الْبَابِ فَالظَّاهِرُ مِنْ مَجْمُوعِ طُرُقِهِ إِنَّهُمَا كَانَا مُسْلِمَيْنِ.

فتح الباری شرح صحیح البخاری: ج1 ص321 تحت رقم الحدیث 218

ترجمہ: حدیث باب (حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما) کے تمام طرق دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قبریں دو مسلمانوں کی تھیں۔

جوابات:

[1]: علامہ جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر السیوطی الشافعی (ت 911ھ) لکھتے

ہیں:

قَالَ أَبُو الْقَاسِمِ السَّعْدِيُّ: لَا يَنْجُوْ مِنْ ضَغْطَةِ الْقَبْرِ صَالِحٌ وَلَا طَالِحٌ غَيْرَ أَنَّ الْفَرْقَ بَيْنَ الْمُسْلِمِ وَالْكَافِرِ فِيْهَا دَوَامُ الضَّغْطِ لِلْكَافِرِ وَحُصُولُ هٰذِهِ الْحَالَةِ لِلْمُؤْمِنِ فِي أَوَّلِ نُزُوْلِهٖ إِلٰى قَبْرِهٖ ثُمَّ يَعُوْدُ إِلَى الِانْفِسَاحِ لَهٗ.

حاشیۃ علی سنن النسائی: ج1 ص289 باب ضمۃ القبر وضغطتہ

ترجمہ: امام ابو القاسم السعدی فرماتے ہیں کہ قبر کے جھٹکے سے کوئی بھی محفوظ نہیں چاہے نیک ہو یا گناہگار البتہ مومن اور کافر میں یہ فرق ہے کہ مومن کو دفن کے بعد جھٹکا لگتا ہے پھر قبر کشادہ ہو جاتی ہے جبکہ کافر کو ہمیشہ عذاب ہوتا رہتا ہے۔

اشکال: جب قبر کا جھٹکا پیش آنا متعین ہے تو پھر پریشان ہونے اور دعا کرنے کی ضرورت کیا ہے؟

جواب: قبر کے جھٹکے کا پیش آنا اگرچہ متعین ہے لیکن اس سے خلاصی کی دعا تو کرنی چاہیے جیسے بیماری کا آنا متعین ہے کہ بندے پر آتی ہے لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ بندہ پریشان بھی نہ ہو اور شفاء کے لیے دعا بھی نہ کرے۔

[2]: علامہ سیوطی؛ محمد تیمی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

عَنْ مُحَمَّدٍ التَّيْمِيِّ قَالَ: كَانَ يُقَالُ إِنَّ ضَمَّةَ الْقَبْرِ إِنَّمَا أَصْلُهَا أَنَّهَا أُمُّهُمْ وَمِنْهَا خُلِقُوا فَغَابُوا عَنْهَا الْغَيْبَةَ الطَّوِيلَةَ فَلَمَّا رُدَّ إِلَيْهَا أَوْلَادُهَا ضَمَّتْهُمْ ضَمَّةَ الْوَالِدَةِ غَابَ عَنْهَا وَلَدُهَا ثُمَّ قَدِمَ عَلَيْهَا فَمَنْ كَانَ لِلّٰهِ مُطِيعًا ضَمَّتْهُ بِرَأْفَةٍ وَرِفْقٍ وَمَنْ كَانَ عَاصِيًا ضَمَّتْهُ بِعُنْفٍ سَخَطًا مِنْهَا عَلَيْهِ لِرَبِّهَا.

حاشیۃ علی سنن النسائی: ج1 ص290 باب ضمۃ القبر وضغطتہ

ترجمہ: انسان کی تخلیق چونکہ مٹی سے ہوئی تو زمین انسان کی ماں کی طرح ہوئی انسان دنیا میں کافی عرصہ گزار کر جب قبر میں پہنچتا ہے تو قبر اس کو ایسے دباتی ہے جیسے

ماں بچھڑنے والے بچے کو دباتی ہے۔ پھر یہ مرنے والا اگر اللہ کی بات ماننے والا ہوتا ہے تو قبر اس کو محبت کی وجہ سے دباتی ہے اور اگر نافرمان ہو تو رب کی ناراضگی کی وجہ سے قبر سختی اور نفرت سے دباتی ہے۔

اشکال: یہ جواب بھی اشکال سے خالی نہیں کیونکہ اگر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو محبت کی وجہ سے دبایا تو پریشانی کی ضرورت نہ تھی۔

جواب: اس اشکال کا جواب یہ دیا جا سکتا ہے کہ محبت کی وجہ سے دبایا جائے تب بھی تنگی اور پریشانی کا ہونا ممکن ہے۔ جس طرح ایک دوست دوسرے دوست کو گلے ملتے ہوئے حد درجہ دباتا ہے تو یہ دبانا اگرچہ محبت کی وجہ سے ہے لیکن تکلیف تو بہر حال ہوتی ہے۔

[3]: حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی (ت 1396ھ) فرماتے ہیں:

”جن احادیث میں بعض صحابہ کرام پر مرنے کے بعد عذاب کا ذکر آیا ہے وہ عذاب آخرت و عذاب جہنم کا نہیں برزخی یعنی قبر کا عذاب ہے، یہ کوئی بعید نہیں ہے کہ صحابہ کرام میں سے اگر کسی سے کوئی گناہ سرزد ہو اور اتفاقاً توبہ کر کے اس سے پاک ہو جانے کا بھی موقع نہیں ہوا تو ان کو برزخی عذاب کے ذریعہ پاک کر دیا جائے گا، تاکہ آخرت کا عذاب ان پر نہ رہے۔“

معارف القرآن: ج8 ص299 تحت قولہ تعالیٰ: ”وَكُلًّا وَعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى“، سورۃ الحدید: 10

اشکال: یہ جواب بھی اشکال سے خالی نہیں کیونکہ اس صورت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ”محفوظ“ کہنا درست نہ ہو گا۔

جواب: اس اشکال کا جواب یہ دیا جا سکتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ”محفوظ“ کہنا عمومی اور اکثری اعتبار سے ہے۔ لہذا اگر چند ایک حضرات توبہ نہ کر سکے ہوں تو وہ

اس عمومی اور اکثری اعتبار کے خلاف نہ ہوں گے۔

[4]: بندہ کی رائے میں اس کا بہترین جواب یہ ہے کہ قبر کی زندگی دنیا کی زندگی کا تتمہ اور آخرت کا مقدمہ ہے۔ موت کے وقت کسی کو تکلیف ہونا اس کے فسق کی علامت نہیں جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو موت کے وقت تکلیف ہوئی۔ امی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ بِالْمَوْتِ وَعِنْدَهُ قَدَحٌ فِيهِ مَاءٌ وَهُوَ يُدْخِلُ يَدَهُ فِي الْقَدَحِ ثُمَّ يَمْسَحُ وَجْهَهُ بِالْمَاءِ ثُمَّ يَقُولُ: "اَللّٰهُمَّ أَعِنِّي عَلٰى مُنْكَرَاتِ أَوْ قَالَ سَكَرَاتِ الْمَوْتِ"

شمائل الترمذی: باب ما جاء فی وفاۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پانی کا پیالہ رکھا ہوا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پیالے میں اپنے ہاتھ مبارک ڈالتے اور چہرہ مبارک پر پھیرتے تھے اور ساتھ یہ دعا بھی فرماتے: اے اللہ! موت کی سختیوں پر میری مدد فرما۔

نیز ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا یہ بھی فرماتی ہیں:

لَا أَغْبِطُ أَحَدًا بِهَوْنِ مَوْتٍ بَعْدَ الَّذِي رَأَيْتُ مِنْ شِدَّةِ مَوْتِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

شمائل الترمذی: باب ما جاء فی وفاۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ترجمہ: موت کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو سختی تھی اس کو دیکھ کر اب مجھے کسی شخص کے مرض الموت میں تکلیف نہ ہونے پر رشک نہیں ہوتا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لَمَّا وَجَدَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ كُرَبِ الْمَوْتِ مَا وَجَدَ قَالَتْ فَاطِمَةُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا: وَا كَرْبَاهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: (لَا

كَرْبَ عَلٰى أَبِيكِ بَعْدَ الْيَوْمِ إِنَّهُ قَدْ حَضَرَ مِنْ أَبِيكِ مَا لَيْسَ بِتَارِكٍ مِنْهُ أَحَدًا الْمُوَافَاةُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

شمائل الترمذی: باب ما جاء فی وفاۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ترجمہ: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موت کی سختی محسوس فرما رہے تھے تو آپ کی لخت جگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ہائے میرے ابا جی کی تکلیف! تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آج کے بعد تیرے والد پر کوئی تکلیف نہیں رہے گی، آج تیرے باپ پر وہ بھاری چیز اتری ہے (یعنی موت) جو کہ قیامت کے دن تک کسی بھی فرد کو نہیں چھوڑے گی۔

اگر موت کے وقت نبی کو تکلیف ہونا عصمت نبوت کے منافی نہیں تو صحابی کو قبر کا جھٹکا لگنا نہ ہی حفاظت کے منافی ہے اور نہ ہی فسق کی علامت ہے۔

تنقیحاتِ متکلم اسلام

فائدہ نمبر 6:

عقیدہ حیات الانبیاء علیہم السلام

مذکورہ گفتگو امت کے متعلق تھی۔ جہاں تک انبیاء علیہم السلام کا تعلق ہے تو ان کے بارے میں اجماعی عقیدہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کے اجساد عنصریہ وفات کے بعد اپنی زمینی قبور مبارکہ میں روح کے تعلق کے ساتھ زندہ ہوتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام اپنی قبور مبارکہ میں نمازیں پڑھتے ہیں۔ قبر پر آکر کوئی درود وسلام پڑھے تو خود سماعت فرماتے ہیں۔ دور سے پڑھا جائے تو فرشتوں کے ذریعے ان کی خدمت میں پہنچا دیا جاتا ہے۔ ان سے قبور میں سوالات نہیں ہوتے۔ ان کی حیات اتنی قوی ہوتی ہے کہ ان کی ازواج سے ساتھ کسی کو نکاح کرنا جائز نہیں ہوتا اور ان کا مال بھی میراث میں تقسیم نہیں ہوتا۔

عربی کے علاوہ دیگر زبانوں میں صفاتِ باری تعالیٰ

وَكُلُّ شَيْءٍ ذَكَرَهُ الْعُلَمَاءُ بِالْفَارِسِيَّةِ مِنْ صِفَاتِ اللهِ عَزَّ اسْمُهُ فَجَائِزٌ الْقَوْلُ بِهٖ سِوَى الْيَدِ بِالْفَارِسِيَّةِ وَيَجُوْزُ أَنْ يُقَالَ "بروئے خدا" أَيْ عَزَّ وَجَلَّ بِلَا تَشْبِيْهٍ وَلَا كَيْفِيَّةٍ.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی ہر وہ صفت جس کا ذکر علماء نے فارسی زبان میں کیا ہے اس کا اطلاق (ذاتِ باری تعالیٰ پر) جائز ہے سوائے لفظ "ید" کے (یعنی فارسی زبان میں "ید اللہ" کو "دستِ خدا" کہنا جائز نہیں) ہاں فارسی میں "بروئے خدا" کہنا جائز ہے بشرطیکہ بغیر تشبیہ و کیفیت کے کہا جائے۔

ضابطہ:

اللہ تعالیٰ کی صفات متشابہات کو بیان کرنے کے لیے لغت عرب میں وجہ، ید، عین، ساق وغیرہ کلمات استعمال ہوئے ہیں۔ غیر عربی زبان میں اگر صفات باری تعالیٰ کو بیان کیا جائے تو کن کلمات کا استعمال جائز ہے اور کن کا استعمال جائز نہیں؟ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اس عبارت میں ایک ضابطہ بیان فرمایا ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ عربی کے علاوہ دیگر زبانوں میں اللہ تعالیٰ کی صفات کو بیان کرنے کے لیے جو الفاظ ہوں گے وہ دو قسم کے ہیں:

(1): وہ لفظ غیر عربی زبان میں صرف "عضو معروف" ہی کے لیے استعمال ہوتا ہو، اس لفظ سے عضو معروف کے علاوہ مجازی طور پر کوئی اور معنیٰ مراد نہ ہو۔ اس قسم کے الفاظ کا استعمال ذات باری تعالیٰ کے لیے جائز نہیں ہے۔ جیسے فارسی میں لفظ "دست" ہے جس کا عربی زبان میں معنیٰ "ید" ہے۔ لفظ "دست" کو فارسی زبان میں

اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال کرتے ہوئے "دستِ خدا" کہنا جائز نہیں ہو گا کیونکہ لفظ "دست" فارسی زبان میں عضو معروف ہی کے لیے استعمال ہوتا ہے، اس سے مجازی طور پر کوئی دوسرا معنی مراد نہیں ہوتا۔

(2): وہ لفظ غیر عربی زبان میں "عضو معروف" کے لیے بھی استعمال ہوتا ہو، ساتھ ساتھ اس سے مجازی طور پر کوئی اور معنی بھی مراد لیا جاتا ہو۔ اس قسم کے لفظ کا استعمال ذات باری تعالیٰ کے لیے جائز ہو گا۔ جیسے فارسی زبان میں لفظ "رو" ہے جس کا عربی زبان میں معنی "وجہ" ہے۔ لفظ "رو" کو فارسی زبان میں اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال کرتے ہوئے "بروئے خدا" کہنا جائز ہو گا کیونکہ فارسی میں "بروئے خدا" مجازی طور پر "سامنے" کے معنی میں استعمال ہوتا ہے (یعنی أَمَامَ اللهِ) اس قسم کے الفاظ کے استعمال کی شرط یہ ہے کہ یہ استعمال بغیر تشبیہ اور کیفیت کے کیا جائے کیونکہ کیفیت؛ اجسام کے لوازمات میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ جسم اور لوازماتِ جسم سے پاک ہے۔ اسی طرح مخلوقات کی تشبیہ سے بھی پاک ہے۔

فائدہ نمبر 1:

اوپر بیان کیا گیا حکم عربی زبان کے علاوہ دیگر زبانوں کے لیے ہے۔ یہ الفاظ چونکہ خود عربی زبان میں منقول ہیں اس لیے عربی زبان میں ان الفاظ کا اطلاق اللہ تعالیٰ کی ذات پر جائز ہے۔

تنبیہ:

یہ بات واضح رہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں لفظ "دست" کا استعمال عضو معروف؛ ہاتھ کے معنی میں مستعمل تھا، مجازی طور پر اس کا دوسرا معنی مراد نہیں لیا جاتا تھا لیکن اب عرف تبدیل ہو چکا ہے۔ اب فارسی زبان میں "دست" کا لفظ مجازاً؛ قوت،

طاقت، سلطنت، دوستی اور معاونت جیسے معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کے لیے آج لفظ "دست" کا استعمال کرتے ہوئے "دستِ خدا" کہنا جائز ہے۔

اس حوالے سے چند معروف شعراء کرام کا کلام اور لغات کو پیش کیا جاتا ہے۔

معروف فارسی شاعر نظام الدین ابو محمد الیاس نظامی (ت600ھ تقریباً) اپنے اشعار میں لفظ "دست" کا تذکرہ یوں کرتے ہیں:

چو از دست تو ناید ہیچ کاری
بہ دست دیگران میگیر ماری

ترجمہ: جب ذرا برابر کام کرنا تمہارے بس کی بات نہیں تو دوسروں سے سانپ مت پکڑواؤ (یعنی خود کچھ نہیں کرتے تو دوسروں کو مشکلات میں مت ڈالو)

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

بہ سختی می گذشتش روزگاری
نمی آمد ز دستش ہیچ کاری

ترجمہ: اس کے شب و روز مشکلات میں گزرتے تھے (اس لیے) اس کے ہاتھ سے کوئی کام بھی سرانجام نہیں پایا (یہاں دست؛ طاقت کے معنی میں استعمال ہوا ہے)

شیخ ابو محمد مصلح الدین بن عبد اللہ سعدی شیرازی (ت691ھ) کے اشعار ملاحظہ ہوں:

خدمتی لایقم از دست نیاید چہ کنم
سر نہ چیزیست کہ در پائے عزیزان بازم

ترجمہ: میں آپ کی شان کے لائق خدمت کرنے سے عاجز ہوں (بلکہ میرا تو عالم یہ ہے کہ) میرا سر اس لائق نہیں کہ دوستوں کے قدموں پہ قربان کر دوں! (یعنی میرے دوستوں کا مقام اس سے بھی بلند تر ہے)

گرت ز دست بر آید چو نخل باش کریم

ورت ز دست نیاید چو سرو باش آزاد

ترجمہ: اگر آپ میں قوت وصلاحیت موجود ہے تو کھجور کے درخت کی طرح کریم بن جائیں اور اگر آپ کے ہاتھ سے کچھ ممکن نہیں (یعنی اگر کام کرنا آپ کی طاقت سے باہر ہے) تو ٹھیک ہے پھر آپ صنوبر کی طرح آزاد ہیں۔

اولاتر آنکہ ہم تو بگیری ز لطف خویش

دستی وگرنہ ہیچ نیاید ز دست ما

ترجمہ: بہتر تو یہی ہے کہ آپ لطف وکرم فرماتے ہوئے معاونت کریں ورنہ ہمارے بس میں تو کچھ نہیں (یعنی ہم تو اس معاملے میں بے بس ہیں)

لغت نامہ دھخدا میں دست کا معنی "قوت و توانایی" ہے۔ فرہنگ معین میں اس کا معنی "توانائی وقدرت" ہے اور فرہنگ عمید میں "قدرت وسلطہ" ہے۔

فائدہ نمبر 2:

"لغتِ فارسی" کی قید اتفاقی ہے، مراد ہر زبان میں ان الفاظ کا استعمال ہے۔

فائدہ نمبر 3:

اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے لفظ "خدا" کا استعمال کرنا کئی ایک اکابر سے ثابت ہے:

1: امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت الکوفی (ت 150ھ) فرماتے ہیں:

"وَيَجُوْزُ أَنْ يُقَالَ "بروئے خدا" أَيْ عَزَّ وَجَلَّ بِلَا تَشْبِيْهٍ وَلَا كَيْفِيَّةٍ."

ترجمہ: "بروئے خدا" کہنا جائز ہے بشرطیکہ بغیر تشبیہ وکیفیت کے کہا جائے۔

2: امام فخر الدین ابو عبد اللہ محمد بن عمر بن الحسین الرازی الشافعی (ت 606ھ)

لکھتے ہیں:

وَقَوْلُهُمْ بِالْفَارِسِيَّةِ "خُدَای" مَعْنَاهُ أَنَّهُ وَاجِبُ الْوُجُودِ لِذَاتِهِ لِأَنَّ قَوْلَنَا "خُدَای" كَلِمَةٌ مُرَكَّبَةٌ مِنْ لَفْظَتَيْنِ فِي الْفَارِسِيَّةِ: إِحْدَاهُمَا: خُوْدْ، وَمَعْنَاهُ ذَاتُ الشَّيْءِ وَنَفْسُهُ وَحَقِيقَتُهُ وَالثَّانِيَةُ قَوْلُنَا: "آی" وَمَعْنَاهُ جَاءَ، فَقَوْلُنَا: "خُدَای" مَعْنَاهُ أَنَّهُ بِنَفْسِهِ جَاءَ، وَهُوَ إِشَارَةٌ إِلَى أَنَّهُ بِنَفْسِهِ وَذَاتِهِ جَاءَ إِلَى الْوُجُودِ لَا بِغَيْرِهِ، وَعَلَى هٰذَا الْوَجْهِ فَيَصِيرُ تَفْسِيرُ قَوْلِهِمْ: "خُدَای" أَنَّهُ لِذَاتِهِ كَانَ مَوْجُودًا.

التفسیر الکبیر: ج1 ص136 تفسیر سورۃ الفاتحۃ مباحث بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترجمہ: اہلِ فارس جب اللہ تعالیٰ کو "خدا" کہتے ہیں تو اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ واجب الوجود ذات ہے کیونکہ ہمارا لفظ "خدا" یہ دو لفظوں سے مرکب ہے۔ ان میں سے ایک لفظ "خود" ہے جس کا معنی کسی چیز کی ذات اور حقیقت ہے۔ دوسرا لفظ "آ" ہے جس کا معنی ہے "آیا"۔ تو "خدا" کا معنیٰ ہو گا ایسی ذات جو خود بخود موجود ہو۔ یہ اشارہ اس بات کی طرف کہ اللہ تعالیٰ خود بخود موجود میں آئے ہیں بغیر کسی کے موجود کرنے کے۔ اس تشریح کے مطابق لفظ "خدا" کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خود بخود موجود ہے۔

3: شیخ التفسیر مولانا محمد ادریس کاندھلوی (ت1394ھ) فرماتے ہیں:

"کسی شئے کا وجود ذاتی اور خود بخود نہیں۔ خدا کو خدا اس لیے کہتے ہیں کہ وہ خود بخود ہے اور اس کا وجود ذاتی ہے اس کے سوا جو چیز بھی موجود کہلاتی ہے تو اس کا وجود خدائے واجب الوجود کے سہارے سے ہے۔"

(معارف القرآن: ج6 ص81 تحت قولہ تعالیٰ: "كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ" سورۃ القصص: 88)

4: شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید (ت1413ھ) لکھتے ہیں:

"رب" اسماء حسنیٰ میں شامل ہے اور قرآن وحدیث میں بار بار آتا ہے۔ فارسی اور اردو میں اسی کا ترجمہ "خدا" کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اس لیے "خدا" کہنا صحیح ہے اور ہمیشہ سے اکابرِ امت اس لفظ کو استعمال کرتے آئے ہیں۔

آپ کے مسائل اور ان کا حل: ج2 ص565

5: فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی (ت1416ھ) لکھتے ہیں:

اس صورت میں ان ہی ناموں کو منع کیا جاسکتا ہے جو غیر قوم کا شعار ہیں اور جو شعار نہیں ان کو منع نہیں جاسکتا جیسے خدا، ایزد، یزداں کہ یہ نام کسی مخصوص غیر مسلم کے شعار نہیں بلکہ بکثرت اہلِ اسلام کی تصانیف میں موجود ہیں۔

فتاویٰ محمودیہ: ج1 ص271

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

"خدا ہر جگہ موجود ہے۔"

ملفوظات فقیہ الامت: ج2 ص14

6: مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبد الحمید سواتی رحمہ اللہ (ت1424ھ) مہتمم مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ وفاضل دار العلوم دیوبند فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ وجود اور ذات کے اعتبار سے قریب ہے، علم اور قدرت کے اعتبار سے بھی خدا تعالیٰ قریب ہے۔"

معالم العرفان فی دروس القرآن: ج3 ص200 تحت قولہ تعالیٰ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ سورۃ البقرۃ:186

مزید تفصیل کے لیے اس موضوع پر ہمارا مقالہ "اللہ تعالیٰ کو خدا کہنا جائز ہے" دیکھا جاسکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے مخلوق سے قریب اور دور ہونے کا معنی

وَلَيْسَ قُرْبُ اللّٰهِ تَعَالٰى وَلَا بُعْدُهٗ مِنْ طَرِيْقِ طُوْلِ الْمَسَافَةِ وَقَصْرِهَا وَلٰكِنْ عَلٰى مَعْنَى الْكَرَامَةِ وَالْهَوَانِ وَالْمُطِيْعُ قَرِيْبٌ مِنْهُ بِلَا كَيْفٍ وَالْعَاصِيْ بَعِيْدٌ مِنْهُ بِلَا كَيْفٍ وَالْقُرْبُ وَالْبُعْدُ وَالْإِقْبَالُ يَقَعُ عَلَى الْمُنَاجِيْ وَكَذٰلِكَ جِوَارُهٗ فِي الْجَنَّةِ وَالْوُقُوْفُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِلَا كَيْفٍ.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا قرب اور دوری مسافت کی کمی بیشی کے اعتبار سے نہیں بلکہ عزت اور ذلت کے معنی کے اعتبار سے ہے۔ چنانچہ فرمانبردار شخص اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتا ہے لیکن یہ قرب بغیر کسی کیفیت کے ہے اور نافرمان شخص اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا ہے لیکن یہ دوری بھی بغیر کیفیت کے ہوتی ہے۔ قریب ہونے، دور ہونے اور متوجہ ہونے کا اطلاق خدا تعالیٰ کے حضور مناجات کرنے والے شخص پر (بھی) ہوتا ہے۔ اسی طرح فرمانبردار شخص کا جنت میں اللہ کے جِوار (ہمسائیگی) میں ہونا اور اس کے روبرو کھڑا ہونا بھی بغیر کسی کیفیت کے ہوتا ہے۔

قَوْلُهٗ: وَلَيْسَ قُرْبُ اللّٰهِ تَعَالٰى وَلَا بُعْدُهٗ مِنْ طَرِيْقِ طُوْلِ الْمَسَافَةِ وَقَصْرِهَا وَلٰكِنْ عَلٰى مَعْنَى الْكَرَامَةِ وَالْهَوَانِ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا قرب اور دوری مسافت کی کمی بیشی کے اعتبار سے نہیں بلکہ عزت اور ذلت کے معنی کے اعتبار سے ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ مسافت کے اعتبار سے قریب یا دور ہونا اجسام کی صفات ہیں۔ اجسام طول، عرض، عمق رکھتے ہیں اور مکان کو بھی گھیرتے ہیں۔ اس لیے دو جسموں کے درمیان تو حسی طور قریب ہونے یا دور ہونے کا یہ معنی تصور کیا جا سکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ چونکہ جسم اور مکان سے پاک ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ کے لیے جب قرب یا بعد کے

الفاظ استعمال کیے جائیں تو ان سے حسی اور مکانی فاصلے والا معنیٰ مراد نہیں ہوتا بلکہ اس سے مراد قرب یا بعد معنوی ہوتا ہے یعنی فرمانبردار آدمی کو اللہ تعالیٰ اعزاز واکرام اور مقام ومرتبہ سے نوازتے ہیں اور گناہگار آدمی کو ذلیل اور رسوا کر دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ رَحۡمَتَ اللّٰهِ قَرِيۡبٌ مِّنَ الۡمُحۡسِنِيۡنَ

سورۃ الاعراف:56

ترجمہ: بے شک اللہ کی رحمت نیک لوگوں کے قریب ہے۔

اس آیت سے جس طرح اللہ تعالیٰ کی رحمت کا نیک لوگوں کے قریب ہونا معلوم ہوتا ہے اسی طرح یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ گنہگار اور فاسق لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہیں۔

دوسری جگہ حضرت صالح علیہ السلام کی بات نقل کرتے ہوئے ارشاد ہے:

اِنَّ رَبِّىۡ قَرِيۡبٌ مُّجِيۡبٌ

سورۃ ھود:61

ترجمہ: میرا رب قریب ہے، (دعائیں) قبول کرنے والا ہے۔

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يَقُولُ اللهُ تَعَالٰى: أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِيْ بِي وَأَنَا مَعَهُ إِذَا ذَكَرَنِي فَإِنْ ذَكَرَنِي فِي نَفْسِهٖ ذَكَرْتُهُ فِي نَفْسِي وَإِنْ ذَكَرَنِي فِي مَلَإٍ ذَكَرْتُهُ فِي مَلَإٍ خَيْرٍ مِنْهُمْ وَإِنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ بِشِبْرٍ تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ ذِرَاعًا وَإِنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ بَاعًا وَإِنْ أَتَانِي يَمْشِي أَتَيْتُهُ هَرْوَلَةً.

صحیح البخاری: رقم الحدیث 7405

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق اس سے معاملہ کرتا ہوں۔ جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ چنانچہ اگر وہ

مجھے اکیلا یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے اکیلا یاد کرتا ہوں۔ اگر وہ مجھے محفل میں یاد کرتا ہے تو میں اسے اس سے بہتر (فرشتوں کی) محفل میں یاد کرتا ہوں۔ اگر وہ مجھ سے ایک بالشت برابر قریب ہوتا ہے تو میں اس سے ایک ہاتھ قریب ہو جاتا ہوں۔ اگر وہ مجھ سے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے تو میں اس سے دو ہاتھ قریب ہو جاتا ہوں۔ اگر وہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔

اس حدیث میں "وَإِنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ بِشِبْرٍ تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ ذِرَاعًا" کے الفاظ ہیں کہ بندہ جب اللہ تعالیٰ سے قریب ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے قریب ہوتے ہیں۔

عَنْ أُبَيِّ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: "مَنْ أَدْرَكَ وَالِدَيْهِ أَوْ أَحَدَهُمَا ثُمَّ دَخَلَ النَّارَ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَأَبْعَدَهُ اللهُ."

مسند احمد: ج14 ص359 رقم الحدیث 18928

ترجمہ: حضرت ابی بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اپنے والدین کو یا دونوں میں سے کسی ایک کو پایا لیکن (ان کی خدمت کر کے جنت میں جانے کے بجائے) جہنم میں چلا گیا تو ایسے آدمی کو اللہ تعالیٰ دور فرما دیتے ہیں۔

ان آیات اور احادیث میں قرب اور بعد کے الفاظ مروی ہیں لیکن ان کا حقیقی معنی حسی طور پر قریب ہونا مراد نہیں بلکہ ان سے مراد فرمانبردار اور نیک شخص کو عزت دینا اور نافرمان اور گنہگار شخص کو ذلیل ورسوا کرنا ہے۔

قَوْلُهُ: وَالْمُطِيْعُ قَرِيْبٌ مِنْهُ بِلَا كَيْفٍ وَالْعَاصِيْ بَعِيْدٌ مِنْهُ بِلَا كَيْفٍ

ترجمہ: فرمانبردار شخص اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتا ہے لیکن یہ قرب بغیر کسی کیفیت کے ہے اور نافرمان شخص اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا ہے لیکن یہ دوری بھی بغیر کیفیت کے ہوتی ہے۔

قرب اور بعد کا اجمالی معنی (اعزاز واکرام، ذلیل ورسوا کرنا) بیان کرنے کے بعد امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اس عبارت میں عقیدہ تفویض کا اظہار فرمارہے ہیں۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ متشابہات کو تاویلِ اجمالی کے ساتھ بیان کر کے اس کا حقیقی معنی اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا جائے تو یہ درست ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے قرب اور بعد سے متعلق یہ کہنا چاہیے کہ "فرمانبر دار شخص اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتا ہے اور نافرمان شخص اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا ہے لیکن یہ قربت اور دوری بغیر کسی کیفیت کے ہے"۔

فائدہ نمبر 1: صفاتِ متشابہات کے بارے میں متقدمین اہل السنۃ والجماعۃ کا موقف "تفویض" کا ہے کہ ہمیں ان صفات کا حتمی معنی معلوم نہیں، ہم ان کے معانی و مفاہیم کو اس اعتقاد کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لیے یہ صفات ثابت ہیں لیکن مخلوق کی مشابہت سے پاک ہیں۔ البتہ متقدمین اہل السنۃ والجماعۃ سے تاویلِ اجمالی بھی ثابت ہے۔ تاویلِ اجمالی کو بیان کرنا ان صفات متشابہات کے قطعی معنی کے ہرگز منافی نہیں ہے جیسے قیامت کا قطعی علم تو اللہ تعالیٰ کو ہے کہ کب آئے گی لیکن اس کی اجمالی علامات کا علم ہو جانا جو محض ظن کا فائدہ دیتی ہیں یہ اللہ تعالیٰ کے قطعی علم کے منافی نہیں ہے۔

چند متقدمین اکابرین کے حوالہ جات پیش ہیں جنہوں نے صفات متشابہات کا تاویلی معنی بیان کیا ہے:

1: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما (ت 68ھ)

حافظ ابو الفضل احمد بن علی ابن حجر عسقلانی الشافعی (ت 852ھ) لکھتے ہیں:

وَأَمَّا السَّاقُ فَجَاءَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى "يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ" قَالَ: عَنْ شِدَّةٍ مِنَ الْأَمْرِ.

فتح الباری شرح صحیح البخاری: ج13 ص524، باب قول اللہ وجوہ یومئذ ناضرۃ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے فرمان "یَوْمَ یُکْشَفُ عَنْ سَاقٍ " کہ جس دن ساق کھول دی جائے گی میں لفظ "ساق" کا معنی بیان کرتے ہوئے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما(ت68ھ) فرماتے ہیں کہ اس کا معنی ہے کہ جس دن سخت معاملہ رونما ہو گا۔

2: امام مجاہد بن جبر المکی(ت103ھ)

امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری (ت256ھ) فرماتے ہیں:

وَقَالَ مُجَاهِدٌ "اِسْتَوٰی "عَلَا عَلَى الْعَرْشِ.

صحیح البخاری: کتاب التوحید، باب وکان عرشہ علی الماء

ترجمہ: امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ " اِسْتَوٰی "کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر غالب ہوا۔

3: امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت الکوفی (ت150ھ) فرماتے ہیں:

قَوْلُهٗ: وَلَيْسَ قُرْبُ اللهِ تَعَالٰى وَلَا بُعْدُهٗ مِنْ طَرِيْقِ طُوْلِ الْمَسَافَةِ وَقَصْرِهَا وَلٰكِنْ عَلٰى مَعْنَى الْكَرَامَةِ وَالْهَوَانِ.

الفقہ الاکبر

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا قرب اور دوری مسافت کی کمی بیشی کے اعتبار سے نہیں بلکہ عزت اور ذلت کے معنی کے اعتبار سے ہے۔

4: امام ابو عبد الرحمٰن عبد اللہ بن یحییٰ بن مبارک اللغوی النحوی (ت237ھ) لکھتے ہیں:

" اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰی " اسْتَوٰی: اسْتَوْلٰى.

غریب القرآن وتفسیرہ: ص243

ترجمہ: "اللہ عرش پر مستوی ہوا" کا معنی ہے کہ عرش کا مالک بنا۔

فائدہ نمبر2: الفقہ الاکبر کی مذکورہ عبارت "وَلَيْسَ قُرْبُ اللهِ تَعَالٰى وَلَا

بُعْدُهٗ مِنْ طَرِيْقِ طُوْلِ الْمَسَافَةِ وَقَصْرِهَا وَلٰكِنْ عَلٰى مَعْنَى الْكَرَامَةِ وَالْهَوَانِ" ان نسخوں میں موجود ہے:

1: متن الفقہ الاکبر مخطوط، مکتبہ ازھریہ، مصر

2: متن الفقہ الاکبر مخطوط، شاہ سعود یونیورسٹی

3: شرح الفقہ الاکبر مخطوط، للامام الیاس بن ابراہیم السینوبی الشیبانی الحنفی (ت891ھ)

4: شرح الفقہ الاکبر مخطوط و مطبوع، لابی المنتہی شہاب الدین احمد بن محمد المَغْنِیْساوی الرومی الحنفی (ت1000ھ)

5: متن الفقہ الاکبر مطبوع، مطبع مجلس دائرۃ المعارف حیدر آباد ہند (طبع 1399ھ)

6: متن الفقہ الاکبر مطبوع، مع ترجمہ مولانا صوفی عبد الحمید سواتی، مدرسہ نصرۃ العلوم، گوجرانوالہ (ت1424ھ)

7: متن الفقہ الاکبر مرتبہ مفتی محمد ابراہیم تیموری سلمہ اللہ، انگلینڈ (طبع 1442ھ)

اس عبارت کے مطابق ماقبل میں تشریح کر دی گئی ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے صفات متشابہات کا اجمالاً تاویلی معنی بیان فرما کر "تفویض" کا قول بھی فرما دیا ہے۔ البتہ بعض نسخوں میں عبارت کچھ یوں ہے:

"وَلَيْسَ قُرْبُ اللهِ تَعَالٰى وَلَا بُعْدُهٗ مِنْ طَرِيْقِ طُوْلِ الْمَسَافَةِ وَقَصْرِهَا وَلَا عَلٰى مَعْنَى الْكَرَامَةِ وَالْهَوَانِ وَلٰكِنَّ الْمُطِيْعَ قَرِيْبٌ مِنْهُ بِلَا كَيْفٍ وَالْعَاصِيَ بَعِيْدٌ مِنْهُ بِلَا كَيْفٍ"

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا قرب اور دوری مسافت کی کمی بیشی کے اعتبار سے نہیں اور نہ ہی

عزت اور ذلت کے معنی کے اعتبار سے ہے البتہ فرمانبردار شخص اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی کیفیت کے قریب ہوتا ہے اور نافرمان شخص اللہ تعالیٰ سے بغیر کیفیت کے دور ہوتا ہے۔

یہ عبارت ان نسخوں میں موجود ہے:

1: القول الفصل شرح الفقہ الاکبر مطبوع، شیخ محی الدین محمد بن بہاؤ الدین (ت956ھ)

2: شرح الفقہ الاکبر مطبوع، ملا علی القاری (ت1014ھ)

3: احسن الفوائد شرح الفقہ الاکبر مطبوع، سید حسن شاہ (ت1391ھ)

4: الدر الازہر فی شرح الفقہ الاکبر مطبوع، ابو محمد عبد القادر بن محمد ادریس بن محمد محمود العمری الحنفی السلھتی

اس عبارت کے مطابق تشریح یہ ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ یہاں مسلکِ تفویض ہی کو ترجیح دے رہے ہیں کہ قرب اور بعد صفاتِ متشابہات میں سے ہیں اس لیے بغیر تاویل اور کیفیت کے اللہ تعالیٰ کی ذات پر بولے جائیں گے۔ ان سے مراد حقیقی معنی؛ قرب وبعد حسی اور مکانی نہیں کیونکہ یہ ان اشیاء کی صفات ہیں جو جسم اور مکان رکھتی ہیں۔ نیز ان کا مجازی معنی اعزاز واکرام سے نوازنا یا ذلیل ورسوا کرنا بھی مراد نہیں کیونکہ یہ بھی ایک قسم کی تاویل ہے، گو اجمالی ہی ہو لیکن بہرحال تاویل ضرور ہے۔ تو کمال تنزیہ یہی ہے کہ ان صفات کا اجمالاً تاویلی معنی بھی مراد نہ لیا جائے بلکہ تاویل کے بجائے قرب وبعد بلا کیف مراد لیا جائے۔ اس لیے اب یوں کہا جائے: "وَلٰكِنَّ الْمُطِيْعَ قَرِيْبٌ مِنْهُ بِلَا كَيْفٍ وَالْعَاصِيَ بَعِيْدٌ مِنْهُ بِلَا كَيْفٍ" کہ فرمانبردار شخص بغیر کسی کیفیت کے اللہ تعالیٰ سے قریب ہوتا ہے اور نافرمان شخص بغیر کیفیت کے اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا ہے۔

قَوۡلُهٗ: وَالۡقُرۡبُ وَالۡبُعۡدُ وَالۡإِقۡبَالُ يَقَعُ عَلَى الۡمُنَاجِيۡ.

ترجمہ: قریب ہونے، دور ہونے اور متوجہ ہونے کا اطلاق خدا تعالیٰ کے حضور مناجات کرنے والے شخص پر (بھی) ہوتا ہے۔

شارح فقہ اکبر ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس عبارت کی مراد یہ بیان کرتے ہیں:

(وَالۡقُرۡبُ وَالۡبُعۡدُ وَالۡإِقۡبَالُ يَقَعُ عَلَى الۡمُنَاجِيۡ) اَيۡ يُطۡلَقُ اَيۡضاً عَلَى الۡعَبۡدِ الۡمُتَضَرِّعِ إِلَى اللهِ، الۡمُتَذَلِّلِ لَدَيۡهِ طَالِباً لِرِضَاهُ.

شرح الفقہ الاکبر لعلی القاری: ص215

ترجمہ: قریب ہونے، دور ہونے اور متوجہ ہونے کا اطلاق مناجات کرنے والے شخص پر بھی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی عاجزی کا اظہار کر رہا ہو اور اس کی رضامندی کا طلب گار ہو۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ قرب، بعد، اقبال وغیرہ کا اطلاق جس طرح اللہ تعالیٰ پر ہوتا ہے اسی طرح بندے پر بھی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے جب یہ الفاظ بولے جائیں تو ان کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ مومن بندے کو عزت سے نوازتے ہیں، کافر بندے کو ذلیل اور رسوا کرتے ہیں اور اپنی طرف رجوع کرنے والے پر اپنی رحمت فرماتے ہیں۔ جبکہ بندے کے لیے جب یہ الفاظ بولے جائیں تو ان کا معنیٰ اور ہوتا ہے۔ چنانچہ "بندہ اللہ سے قریب ہے" کا معنی یہ ہے کہ بندہ عبادت کی حالت میں انتہائی عاجزی کا اظہار کر رہا ہے جیسا کہ ان نصوص میں ملتا ہے:

وَاسۡجُدۡ وَاقۡتَرِبۡ

سورۃ العلق:19

ترجمہ: اپنے رب کو سجدہ کرو اور قریب ہو جاؤ!

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "أَقْرَبُ مَا يَكُونُ الْعَبْدُ مِنْ رَبِّهِ وَهُوَ سَاجِدٌ، فَأَكْثِرُوا الدُّعَاءَ".

صحیح مسلم: رقم الحدیث 482

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ حالت جس میں بندہ اپنے رب کے بہت زیادہ قریب ہوتا ہے وہ سجدے کی حالت ہوتی ہے، اس لیے سجدے میں خوب دعا مانگا کرو!

اسی طرح بندے کے اللہ تعالیٰ سے دور ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ بندہ کوئی ایسا گناہ کر رہا ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مہربانی سے دور ہو رہا ہے جیسا کہ اس حدیث مبارک میں ہے:

عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أُحْضُرُوا الْمِنْبَرَ فَحَضَرْنَا، فَلَمَّا ارْتَقَى دَرَجَةً قَالَ: آمِينَ، فَلَمَّا ارْتَقَى الدَّرَجَةَ الثَّانِيَةَ قَالَ: آمِينَ، فَلَمَّا ارْتَقَى الدَّرَجَةَ الثَّالِثَةَ قَالَ: آمِينَ، فَلَمَّا فَرَغَ نَزَلَ مِنَ الْمِنْبَرِ قَالَ: فَقُلْنَا لَهُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ لَقَدْ سَمِعْنَا الْيَوْمَ مِنْكَ شَيْئًا لَمْ نَكُنْ نَسْمَعُهُ قَالَ: إِنَّ جِبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَرَضَ لِي فَقَالَ: بَعُدَ مَنْ أَدْرَكَ رَمَضَانَ فَلَمْ يُغْفَرْ لَهُ فَقُلْتُ: آمِينَ فَلَمَّا رَقِيتُ الثَّانِيَةَ قَالَ: بَعُدَ مَنْ ذُكِرْتَ عِنْدَهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْكَ فَقُلْتُ: آمِينَ، فَلَمَّا رَقِيتُ الثَّالِثَةَ قَالَ: بَعُدَ مَنْ أَدْرَكَ وَالِدَيْهِ الْكِبَرَ عِنْدَهُ أَوْ أَحَدَهُمَا، فَلَمْ يُدْخِلَاهُ الْجَنَّةَ - أَظُنُّهُ قَالَ- فَقُلْتُ: آمِينَ•

شعب الایمان للبیہقی: ج2 ص215 رقم الحدیث 1572

ترجمہ: حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ منبر کے قریب ہو جاؤ۔ ہم لوگ (قریب قریب) حاضر ہو گئے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر کے پہلے زینہ پر قدم رکھا تو فرمایا: آمین۔ جب دوسرے زینہ پر قدم رکھا تو پھر فرمایا: آمین، جب تیسرے پر قدم رکھا تو پھر فرمایا

آمین۔ جب آپ علیہ السلام خطبہ سے فارغ ہو کر نیچے تشریف لائے تو ہم نے عرض کیا کہ ہم نے آج آپ سے ایسی بات سنی ہے جو پہلے کبھی نہیں سنی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس وقت جبرئیل میرے پاس آئے تھے۔ جب میں نے پہلے درجہ پر قدم رکھا تو انہوں نے کہا: ہلاک ہو جائے وہ شخص جس نے رمضان کا مبارک مہینہ پایا اور پھر بھی اس کی مغفرت نہیں ہوئی، میں نے کہا: آمین، پھر جب میں دوسرے زینے پر چڑھا تو انہوں نے کہا: ہلاک ہو جائے وہ شخص جس کے سامنے آپ کا ذکر مبارک ہو اور وہ درود نہ بھیجے، میں نے کہا: آمین، جب میں تیسرے درجہ پر چڑھا تو انہوں نے کہا: ہلاک ہو جائے وہ شخص جس کے سامنے اس کے والدین یا ان میں سے کوئی ایک بڑھاپے کی حالت میں آئیں اور وہ اس کو جنت میں داخل نہ کرائیں، میں نے کہا: آمین۔

اس طرح بندے کے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ یہ بندہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کر رہا ہے۔

خلاصہ یہ کہ جس طرح یہ الفاظ (قرب، بعد اور اقبال) اللہ تعالیٰ کے لیے بولے جاتے ہیں اسی طرح بندے کے لیے بھی بولے جاتے ہیں البتہ بندے کے حق میں ان الفاظ کا مجازی معنی مراد ہو گا کیونکہ اللہ تعالیٰ جسم، مکان اور جہت سے پاک ہے۔ نیز یہ قرب وبعد بھی بغیر کسی کیفیت کے ہے جیسا کہ مسئلہ تفویض کے بیان میں گزرا۔

قَوْلُهُ: وَكَذٰلِكَ جِوَارُهُ فِي الْجَنَّةِ وَالْوُقُوفُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِلَا كَيْفٍ.

ترجمہ: اسی طرح فرمانبردار شخص کا جنت میں اللہ کے جِوار (ہمسائیگی) میں ہونا اور اس کے روبرو کھڑا ہونا بھی بغیر کسی کیفیت کے ہوتا ہے۔

ماقبل میں چونکہ دو نسخوں کا ذکر کیا گیا ہے اس لیے امام صاحب کی عبارت "وَكَذٰلِكَ" کے مشار الیہ میں بھی دو احتمال ہیں۔ ان دونوں کے مطابق "وَكَذٰلِكَ

جِوَارُہٗ فِی الْجَنَّۃِ وَالْوُقُوْفُ بَیْنَ یَدَیْہِ بِلَا کَیْفٍ" کے بھی دو مفہوم ہو سکتے ہیں:

مفہوم اول:

"وَکَذٰلِکَ" سے مراد اول نسخہ کی عبارت ہو (تاویل اجمالی مع عقیدہ تفویض) ہو تو اس صورت میں اس عبارت کا معنی یہ ہو گا کہ جس طرح "قرب" کا معنی اعزاز و اکرام اور "بعد" کا معنی اِذلال ہے اسی طرح وہ آیات و احادیث جن میں بندے کا اللہ تعالیٰ کی ہمسائیگی میں جنت میں ہونے یا اس کے سامنے کھڑا ہونے کا ذکر ہے ان سے مراد بھی حقیقی معنی نہیں ہے بلکہ مجازی معنی بلا کیف مراد ہے۔ چنانچہ آیت

یَّوْمَ یَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سورۃ المطففین:6

ترجمہ: جس دن لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔

میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونے سے مراد حساب کتاب کے لیے حاضر ہونا ہے اور یہ حاضری بلا کیف ہے۔

فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْکٍ مُّقْتَدِرٍ

سورۃ القمر:55

ترجمہ: (پرہیز گار لوگ) پاک مقام میں قادرِ مطلق بادشاہ کے پاس ہوں گے۔

"عِنْدَ" (پاس ہونا) سے مراد "عندیتِ مکان" (جگہ کے اعتبار سے قریب ہونا) نہیں بلکہ "عندیت مکانۃ" (اللہ کے ہاں مقام و مرتبہ والا ہونا) مراد ہے اور یہ عندیت بھی بلا کیف ہے۔

اسی طرح حدیث مبارک میں ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللہُ عَنْہُمَا یَرْفَعُہٗ قَالَ: خَلَقَ اللہُ جَنَّۃَ عَدْنٍ بِیَدِہٖ, وَدَلّٰی فِیہَا ثِمَارَہَا، وَشَقَّ فِیہَا أَنْہَارَہَا، ثُمَّ نَظَرَ إِلَیْہَا فَقَالَ: "قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ"

قَالَ: وَعِزَّتِي لَا يُجَاوِرُنِي فِيكِ بَخِيلٌ.

المعجم الکبیر للطبرانی: ج6 ص96 رقم الحدیث 12555

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعا روایت ہے (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) کہ اللہ تعالیٰ نے جنت عدن کو اپنی قدرت کاملہ سے پیدا فرمایا، پھر اس میں پھل پیدا فرمائے، اس میں نہریں جاری فرمائیں، پھر اس کی طرف دیکھا اور فرمایا: بے شک مومن لوگ کامیاب ہو گئے۔ پھر (جنت کو مخاطب کر کے) فرمایا: میری عزت کی قسم! ایسا نہیں ہو سکتا کہ بخیل آدمی تمہارے اندر رہ کر میری جِوار (ہمسائیگی) کا حق دار ہو سکے!

اس حدیث میں "لَا يُجَاوِرُنِي" سے مراد جنت میں رحمتِ الٰہی کے سایہ میں ہونا ہے لیکن یہ جِوار بھی بلا کیف ہو گا۔

مفہوم ثانی:

"وَ كَذٰلِكَ" سے مراد ثانی نسخہ کی عبارت ہو (فقط عقیدہ تفویض) ہو تو اس صورت میں عبارت کا معنی یہ ہو گا کہ جس طرح "قرب" اور "بعد" سے حسی اور مکانی مسافت والا معنی مراد نہیں اور نہ ہی اعزاز و اکرام اور رسوا اور ذلیل کرنے والا مجازی معنی مراد ہے بلکہ وہاں قرب و بعد بلا کیف مراد ہے بالکل اسی طرح وہ آیات اور احادیث جن میں بندے کا اللہ تعالیٰ کی ہمسائیگی میں یا اس کے سامنے کھڑا ہونے کا ذکر ہے ان سے مراد بھی بلا کیف جِوار (ہمسائیگی) میں ہونا اور بلا کیف اس کے روبرو کھڑا ہونا ہے۔

قرآن کریم کی تعریف اور آیاتِ قرآن کی فضیلت

وَالْقُرْآنُ مُنَزَّلٌ عَلَى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي الْمَصَاحِفِ مَكْتُوْبٌ وَآيَاتُ الْقُرْآنِ فِيْ مَعْنَى الْكَلَامِ كُلُّهَا مُسْتَوِيَةٌ فِي الْفَضِيْلَةِ وَالْعَظَمَةِ إِلَّا أَنَّ لِبَعْضِهَا فَضِيْلَةَ الذِّكْرِ وَفَضِيْلَةَ الْمَذْكُوْرِ مِثْلَ آيَةِ الْكُرْسِيِّ لِأَنَّ الْمَذْكُوْرَ فِيْهَا جَلَالُ اللهِ تَعَالٰى وَعَظَمَتُهُ وَصِفَاتُهُ فَاجْتَمَعَتْ فِيْهَا فَضِيْلَتَانِ، فَضِيْلَةُ الذِّكْرِ وَفَضِيْلَةُ الْمَذْكُوْرِ وَلِبَعْضِهَا فَضِيْلَةُ الذِّكْرِ فَحَسْبُ مِثْلُ قِصَّةِ الْكُفَّارِ وَلَيْسَ لِلْمَذْكُوْرِ فِيْهَا فَضْلٌ وَهُمُ الْكُفَّارُ وَكَذٰلِكَ الْأَسْمَاءُ وَالصِّفَاتُ كُلُّهَا مُسْتَوِيَةٌ فِي الْعَظَمَةِ وَالْفَضْلِ لَا تَفَاوُتَ بَيْنَهَا.

ترجمہ: قرآن کریم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اور مصاحف میں لکھا گیا۔ قرآن کریم کی تمام آیات کلام اللہ ہونے کی بناء پر فضیلت و عظمت میں تو باہم مساوی ہیں البتہ ذکر و مذکور کے اعتبار سے بعض آیات خصوصی فضیلت کی حامل ہیں۔ جیسے آیت الکرسی کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کے جلال، عظمت اور صفات کا تذکرہ ہے۔یوں اس میں دو فضیلتیں جمع ہو جاتی ہیں: ایک ذکر کی فضیلت اور دوسری مذکور کی فضیلت۔ بعض آیات کو فقط ذکر ہونے کے اعتبار سے فضیلت حاصل ہے جیسے وہ آیات جن میں کفار کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ان آیات میں جو مذکور ہیں (یعنی کفار) وہ فضیلت کے حامل نہیں۔ اسی طرح وہ آیات جن میں باری تعالیٰ کے اسماء و صفات کا ذکر ہے وہ بھی عظمت اور فضیلت میں باہم مساوی ہیں، (باعتبار فضیلت) ان میں کوئی فرق نہیں۔

کلام کی فضیلت میں بنیادی طور پر دو باتیں ملحوظ ہوتی ہیں:

(1): یہ دیکھا جائے کہ کس ذات کا کلام ہے؟ متکلم ذات جتنی بلند مرتبہ کی حامل

ہو گی اس کے کلام میں اتنی ہی فضیلت پائی جائے گی۔ عرب کا ایک مقولہ ہے: ”کَلَامُ الْمُلُوْكِ مُلُوْكُ الْكَلَامِ “کہ بادشاہوں کا کلام تمام کلاموں کا بادشاہ ہوا کرتا ہے۔

(2): یہ دیکھا جائے کہ کلام میں کس چیز کا تذکرہ کیا جا رہا ہے؟ مذکور ذات کی عظمت سے بھی کلام کی عظمت ظاہر ہوتی ہے۔ معروف صحابی حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا شعر ہے:

مَا اِنْ مَدَحتُ مُحَمَّدًا بِمَقَالَتِیْ لٰکِنْ مَدَحتُ مَقَالَتِیْ بِمُحَمَّدٍ

روح المعانی: ج4 ص497 تحت الآیۃ ”اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّ نُوْرٌ “سورۃ المائدۃ:44

ترجمہ: میں اپنے شعر سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف نہیں کرتا بلکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرہ سے میری بات قابلِ تعریف ہو جاتی ہے۔

اس اصول کے پیش نظر قرآن کریم کی آیات کی بھی دو قسمیں ہیں۔

1: بعض آیات ایسی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی عظمتِ شان، جاہ و جلال، کبریائی اور صفاتِ عالیہ کا تذکرہ ہے۔ یہ آیات دوہری فضیلت کی حامل ہیں۔ ایک فضیلت خود ذکر ہونے کی کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور دوسری فضیلت مذکور کی کہ مذکور اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات ہیں۔

2: بعض آیات ایسی ہیں جن میں کفار کے حالات مذکور ہیں جیسے فرعون، ابلیس، دشمنانِ خدا اور دشمنانِ پیغمبر لوگ وغیرہ۔ یہ آیات اکہری فضیلت کی حامل ہیں اور وہ ذکر اللہ ہونے کی فضیلت ہے کہ یہ آیات اللہ تعالیٰ کا کلام ہیں۔ ان آیات کو دوسری یعنی مذکور کی فضیلت حاصل نہیں ہے کیونکہ مذکور عظمت والا نہیں ہے۔

فائدہ:

”وَ كَذٰلِكَ الْأَسْمَاءُ وَالصِّفَاتُ كُلُّهَا مُسْتَوِيَةٌ فِي الْعَظَمَةِ وَالْفَضْلِ لَا

تَفَاوُتَ بَيْنَهَا" کا معنٰی یہ ہے کہ اللہ تعالٰی کے تمام اسماء وصفات فضیلت وعظمت میں باہم برابر ہیں۔ کسی کو یہ شبہ نہیں ہونا چاہیے کہ جس طرح قرآن کریم کی بعض آیات کو بعض دوسری آیات پر فضیلت حاصل ہے اسی طرح اللہ تعالٰی کے بعض اسماء وصفات کو بعض دوسرے اسماء وصفات پر فضیلت ہے، ایسا نہیں ہے کہ بلکہ تمام اسماء وصفات کی فضیلت وعظمت باہم برابر ہے۔

ایمانِ والدینِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم

وَوَالِدَا رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مَاتَا عَلَى الْكُفْرِ.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کی وفات حالت کفر پر نہیں ہوئی۔

فائدہ نمبر 1:

الفقہ الاکبر کے کئی نسخے منقول ہیں۔ ان میں اس مقام کی عبارت باہم مختلف ہے:

۱: وَوَالِدَا رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاتَا عَلَى الْكُفْرِ.

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا انتقال حالت کفر میں ہوا۔

۲: وَوَالِدَا رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاتَا عَلَى الْفِطْرَةِ.

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا انتقال حالتِ فطرت پر ہوا۔

۳: وَوَالِدَا رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مَاتَا عَلَى الْكُفْرِ.

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا انتقال حالت کفر میں نہیں ہوا۔

اول نسخہ جس میں حالتِ کفر پر وفات کی بات کی گئی ہے یہ نسخہ عام طور پر ملتا ہے۔ باقی

دو نسخوں کا تذکرہ علامہ زاہد بن الحسن الکوثری (ت 1371ھ) نے کیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

وَفِي بَعْضِ النُّسَخِ الْمَخْطُوطَةِ: "وَأَبَوَا النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاتَا عَلَى الْفِطْرَةِ". وَ"الْفِطْرَةُ" سَهْلَةُ التَّحْرِيفِ إِلَى "الْكُفْرِ" فِي الْخَطِّ الْكُوفِيِّ وَفِي أَكْثَرِهَا "مَا مَاتَا عَلَى الْكُفْرِ"، كَأَنَّ الْإِمَامَ الْأَعْظَمَ يُرِيْدُ بِهِ الرَّدَّ عَلَى مَنْ يَرْوِيْ حَدِيْثَ "أَبِيْ وَأَبُوْكَ فِي النَّارِ" وَيَرَى كَوْنَهُمَا مِنْ أَهْلِ النَّارِ، لِأَنَّ إِنْزَالَ الْمَرْءِ فِي النَّارِ لَا يَكُوْنُ إِلَّا بِدَلِيْلٍ يَقِيْنِيٍّ وَهٰذَا الْمَوْضُوْعُ لَيْسَ بِمَوْضُوْعٍ عِلْمِيٍّ حَتّٰى يُكْتَفٰى فِيْهِ بِالدَّلِيْلِ الظَّنِّيِّ. وَيَقُوْلُ الْحَافِظُ مُحَمَّدٌ الْمُرْتَضَى الزَّبِيْدِيُّ شَارِحُ الْإِحْيَاءِ وَالْقَامُوْسِ فِي رِسَالَتِهِ «الانْتِصَارِ لِوَالِدَيِ النَّبِيِّ الْمُخْتَارِ» وَكُنْتُ رَأَيْتُهَا بِخَطِّهِ عِنْدَ شَيْخِنَا أَحْمَدَ بْنِ مُصْطَفَى الْعُمَرِيِّ الْحَلَبِيِّ مُفْتِي الْعَسْكَرِ الْعَالِمِ الْمُعَمَّرِ مَا مَعْنَاهُ: إِنَّ النَّاسِخَ لَمَّا رَأَى تَكَرُّرَ "مَا" فِيْ "مَا مَاتَا" ظَنَّ أَنَّ إِحْدَاهُمَا زَائِدَةٌ فَحَذَفَهَا فَذَاعَتْ نُسْخَتُهُ الْخَاطِئَةُ، وَمِنَ الدَّلِيْلِ عَلٰى ذَالِكَ سِيَاقُ الْخَبَرِ لِأَنَّ أَبَا طَالِبٍ وَالْأَبَوَيْنِ لَوْ كَانُوْا جَمِيْعاً عَلٰى حُلَّةٍ وَاحِدَةٍ لَجَمِيْعُ الثَّلَاثَةِ فِي الْحُكْمِ بِجُمْلَةٍ وَاحِدَةٍ لَا بِجُمْلَتَيْنِ مَعَ عَدَمِ التَّخَالُفِ بَيْنَهُمْ فِي الْحُكْمِ وَهٰذَا رَأْيٌ وَجِيْهٌ مِنَ الْحَافِظِ الزَّبِيْدِيِّ إِلَّا أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ رَأَى النُّسْخَةَ الَّتِيْ فِيْهَا "مَا مَاتَا" وَإِنَّمَا حَكٰى عَمَّنْ رَآهَا وَإِنِّيْ بِحَمْدِ اللهِ رَأَيْتُ لَفْظَ "مَا مَاتَا" فِيْ نُسْخَتَيْنِ بِدَارِ الْكُتُبِ الْمِصْرِيَّةِ كَمَا رَأٰى بَعْضُ أَصْدِقَائِيْ لَفْظَيْ "مَا مَاتَا" وَ"عَلَى الْفِطْرَةِ" فِيْ نُسْخَتَيْنِ قَدِيْمَتَيْنِ بِمَكْتَبَةِ شَيْخِ الْإِسْلَامِ الْمَذْكُوْرَةِ، وَعَلِيٌّ الْقَارِيُّ بَنٰى شَرْحَهُ عَلَى النُّسْخَةِ الْخَاطِئَةِ وَأَسَاءَ الْأَدَبَ، سَامَحَهُ اللهُ.

مقدمۃ الکوثری علی کتاب العالم والمتعلم لابن حنیفۃ: ص7 ص8

ترجمہ: بعض مخطوط نسخوں میں یہ الفاظ ہیں "وَأَبَوَا النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاتَا عَلَى الْفِطْرَةِ"۔ لفظ "الْفِطْرَة" خطِ کوفی میں آسانی کے ساتھ لفظ "الْكُفْر" میں

تبدیل ہو سکتا ہے۔ اکثر نسخوں میں "مَا مَاتَا عَلَى الْكُفْرِ" کے الفاظ ہیں۔ گویا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ ان لوگوں کی تردید کرنا چاہتے ہیں جو "أَبِيْ وَأَبُوْكَ فِي النَّارِ" والی حدیث نقل کر کے یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین جہنمی ہیں۔ (ان لوگوں کا یہ موقف درست نہیں) اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی شخص کے بارے میں جہنمی ہونے کا عقیدہ رکھنا دلیل یقینی سے ہی ثابت ہو سکتا ہے کیونکہ یہ عملی موضوع نہیں کہ جس میں دلیل ظنی کافی ہو جائے۔ حافظ محمد مرتضی زبیدی شارح احیاء العلوم اور صاحب قاموس اپنے رسالہ "الْإِنْتِصَارُ لِوَالِدَيِ النَّبِيِّ الْمُخْتَارِ" میں لکھتے ہیں کہ میں نے اپنے شیخ احمد بن مصطفی العمری الحلبی جو عسکر العالم کے مفتی ہیں اور معمر عالم شخصیت ہیں، ان کے ہاتھ سے لکھی ہوئی تحریر دیکھی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ نسخہ لکھنے والے نے جب یہ دیکھا کے "مَا مَاتَا" میں لفظ "مَا" دو مرتبہ ہے تو اس نے یہ سمجھا کہ ایک "مَا" زائد ہے اس لیے اس نے ایک "مَا" حذف کر دیا۔ پھر یہی غلط نسخہ عام ہو گیا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اس عبارت کے سیاق میں ابو طالب کا تذکرہ ہے۔ اگر ابو طالب اور والدینِ مصطفیٰ کا حکم ایک جیسا ہوتا تو باوجودیکہ دونوں کے حکم میں کوئی فرق نہیں سب کو ایک جملہ میں ہی نقل کیا جاتا نہ کہ دو جملوں میں۔ حافظ زبیدی کی یہ رائے بہت عمدہ ہے انہوں نے بھی "مَا مَاتَا" کا نسخہ خود نہیں دیکھا تھا بلکہ جنہوں نے اصل نسخہ دیکھا تھا حافظ زبیدی نے ان سے نقل کیا ہے۔ لیکن الحمدللہ میں نے "مَا مَاتَا" کے دو نسخے دار الکتب المصریہ میں دیکھے ہیں جس طرح میرے بعض دوستوں نے "مَا مَاتَا" اور "عَلَى الْفِطْرَةِ" کے دو قدیم نسخے مکتبہ شیخ الاسلام مصر میں دیکھے ہیں۔ ملا علی قاری نے اپنی شرح اسی خطا والے نسخے کی بنیاد پر لکھی ہے اور مقامِ ادب کا لحاظ نہ رکھ سکے۔ اللہ تعالیٰ ان سے درگزر فرمائے۔

فائدہ نمبر 2:

ہمارے سامنے شارح الفقہ الاکبر امام ابو المنتہی شہاب الدین احمد بن محمد المَغْنِیْساوی الرومی الحنفی (ت1000ھ) کی شرح "الکتاب الاغر الجامع للفوائد التی لا تحصر" کا ایک مخطوط نسخہ ہے۔ اس میں متن کی عبارت یوں ہے:

وَوَالِدَا رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاتَا فِيْ فَتْرَةِ الْوَحْيِ.

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا انتقال فترت وحی کے زمانہ میں ہوا۔

اس نسخہ میں صراحتاً کفر پر وفات کا ذکر نہیں۔

فائدہ نمبر 3:

ملا علی بن سلطان محمد القاری الھروی الحنفی (ت1014ھ) کا پہلے یہ خیال تھا کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے بارے میں یہ موقف رکھتے ہیں کہ ان کی وفات حالتِ کفر میں ہوئی تھی۔ اس پر انہوں نے ایک کتاب بھی لکھی تھی جس کا نام "ادلۃ معتقد ابی حنیفۃ" رکھا۔ بعد میں اس موقف سے رجوع کر لیا۔ چنانچہ جب آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی وفات سے تین سال قبل سن 1011ھ میں قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ (ت544ھ) کی "کتاب الشفاء" کی شرح لکھی تو اس میں اپنے پہلے موقف سے رجوع فرمالیا۔ شرح الشفاء میں لکھتے ہیں:

وَأَمَّا إِسْلَامُ أَبَوَيْهِ فَفِيْهِ أَقْوَالٌ، وَالْأَصَحُّ إِسْلَامُهُمَا عَلٰى مَا اتَّفَقَ عَلَيْهِ الْأَجِلَّةُ مِنَ الْأُمَّةِ كَمَا بَيَّنَهُ السُّيُوْطِيُّ فِيْ رَسَائِلِهِ الثَّلَاثِ الْمُؤَلَّفَةِ.

شرح الشفاء لعلی القاری: ج1 ص601

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے اسلام کے بارے میں کئی اقوال ہیں۔ صحیح ترین قول یہ ہے کہ وہ مسلمان تھے کیونکہ جلیل القدر ائمہ کا یہی موقف ہے

جیسا کہ امام سیوطی رحمہ اللہ نے اپنے تین رسائل میں اس موقف کو بیان کیا ہے۔

فائدہ نمبر 4:

ایمان والدین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر کتب

[1]: علامہ جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر سیوطی (ت 911ھ) نے اس مسئلہ پر چھ رسائل تحریر فرمائے ہیں جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے ایمان کو ثابت کیا ہے۔ رسائل یہ ہیں:

۱: اَلْمَقَامَةُ السُّنْدُسِيَّةِ فِي النِّسْبَةِ الْمُصْطَفَوِيَّةِ

۲: اَلدُّرَجُ الْمُنِيْفَةَ فِي الْآبَاءِ الشَّرِيْفَةِ

۳: مَسَالِكُ الْحُنَفَاءِ فِيْ وَالِدَيِ الْمُصْطَفٰى صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

۴: نَشْرُ الْعَلَمَيْنِ الْمُنِيْفَيْنِ فِيْ اِحْيَاءِ الْاَبَوَيْنِ الشَّرِيْفَيْنِ

۵: اَلتَّعْظِيْمُ وَالْمِنَّةُ فِيْ اَنَّ اَبَوَىْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْجَنَّةِ

۶: اَلسُّبُلُ الْجَلِيَّةُ فِي الْآبَاءِ الْعُلِيَّةِ

یہ چھ رسائل "الکمتبۃ العصریۃ بیروت" سے ایک جلد میں شائع ہو چکے ہیں۔

[2]: علامہ سید محمد بن محمد الحسینی الزبیدی المعروف مرتضیٰ الزبیدی (ت1205ھ) نے ایمان ثابت کرنے کے لیے ایک رسالہ لکھا جس کا نام "اَلْاِنْتِصَارُ لِوَالِدَيِ النَّبِيِّ الْمُخْتَارِ" ہے۔

[3]: علامہ قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی (ت 1225ھ) نے رسالہ لکھا: "تَقْدِيْسُ وَالِدَيِ الْمُصْطَفٰى صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ"

یہ عربی رسالہ اردو ترجمہ بنام "تقدیسِ والدین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم"

کے ساتھ شاہ نفیس اکیڈمی لاہور سے شائع ہو چکا ہے۔

[4]: مولانا عبد الخالق ملتانی (ت1386ھ)[تقسیم ہند سے قبل مدرس دار لعلوم دیوبند، تقسیم کے بعد مدرس جامعہ عباسیہ بہاولپور، بعدہ شیخ الحدیث قاسم العلوم ملتان، بعدہ بانی، صدر المدرسین و شیخ الحدیث دار العلوم کبیر والا] نے رسالہ لکھا:

"رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین جنتی ہیں"

مکتبہ حقانیہ ملتان سے شائع ہو چکا ہے۔

فائدہ نمبر5:

مذکورہ نسخوں کے پیشِ نظر ہم نے بھی راجح متن یہی لکھا ہے: "وَوَالِدَا رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مَاتَا عَلَى الْكُفْرِ"

فائدہ نمبر6:

اگر کسی مسئلہ میں اکابرین امت کا اختلاف ہو تو وہ رائے عام کی جائے جو امت کے لیے زیادہ مفید ہو۔

جناب ابو طالب کی وفات

وَأَبُوْ طَالِبٍ عَمُّهٗ مَاتَ كَافِرًا.

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب کافر ہونے کی حالت میں فوت ہوئے ہیں۔

جناب ابو طالب؛ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور حضرت علی المرتضیٰ

رضی اللہ عنہ کے والد تھے۔ کفار جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دینے کی کوشش کرتے تو ابو طالب آپ کی حمایت کرتے۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت مدد کی۔ دادا کی وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہی کی کفالت میں رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کے بہت احسانات ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اسلام کی دعوت دی لیکن انہوں نے اسلام قبول نہیں کیا اور اسی حالت میں ان کا انتقال ہوا۔ ان کے بارے میں صحیح عقیدہ یہی ہے کہ ان کا اسلام لانا ثابت نہیں۔ یہ موقف دلائل سے ثابت ہے۔ البتہ اس قول کے علاوہ ان کے بارے میں خاموشی اختیار کی جائے اور سوئے ادبی سے پرہیز کیا جائے۔

چند دلائل ملاحظہ ہوں:

(1): عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ أَبَا طَالِبٍ لَمَّا حَضَرَتْهُ الْوَفَاةُ دَخَلَ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعِنْدَهُ أَبُو جَهْلٍ فَقَالَ أَيْ عَمِّ قُلْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ كَلِمَةً أُحَاجُّ لَكَ بِهَا عِنْدَ اللهِ فَقَالَ أَبُو جَهْلٍ وَعَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي أُمَيَّةَ يَا أَبَا طَالِبٍ تَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَلَمْ يَزَالَا يُكَلِّمَانِهِ حَتّٰى قَالَ آخِرَ شَيْءٍ كَلَّمَهُمْ بِهِ عَلٰى مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ مَا لَمْ أُنْهَ عَنْهُ فَنَزَلَتْ " مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَ لَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ " وَنَزَلَتْ " اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ "

صحیح البخاری: رقم الحدیث 3884

ترجمہ: حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ابو طالب کی وفات کا وقت قریب آیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے۔ اس وقت ان کے پاس ابو جہل بھی بیٹھا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا:

اے میرے چچا! لا الہ الا اللہ کلمہ پڑھ لیجیے تا کہ میں اس کلمے کے ذریعے اللہ کے ہاں آپ کے حق میں گواہی دے سکوں۔ اس پر ابو جہل اور عبد اللہ بن ابی امیہ کہنے لگے: اے ابو طالب! کیا آپ عبد المطلب کے دین سے منحرف ہو جائیں گے؟ وہ یہ بات مسلسل کہتے رہے حتیٰ کہ ابو طالب نے اپنی آخری بات یہ کہی کہ میں عبد المطلب کے دین پر ہوں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے جب تک روکا نہ گیا تو اس وقت تک میں اللہ تعالیٰ سے آپ کے لیے استغفار کرتا رہوں گا۔ چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی: (ترجمہ یہ ہے کہ) نبی اور ایمان لانے والوں کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ مشرکین کے لیے استغفار کریں خواہ وہ ان کے قریبی عزیز ہی کیوں نہ ہوں۔

(2): عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذُكِرَ عِنْدَهُ عَمُّهُ أَبُو طَالِبٍ فَقَالَ: لَعَلَّهُ تَنْفَعُهُ شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَيُجْعَلُ فِي ضَحْضَاحٍ مِنْ نَارٍ يَبْلُغُ كَعْبَيْهِ، يَغْلِي مِنْهُ دِمَاغُهُ.

صحیح مسلم: رقم الحدیث 210

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ابو طالب کا ذکر کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شائد قیامت کے دن میری شفاعت سے انہیں نفع پہنچے گا تو انہیں مقام ضحضاح میں لے جایا جائے گا جہاں آگ میں ان کے پاؤں ہوں گے جس سے ان کا دماغ کھولے گا۔

ان نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو طالب کی وفات حالتِ ایمان میں نہیں ہوئی۔

اشکال:

قرآن کریم کی آیت " خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَ لَا

هُمْ يُنْظَرُوْنَ (سورۃ البقرۃ: 162) سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کے عذاب میں تخفیف نہیں ہوگی جبکہ صحیح مسلم کی حدیث مذکور (رقم الحدیث 210) سے معلوم ہورہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے ابو طالب کے عذاب میں تخفیف ہوگی۔

اسی طرح ابو لہب کے بارے میں صحیح البخاری میں موجود ہے:

قَالَ عُرْوَةُ: وثُوَيْبَةُ مَوْلَاةٌ لِأَبِي لَهَبٍ كَانَ أَبُو لَهَبٍ أَعْتَقَهَا فَأَرْضَعَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا مَاتَ أَبُو لَهَبٍ أُرِيَهُ بَعْضُ أَهْلِهِ بِشَرِّ حِيبَةٍ قَالَ لَهُ: مَاذَا لَقِيتَ؟ قَالَ أَبُو لَهَبٍ: لَمْ أَلْقَ بَعْدَكُمْ غَيْرَ أَنِّي سُقِيتُ فِي هٰذِهِ بِعَتَاقَتِي ثُوَيْبَةَ.

صحیح البخاری: رقم الحدیث 5101

ترجمہ: حضرت عروہ کہتے ہیں: ثویبہ ابو لہب کی باندی تھی جسے ابو لہب نے آزاد کر دیا تھا۔ ثویبہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا تھا۔ جب ابو لہب فوت ہوا تو اس کے اہل خانہ میں سے کسی کو خواب میں دکھایا گیا کہ وہ انتہائی بری حالت میں ہے۔ خواب دیکھنے والے نے اس سے پوچھا کہ تمہارے ساتھ کیا معاملہ پیش آیا؟ تو ابو لہب نے جواب دیا: جب سے میں تم سے جدا ہوا ہوں (یعنی فوت ہوا ہوں) تو مجھے کبھی بھی آرام نہیں ملا، ہاں البتہ ثوبیہ کو آزاد کرنے کی وجہ سے مجھے اتنی سی مقدار (یعنی انگلی اور انگوٹھے کے درمیان گڑھا کی مقدار کے برابر پانی) پلایا جاتا ہے۔

بظاہر یہ دونوں روایتیں اس آیت کے خلاف ہیں۔

جواب:

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جو عذاب جس جہنمی کے حق میں متعین ہو جائے اس میں کمی نہیں ہوگی اور ابو طالب اور ابو لہب کے حق میں اتنا ہی عذاب متعین ہے، لہذا اس میں کمی نہیں ہوگی۔ چنانچہ امام ابو عبد اللہ محمد بن محمد ابن عَرَفَۃ المالکی (ت 803ھ) ابو طالب اور ابو لہب کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(الْعَذَابُ) الَّذِي اسْتَحَقَّهُ كُلٌّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا وَنَزَلَ بِهِ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُ مِنْهُ.

تفسیر ابن عرفۃ: ج2 ص481 تحت قولہ تعالیٰ "لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ" سورۃ البقرۃ: 162

ترجمہ: جس عذاب کی تخفیف نہیں ہو گی اس سے مراد وہ عذاب ہے جو اِن دونوں (ابو طالب اور ابو لہب) کے حق میں متعین ہو چکا ہے اور انہیں مل رہا ہے اس میں کمی نہیں کی جائے گی۔

اولادِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

وَقَاسِمٌ وَطَاهِرٌ وَإِبْرَاهِيمُ كَانُوا بَنِي رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفَاطِمَةُ وَرُقَيَّةُ وَزَيْنَبُ وَأُمُّ كُلْثُومٍ كُنَّ جَمِيعًا بَنَاتِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ: قاسم، طاہر اور ابراہیم؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے ہیں اور فاطمہ، رقیہ، زینب اور ام کلثوم یہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیاں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اولاد کی نعمت سے نوازا تھا۔ آپ کے تین بیٹے اور چار بیٹیاں تھیں۔ ان کے مختصر حالات یہ ہیں:

قاسم:

یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے بیٹے ہیں۔ نبوت ملنے سے پہلے پیدا ہوئے تھے۔ راجح قول کے مطابق سترہ ماہ کے ہو کر فوت ہوئے۔ اسی کی طرف نسبت کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت "ابو القاسم" تھی۔

طاہر:

آپ دوسرے بیٹے ہیں۔ آپ قاسم کے بعد پیدا ہوئے۔ انہیں "عبد اللہ"

اور "طیب" بھی کہا جاتا ہے۔ ان کا انتقال بھی بچپن ہی میں دو سال کی عمر میں ہوا۔

ابراہیم:

تیسرے بیٹے ابراہیم ہیں۔ ان کی پیدائش مدینہ منورہ میں سنہ 8 ہجری میں ہوئی۔ ان کی پیدائش پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بہت زیادہ خوش ہوئے۔ ان کا انتقال بھی سولہ یا سترہ ماہ کی عمر میں مدینہ میں ہوا۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ان کی وفات پر سخت دکھ کا اظہار فرمایا۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا:

آپ سب سے بڑی بیٹی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے دس سال پہلے ان کی پیدائش ہوئی۔ ان کی پیدائش کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک تیس سال تھی۔ ان کی شادی حضرت ابو العاص لقیط بن الربیع رضی اللہ عنہ سے ہوئی جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بہن حضرت ہالہ بنت خویلد کے بیٹے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت ملی تو حضرت زینب ایمان لائیں لیکن ان کے خاوند ایمان نہ لائے۔ جب جنگِ بدر ہوئی تو ابو العاص اس میں گرفتار ہو کر مدینہ آئے۔ حضرت زینب باوجود مسلمان ہوتے ہوئے ابھی تک مکہ مکرمہ ہی میں مقیم تھیں۔ ابو العاص نے مدینہ سے ان کے پاس ایک قاصد بھیجا کہ فدیہ کی رقم بھیج دیں تاکہ یہ اس کے بدلے آزاد ہو سکیں۔ حضرت زینب کے پاس ایک قیمتی ہار تھا جو انہیں ان کی والدہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنا نے دیا تھا۔ حضرت زینب نے فدیہ کی رقم کے ساتھ وہ ہار بھی اپنے گلے سے اتار کر مدینہ بھیج دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر جب اس ہار پر پڑی تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی یاد تازہ ہو گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم آبدیدہ ہو گئے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ اگر تم لوگوں کی مرضی ہو تو میں اپنی بیٹی کو اس کی ماں کی یادگار یہ ہار واپس کر دوں۔ یہ سن کر تمام صحابہ رضی اللہ عنہ نے سر تسلیم

ختم کیا اور یہ ہار حضرت زینب کے پاس واپس مکہ بھیج دیا گیا۔ ابو العاص کی رہائی پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے وعدہ لیا کہ مکہ پہنچ کر میری بیٹی کو میرے پاس مدینہ منورہ بھیج دیں! انہوں نے وعدہ کے مطابق حضرت زینب کو اپنے بھائی کنانہ کی حفاظت میں مدینہ بھیج دیا۔ بالآخر حضرت ابو العاص نے بھی 7 ہجری میں اسلام قبول کیا اور مکہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ آپ رضی اللہ عنہا کا انتقال سن 12 ہجری میں ہوا۔

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا:

آپ دوسری بیٹی ہیں۔ آپ عمر میں حضرت زینب سے تین سال چھوٹی ہیں۔ اعلانِ نبوت سے سات سال قبل پیدا ہوئیں۔ ان کی ولادت کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک 33 سال تھی۔ ان کا پہلا نکاح عتبہ بن ابی لہب سے ہوا تھا۔ جب سورت "تَبَّتۡ یَدَاۤ اَبِیۡ لَهَبٍ وَّتَبَّ" نازل ہوئی تو ابو لہب اس پر غصہ ہوا۔ اس نے بیٹے کو حکم دیا تو اس نے حضرت رقیہ کو طلاق دے دی۔ یہ صرف نکاح ہوا تھا، رخصتی ابھی نہ ہوئی تھی۔ بعد میں جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تو ان کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دیا گیا۔ دونوں میاں بیوی نے حبشہ کی طرف ہجرت بھی کی۔ آپ کا ایک بیٹا بھی پیدا ہوا تھا جس کا نام عبد اللہ تھا، بچپن میں ہی اس کا انتقال ہو گیا تھا۔ سن 2 ہجری میں آپ کی وفات ہوئی۔

حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا:

آپ تیسری بیٹی ہیں۔ حضرت رقیہ سے ایک سال چھوٹی ہیں۔ اعلان نبوت سے 6 سال پہلے پیدا ہوئیں۔ ان کی ولادت کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک 34 سال تھی۔ ان کا پہلا نکاح ابو لہب کے بیٹے عتیبہ سے ہوا تھا لیکن اس نے طلاق دے دی تھی۔ یہ بھی صرف نکاح ہوا تھا، رخصتی نہ ہوئی تھی۔ دوسرا نکاح حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا۔

سن 9 ہجری میں آپ کی وفات ہوئی۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا:

آپ سب سے چھوٹی صاحبزادی ہیں۔ بعثت کے پانچویں سال میں مکہ مکرمہ میں آپ کی ولادت ہوئی۔ آپ کا نکاح حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بے حد محبت فرماتے تھے۔ ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: فاطمہ میری جان کا حصہ ہے، پس جس نے اسے ناراض کیا تو گویا اس نے مجھے ناراض کیا۔ آپ کے ہاں دو بیٹے؛ حسن اور حسین اور دو بیٹیاں ؛زینب اور ام کلثوم پیدا ہوئیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے چھ ماہ بعد انتقال فرما گئیں۔

علم توحید کے مسائل سمجھنے میں دشواری کا حل

وَإِذَا أُشْكِلَ عَلَى الْإِنْسَانِ شَيْءٌ مِنْ دَقَائِقِ عِلْمِ التَّوْحِيْدِ فَإِنَّهُ يَنْبَغِيْ لَهُ أَنْ يَعْتَقِدَ فِي الْحَالِ مَا هُوَ الصَّوَابُ عِنْدَ اللهِ تَعَالٰى إِلٰى أَنْ يَجِدَ عَالِمًا فَيَسْأَلَهُ وَلَا يَسَعُهُ تَأْخِيْرُ الطَّلَبِ وَلَا يُعْذَرُ بِالْوَقْفِ فِيْهِ وَيُكَفَّرُ إِنْ وَقَفَ فِيْهِ.

ترجمہ: انسان کو اگر علم توحید کے مسائل (جو ذات وصفات باری تعالیٰ سے متعلق ہیں) سمجھنے میں دشواری پیش آئے تو اسے چاہیے کہ فی الحال تو یہ عقیدہ رکھے کہ اس مسئلہ میں جو بات اللہ تعالیٰ کے ہاں درست ہے بس میرا ابھی وہی عقیدہ ہے تاوقتیکہ اسے کوئی عالم مل جائے تو اس سے صحیح عقیدہ معلوم کر لے۔ اس کے لیے ان مسائل میں کسی قسم کی تاخیر کی گنجائش نہیں۔ اگر کوئی شخص ان مسائل میں توقف اختیار کرے تو اس کا یہ عذر قابلِ قبول نہیں ہو گا بلکہ اس بارے میں توقف کرنے والے شخص پر فتویٰ کفر لگایا جائے گا۔

عقائد؛ دین کی بنیاد ہیں۔ انہی پر اسلام کی عمارت کا دارومدار ہے۔ اگر بنیاد موجود نہ ہو تو عمارت کا وجود ممکن نہیں۔ اسی طرح اگر عقائد موجود نہ ہوں تو اسلام کی عمارت بھی قائم نہیں رہ سکتی۔ لہذا عقائد کو اہمیت کے ساتھ سیکھنا ہر شخص پر لازم ہے۔

اگر کبھی ایسا معاملہ پیش آجائے کہ انسان کو عقائد خصوصاً توحید کا کوئی دقیقہ سمجھ میں نہ آرہا ہو تو اسے چاہیے کہ اس عقیدہ کے متعلق اجمالاً یہ اعتقاد رکھے کہ جو موقف اس بارے میں حق و صواب ہے میں وہی اختیار کرتا ہوں۔ ساتھ ساتھ اس دقیقہ کو حل کرنے کے لیے کسی عالم کی طرف رجوع کرنا بھی لازم ہے۔ عقائد کے معاملہ میں کسی قسم کی تاخیر برداشت نہیں۔ اس لیے اگر کوئی شخص عقائد ضروریہ کے معاملہ میں سستی سے کام لے یا عقائد سمجھنے میں توقف و تاخیر کا مظاہرہ کرے تو ایسے شخص کو کافر قرار دیا جائے گا۔ وجہ یہ ہے کہ توقف کرنے سے اس عقیدہ میں شک پیدا ہو گا کہ آیا صحیح موقف کیا ہے! اور شک کرنا انکار کے مترادف ہے۔ اس لیے عقائد کے باب میں خوب توجہ سے کام لینا چاہیے۔

معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان

وَخَبَرُ الْمِعْرَاجِ حَقٌّ مَنْ رَدَّهُ فَهُوَ مُبْتَدِعٌ ضَالٌّ.

ترجمہ: واقعہ معراج برحق ہے۔ جو شخص اس کا انکار کرے وہ بدعتی اور گمراہ ہے۔

واقعہ معراج:

معراج آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعزاز بھی ہے اور اعجاز بھی ہے۔ اعزاز اس لیے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بعد کائنات کی سب سے بڑی ہستی ہیں

اور ابو جہل اس کائنات کا سب سے گھٹیا انسان ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنا بڑا ہونے کے باوجود کائنات کے سب سے چھوٹے شخص کی زیادتی کو اللہ تعالیٰ کے لیے برداشت کیا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس قربانی کا بدلہ یہ دیا کہ عرش جس کے اوپر کوئی اور مکان نہیں، تک لے جا کر آپ کو عزت دی ہے۔ یہ اعزاز ہے۔

معراج؛ اعجاز بھی ہے کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی نشانی ہے جس نے دوسروں کو اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز کر دیا ہے۔

سفر معراج نبوت کے گیارھویں سال میں ہوا۔ راجح قول کے مطابق رجب کی 27ویں تاریخ تھی۔

سفر معراج کے حصے:

یہ سفر دو حصوں پر مشتمل ہے:

1: مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک، اسے "اسراء" کہتے ہیں۔

2: بیت المقدس سے لے کر ملأ اعلیٰ تک، اسے "معراج" کہتے ہیں۔

پہلے حصے کا ذکر قرآن مجید میں ہے (سورۃ الاسراء: 1) اور دوسرے حصے کا ذکر احادیث متواترہ میں ہے۔ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کا سفر براق کے ذریعے ہوا اور بیت المقدس سے آگے تک کا سفر سیڑھی کے ذریعے ہوا۔

اس سفر کا آغاز یوں ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام ہانی کے گھر آرام فرما رہے تھے کہ یکایک چھت پھٹی اور حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے۔ آپ کو جگایا اور مسجد حرام کی طرف لے گئے۔ وہاں جا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم حطیم کعبہ میں لیٹے اور سو گئے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیدار کیا اور زمزم کے کنویں پر لے گئے۔ وہاں لٹا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ

کو چاک کیا اور قلب مبارک کو نکالا اور زمزم کے پانی سے دھویا۔ ایک سونے کا تشت لایا گیا جس میں ایمان و حکمت بھرا ہوا تھا۔ اس ایمان و حکمت سے آپ کے مبارک سینے کو بھر دیا گیا اور پھر سینہ کو سی دیا گیا۔ بعد ازاں براق لایا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر سوار کیا گیا۔ براق پر سفر شروع ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ سے بیت المقدس پہنچے۔ اس دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ، مدین، طور سیناء اور بیت اللحم اترے اور جبرائیل امین علیہ السلام کے کہنے پر ان مقامات میں دو دو رکعت نماز ادا فرمائی۔

اس زمینی سفر میں کئی واقعات پیش آئے۔ صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: معراج کی رات میرا گزر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ہوا، میں نے دیکھا کہ وہ اپنی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے۔ اسی راستہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایسی قوم پر ہوا جن کے ناخن تانبے کے تھے اور وہ ان ناخنوں کے ساتھ اپنے چہروں اور سینوں کو چھیل رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ غیبت کرنے والے لوگ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا جو نہر میں تیر رہا تھا اور پتھروں کو لقمہ بنا بنا کر کھا رہا تھا۔ پوچھنے پر حضرت جبرائیل امین نے بتایا کہ یہ سود خور ہے۔ غرض اس طرح کے کئی واقعات پیش آئے۔

بیت المقدس پہنچنے پر دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھی۔ تمام انبیاء علیہم السلام پہلے ہی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظار میں موجود تھے۔ ایک مؤذن نے اذان دی، پھر اقامت کہی۔ تمام انبیاء علیہم السلام صف باندھ کر انتظار میں کھڑے تھے کہ کون امامت کرے گا؟! حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھایا۔ تمام انبیاء علیہم السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز

ادا کی۔ انبیاء علیہم السلام کی یہ نماز روح مع الجسد تھی۔

اس کے بعد حضرت جبرائیل علیہ السلام اور دیگر ملائکہ کے ہمراہ آسمانوں کی طرف عروج فرمایا۔ آسمانوں پر مختلف انبیاء علیہم السلام سے ملاقات ہوئی۔ پہلے آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام، دوسرے آسمان پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام، تیسرے آسمان پر حضرت یوسف علیہ السلام، چوتھے آسمان پر حضرت ادریس علیہ السلام، پانچویں آسمان پر حضرت ہارون علیہ السلام، چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ بعد ازاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سدرۃ المنتہیٰ کی طرف لے جایا گیا جو ساتویں آسمان پر ایک بیری کا درخت ہے۔ زمین سے جو چیز اوپر جاتی ہے وہ سدرۃ المنتہیٰ پر جا کر رک جاتی ہے پھر وہاں سے اوپر اٹھائی جاتی ہے اور ملأ اعلیٰ سے جو چیز اترتی ہے وہ سدرۃ المنتہیٰ پر آکر ٹھہر جاتی ہے، پھر وہاں سے نیچے اترتی ہے۔ اس مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل امین کو ان کی اصلی صورت میں دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حق جل مجدہ کے عجیب وغریب انوارات و تجلیات کا مشاہدہ کیا اور بے شمار فرشتے اور سونے کے پتنگے دیکھے جو سدرۃ المنتہیٰ کو گھیرے ہوئے تھے۔ سدرۃ المنتہی کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت اور جہنم دکھائی گئی۔ اس کے بعد مقام صریف الاقلام پر پہنچے۔ لکھنے کے وقت قلم کی جو آواز پیدا ہوتی ہے اسے صریف الاقلام کہتے ہیں۔ ملائکہ امور الٰہیہ کی کتابت کر رہے تھے اور احکام خداوندی کو لوحِ محفوظ سے نقل کر رہے تھے۔

مقامِ صریف الاقلام سے آگے چل کر حجاب طے کرتے ہوئے بارگاہِ قدس میں پہنچے، یہاں دیدار خداوندی اور بلا واسطہ ہمکلامی کا شرف حاصل ہوا۔ یہ زیارت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آنکھوں سے کی ہے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تین چیزیں تحفہ دیں؛(۱) پانچ وقت کی نمازیں، (۲) خواتیم سورۃ

البقرۃ یعنی سورۃ البقرہ کی آخری آیتوں کا مضمون اور (۳) یہ کہ آپ کی امت میں سے جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے تو اللہ تعالیٰ اس کے کبیرہ گناہوں سے درگزر فرمائے گا یعنی کبیرہ گناہوں کے مرتکب کو کفار کی طرح ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں نہ ڈالے گا بلکہ اپنے فضل و کرم سے سزا دیے بغیر یا قانونِ عدل سے سزا دے کر جنت میں داخل فرمادے گا۔

اس کے بعد آسمانوں سے واپسی ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اولاً بیت المقدس میں اترے۔ وہاں سے براق پر سوار ہو کر صبح ہونے سے پہلے ہی مکہ پہنچ گئے۔ صبح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ واقعہ قریش کے سامنے بیان کیا تو لوگ حیران ہو گئے، بعض نے تالیاں بجائیں اور ازراہِ تعجب کہا کہ ایک رات میں اتنا لمبا سفر کیسے طے ہو سکتا ہے؟! جن لوگوں نے بیت المقدس دیکھا ہوا تھا تو وہ اس کے متعلق سوال کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے حجابات اٹھا کر بیت المقدس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظروں کے سامنے کر دیا اور آپ نے ان لوگوں کے سوالات کے صحیح صحیح جوابات دیے۔

معراج کے منکر کا حکم:

سفر معراج کے دو حصے ہیں:

1: بیت اللہ سے لے کر بیت المقدس تک

2: بیت المقدس سے لے کر آسمانوں تک

پہلا حصہ نص قرآنی سے ثابت ہے اور اس کا انکار کفر ہے۔ دوسرا حصہ خبر مشہور سے ثابت ہے اور اس کا منکر کافر نہیں بلکہ مبتدع اور گمراہ ہے۔

☼ علامہ کمال الدین محمد بن عبد الواحد بن عبد الحمید سکندری الحنفی المعروف ابن الہمام (ت 861ھ) لکھتے ہیں:

وَمُنْكِرُ الْمِعْرَاجِ إِنْ أَنْكَرَ الْإِسْرَاءَ إِلٰى بَيْتِ الْمُقَدَّسِ فَكَافِرٌ وَإِنْ أَنْكَرَ الْمِعْرَاجَ مِنْهُ مُبْتَدِعٌ انْتَهٰى مِنَ الْخُلَاصَةِ.

فتح القدیر لابن الہمام: ج1 ص350 کتاب الصلاۃ. فصل فی القرآۃ

ترجمہ: معراج کے منکر کے بارے میں یہ تفصیل ہے کہ اگر وہ (بیت اللہ سے لے کر) بیت المقدس تک کے سفر کا منکر ہے تو ایسا شخص کافر ہے اور اگر معراج (یعنی بیت المقدس سے لے کر آسمانوں تک کے سفر) کا منکر ہے تو بدعتی ہے۔ خلاصۃ الفتاویٰ میں بھی یہی مذکور ہے۔

☼ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

وَمَنْ أَنْكَرَ الْمِعْرَاجَ يُنْظَرُ إِنْ أَنْكَرَ الْإِسْرَاءَ مِن مَّكَّةَ إِلٰى بَيْتِ الْمَقْدِسِ فَهُوَ كَافِرٌ وَإِنْ أَنْكَرَ الْمِعْرَاجَ من بَيْتِ الْمَقْدِسِ لَا يَكْفُرُ.

فتاویٰ عالمگیری: ج1 ص84 کتاب الصلاۃ الباب الخامس فی الامامۃ

ترجمہ: معراج کا منکر اگر مکہ سے لے کر بیت المقدس تک کے سفر کا منکر ہے تو کافر ہے اور اگر بیت المقدس سے آگے (آسمانوں تک) کے سفر کا منکر ہے تو کافر نہیں ہے (بلکہ مبتدع اور فاسق ہے)۔

فائدہ نمبر 1:

بعض حضرات نے معراج کے تین حصے بیان فرمائے اور ہر ایک کا حکم الگ بیان فرمایا۔

☼ شیخ احمد بن ابی سعید بن عبد اللہ بن عبد الرزاق الحنفی المعروف "ملا جیون" (ت1130ھ) لکھتے ہیں:

قَالَ أَهْلُ السُّنَّةِ بِأَجْمَعِهِمْ: إِنَّ الْمِعْرَاجَ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصٰى قَطْعِيٌّ ثَابِتٌ بِالْكِتَابِ وَإِلٰى سَمَاءِ الدُّنْيَا ثَابِتٌ بِالْخَبَرِ الْمَشْهُوْرِ وَإِلٰى مَا فَوْقَهٗ مِنَ السَّمَاوَاتِ

ثَابِتٌ بِالْآحَادِ فَمُنْكِرُ الْأَوَّلِ كَافِرٌ اَلْبَتَّةَ وَمُنْكِرُ الثَّانِيْ مُبْتَدِعٌ مُضِلٌّ وَمُنْكِرُ الثَّالِثِ فَاسِقٌ.

التفسیرات الاحمدیۃ: ص503 تفسیر سورۃ بنی اسرائیل

ترجمہ: تمام اھل السنۃ کا موقف یہ ہے کہ (بیت اللہ سے) بیت المقدس تک سفر معراج کتاب اللہ سے، وہاں سے آسمانِ دنیا تک سفر کرنا خبرِ مشہور سے اور وہاں سے آگے آسمانوں تک سفر کرنا خبر آحاد سے ثابت ہے۔ اس لیے جو پہلی قسم کا منکر ہو وہ کافر ہے، جو دوسری قسم کا منکر ہو وہ بدعتی ہے اور جو تیسری قسم کا منکر ہو وہ فاسق وگناہگار ہے۔

☼ فقیہ الامت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی (ت1416ھ) فرماتے ہیں:

"معراج جسمانی مسجد اقصیٰ تک بحالت یقظہ نص قطعی سے ثابت ہے اس کا انکار کفر ہے اور سماء دنیا تک خبر مشہور سے ثابت ہے اس کا منکر مضل اور مبتدع ہے اور سماء دنیا سے آگے جنت وعرش وغیرہ تک خبر واحد سے ثابت ہے اس کا منکر فاسق ہے۔"

فتاویٰ محمودیہ: ج1 ص395 باب مایتعلق بالانبیاء واَتباعھم

فائدہ نمبر2:

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے معراج کے ایک حصہ کا حکم بیان فرمایا، باقی کا بیان نہیں فرمایا۔

علامات قیامت کا بیان

وَخُرُوْجُ الدَّجَّالِ وَيَأْجُوْجَ وَمَأْجُوْجَ وَطُلُوْعُ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا وَنُزُوْلُ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنَ السَّمَاءِ وَسَائِرُ عَلَامَاتِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ عَلٰى مَا وَرَدَتْ بِهِ الْأَخْبَارُ الصَّحِيْحَةُ حَقٌّ كَائِنٌ.

ترجمہ: دجال اور یاجوج ماجوج کا نکلنا، سورج کا مغرب سے طلوع ہونا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نازل ہونا، اسی طرح باقی علاماتِ قیامت جو صحیح روایات میں وارد ہوئی ہیں برحق ہیں اور ضرور واقع ہوں گی۔

علامات قیامت دو قسم کی ہیں؛ علامات صغریٰ اور علامات کبریٰ۔

"علامات صغریٰ" سے مراد وہ علامتیں ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے لے کر حضرت مہدی علیہ الرضوان کی آمد تک وقوع پذیر ہوں گی۔ ان میں سے کچھ علامات ظاہر ہو چکی ہیں اور کچھ باقی ہیں۔

"علامات کبریٰ" سے مراد وہ علامتیں ہیں جو حضرت مہدی علیہ الرضوان کی آمد سے لے کر نفخہ اولیٰ تک ظاہر ہوں گی۔

علامات صغریٰ: کئی احادیث مبارکہ میں ان کا ذکر موجود ہے۔ دو احادیث ملاحظہ ہوں:

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: لَأُحَدِّثَنَّكُمْ حَدِيْثًا لَا يُحَدِّثُكُمُوْهُ أَحَدٌ بَعْدِيْ سَمِعْتُهُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: "لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ - وَإِمَّا قَالَ: مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ -أَنْ يُرْفَعَ الْعِلْمُ وَيَظْهَرَ الْجَهْلُ وَيُشْرَبَ الْخَمْرُ وَيَظْهَرَ الزِّنَا وَيَقِلَّ الرِّجَالُ وَيَكْثُرَ النِّسَاءُ حَتّٰى

يَكُوْنَ لِلْخَمْسِيْنَ امْرَأَةً الْقَيِّمُ الْوَاحِدُ".

صحیح البخاری: رقم الحدیث 6708

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں تم سے ایک ایسی حدیث بیان کروں گا کہ میرے بعد اسے کوئی نہیں بیان کرے گا۔ میں نے یہ حدیث نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی یا یوں فرمایا کہ قیامت کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ علم ختم ہو جائے گا اور جہالت پھیل جائے گی، شراب پی جانے لگے گی اور زنا عام ہو جائے گا، مرد کم ہو جائیں گے اور عورتوں کی تعداد زیادہ ہو جائے گی حتیٰ کہ پچاس عورتوں کی خبر گیری لینے والا ایک ہی مرد رہ جائے گا۔

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِذَا اتُّخِذَ الْفَيْءُ دُوَلًا وَالْأَمَانَةُ مَغْنَمًا وَالزَّكٰوةُ مَغْرَمًا وَتُعُلِّمَ لِغَيْرِ الدِّيْنِ وَأَطَاعَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ وَعَقَّ أُمَّهُ وَأَدْنٰى صَدِيْقَهُ وَأَقْصٰى أَبَاهُ وَظَهَرَتِ الْأَصْوَاتُ فِي الْمَسَاجِدِ وَسَادَ الْقَبِيْلَةَ فَاسِقُهُمْ وَكَانَ زَعِيْمُ الْقَوْمِ أَرْذَلَهُمْ وَأُكْرِمَ الرَّجُلُ مَخَافَةَ شَرِّهٖ وَظَهَرَتِ الْقَيْنَاتُ وَالْمَعَازِفُ وَشُرِبَتِ الْخُمُوْرُ وَلَعَنَ آخِرُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ أَوَّلَهَا فَلْيَرْتَقِبُوْا عِنْدَ ذٰلِكَ رِيْحًا حَمْرَاءَ وَزَلْزَلَةً وَخَسْفًا وَمَسْخًا وَقَذْفًا وَآيَاتٍ تَتَابَعُ كَنِظَامٍ بَالٍ قُطِعَ سِلْكُهُ فَتَتَابَعَ".

جامع الترمذی: رقم الحدیث 2211

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب مال فئے کو ذاتی دولت، امانت کو مال غنیمت، زکوٰۃ کی ادائیگی کو تاوان سمجھا جائے، دین کی تعلیم کسی اور مقصد کے لیے حاصل کی جائے، آدمی اپنی بیوی کی فرمانبرداری کرے اور اپنی والدہ کی نافرمانی کرے، دوست کو قریب کرے اور اپنے والد کو دور کرے، مساجد میں آوازیں بلند ہونے لگیں، قبیلہ کا بدکار آدمی قوم کی

سرداری کرے، قوم کا ذمہ دار ان کا کمینہ شخص ہو، آدمی کی عزت اس کے شر کے خوف سے کی جائے، گانے والی عورتیں اور باجے عام ہو جائیں، شراب بکثرت پی جائے اور اس امت کے آخری دور کے لوگ اپنے سے پہلے والوں پر لعنت بھیجیں تو اس وقت تم سرخ آندھی، زلزلے، زمین میں دھنسنے، صورتیں مسخ ہونے، آسمان سے پتھر برسنے اور ان نشانیوں کا انتظار کرنا جو اس ہار کی لڑی کی طرح مسلسل ظاہر ہوں گی جس کا دھاگہ ٹوٹ گیا ہو اور اس کے دانے پے در پے گرنے لگیں۔

ان روایات سے قیامت کی علامات صغریٰ یہ معلوم ہوتی ہیں:

1: علم کا ختم ہو جانا اور جہالت کا پھیل جانا

2: شراب کا بکثرت پیا جانا

3: زنا کا عام ہونا

4: مردوں کی تعداد کم جبکہ عورتوں کی تعداد کا زیادہ ہونا

5: مال غنیمت کو ذاتی مال سمجھنا

6: امانت میں خیانت کرنا

7: زکوٰۃ کی ادائیگی کو تاوان اور بوجھ سمجھنا

8: دینی تعلیم کو دنیوی مقصد کے لیے حاصل کرنا

9: بیوی کی بات ماننا اور والدہ کی نافرمانی کرنا

10: دوست کو قریب کرنا اور والد سے دوری اختیار کرنا

11: مساجد میں شور و غل کی آوازیں بلند ہونا

12: قبیلہ کی سرداری بدکار آدمی کے ہاتھ آنا

13: کمینوں کا قوم کا ذمہ دار بننا

14: شریر لوگوں کی عزت ان کے شر سے بچنے کے لیے کیا جانا

15: گانے اور موسیقی کے آلات کا عام ہونا

16: امت کے آخری دور کے لوگوں کا پہلے دور کے لوگوں پر لعنت کرنا

علامات کبریٰ:

قیامت کی علامات کبریٰ دس ہیں۔ اختصار سے ذکر کی جاتی ہیں:

1: حضرت مہدی علیہ الرضوان کی آمد

حضرت مہدی علیہ الرضوان کی آمد قیامت کی بڑی نشانیوں میں سے پہلی نشانی ہے۔ آپ کا نام محمد اور والد کا نام عبد اللہ ہو گا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد میں سے ہوں گے۔ سیرت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ ہوں گے یعنی ان کے اخلاق واطوار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح ہوں گے البتہ صورت اور شکل و شباہت میں مشابہ نہیں ہوں گے۔ مدینہ منورہ کے رہنے والے ہوں گے۔ مکہ مکرمہ میں ان کا ظہور ہو گا، شام اور عراق کے اولیاء اور ابدال بیت اللہ کے طواف کے دوران انہیں پہچان لیں گے اور ان کے ہاتھ پر بیعت کریں گے۔ پہلے ان کی حکومت عرب میں ہو گی پھر ساری دنیا میں پھیل جائے گی۔ ان کے دور حکومت میں عدل و انصاف کا دور دورہ ہو گا۔ آپ کا عمل شریعت محمدیہ کے مطابق ہو گا۔ آپ کے زمانہ میں دجال نکلے گا اور انہی کے زمانہ بادشاہت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے جامع مسجد دمشق کے مشرقی منارہ پر فجر کی نماز کے قریب نازل ہوں گے اور امام مہدی کے پیچھے نماز ادا فرمائیں گے۔ امام مہدی؛ عیسائیوں سے جہاد کریں گے اور قسطنطنیہ کو فتح کریں گے۔ بیت المقدس میں آپ کا انتقال ہو گا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپ کی نماز جنازہ پڑھائیں گے اور آپ بیت المقدس ہی میں دفن ہوں گے۔

عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ رَحِمَهُ اللهُ قَالَ: كُنَّا عِنْدَ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا

فَتَذَاكَرْنَا الْمَهْدِيَّ، فَقَالَتْ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "الْمَهْدِيُّ مِنْ وَلَدِ فَاطِمَةَ"

سنن ابن ماجة: رقم الحدیث 4086

ترجمہ: حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر تھے کہ حضرت مہدی کا تذکرہ ہوا۔ آپ رضی اللہ عنہا فرمانے لگیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ مہدی میری بیٹی فاطمہ کی اولاد میں سے ہوں گے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا تَذْهَبُ الدُّنْيَا حَتّٰى يَمْلِكَ الْعَرَبَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ بَيْتِي يُوَاطِئُ اسْمُهُ اسْمِي."

سنن الترمذی: رقم الحدیث 2230

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دنیا اس وقت تک ختم نہیں ہو گی جب تک کہ میرے اہل بیت سے ایک شخص عرب پر حکومت نہ کرلے، اس شخص کا نام میرے نام کی طرح ہو گا۔

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "يَكُونُ اخْتِلَافٌ عِنْدَ مَوْتِ خَلِيفَةٍ فَيَخْرُجُ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ هَارِبًا إِلَى مَكَّةَ فَيَأْتِيهِ نَاسٌ مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ فَيُخْرِجُونَهُ وَهُوَ كَارِهٌ فَيُبَايِعُونَهُ بَيْنَ الرُّكْنِ وَالْمَقَامِ وَيُبْعَثُ إِلَيْهِ بَعْثٌ مِنَ الشَّامِ فَيُخْسَفُ بِهِمْ بِالْبَيْدَاءِ بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِينَةِ فَإِذَا رَأَى النَّاسُ ذٰلِكَ أَتَاهُ أَبْدَالُ الشَّامِ وَعَصَائِبُ أَهْلِ الْعِرَاقِ فَيُبَايِعُونَهُ بَيْنَ الرُّكْنِ وَالْمَقَامِ ثُمَّ يَنْشَأُ رَجُلٌ مِنْ قُرَيْشٍ أَخْوَالُهُ كَلْبٌ فَيَبْعَثُ إِلَيْهِمْ بَعْثًا فَيَظْهَرُونَ عَلَيْهِمْ وَذٰلِكَ بَعْثُ كَلْبٍ وَالْخَيْبَةُ لِمَنْ لَمْ يَشْهَدْ غَنِيمَةَ كَلْبٍ فَيَقْسِمُ الْمَالَ وَيَعْمَلُ فِي النَّاسِ بِسُنَّةِ نَبِيِّهِمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيُلْقِي الْإِسْلَامُ بِجِرَانِهِ إِلَى الْأَرْضِ فَيَلْبَثُ سَبْعَ سِنِينَ ثُمَّ يُتَوَفّٰى

وَيُصَلِّي عَلَيْهِ الْمُسْلِمُونَ".

سنن ابی داؤد: رقم الحدیث 4286

ترجمہ: حضرت ام سلمہ زوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک خلیفہ کی وفات کے وقت امت میں اختلاف ہو گا (کہ کس کو خلیفہ بنائیں) تو ایک شخص مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کی طرف بھاگ نکلے گا تو مکہ والوں میں سے کچھ لوگ ان کے پاس آئیں گے انہیں باہر لائیں گے (یعنی وہ کسی گھر میں ہوں گے تو لوگ وہاں سے ان کو باہر لائیں گے) حالانکہ یہ بات انہیں ناپسند ہو گی۔ یہ لوگ ان کے ہاتھ پر مقام ابراہیم اور حجرِ اسود کے درمیان بیعت کریں گے۔ (بیعت کے بعد) ان کی طرف شام سے ایک لشکر روانہ ہو گا لیکن اسے مکہ اور مدینہ کے درمیان مقام بیداء میں دھنسا دیا جائے گا۔ جب لوگ یہ منظر دیکھیں گے تو پھر ان کے پاس ابدالِ شام اور اہلِ عراق کی جماعتیں آنا شروع ہوں گی اور رکنِ یمانی اور مقام ابراہیم کے درمیان ان سے بیعت کریں گی۔ پھر قریش میں سے ایک شخص نکلے گا جس کا ننھیال قبیلہ بنو کلب ہوں گے، وہ شخص ان کی طرف ایک لشکر بھیجے گا تو یہ (یعنی امام مہدی کا لشکر) ان پر غالب آئیں گے۔ یہی بنی کلب کا لشکر ہو گا۔ ناکام رہے وہ شخص جو بنو کلب کے مال غنیمت میں حاضر نہ ہو! وہ شخص (یعنی امام مہدی) مال غنیمت تقسیم کریں گے اور لوگوں میں ان کے نبی کی سنت کو جاری کریں گے۔ اس وقت اسلام اپنی گردن زمین میں ڈال دے گا (یعنی جس طرح اونٹ جب سکون سے بیٹھتا ہے تو اپنی گردن زمین پہ بچھا دیتا ہے، اسی طرح یہ دور بھی اسلام کے لیے امن وسکون کا دور ہو گا) وہ (یعنی امام مہدی) سات سال تک حکمرانی کریں گے۔ پھر وفات پا جائیں گے اور مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھیں گے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " كَيْفَ

أَنْتُمْ إِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْيَمَ فِيْكُمْ وَإِمَامُكُمْ مِنْكُمْ."

صحیح مسلم: رقم الحدیث 155

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہاری خوشی کا اس وقت کیا عالم ہوگا جب حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام تم میں نازل ہوں گے اور تمہارا امام تم میں سے ہوگا۔ (یعنی امام مہدی کی اقتداء کریں گے)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

"وَسَيَخْرُجُ مِنْ صُلْبِهِ رَجُلٌ يُسَمّٰى بِاسْمِ نَبِيِّكُمْ يُشْبِهُهُ فِي الْخُلُقِ وَلاَ يُشْبِهُهُ فِي الْخَلْقِ"

سنن ابی داؤد: رقم الحدیث 4290

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے ایسا شخص پیدا ہوگا جس کا نام تمہارے پیغمبر کے نام جیسا ہوگا۔ وہ اخلاق واطوار میں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح ہوگا لیکن شکل وشباہت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ نہیں ہوگا۔

2: دجال کا نکلنا

دجال کا نکلنا دوسری بڑی علامت ہے جو احادیث متواترہ اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ "دجال" ایک خاص کافر شخص کا نام ہے جو قوم یہود سے ہوگا اور "مسیح" اس کا لقب ہوگا۔ اس کی ایک آنکھ میں انگور کے دانے کے برابر ناخونہ ہوگا، دونوں آنکھوں کے درمیان "ک ف ر" لکھا ہوا ہوگا۔

دجال کا خروج اس زمانے میں ہوگا جب امام مہدی علیہ الرضوان نصاریٰ سے جہاد کرتے ہوئے قسطنطنیہ کو فتح فرما کر شام واپس آئیں گے اور شہر دمشق میں مقیم ہو کر مسلمانوں کے انتظام میں مصروف ہوں گے۔ اس وقت دجال شام اور عراق کے

درمیان سے نکلے گا اور نبوت کا دعویٰ کرے گا۔ پھر اصفہان آئے گا۔ وہاں ستر ہزار یہودی اس کے تابع ہو جائیں گے۔ بعدازاں وہ خدائی کا دعوی کرے گا اور زمین میں فساد پھیلاتا پھرے گا۔ حق تعالیٰ بندوں کے امتحان کے لیے اس کے ہاتھ سے قسم قسم کے کرشمے اور شعبدے ظاہر فرمائیں گے۔ یمن سے ہو کر مکہ مکرمہ کا رخ کرے گا مگر مکہ مکرمہ پر فرشتوں کا پہرہ ہو گا اس لیے دجال مدینہ منورہ کا ارادہ کرے گا۔ مدینہ منورہ کے دروازوں پر بھی فرشتوں کا پہرہ ہو گا اس لیے دجال مدینہ منورہ میں داخل نہ ہو سکے گا۔ بالآخر پھر پھرا کر شام واپس آئے گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دمشق کی جامع مسجد کے شرقی منارہ پر فجر کی نماز کے وقت دو فرشتوں کے بازوؤں پر ہاتھ رکھے ہوئے آسمان سے نازل ہوں گے اور اس لعین کو قتل کریں گے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مجمع میں کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا:

"أَنْذَرْتُكُمُ الْمَسِيحَ وَهُوَ مَمْسُوحُ الْعَيْنِ" -قَالَ أَحْسِبُهُ قَالَ الْيُسْرَى- يَسِيرُ مَعَهُ جِبَالُ الْخُبْزِ وَأَنْهَارُ الْمَاءِ عَلَامَتُهُ يَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ أَرْبَعِينَ صَبَاحًا يَبْلُغُ سُلْطَانُهُ كُلَّ مَنْهَلٍ لَا يَأْتِي أَرْبَعَةَ مَسَاجِدَ الْكَعْبَةَ وَمَسْجِدَ الرَّسُولِ وَالْمَسْجِدَ الْأَقْصَى وَالطُّورَ.

مسند احمد: ج16 ص520 رقم الحدیث 22984

ترجمہ: میں نے تمہیں مسیح دجال سے ڈرایا تھا۔ اس کی ایک آنکھ خراب ہے، جو برابر کر دی گئی ہے یعنی مسخ کی ہوئی آنکھ والا ہے - راوی کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات بائیں آنکھ کے متعلق ارشاد فرمائی تھی - اور اس کے ساتھ روٹیوں کے پہاڑ اور پانی کی نہریں چل رہی ہوں گی۔ دجال کی علامت یہ ہو گی کہ وہ زمین میں چالیس دن رہے گا اور ہر جگہ جائے گا سوائے چار مسجدوں کے۔ وہ چار

مسجدیں یہ ہیں؛ کعبہ، مسجد رسول، مسجد اقصیٰ اور مسجد طور۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ حَدَّثَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيثًا طَوِيلًا عَنِ الدَّجَّالِ فَكَانَ فِيمَا حَدَّثَنَا بِهِ أَنْ قَالَ يَأْتِي الدَّجَّالُ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْهِ أَنْ يَدْخُلَ نِقَابَ الْمَدِينَةِ بَعْضَ السِّبَاخِ الَّتِي بِالْمَدِينَةِ فَيَخْرُجُ إِلَيْهِ يَوْمَئِذٍ رَجُلٌ هُوَ خَيْرُ النَّاسِ أَوْ مِنْ خَيْرِ النَّاسِ فَيَقُولُ: أَشْهَدُ أَنَّكَ الدَّجَّالُ الَّذِي حَدَّثَنَا عَنْكَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيثَهُ فَيَقُولُ الدَّجَّالُ: أَرَأَيْتَ إِنْ قَتَلْتُ هٰذَا ثُمَّ أَحْيَيْتُهُ هَلْ تَشُكُّونَ فِي الْأَمْرِ؟ فَيَقُولُونَ: لَا! فَيَقْتُلُهُ ثُمَّ يُحْيِيهِ فَيَقُولُ حِينَ يُحْيِيهِ: وَاللهِ مَا كُنْتُ قَطُّ أَشَدَّ بَصِيرَةً مِنِّي الْيَوْمَ. فَيَقُولُ الدَّجَّالُ: أَقْتُلُهُ فَلَا أُسَلَّطُ عَلَيْهِ.

صحیح البخاری: رقم الحدیث 1882

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کے متعلق ایک طویل حدیث بیان فرمائی۔ اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ دجال مدینہ منورہ کی ایک کھاری زمین تک پہنچے گا لیکن اس پر مدینے میں داخل ہونا حرام ہو گا۔ اس دن ایک شخص اس دجال کی طرف نکل کر اس کے سامنے آئے گا۔ یہ شخص لوگوں میں سب سے بہترین شخص ہو گا یا (یہ فرمایا کہ) یہ شخص بزرگ ترین لوگوں میں سے ہو گا۔ یہ شخص دجال سے کہے گا کہ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ تو وہی دجال ہے جس کے متعلق ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی۔ دجال لوگوں کو کہے گا: کیا میں اسے قتل کر کے پھر زندہ کر دوں تو تم لوگوں کو میرے بارے میں کوئی شک وشبہ باقی رہ جائے گا؟ لوگ (جو اس کے حواری ہوں گے) کہیں گے: ہمیں کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہے گا۔ اس وقت دجال اس شخص کو قتل کر کے پھر زندہ کر دے گا۔

جب دجال اسے زندہ کرے گا تو وہ شخص کہے گا: قسم بخدا! اب تو مجھے پورا یقین ہو گیا ہے کہ تو ہی دجال ہے۔ دجال کہے گا: لاؤ! میں اسے پھر قتل کرتا ہوں لیکن اس مرتبہ وہ اس پر قادر نہ ہو سکے گا۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ أَطُوفُ بِالْكَعْبَةِ فَإِذَا رَجُلٌ آدَمُ سَبْطُ الشَّعَرِ يَنْطُفُ أَوْ يُهَرَاقُ رَأْسُهُ مَاءً قُلْتُ مَنْ هَذَا قَالُوا ابْنُ مَرْيَمَ ثُمَّ ذَهَبْتُ أَلْتَفِتُ فَإِذَا رَجُلٌ جَسِيمٌ أَحْمَرُ جَعْدُ الرَّأْسِ أَعْوَرُ الْعَيْنِ كَأَنَّ عَيْنَهُ عِنَبَةٌ طَافِيَةٌ قَالُوا هٰذَا الدَّجَّالُ أَقْرَبُ النَّاسِ بِهِ شَبَهًا ابْنُ قَطَنٍ رَجُلٌ مِنْ خُزَاعَةَ."

صحیح البخاری: رقم الحدیث 7128

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں ایک بار سو رہا تھا کہ خواب میں دیکھتا ہوں کہ ایک گندمی رنگ کا آدمی ہے، جس کے سیدھے بال ہیں، سر سے پانی ٹپک رہا ہے۔ میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ تو جواب دینے والوں نے جواب دیا کہ یہ ابن مریم علیہ السلام ہیں۔ پھر میں نے دیکھا کہ ایک بھاری بھرکم جسم، سرخ رنگت، گھنگھریالے بال اور ایک آنکھ سے نابینا شخص ہے اور اس کی آنکھ لٹکے ہوئے انگور کے دانے جیسی ہے۔ مجھے بتانے والوں نے بتایا کہ یہ دجال ہے۔ دجال کی شکل ابن قطن سے ملتی جلتی ہے جو بنو خزاعہ کا ایک شخص ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَهُوَ أَعْوَرُ وَإِنَّ رَبَّكُمْ لَيْسَ بِأَعْوَرَ مَكْتُوبٌ بَيْنَ عَيْنَيْهِ كَافِرٌ ك ف ر مُهَجَّاةٌ يَقْرَؤُهُ كُلُّ مُؤْمِنٍ كَاتِبٌ وَغَيْرُ كَاتِبٍ.

مسند احمد: ج12 ص33 رقم الحدیث 14895

ترجمہ: دجال کانا ہو گا جبکہ تمہارا رب کانا نہیں ہے۔ دجال کی دونوں آنکھوں کے

درمیان کافر "ک، ف، ر" لکھا ہو گا جو ہر مومن پڑھ لے گا خواہ وہ لکھنا پڑھنا جانتا ہو یا نہ جانتا ہو۔

3: عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نازل ہونا

تیسری علامت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نازل ہونا ہے۔ کانے دجال کا خروج ہو چکا ہو گا اور امام مہدی دمشق کی جامع مسجد میں نماز فجر کے لیے تیاری میں ہوں گے۔ یکایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے دمشق کی جامع مسجد کے شرقی منارہ پر دو فرشتوں کے بازوؤں پر ہاتھ رکھے ہوئے نزول فرمائیں گے اور نماز سے فراغت کے بعد امام مہدی کی معیت میں دجال پر چڑھائی کریں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سانس میں یہ تاثیر ہو گی کہ کافر اس کی تاب نہ لا سکے گا، اس کے پہنچتے ہی مر جائے گا اور دجال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھتے ہی ایسا پگھلنے لگے گا جیسے چربی پگھلتی ہے۔ (بعض روایات میں آیا ہے کہ ایسے پگھلنے لگے گا جس طرح نمک پانی میں پگھل جاتا ہے) حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کا تعاقب کریں گے اور "باب لد" پر جا کر اس کو اپنے نیزے سے قتل کریں گے اور اس کا خون مسلمانوں کو دکھائیں گے۔ اس کے بعد لشکر اسلام دجال کے لشکر کا مقابلہ کرے گا۔ اس لشکر میں جو یہودی ہوں گے مسلمانوں کا لشکر ان کو خوب قتل کرے گا۔ اس طرح زمین دجال اور یہود کے ناپاک وجود سے پاک ہو جائے گی۔

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "كَيْفَ أَنْتُمْ إِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْيَمَ مِنَ السَّمَاءِ فِيْكُمْ وَإِمَامُكُمْ مِنْكُمْ."

کتاب الاسماء والصفات للبیہقی: ج2 ص166 باب قول اللہ عزوجل "إني متوفيك"

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہاری خوشی کا اس وقت کیا عالم ہو گا جب حضرت عیسیٰ بن

مریم علیہ السلام تم میں آسمان سے نازل ہوں گے اور تمہارا امام تم میں سے ہو گا۔ (یعنی امام مہدی کی اقتداء کریں گے)

اس حدیث میں لفظ "مِنَ السَّمَآءِ" کی صراحت ہے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مہدی علیہ الرضوان دو الگ الگ شخصیتیں ہیں۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: يَنْزِلُ الْمَسِيحُ بْنُ مَرْيَمَ، فَإِذَا رَآهُ الدَّجَّالُ ذَابَ كَمَا تَذُوبُ الشَّحْمَةُ، قَالَ: فَيَقْتُلُ الدَّجَّالَ.

مصنف ابن ابی شیبۃ: ج15 ص144 رقم الحدیث 38649

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام نازل ہوں گے۔ جب دجال ان کو دیکھے گا تو (ڈر کی وجہ سے) ایسے پگھلنے لگے گا جیسے چربی پگھلتی ہے۔ فرمایا: پھر وہ دجال کو قتل کر دیں گے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "وَالَّذِي نَفْسُ أَبِي الْقَاسِمِ بِيَدِهِ لَيَنْزِلَنَّ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ إِمَامًا مُقْسِطًا وَحَكَمًا عَدْلًا، فَلَيَكْسِرَنَّ الصَّلِيبَ، وَلَيَقْتُلَنَّ الْخِنْزِيرَ، وَلَيُصْلِحَنَّ ذَاتَ الْبَيْنِ، وَلَيُذْهِبَنَّ الشَّحْنَاءَ، وَلَيُعْرَضَنَّ عَلَيْهِ الْمَالُ فَلَا يَقْبَلُهُ، ثُمَّ لَئِنْ قَامَ عَلَى قَبْرِي فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ! لَأُجِيبَنَّهُ."

مسند ابی یعلیٰ الموصلی: ص1149 رقم الحدیث 6577

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں ابو القاسم کی جان ہے عیسیٰ بن مریم ایک عادل حکمران بن کر ضرور نازل ہوں گے، صلیب کو توڑیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، باہمی عداوتیں جو پیدا ہو چکی

ہوں گی انہیں ختم کریں گے، آپس کا بغض ختم ہو جائے گا، اس وقت کوئی مال دے گا تو قبول کرنے والا کوئی نہ ہو گا۔ پھر وہ میری قبر پہ آئیں گے اور یا محمد! کہیں گے تو میں ضرور جواب دوں گا۔

4: یاجوج ماجوج کا نکلنا

حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ

سورۃ الانبیاء:96

ترجمہ: یہاں تک کہ یاجوج ماجوج کھول دیے جائیں گے اور وہ ہر بلند جگہ سے پھسلتے نظر آئیں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول اور دجال کی ہلاکت کے کچھ عرصہ بعد امام مہدی انتقال فرما جائیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کی نماز جنازہ پڑھائیں گے۔ بیت المقدس میں ان کا انتقال ہو گا اور وہیں مدفون ہوں گے۔ امام مہدی کی وفات کے بعد مسلمانوں کی قیادت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سپرد ہو گی اور زمانہ نہایت سکون اور راحت سے گزر رہا ہو گا کہ یکایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہو گا کہ اے عیسیٰ! تم میرے بندوں کو کوہ طور کے پاس لے جاؤ! میں اب ایک ایسی قوم کو نکالنے والا ہوں کہ جس کے ساتھ لڑنے کی کسی کو طاقت نہیں۔ وہ قوم یاجوج ماجوج کی قوم ہے جو یافث بن نوح کی اولاد میں سے ہے۔

شاہ ذو القرنین نے دو پہاڑوں کے درمیان ایک نہایت مستحکم آہنی دیوار قائم کر کے ان کا راستہ بند کر دیا تھا۔ قیامت کے قریب وہ دیوار ٹوٹ جائے گی اور یہ غارت گر قوم ٹڈی دل کی طرح ہر طرف سے نکل پڑے گی اور دنیا میں فساد پھیلائے گی۔ اس کا ذکر قرآن کریم کی ان آیات میں موجود ہے:

حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا

(٩٣) قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَ مَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰٓى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَ بَيْنَهُمْ سَدًّا (٩٤) قَالَ مَا مَكَّنِّيْ فِيْهِ رَبِّيْ خَيْرٌ فَاَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمْ رَدْمًا ۙ(٩٥) اٰتُوْنِيْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انْفُخُوْا ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوْنِيْٓ اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا ؕ(٩٦) فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَ مَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا (٩٧) قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا (٩٨)

سورۃ الکہف: 93 تا 98

ترجمہ: یہاں تک کہ جب وہ (ذوالقرنین) دو پہاڑوں کے درمیان جا پہنچا تو اسے پہاڑوں سے پہلے چند لوگ ملے جو بات کو مشکل سے سمجھتے تھے۔ انہوں نے کہا: اے ذو القرنین! یاجوج اور ماجوج زمین میں بہت فساد پھیلاتے رہتے ہیں۔ تو کیا ہم آپ کو کچھ رقم دیں جس کے عوض آپ ہمارے اور ان کے درمیان کوئی دیوار بنا دیں! ذوالقرنین نے کہا: اللہ نے مجھے جس حکومت سے نوازا ہے وہی میرے لیے بہتر ہے۔ البتہ تم لوگ محنت سے میری مدد کرو تو میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط دیوار بنا دوں گا۔ تم لوگ مجھے لوہے کے تختے دے دو! یہاں تک کہ جب اس نے پہاڑوں کا درمیانی حصہ برابر کر دیا تو کہا کہ اب آگ دہکاؤ یہاں تک کہ جب اس دیوار کو آگ کی طرح کر دیا تو کہا کہ اب میرے پاس پگھلا ہوا تانبا لے آؤ تاکہ میں اسے اس پر ڈال دوں۔ بالآخر (دیوار ایسی مضبوط قائم ہو گئی کہ) یاجوج ماجوج نہ اس پر چڑھ سکتے تھے اور نہ ہی اس میں کوئی سوراخ کر سکتے تھے۔ ذوالقرنین نے فرمایا: یہ میرے رب کی رحمت سے ہوا ہے۔ پھر جب میرے رب کے وعدے کا وقت آئے گا تو وہ اسے ریزہ ریزہ کر دے گا اور میرے رب کا وعدہ سچا ہے۔

اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے ساتھیوں کو لے کر کوہِ طور کی طرف

چلے جائیں گے۔ بارگاہ خداوندی میں یاجوج ماجوج کے حق میں طاعون کی ہلاکت کی دعا کریں گے جب کہ باقی لوگ اپنے اپنے طور پر قلعہ بند اور محفوظ مکانوں میں چھپ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ یاجوج ماجوج کو طاعون کی وباء سے ہلاک کرے گا اور اس بلائے آسمانی سے سب مر جائیں گے۔ اس کے بعد اللہ تعالی لمبی گردن والے پرندے بھیجے گا جو بعض کو تو کھا جائیں گے اور بعض کو اٹھا کر سمندر میں ڈال دیں گے۔ پھر بارش ہوگی جس کے سبب ان مرداروں کی بدبو سے نجات ملے گی اور زندگی نہایت راحت اور آرام سے گزرے گی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام چالیس یا پینتالیس سال زندہ رہ کر مدینہ منورہ میں انتقال فرمائیں گے اور روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں دفن ہوں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے بعد ایک قحطانی شخص کو اپنا خلیفہ مقرر کر جائیں گے جس کا نام ”جہجاہ“ ہوگا، خوب اچھی طرح عدل وانصاف کے ساتھ حکومت کرے گا مگر ساتھ ہی شر اور فساد پھیلنا شروع ہو جائے گا۔

حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَيَبْعَثُ اللهُ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ وَهُمْ مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُونَ فَيَمُرُّ أَوَائِلُهُمْ عَلَى بُحَيْرَةِ طَبَرِيَّةَ فَيَشْرَبُونَ مَا فِيهَا وَيَمُرُّ آخِرُهُمْ فَيَقُولُونَ لَقَدْ كَانَ بِهٰذِهٖ مَرَّةً مَاءٌ وَيُحْصَرُ نَبِيُّ اللهِ عِيسٰى وَأَصْحَابُهٗ حَتّٰى يَكُونَ رَأْسُ الثَّوْرِ لِأَحَدِهِمْ خَيْرًا مِنْ مِائَةِ دِينَارٍ لِأَحَدِكُمُ الْيَوْمَ فَيَرْغَبُ نَبِيُّ اللهِ عِيسٰى وَأَصْحَابُهٗ فَيُرْسِلُ اللهُ عَلَيْهِمُ النَّغَفَ فِي رِقَابِهِمْ فَيُصْبِحُونَ فَرْسٰى كَمَوْتِ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ ثُمَّ يَهْبِطُ نَبِيُّ اللهِ عِيسٰى وَأَصْحَابُهٗ إِلَى الْأَرْضِ فَلَا يَجِدُونَ فِي الْأَرْضِ مَوْضِعَ شِبْرٍ إِلَّا مَلَأَهٗ زَهَمُهُمْ وَنَتْنُهُمْ فَيَرْغَبُ نَبِيُّ اللهِ عِيسٰى وَأَصْحَابُهٗ إِلَى اللهِ فَيُرْسِلُ اللهُ طَيْرًا كَأَعْنَاقِ الْبُخْتِ فَتَحْمِلُهُمْ فَتَطْرَحُهُمْ حَيْثُ شَاءَ اللهُ ثُمَّ يُرْسِلُ اللهُ مَطَرًا لَا يَكُنُّ مِنْهُ

بَيْتُ مَدَرٍ وَلَا وَبَرٍ فَيَغْسِلُ الْأَرْضَ حَتّٰى يَتْرُكَهَا كَالزَّلَفَةِ ثُمَّ يُقَالُ لِلْأَرْضِ أَنْبِتِي ثَمَرَتَكِ وَرُدِّي بَرَكَتَكِ فَيَوْمَئِذٍ تَأْكُلُ الْعِصَابَةُ مِنَ الرُّمَّانَةِ وَيَسْتَظِلُّونَ بِقِحْفِهَا وَيُبَارَكُ فِي الرِّسْلِ حَتّٰى أَنَّ اللِّقْحَةَ مِنَ الْإِبِلِ لَتَكْفِي الْفِئَامَ مِنَ النَّاسِ وَاللِّقْحَةَ مِنَ الْبَقَرِ لَتَكْفِي الْقَبِيلَةَ مِنَ النَّاسِ وَاللِّقْحَةَ مِنَ الْغَنَمِ لَتَكْفِي الْفَخِذَ مِنَ النَّاسِ فَبَيْنَمَا هُمْ كَذٰلِكَ إِذْ بَعَثَ اللّٰهُ رِيحًا طَيِّبَةً فَتَأْخُذُهُمْ تَحْتَ آبَاطِهِمْ فَتَقْبِضُ رُوحَ كُلِّ مُؤْمِنٍ وَكُلِّ مُسْلِمٍ وَيَبْقٰى شِرَارُ النَّاسِ يَتَهَارَجُونَ فِيهَا تَهَارُجَ الْحُمُرِ فَعَلَيْهِمْ تَقُومُ السَّاعَةُ.

صحیح مسلم: رقم الحدیث 5228

ترجمہ: اللہ تعالیٰ یاجوج ماجوج کو بھیجے گا اور وہ ہر بلند جگہ سے پھسل رہے ہوں گے۔ یاجوج ماجوج کے لشکر کا پہلا حصہ بحیرہ طبریہ سے گزرے گا تو اس کا سارا پانی پی جائے گا۔ پھر جب لشکر کا دوسرا حصہ وہاں سے گزرے گا تو وہ کہے گا: اس جگہ کبھی پانی ہوا کرتا تھا۔ اس دوران اللہ کے نبی حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام اور ان کے ساتھی گھرے ہوئے ہوں گے اور (قحط اتنا سخت ہو گا کہ) اس وقت بیل کی ایک سری ان کے لیے سو دینار سے بہتر سمجھی جائے گی۔ پھر عیسیٰ بن مریم اور ان کے ساتھی اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں گے تو اللہ تعالیٰ یاجوج وماجوج کی گردنوں میں ایک کیڑا پیدا کر دے گا جس کی وجہ سے وہ سارے کے سارے یکدم مر جائیں گے جس طرح ایک جان مرتی ہے۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی (پہاڑ سے) اتر آئیں گے لیکن نیچے ایک بالشت بھی ایسی جگہ نہ ہو گی جو ان کی لاشوں کی گندگی، بدبو اور خون سے بھری ہوئی نہ ہو۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی اللہ کی طرف متوجہ ہوں گے تو (ان کی دعا کو قبول کرتے ہوئے) اللہ تعالیٰ اتنے بڑے بڑے پرندوں کو بھیجے گا جن کی گردنیں بختی اونٹوں کی گردنوں کی طرح لمبی لمبی ہوں گی۔ وہ پرندے ان لاشوں کو

اٹھا کر وہاں پھینک دیں گے جہاں اللہ تعالیٰ چاہیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کے لیے ایسی بارش برسائے گا جو ہر کچے پکے گھر تک پہنچے گی۔ یہ بارش زمین کو اس طرح صاف ستھرا دھو دے گی کہ وہ آئینے کی طرح صاف شفاف ہو جائے گی۔ پھر زمین کو حکم دیا جائے گا کہ پھل پھول اور اپنی برکات واپس لا۔ چنانچہ اس وقت (برکت اتنی ہو جائے گی کہ) ایک انار ایک جماعت کے لیے کافی ہو گا۔ اس کے چھلکے سے یہ جماعت سایہ حاصل کرے گی۔ نیز دودھ میں ایسی برکت ہو گی کہ لوگوں کی ایک بڑی جماعت کے لیے ایک دودھ دینے والی اونٹنی کافی ہو گی اور دودھ دینے والی ایک گائے لوگوں کے ایک قبیلے کے لیے کافی ہو جائے گی۔ اسی طرح دودھ دینے والی ایک بکری لوگوں میں سے ایک چھوٹے گھرانے کو کافی ہو گی۔ لوگ اسی حال میں (خیر وبرکت کے ساتھ ایک عرصہ میں) رہیں گے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہوا بھیجیں گے جس سے مسلمانوں کی بغل میں پھوڑا نکلے گا اور یوں سارے مسلمانوں کی ارواح کو قبض کر لے گی اور باقی لوگ گدھوں کی طرح کھلے عام زنا کریں گے۔ انہی لوگوں پر قیامت بپا ہو گی۔

5: سورج کا مغرب سے نکلنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے وقوع سے پہلے سورج مغرب سے نکلے گا اور یہ وہ وقت ہو گا جب توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ اس وقت ایمان لانا مفید ثابت نہ ہو گا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ تَابَ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا تَابَ اللهُ عَلَيْهِ.

صحیح مسلم: رقم الحدیث 4870

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے سورج کے مغرب سے طلوع ہونے سے پہلے پہلے توبہ کر

لی تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرمائے گا۔

حضرت حذیفہ بن اسید غفاری رضی اللہ عنہ کی روایت جس میں قیامت کی دس علامات کا ذکر ہے، اس میں یہ الفاظ ہیں:

طُلُوعُ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا.

سنن ابی داؤد: رقم الحدیث 4311

ترجمہ: (کہ قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہو گی جب تک دس علامات ظاہر نہ ہو جائیں، ان میں سے ایک) سورج کا مشرق کے بجائے مغرب سے طلوع ہونا ہے۔

6: دابۃ الارض کا نکلنا

قیامت کی ایک بڑی نشانی زمین سے دآبۃ الارض کا نکلنا ہے، جو نص قرآنی سے ثابت ہے:

وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ ۙ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ

سورۃ النمل: 82

ترجمہ: اور جب ہماری بات پوری ہونے کا وقت ان لوگوں کے پاس آ پہنچے گا (یعنی قیامت قریب ہو گی) تو ہم ان کے لیے زمین سے ایک جانور نکالیں گے جو ان سے باتیں کرے گا (یہ جانور ہم اس لیے نکالیں گے) کہ لوگ ہماری آیتوں پر یقین نہیں رکھتے تھے۔

جس روز آفتاب مغرب سے طلوع ہو گا اس کے چند روز بعد مکہ مکرمہ کے ”صفا“ پہاڑ سے یہ عجیب الخلقت جانور نکلے گا۔ جس طرح اللہ نے اپنی قدرت سے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو پتھر سے نکالا تھا اسی طرح اپنی قدرت سے قیامت کے قریب زمین سے یہ جانور نکالیں گے جو لوگوں سے کلام کرے گا اور قیامت کی

خبر دے گا۔ مومنین کے چہروں پر ایک نورانی نشانی لگائے گا جس سے ان کے چہرے روشن ہو جائیں گے اور کافروں کی آنکھوں کے درمیان ایک مہر لگائے گا جس سے ان کے چہرے سیاہ ہو جائیں گے۔ حسب ارشاد باری تعالیٰ " وَ امْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ "(اے مجرم لوگو! آج الگ ہو جاؤ) مسلم اور مجرم کا امتیاز اس طرح شروع ہو جائے گا اور پورا امتیاز حساب و کتاب کے بعد ہو گا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "تَخْرُجُ الدَّابَّةُ وَمَعَهَا خَاتَمُ سُلَيْمَانَ بْنِ دَاوُدَ، وَعَصَا مُوسَى بْنِ عِمْرَانَ، عَلَيْهِمَا السَّلَامُ، فَتَجْلُو وَجْهَ الْمُؤْمِنِ بِالْعَصَا، وَتَخْطِمُ أَنْفَ الْكَافِرِ بِالْخَاتِمِ حَتَّى أَنَّ أَهْلَ الْحِوَاءِ لَيَجْتَمِعُونَ، فَيَقُولُ: هٰذَا يَا مُؤْمِنُ وَيَقُولُ هٰذَا يَا كَافِرُ".

سنن ابن ماجۃ: رقم الحدیث 4066

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دابۃ الارض جب نکلے گا تو اس کے پاس حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام کا عصا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی ہو گی۔ وہ عصا کے ذریعے مسلمانوں کے چہروں کو روشن کرے گا اور انگوٹھی کے ذریعے کافروں کے چہروں پر نشان لگائے گا یہاں تک کہ جب ایک محلہ کے لوگ جمع ہوں گے تو ایک شخص کہے گا: اے مومن! اور دوسرا شخص کہے گا: اے کافر!

مطلب یہ ہے کہ دابۃ الارض کے نشانات لگانے کی وجہ سے مومن اور کافر میں واضح امتیاز محسوس ہو گا کہ لوگ مومن کا نشان دیکھ کر اسے "اے مومن!" کہہ کر پکاریں گے اور کافر کا نشان دیکھ کر اسے "اے کافر!" کہہ کر پکاریں گے۔ یعنی کفر و ایمان اب چھپ نہ سکے گا بلکہ اب ظاہر ہو جائے گا۔

7: ٹھنڈی ہوا کا چلنا

دابۃ الارض کے نکلنے کے کچھ عرصے بعد ایک ٹھنڈی ہوا چلے گی جس سے تمام اہل ایمان اور اہل خیر مر جائیں گے یہاں تک کہ اگر کوئی مؤمن کسی غار یا پہاڑ میں چھپا ہوا ہو گا تو وہاں بھی یہ ہوا پہنچے گی اور وہ شخص اس ہوا سے مر جائے گا۔ نیک لوگ سب مر جائیں گے تو نیکی اور بدی میں فرق کرنے والا بھی کوئی باقی نہ رہے گا۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ثُمَّ يُرْسِلُ اللهُ رِيحًا بَارِدَةً مِنْ قِبَلِ الشَّأْمِ فَلَا يَبْقَى عَلَى وَجْهِ الْأَرْضِ أَحَدٌ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ خَيْرٍ أَوْ إِيمَانٍ إِلَّا قَبَضَتْهُ حَتَّى لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ دَخَلَ فِي كَبَدِ جَبَلٍ لَدَخَلَتْهُ عَلَيْهِ حَتَّى تَقْبِضَهُ.

صحیح مسلم: رقم الحدیث 5233

ترجمہ: پھر اللہ تعالیٰ ملک شام کی جانب سے ٹھنڈی ہوا چلائیں گے تو یہ ہوا ہر اس شخص کی روح قبض کر لے گی جس کے دل میں ذرہ برابر خیر یا ایمان ہو گا حتی کہ اگر کوئی مسلمان پہاڑ کے کسی غار میں چھپا ہو گا تو یہ ہوا اس کو بھی پہنچ کر اس کی روح کو بھی قبض کر لے گی۔

8: حبشیوں کا غلبہ اور خانہ کعبہ کو گرانا

بعد ازاں حبشہ کے کافروں کا غلبہ ہو گا اور زمین پر ان کی سلطنت ہو گی۔ ظلم اور فساد عام ہو گا۔ بے شرمی اور بے حیائی کھلم کھلا ہو گی۔ چوپایوں کی طرح لوگ سڑکوں پر جماع کریں گے۔ حبشی لوگ خانہ کعبہ کو شہید کر دیں گے۔

حدیث شریف میں ہے:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "اتْرُكُوا الْحَبَشَةَ مَا تَرَكُوكُمْ فَإِنَّهُ لَا يَسْتَخْرِجُ كَنْزَ الْكَعْبَةِ إِلَّا ذُو السُّوَيْقَتَيْنِ مِنَ الْحَبَشَةِ".

سنن ابی داوٗد: رقم الحدیث 4309

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حبشہ والوں کو چھوڑے رہو جب تک وہ تمہیں چھوڑے ہوئے ہیں خانہ کعبہ کے جمع ہونے والے خزانے کو چھوٹی چھوٹی پنڈلیوں والا ایک حبشی شخص ہی نکالے گا۔

9: آگ کا نکلنا

قیامت کی آخری نشانی یہ ہے کہ وسطِ عدن سے ایک آگ نکلے گی جو لوگوں کو گھیر کر ملک شام کی طرف ہانک کر لائے گی جہاں مرنے کے بعد حشر ہو گا (یعنی قیامت میں جو نئی زمین بنائی جائے گی اس کا وہ حصہ جو موجودہ زمین کے ملک شام کے مقابل ہو گا) یہ آگ لوگوں سے دن رات میں کسی وقت جدا نہ ہو گی اور جب صبح ہو گی اور آفتاب بلند ہو جائے گا تو یہ آگ لوگوں کو ہانک لے جائے گی۔ جب لوگ ملک شام میں پہنچ جائیں گے تو یہ آگ غائب ہو جائے گی۔

عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ أَسِيدٍ الْغِفَارِيِّ قَالَ كُنَّا قُعُودًا نَتَحَدَّثُ فِي ظِلِّ غُرْفَةٍ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرْنَا السَّاعَةَ فَارْتَفَعَتْ أَصْوَاتُنَا فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَنْ تَكُونَ - أَوْ لَنْ تَقُومَ - السَّاعَةُ حَتّٰى يَكُونَ قَبْلَهَا عَشْرُ آيَاتٍ طُلُوعُ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا وَخُرُوجُ الدَّابَّةِ وَخُرُوجُ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ وَالدَّجَّالُ وَعِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَالدُّخَانُ وَثَلَاثُ خُسُوفٍ خَسْفٌ بِالْمَغْرِبِ وَخَسْفٌ بِالْمَشْرِقِ وَخَسْفٌ بِجَزِيرَةِ الْعَرَبِ وَآخِرُ ذٰلِكَ تَخْرُجُ نَارٌ مِنَ

الْيَمَنِ مِنْ قَعْرِ عَدَنَ تَسُوقُ النَّاسَ إِلَى الْمَحْشَرِ ".

سنن ابی داوٗد: رقم الحدیث 4311

ترجمہ: حضرت حذیفہ بن اسید غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمرے کے سائے میں باتیں کر رہے تھے تو ہم نے قیامت کا تذکرہ کیا۔ ہماری آوازیں بلند ہوئیں (اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سن لیا) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہو گی جب تک دس علامات ظاہر نہ ہو جائیں: ۱.... سورج کا مشرق کے بجائے مغرب سے طلوع ہونا، ۲.... دابۃ الارض کا نکلنا، ۳.... یاجوج ماجوج کا نکلنا، ۴.... دجال کا نکلنا، ۵.... حضرت عیسیٰ علیہ السلام (کا آسمان سے نازل ہونا)، ۶.... دھویں کا نکلنا، ۷، ۸، ۹.... تین خسوف ہوں گے یعنی لوگ زمین میں دھنسنا شروع ہو جائیں گے، ایک خسوف مغرب میں، ایک مشرق میں اور ایک جزیرۃ العرب میں اور آخری ۱۰.... علامت یہ ہو گی کہ وسط عدن سے ملک یمن میں ایک آگ نکلے گی جو پوری انسانیت کو گھیرنا شروع کر دے گی، لوگ جہاں سونا چاہیں گے وہاں آگ رک جائے گی، جہاں کھائیں گے رک جائے گی، یہ آگ لوگوں کو میدانِ محشر سرزمین شام کی طرف لائے گی۔

اس کے کچھ عرصہ بعد کفر اور بت پرستی پھیل جائے گی اور زمین پر کوئی خدا کا نام لینے والا باقی نہ ہو گا۔ اس وقت قیامت قائم ہو گی اور حضرت اسرافیل کو صور پھونکنے کا حکم ہو گا۔

اختتام کتاب

وَاللّٰهُ تَعَالٰى يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اسے صراطِ مستقیم پر گامزن فرما دیتا ہے۔

دعائے اختتام

بحمد اللہ تعالیٰ امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت الکوفی رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف "الفقہ الاکبر" کی شرح بخیر وعافیت تکمیل کو پہنچی۔ ہم اس پر اللہ تعالیٰ کے بے حد شکر گزار ہیں جس نے ہمیں اس شرح کی تحریر کی توفیق بخشی۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق اسی طرح شاملِ حال رہی تو ان شاء اللہ باقی متون -جو ہمارے پیشِ نظر ہیں- کا بھی ترجمہ وتشریح پیش کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ اس "شرح الفقہ الاکبر" کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے، عوام و خواص کو اس سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے اور اسے میری، میرے اہلِ خانہ، مرکز اھل السنۃ والجماعۃ کے اساتذہ وعملہ اور خانقاہ حنفیہ کے متعلقین کی نجات کا ذریعہ بنائے۔ آمین بجاہ النبی الکریم وصلی اللہ علیہ وعلی آلہ وأصحابہ وأزواجہ وأهل بیتہ أجمعین.

محتاجِ دعا

استنبول، ترکی

جمعۃ المبارک؛ 7-ربیع الثانی 1442ھ 12-نومبر 2021ء